دجال
علیم الحق حقی
kitaabghar.com

دجّال...... یہودیوں کی آنکھ کا تارہ جسے عیسائیوں اور مسلمانوں کو تباہ و برباد اور نیست و نابود کرنے کا مشن سونپا جائے گا

انگریزی ادب سے درآمد ایک خوفناک ناول۔علیم الحق حقی کا شاندار اندازِ بیاں

علیم الحق حقی

(ڈیوڈ سیلٹزر)

علم و عرفان پبلشرز

34-اردو بازار لاہور

فون042-7352332-7232336

نوٹ:

انتساب!

اپنے بے حد محبت کرنے والے بھائی احمد انصاری کے
نام ان کا پیہم اصرار ہوتا تو میں نے یہ کہانی نہ لکھی ہوتی

ملنے کے پتے

مشتاق بک کارنر
الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور فون: 7230350

خزینہ علم وادب
اردو بازار لاہور فون 7314169

اشرف بک ایجنسی
کمیٹی چوک، راولپنڈی فون 5531610

کتاب گھر
کمیٹی چوک، راولپنڈی فون 5552929

رحمٰن بک ہاؤس
اردو بازار، کراچی

ویلکم بک پورٹ
اردو بازار، کراچی

پیش لفظ

ھذا من فضل ربی
الحمد اللہ

عشق کا شین کی پسندیدگی کا شکریہ اور تشنگی پر معذرت۔ حالانکہ یہ معذرت میں نے پہلے حصے کے پیش لفظ میں ہی کر لی تھی۔ میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ انشاء اللہ آخری حصے کے لیے آپ کو بہت طویل انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ لیکن اللہ کو کچھ اور منظور تھا۔ 27 دسمبر کی صبح مجھے ہارٹ اٹیک ہوا۔ جبکہ پہلا حصہ جنوری کے پہلے ہفتے میں مارکیٹ میں آیا۔ اللہ کی رحمت اور آپ سب کی دعاؤں سے میں دو ہفتے گھر بعد واپس آ گیا۔ لیکن لکھنا ممکن نہیں رہا۔ تین ماہ ضائع ہو گئے۔ میں آپ سے شرمندہ ہوں۔ مگر اب کام شروع کر دیا ہے۔

ڈاکٹر کی ہدایت پر جس دوران میں لکھنے سے گریزاں رہا، اس عرصے میں بھی الحمد اللہ بے کار نہیں رہا۔ اسی عرصے میں عشق کا قاف، کے خدوخال ذہن میں ابھرنے لگے۔ ایک خاکہ سا تیار ہو گیا۔ لکھنا میرا شوق، میری محبت ہے۔ اس کے بغیر میں ادھورا اور نامکمل ہوں۔ اب عشق کا شین کو تکمیل کی طرف بڑھاتے ہوئے زندگی کا بھرپور احساس ہو رہا ہے۔ اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے درازی عمر بالخیر سے نوازے اور اپنی رحمت اور فضل وکرم سے مجھ سے عشق کی یہ Trilogy مکمل کرائے جو عشق کا عین سے شروع ہوئی تھی اور انشاء اللہ عشق کا قاف پر ختم ہو گی۔

میں اپنے ان قارئین کا بہت شکر گزار ہوں، جنہوں نے بیت اللہ شریف میں میرے لیے دعائیں کیں۔ جنہوں نے علالت کے دوران فون پر اور خطوط کے ذریعے مجھے حوصلہ عطا کیا۔ اور میں آپ سب سے التجا کرتا ہوں کہ میرے لیے شفائے کاملہ اور درازی عمر کی دعا کرتے رہیں۔ تاکہ میں آپ کے لیے بہتر سے بہتر لکھتا رہوں۔

عشق کا شین کی خوب صورتی کو سراہنے والے خطوط بھی کثرت سے ملے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ کاغذ اور پرنٹنگ سے لے کر بائنڈنگ تک یہ کتاب بہت اعلیٰ معیار کی حامل ہے۔ اس سلسلے میں داد کے حق دار علم وعرفان پبلشرز کے گل فراز احمد ہیں۔ عشق کا شین انہوں نے بڑے کھلے دل سے، بے حد محبت کے ساتھ شائع کی ہے۔ انہیں جتنا بھی سراہا جائے کم ہے۔

میں اب اجازت چاہتا ہوں۔ آپ دجال پڑھیے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ اس کتاب کا بھی بہت بے چینی سے انتظار کرتے رہے ہیں۔ اب یہ تو آپ ہی بتا سکیں گے کہ یہ آپ کی توقعات پر پوری اتری یا نہیں۔ مجھے تو اب آپ کے تبصروں اور آرا کا انتظار رہے گا۔ ایک معذرت اور کرلوں۔ اب ای میل پر آپ مجھ سے رابطہ نہیں کر سکیں گے۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

والسلام

آپ کا اپنا
علیم الحق حقی

دجال (پیدائش اور بچپن)

فتنہ ساز

جو کچھ ہوا، ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں ہوا۔ وہ تغیر جو کہکشاں میں ہزاروں برسوں میں بتدریج رونما ہوا تحرک بنا تو پل جھپکنے میں واقع ہوگیا۔

کیپ ہیٹی کی آبزرویٹری میں ایک نوجوان ماہر فلکیات ششدر بیٹھے کا بیٹھا رہ گیا۔ اسے کیمرے کو چلانے میں ایک پل کی تاخیر ہوگئی۔ ورنہ کیمرہ اس واقعے کو ریکارڈ کر لیتا۔ اور ایک پل کی تاخیر بڑی تاخیر تھی۔ اسی سے اس واقعے کی سرعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

سب جانتے ہیں کہ آسمان میں ستاروں کی مختلف ترتیب نے بارہ مختلف اشکال اختیار کی ہیں، جنہیں بروج کہا جاتا ہے۔ تو اس لمحے تین بروج سے ٹوٹے ہوئے نکیلے ٹکڑوں نے مل کر اس سیاہ لیکن چمک دار ستارے کو جنم دیا۔ اس لمحے برج جدی، سرطان اور اسد سے اچانک وہ نکیلے ٹکڑے اڑے، ایک بے پناہ مقناطیسی کشش کے تحت باہم یک جا ہوئے اور جیسے سرد ہوتے ہوئے کوئلے میں تبدیل ہوگئے۔ پھر اس سیاہ ستارے میں چمک بڑھنے لگی اور تمام بروج لرزنے لگے...... یا یہ دوربین سنبھالنے والے ماہر فلکیات کے ہاتھ کی لرزش کا کمال تھا، جس نے اپنی بے ساختہ ، حیرت بھری چیخ کا گلا گھونٹنے کی کوشش کی تھی۔

اسے ڈر تھا کہ شاید اس کے سوا کسی کو اس واقعے کا علم نہیں۔ لیکن درحقیقت ایسا نہیں تھا۔ کیونکہ زمین کی اتھاہ گہرائیوں سے واضح طور پر ایک آواز ابھری تھی۔ آواز جو انسانی تھی۔ لیکن اسے انسانی نہیں کہا جاسکتا تھا۔ اور جیسے جیسے سیاہ ستارہ طاقت پکڑ رہا تھا، پاتال سے ابھرنے والی اس آواز کا حجم بھی بڑھ رہا تھا۔ غاروں میں، تہ خانوں میں اور کھلے میدانوں میں لوگ جمع ہوگئے تھے۔ وہ شیطان کے پجاری تھے، جو ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے، سر جھکائے کچھ گا رہے تھے۔ اس کی گونج اوپر آسمان تک اور نیچے پاتال تک پہنچ رہی تھی۔

وہ چھٹے ماہ کا چھٹا دن اور چھٹا گھنٹہ تھا۔ وہ خاص الخاص لمحہ، جس کے بارے میں قدیم عہد نامے کی پیش گوئی تھی کہ وہ کرہ ارض کی تاریخ بدل ڈالے گا۔ پچھلی چند صدیوں میں ہونے والی جنگیں اور المناک واقعات تو محض ریہرسل تھے۔ یہ چیک کیا جا رہا تھا کہ انسانیت سرنگوں ہونے کے لیے تیار ہے یا نہیں۔ قیصر روم کے زمانے میں عیسائیوں کو بھوکے شیروں کے سامنے ڈال دیا جاتا تھا اور لوگ تالیاں بجاتے تھے۔ ہٹلر کے دور میں یہودی زندہ جلا کر کوئلے میں تبدیل کر دیئے گئے تھے۔ موجودہ عہد میں فلسطینیوں کے کچے مکانات تک میزائل کا نشانہ بن جاتے تھے۔ جمہوریت دم توڑ رہی تھی۔ ذہن کو، دماغ کو مفلوج کرنے والی منشیات جزو زندگی بن گئی تھیں۔ بھائی بھائی کا دشمن اور باپ بیٹے کا مخالف بن گیا تھا۔ اسکول کی بسوں میں، بازاروں میں دھماکے کوئی غیر معمولی بات نہیں رہے تھے۔

بائبل کے طالب علموں نے اس واقعے کی علامتیں دیکھ اور سمجھ لی تھیں۔ مشترکہ منڈی کے روپ میں رومن امپائر پھر سے ابھر آئی تھی۔ اسرائیل کی شکل میں یہودیوں کو وہ زمین مل گئی تھی، جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا۔ ایک طرف کئی جگہ قحط تھا۔ تو دوسری طرف بین الاقوامی معیشت کا ڈھانچہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا۔ یہ اتفاقی واقعات نہیں تھے۔ یہ واضح طور پر واقعات کی سازش تھی۔ آسمانی کتاب کے باب انکشافات میں ان سب کی پیش گوئی کردی گئی تھی۔

سیاہ ستارے کی چمک بڑھتی گئی۔ شیطانی گیت کی لے بلند ہوتی گئی۔ زمین مرتعش ہوگئی۔ ارمگیدون کے قدیم شہر کے کھنڈرات میں موجود بوڑھے بیوگن ہیگن نے واضح طور پر اسے محسوس کیا اور وہ رونے لگا۔ اس کے مخطوطات اور اس کی قدیم الواح اب بے کار تھیں۔ قدیم علوم کے طلباء جو کھنڈرات میں کھدائی کررہے تھے، انہوں نے زمین کو لرزتا محسوس کیا تو کھدائی چھوڑ دی، وہ سہم گئے تھے۔

واشنگٹن سے روم پرواز کرنے والے بوئنگ 747 کی فرسٹ کلاس میں بیٹھے رابرٹ تھورن نے بھی اس ارتعاش کو محسوس کیا اور معمول کے مطابق اپنی سیٹ بیلٹ کس لی۔ وہ اس وقت یہ سوچ رہا تھا کہ زمین پر پہنچ کر اس کے سامنے نجانے کیا صورت حال پیش آئے۔ اگر اسے اس ارتعاش کی حقیقی وجہ معلوم ہو بھی جاتی تو وہ کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ کیونکہ اس لمحے روم کے دی سینٹ ہاسپٹل کے تہ خانے میں ایک پتھر سے اس بچے کا سر کچل دیا گیا تھا، جو اس کا تھا...... جو زندہ رہتا تو اس کا بیٹا ہوتا...... اس کا بیٹا کہلاتا۔

کسی بھی لمحے حساب لگا کر دیکھ لیں، ایک لاکھ سے زائد افراد جہازوں میں بیٹھے فضا میں اڑ رہے ہوتے ہیں۔ رابرٹ تھورن کو اس طرح کے اعداد و شمار بہت اپیل کرتے تھے، اس وقت وہ اسکائی لائنز میگزین میں یہ اعداد و شمار پڑھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ زمین پر جو انسان موجود ہیں اور جو اس لمحے فضاؤں میں سفر کر رہے ہیں، ان کے درمیان کیا نسبت ہوگی۔

عام حالات میں وہ بہت سنجیدگی سے سوچنے والا آدمی تھا۔ لیکن اس وقت وہ جس بے یقینی سے دوچار تھا، اس کی طرف سے ذہن ہٹانے کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ کچھ بھی سوچ سکتا تھا۔

اس لمحے اگر دنیا کی پوری انسانی آبادی صفحۂ ہستی سے مٹا دی جائے، تب بھی ایک لاکھ افراد زندہ رہیں گے...... فضا میں سفر کرتے ہوئے، کسی مشروب کے گھونٹ لیتے ہوئے، ٹی وی پر فلم دیکھتے ہوئے۔ اس بات سے بے خبر کہ زمین پر سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔

روم کی فضا میں اڑتے ہوئے جہاز میں سفر کرتے ہوئے اس نے ایک مختلف زاویے سے سوچنے کی کوشش کی۔ یہ جتنے لوگ اس وقت ہوائی جہازوں میں سفر کر رہے ہیں، ان میں کتنے مرد ہوں گے اور کتنی عورتیں۔ اور دنیا تباہ ہونے کی صورت میں انہیں اترنے کے لیے کوئی محفوظ مقام میسر آ گیا تو کیا وہ ایک نیا معاشرہ تخلیق کر سکیں گے؟ امکان یہ ہے کہ ان ایک لاکھ افراد میں مردوں کی اکثریت ہوگی جو متوسط طبقے سے یا اس سے کچھ اوپر والے طبقے سے تعلق رکھتے ہوں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ جن صلاحیتوں کے حامل ہوں گے، وہ اس بحران میں، جہاں کام کرنے والے تمام افراد ختم ہو چکے ہوں گے، بے کار ہوں گے۔ منیجر کیا کرے گا، جب کوئی کام ہی نہ ہو۔ اکاؤنٹنٹ کچھ بھی نہیں کر سکتا، اگر اس کے لیے کوئی اکاؤنٹ ہے ہی نہیں۔ اس لحاظ سے یہ بہت اچھا آئیڈیا ہے کہ کئی جہاز ہر وقت فضا میں اڑتے رہیں، جن میں تعمیراتی کاریگر اور مختلف ہزاروں ہنر مند موجود ہوں۔ تاکہ زمین پر ایسی کوئی آفت آئے تو وہ لوگ کرۂ ارض پر دوبارہ زندگی کو جاری رکھ سکیں۔ اس موقع پر رابرٹ کو ماؤزے تنگ کا قول یاد آیا...... کسی بھی زمینی تباہی میں وہ قوم سب سے زیادہ بہتر رہے گی، جس کے پاس زیادہ سے زیادہ مزدور اور ہنر مند کاریگر ہوں گے۔

جہاز نیچے کی طرف حرکت کر رہا تھا۔ اپنے پیروں کے نیچے سے اسے پہیے کھلنے کی میکانکی آواز سنائی دی۔ اس نے سگریٹ بجھا دی۔ پھر وہ نیچے نظر آنے والی دھندلی روشنیوں کو دیکھنے لگا۔ پچھلے کچھ عرصے میں اس نے اتنے تواتر سے سفر کیا تھا کہ وہ اس منظر کا عادی ہو چکا تھا۔ لیکن آج یہ منظر اسے سکون کے بجائے تشویش میں مبتلا کر رہا تھا۔ واشنگٹن میں اسے جو ٹیلی گرام ملا، وہ بارہ گھنٹے کی تاخیر سے ملا تھا۔ جو کچھ ہونا تھا اب تو ہو ہی چکا ہوگا۔ شاید کیتھی اسے ہاسپٹل میں بیڈ پر بیٹھی ملے...... خوش اور مطمئن۔ اور اس کی گود میں نومولود بچہ ہو۔ مگر یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اسے مایوسی میں ڈوبی ہوئی ملے...... پچھلی بار کی طرح...... ایک اور بچہ کھونے کے بعد!

کیتھی کئی بار ماں بنتے بنتے رہ گئی تھی۔ ہر بار چند ماہ بعد وہ محروم ہو جاتی تھی...... محروم، مایوس اور دل برداشتہ۔ لیکن اس بار پورے آٹھ ماہ خیریت سے گزر گئے تھے۔ رابرٹ کو ڈر تھا کہ اس بار کوئی گڑبڑ ہوئی تو وہ کیتھی کو ہمیشہ کے لیے کھو دے گا۔

وہ اور کیتھی بچپن کے ساتھی تھے۔ اسے یاد تھا کہ کیتھی شروع ہی سے نازک طبع اور خود اعتمادی سے محروم تھی۔ سترہ سال کی عمر میں جب لڑکیاں بے فکری ہوتی ہیں، کیتھی عدم تحفظ کا شکار تھی۔ اور رابرٹ کا مزاج ایسا تھا کہ کسی کو تحفظ دینا اس کی نفسیاتی ضرورت تھا۔ گویا وہ دونوں ایک

دوسرے کے لیے ہی بنے تھے۔ یہی ان کے تعلق کی بنیاد تھی۔ کیتھی کو جو درکار تھا، وہ اس کے پاس وافر تھا۔ اسی لیے اس کی شادی کامیاب تھی۔

لیکن پچھلے چند برسوں میں رابرٹ کی ذمے داریاں بہت بڑھ گئی تھیں۔ اور اس کے کام کی زیادتی نے کیتھی کو بہت تنہا، بہت اکیلا کر دیا تھا۔ اور وہ ایک سیاست داں کی بیوی کی جو ذمے داریاں ہوتی ہیں، انہیں پورا کرنے کی اہل نہیں رہی تھی۔

کیتھی کی اندرونی ٹوٹ پھوٹ کی جو پہلی علامت ظاہر ہوئی، رابرٹ تھورن اسے سمجھ نہیں سکا۔ اس رات وہ گھر لوٹا تو اس نے دیکھا کہ کیتھی نے قینچی لے کر بڑی بے دردی سے اپنے خوبصورت بال کاٹ ڈالے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ فکر مند ہونے کے بجائے بے حد برہم ہوا۔ بالوں کے دوبارہ بڑھنے تک کیتھی کو وگ استعمال کرنی پڑی۔ اور رابرٹ کا غصہ دیکھ کر وہ سہم گئی۔

اس کے ایک سال بعد ایک دن اس نے باتھ روم میں کیتھی کو ریزر سے اپنی انگلیوں کے پوروں کو کاٹتے دیکھا۔ وہ اس وقت اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھی۔ کیونکہ رابرٹ کی چیخ سن کر وہ چونکی، اس نے ہاتھ میں موجود ریزر کو اور اپنے دوسرے ہاتھ کی زخمی انگلیوں کو حیرت سے دیکھا اور بولی۔ ''ارے...... یہ میں کیا کر رہی ہوں!''

اس بار رابرٹ کو باہر سے مدد لینے کی ضرورت کا احساس ہوا۔

ایک ماہ تک کیتھی ایک ماہر نفسیات سے مدد لیتی رہی۔ آخر ماہر نفسیات نے رابرٹ کو بتایا۔ ''انہیں بس ایک بچہ چاہیے۔ اور کوئی مسئلہ نہیں۔''

خوش قسمتی سے مسئلہ فوراً حل ہو گیا۔ کیتھی کا پاؤں بھاری ہو گیا۔

وہ تین ماہ ان کی ازدواجی زندگی کا خوب صورت ترین عرصہ تھا۔ کیتھی بہت خوبصورت ہو گئی۔ وہ بہت خوش تھی۔ وہ اس کے ساتھ مشرق بعید کے سفر پر بھی گئی۔ لیکن واپسی پر جہاز کے واش روم میں سب کچھ ختم ہو گیا۔

کیتھی کے پاس رونے کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔

اگلے سال پھر یہی ہوا۔ اور اس سے اگلے سال بھی۔ یوں وہ جسمانی رابطہ بھی کمزور ہو گیا، جو ان کی ازدواجی زندگی کی اساس تھا۔ رابرٹ نے کیتھی کو سمجھانے کی کوشش کی کہ بچہ کسی سے لے کر بھی پالا جا سکتا ہے۔ مگر کیتھی اس کے لیے تیار نہیں تھی۔ بچہ اسے اپنا ہی چاہیے تھا۔ اپنا اور رابرٹ کا۔ خالص تھورن!

اگلے سال ان کی ایک اور کوشش قدرت کے سامنے ہار گئی۔

اور اب یہ چوتھا موقع تھا۔ اور رابرٹ کو یقین تھا کہ یہ آخری موقع ہے۔ وہ جانتا تھا کہ اس بار گڑبڑ ہوئی تو کیتھی ذہنی توازن کھو بیٹھے گی۔ سچ مچ پاگل ہو جائے گی۔

جہاز کے پہیوں نے رن وے کو چھو لیا۔

مسافر اپنا سامان اٹھانے لگے۔ رابرٹ بیٹھا رہا۔ اسے یہاں وی آئی پی ٹریٹ منٹ ملنا تھا۔ وہ کسٹم کے مرحلے سے محض رسمی طور پر گزرتا

اور باہر گاڑی اسے اپنی منتظر ملتی۔ روم میں اس کی ایک حیثیت تھی۔ صدر امریکہ کا مشیر برائے معاشی امور ہونے کی حیثیت سے وہ ورلڈ اکانومی کانفرنس کا چیئرمین تھا۔اور کانفرنس اب زیورچ سے روم منتقل ہو چکی تھی۔ یہاں کانفرنس کا ابتدائی ایجنڈا چار ہفتے کا تھا، جو پھیلتے پھیلتے چھ ماہ پر محیط ہو چکا تھا۔اب یہاں صحافی اور خاص طور پر کھوجی فری لانسر صحافی جو پاپارازی کہلاتے ہیں، اسے پہچاننے لگے تھے۔اس کا پیچھا کیا جاتا تھا۔خبر گرم تھی کہ اگلے چند برسوں میں وہ اپنی پارٹی کی طرف سے صدارتی امیدوار ہوگا۔

رابرٹ تھورن کی عمر 42 سال تھی۔ وہ اپنے راستے کی تمام رکاوٹیں دور کر چکا تھا۔ چند برسوں کے بعد امریکا کا صدر بننا اس کے لیے محض خواب نہیں رہا تھا۔اکانومی کانفرنس کا چیئرمین بننے یا کابینہ کا رکن بننے کی راہ ہموار ہو چکی تھی۔ اس کے بعد اگلا قدم وائٹ ہاؤس ہی کی طرف اٹھتا۔ اس وقت جو امریکا کا صدر تھا، وہ اور رابرٹ کالج میں کلاس فیلو رہے تھے۔لیکن رابرٹ نے جو مقام حاصل کیا تھا، وہ صدر امریکا کی دوستی کی وجہ سے نہیں تھا۔اس کا سبب اس کی اپنی قابلیت اور محنت تھی۔

اس کے خاندان کے کئی ٹیکسٹائل پلانٹ تھے۔ جنگ کے دوران ان کا کاروبار خوب چمکا تھا۔ دولت کی کمی نہیں تھی۔سو اس کے زور پر اس نے اعلیٰ ترین تعلیم حاصل کی۔ زندگی کی ہر آسائش اسے حاصل تھی۔لیکن باپ کی موت کے بعد اس نے وہ تمام پلانٹ بند کر دیئے۔حالانکہ اس کے مشیروں نے اسے بہت سمجھایا تھا۔زمانہ امن میں تھورن فیملی کی قسمت اور چمکی۔ زمین جائیداد کی شکل میں جو جو کچھ ان کے پاس تھا، وہ تعمیراتی کام میں تبدیل ہو گیا۔یوں رابرٹ نے پس ماندہ بستیوں کی فلاح اور بہتری کے لیے کام شروع کیا۔ اس نے اہل لیکن غریب لوگوں کے لیے چھوٹے اور آسان قرضوں کی اسکیم شروع کی۔ وہ دولت مند تھا۔اور ان لوگوں کو اپنی ذمے داری سمجھتا تھا، جو کچھ کر سکتے تھے۔لیکن دولت کی کمی کی وجہ سے مجبور تھے۔اس کی دولت سو ملین ڈالرز کے لگ بھگ تھی۔لیکن اس امر کی تصدیق نہیں کی جاسکتی تھی۔خود رابرٹ تھورن کو بھی علم نہیں تھا۔ کیونکہ اس کے پاس اکاؤنٹ چیک کرنے کی فرصت ہی نہیں تھی۔

❁ ❁ ❁

ٹیکسی ہاسپٹل کے سامنے رکی، جس کی عمارت اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی، فادر اسپلیٹو دوسری منزل پر اپنے آفس کی کھڑکی سے نیچے دیکھ رہا تھا۔ اسے ایک لمحے میں اندازہ ہو گیا کہ ٹیکسی سے اترنے والا رابرٹ تھورن ہے۔ اخبار میں بارہا اس کی تصویریں اس نے دیکھی تھیں۔اس کا انداز، اس کی چال تک جانی پہچانی تھی۔ مضبوط جبڑا اور کنپٹیوں پر بالوں کی سفیدی اس کی پہچان تھی۔

فادر اسپلیٹو رابرٹ تھورن کو بغور دیکھ رہا تھا۔ اس کا لباس، اس کی خود اعتمادی اس کے صاحب ثروت ہونے کی غماز تھی۔ فادر نے گہری سانس لی اور طمانیت سے سر ہلایا۔رابرٹ تھورن کا انتخاب بالکل درست تھا۔

فادر نے اپنا چوغہ پہنا اور کھڑا ہو گیا۔اس کے قد و قامت کے سامنے اس کی چھوٹی سی میز اور چھوٹی لگنے لگی۔ وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھا۔ نیچے سے رابرٹ تھورن کے اوپر آتے ہوئے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ وہ پہلی منزل پر پہنچنے والا تھا۔

''مسٹر تھورن''! فادر نے اسے پکارا۔

نیچے رابرٹ تھورن رکا۔ اس نے اوپر اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کی۔ ''جی؟'' اس کی آواز ابھری۔

''میں فادر اسپلیٹو ہوں۔ میں نے آپ کو ٹیلی گرام......''

''جی۔ ٹیلی گرام مجھے مل گیا تھا۔ میں نے جلد سے جلد آنے کی کوشش کی۔''

فادر روشنی کی طرف چلا گیا۔ لیکن رابرٹ تھورن کو اس کے انداز سے تشویش ہونے لگی۔ شاید کوئی اچھی خبر نہیں۔ اس نے سوچا اور نروس ہوگیا۔ وہ جلدی سے اوپر چڑھا۔ اب فادر اس کے سامنے تھا۔ ''ولادت ہوگئی؟'' اس نے بے ڈھنگے پن سے پوچھا۔

''جی''

''اور میری بیوی؟''

''وہ آرام کر رہی ہیں۔'' فادر کی آنکھوں میں ایک خاموش ولاسہ چمک رہا تھا۔

''کیا بات ہے؟ سب ٹھیک تو ہے نا؟'' رابرٹ کی گھبراہٹ اور بڑھ گئی۔

''بچہ مر چکا ہے۔''

وہ خاموشی بڑی بوجھل اور سنگین تھی۔ وہ راہداریوں اور دیواروں میں گونجتی، سنسناتی محسوس ہو رہی تھی۔ رابرٹ تھورن یوں سن ہوگیا، جیسے کسی نے اچانک اس کے دل پر گھونسہ مارا ہو۔

''وہ بس ایک لمحہ جیا۔ چند سانسیں لیں۔ اور بس'' فادر نے وضاحت کی۔

رابرٹ تھورن نڈھال قدموں سے ایک بینچ کی طرف بڑھا اور اس پر بیٹھ گیا۔ چند لمحے وہ ساکت بیٹھا خلاؤں میں گھورتا رہا۔ پھر اس نے دونوں ہاتھوں میں سر تھاما اور بچوں کی طرح رونے لگا۔

سنسان راہداری اس کی سسکیوں سے گونج رہی تھی۔ فادر بات آگے بڑھانے کے لیے موقع کا منتظر تھا۔

''تمہاری بیوی خیریت سے ہے۔'' بالآخر فادر نے کہا۔ ''لیکن اب وہ کبھی ماں نہیں بن سکے گی۔''

''یہ دکھ اسے مار ڈالے گا۔'' رابرٹ نے سرگوشی میں کہا۔

''تم کوئی بچہ گود لے سکتے ہو''۔

''اس کی ضد تھی کہ اسے اپنا بچہ چاہیے۔''

پھر خاموشی چھا گئی۔ چند لمحے بعد فادر آگے بڑھا۔ اس کے بھدے چہرے پر ٹھہراؤ تھا اور آنکھوں میں ہمدردی۔ لیکن ماتھے پر پھوٹنے والا پسینہ اس کی باطنی کشیدگی کا غماز تھا۔ ''تم بہت محبت کرتے ہو اس سے؟'' فادر نے پوچھا۔

رابرٹ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کا گلا رندھ گیا تھا۔

''تب تو تمہیں خدا کی منصوبہ بندی کو قبول کر لینا چاہیے۔''

تاریک راہ داری میں ایک پختہ عمر کی راہبہ نمودار ہوئی اور اس نے فادر کو اشارے سے بلایا۔ فادر اس کی طرف گیا۔ راہبہ کے اور اس کے درمیان اطالوی زبان میں کچھ گفتگو ہوئی۔ پھر راہبہ چلی گئی اور فادر رابرٹ کی طرف چلا آیا۔

اس بار فادر کی آنکھوں میں نجانے کیا تھا کہ رابرٹ کو جھرجھری آ گئی۔

''خدا پراسرار انداز میں کام کرتا ہے مسٹر تھورن'' فادر نے کہا اور ہاتھ سے اشارہ کیا۔

رابرٹ اٹھا اور اشارے کی تعمیل میں اس کے پیچھے چل دیا۔

میٹرنٹی وارڈ پانچویں منزل پر تھا۔ وہ عقبی زینے سے اوپر گئے۔ وہ راستہ بالکل سنسان تھا۔ وارڈ تاریک تھے۔ مگر نوزائیدہ بچوں کی خوشبو راہ داری میں دھڑکتی محسوس ہو رہی تھی۔

شیشے کی ایک دیوار کے پاس فادر رکا۔ اس نے رابرٹ کی آمد کا انتظار کیا۔ رابرٹ آیا۔ فادر کا رکنا معنی خیز تھا۔ اسی لیے اس نے شیشے کی دیوار کی دوسری طرف دیکھا۔ وہاں ایک نوزائیدہ بچہ تھا...... فرشتوں کی طرح معصوم...... کامل خوب صورتی کا نمونہ۔ اس کے گھنے بال گہرے سیاہ رنگ کے تھے۔ آنکھیں نیلی تھیں۔ پھر جیسے جبلی طور پر بچے کو دیکھے جانے کا احساس ہوا۔ اس نے آنکھیں اوپر کیں...... اور رابرٹ تھورن کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

''یہ قدرت کا تحفہ ہے'' فادر نے کہا۔ ''جیسے تمہارا بچہ مر گیا، ویسے ہی اس بچے کی ماں مر گئی...... ایک ہی لمحے میں۔''

رابرٹ تھورن نے فادر کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

''تمہاری بیوی کو بچہ چاہیے۔ جبکہ اس بچے کو ماں کی ضرورت ہے۔''

رابرٹ نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ہم اپنا بچہ چاہتے ہیں۔ اپنا خون......''

''تم نے ابھی تک اس بچے میں شباہت نہیں دیکھی۔ اس پر غور نہیں کیا۔''

تب رابرٹ نے بچے کو غور سے دیکھا۔ ایک نظر میں اسے اندازہ ہو گیا کہ فادر ٹھیک کہہ رہا ہے۔ بچے کی رنگت، آنکھیں اور بال کیتھی کے سے تھے۔ اور چہرے کے نقوش خود رابرٹ جیسے۔ جبڑا مضبوط تھا۔ بلکہ اس کی ٹھوڑی میں وہ ننھا سا گڑھا بھی تھا۔ جو تھورن فیملی کا طرۂ امتیاز تھا۔

''سینورا کو کچھ بتانے کی ضرورت ہی نہیں۔'' فادر نے سرگوشی کی۔

رابرٹ خاموش رہا۔

رابرٹ کی خاموشی فادر کے لیے حوصلہ افزا تھی۔ پھر رابرٹ کے ہاتھ کی کپکپاہٹ نے اس کا حوصلہ اور بڑھا دیا۔

''یہ...... کیا یہ بچہ پوری طرح صحت مند ہے؟'' رابرٹ کی آواز بھی لرز رہی تھی۔

''ہر اعتبار سے مکمل اور صحت مند......''

''اور اس کے رشتے دار......''

''اس کا کوئی رشتے دار نہیں۔اس کا دنیا میں کوئی نہیں۔''

راہ داری میں خاموشی اتنی گہری تھی کہ پھنکارتی محسوس ہو رہی تھی۔سماعت پر بوجھ لگ رہی تھی۔

''اس کے معاملے میں مجھے مکمل اختیار حاصل ہے'' فادر نے کہا۔''کہیں کوئی ریکارڈ نہیں ہوگا۔کسی کو کبھی کچھ پتہ نہیں چلے گا۔''

رابرٹ نظریں چرانے لگا۔وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔بالآخر وہ بولا۔''آپ مجھے میرا بچہ دکھا سکتے ہیں؟''

''اس سے کیا حاصل؟'' فادر کے لہجے میں تلقین بھی تھی اور ترغیب بھی۔''اپنی محبت سے اسے نوازو جو زندہ ہے۔''

اور شیشے کی دیوار کے پیچھے نوزائیدہ بچے نے اپنے ہاتھ یوں پھیلائے، جیسے رابرٹ کی گود میں آنا چاہ رہا ہو۔

تم یہ اپنی بیوی کی بقا کی خاطر کرو گے مسٹر تھورن۔اور اس بچے کی خاطر، جو گھر سے اور ہر رشتے سے محروم ہے۔یہ دوہری نیکی ہوگی مسٹر تھورن۔''

رابرٹ تھورن کو سینے میں اپنا دل پگھلتا محسوس ہوا۔

فادر نے جان لیا کہ مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔''مبارک ہو مسٹر تھورن۔آج کی رات خدا نے تمہیں بیٹے کی نعمت سے سرفراز کر دیا۔''

باہر آسمان پر سیاہ ستارہ اپنے عروج پر پہنچ چکا تھا۔اچانک بجلی کا ایک کڑاکا ہوا اور سیاہ ستارہ جیسے بکھر گیا۔اسی لمحے ہاسپٹل کے بیڈ پر دراز کیتھی تھورن کو احساس ہوا کہ جیسے وہ قدرتی نیند سے جاگ رہی ہے۔اسے احساس نہیں تھا کہ اسے انجکشن دیا گیا ہے۔اس نے لیبر روم میں دس گھنٹے اذیت جھیلی تھی۔پھر اسے سکون کا احساس ہوا تھا۔لیکن اپنے بچے کو دیکھے بغیر وہ بڑی آہستگی اور ہمواری سے بے ہوشی کی نامعلوم گہرائی میں اتر گئی تھی۔

اب جو اسے ہوش آیا تو خوف اسے ستانے لگا۔لیکن وہ خوف سے لرز رہی تھی......خود کو پرسکون رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

باہر راہ داری میں آتے ہوئے قدموں کی چاپ ابھری، دروازہ کھلا اور اسے اپنے شوہر کی صورت نظر آئی۔وہ مسکرا رہا تھا اور اس کی گود میں وہ نوزائیدہ بچہ تھا۔

''ہمارا بچہ کیتھی'' رابرٹ کی آواز فرطِ جذبات سے لرز رہی تھی۔''بالآخر ہمیں اپنا بچہ مل گیا۔''

کیتھی نے ہاتھ بڑھایا اور بچے کو گود میں لے لیا اور اگلے ہی لمحے اس کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہنے لگے۔ان آنسوؤں کی وجہ سے وہ رابرٹ کو نہ دیکھ پائی جو ہاتھ اٹھا کر خدا کا شکر ادا کر رہا تھا جس نے اسے صحیح راستہ دکھایا تھا۔اسے درست فیصلہ کرنے کا حوصلہ دیا تھا۔

رابرٹ اور کیتھی، عقیدے کے اعتبار سے دونوں رومن کیتھولک تھے۔لیکن دونوں میں سے کوئی بھی مذہبی نہیں تھا۔کیتھی کرسمس اور ایسٹر کے موقعوں پر عبادت کے لیے چرچ ضرور جاتی تھی۔مگر محض عقیدے اور جذباتی وابستگی کی وجہ سے۔ورنہ وہ یقین رکھنے والوں میں سے نہیں تھی۔رابرٹ کا بھی یہی حال تھا۔

ان کے بیٹے ڈیمین کو کرسچین بنانے کی رسم پوری نہیں ہو سکی تھی۔لیکن اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ انہوں نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا۔

پیدائش کے کچھ ہی دن بعد وہ ڈیمین کو چرچ لے گئے تھے لیکن چرچ میں داخل ہوتے ہی شیر خوار ڈیمین اتنا دہشت زدہ ہوا کہ اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ نتیجتاً انہیں تقریب کو مختصر کرنا پڑا۔ پادری چلو میں پانی لے کر ان کے پیچھے پیچھے سڑک تک آیا تھا۔ وہ انہیں بار بار یاد دلا رہا تھا کہ اس وقت رسم پوری نہیں ہوئی تو یہ بچہ کبھی مسیح کی بھیڑوں میں شامل نہیں ہو سکے گا۔ لیکن بچے کی حالت اتنی بگڑ چکی تھی کہ رابرٹ نے پادری کی بات پر کان نہیں دھرے۔ تاہم کیتھی کی تسلی کے لیے اس نے گھر پر تقریب کر لی۔ لیکن کیتھی کی تسلی نہیں ہوئی۔ اس نے عہد کر رکھا تھا کہ وہ ایک دن اس کمی کا ازالہ کر کے رہے گی اور تقریب چرچ میں ہی ہو گی۔

لیکن ایسا ہوا نہیں۔ مصروفیات نے انہیں اس بارے میں سوچنے کی مہلت ہی نہیں دی اور وہ یہ بات بھول ہی گئے۔

اکانومی کانفرنس ختم ہو گئی اور وہ واشنگٹن واپس چلے آئے۔ رابرٹ تھورن نے صدر کے مشیر کی حیثیت سے ذمے داریاں قبول کر لیں۔ اب وہ ایک معروف سیاسی شخصیت تھا۔ ملک بھر کے قومی جریدوں میں اس کے متعلق کالم چھپ رہے تھے۔ لوگوں میں امیج بن رہا تھا۔ دونوں خوب صورت تھے، دولت مند تھے، بلندی کی طرف گامزن تھے اور ان کی تصویریں بہت اچھی آتی تھیں۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ صدر امریکا کے مقرب تھے۔ جاننے والے جانتے تھے کہ درحقیقت رابرٹ تھورن کی سیاسی تربیت کی جا رہی ہے۔ اس بات کی تصدیق اس وقت ہوئی جب سینٹ جیمس کے دربار میں ایمبیسڈر کی حیثیت سے اس کی تقرری کی گئی۔ وہ ایک ایسی کلیدی پوزیشن تھی، جس میں اس کی شخصی کشش اسے اور نکھار دیتی۔

وہ لندن آئے تو انہوں نے سترھویں صدی کی ایک حویلی کو اپنی اقامت کے لیے منتخب کیا، جو پیری فورڈ میں واقع تھی۔ زندگی بالخصوص کیتھی کے لیے ایک خوبصورت خواب کا روپ دھار گئی تھی۔ وہ بہت خوش تھی۔ اسے سب کچھ مل گیا تھا۔ پیارا سا بچہ جس کی اسے آرزو تھی۔ شوہر کی بے پایاں محبت تو اسے پہلے ہی حاصل تھی۔ یہ سب کچھ پا کر وہ موسم بہار میں کھلنے والے پھول کی طرح ہو گئی۔ اس کی نزاکت، شادابی اور حسن سبھی کے لیے دل خوش کن تھا۔

پیری فورڈ کی حویلی بہت شاندار بھی تھی اور انگلستان کی تاریخ سے معمور بھی۔ وہاں ایک تہ خانہ تھا۔ جہاں ایک جلاوطن ڈیوک چھپا رہا تھا۔ یہاں تک کہ اسے گرفتار کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ حویلی کے اطراف میں جنگل تھا جو اس جاگیر کا حصہ تھا۔ اس جنگل میں ہنری پنجم ریچھوں کا شکار کھیلا کرتا تھا۔ حویلی میں بے شمار خفیہ راہ داریاں اور تنگ راستے تھے، جن سے آدمی کھڑا ہو کر نہیں گزر سکتا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ حویلی بہت بارونق تھی۔ اس کے ماحول میں خوشی تھی۔

کام کاج کے لیے دن بھر کے ملازم الگ تھے۔ اور ایک باوقار انگریز جوڑا تھا، جو وہیں رہتا تھا۔ ان کی خدمات 24 گھنٹے کے لیے تھیں۔ شوہر گاڑی چلاتا تھا، اور بیوی کچن سنبھالتی تھی۔ کیتھی کی سرکاری مصروفیات بھی تھیں۔ اکثر رابرٹ کے ساتھ اسے تقریبات میں شریک ہونا ہوتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ایک کم عمر انگریزی لڑکی چیسا کو بطور آیا رکھ لیا تھا۔ فربہ اندام چیسا اتنی خوش مزاج اور پیاری تھی کہ فیملی کا ایک حصہ بن گئی۔ وہ کھلنڈری تھی اور ڈیمین کو ایسے چاہتی تھی، جیسے درحقیقت وہ اس کا بیٹا ہو۔ ڈیمین بھی اس سے بہت مانوس تھا۔ وہ وسیع و عریض باغیچے میں چیسا کے پیچھے دوڑتا پھرتا۔

ڈیمین تین سال کا ہو چکا تھا۔ صحت اور طاقت کے اعتبار سے وہ حیرت انگیز بچہ تھا۔ اس کے انداز میں بڑی سنجیدگی اور بردباری تھی، جس

کی اتنی عمر کے بچے سے توقع نہیں رکھی جاسکتی۔ اور اس کی نگاہ ایسی تھی کہ بڑے لوگوں کو بھی نروس کر دیتی تھی۔ اس کا ارتکاز بھی حیرت انگیز تھا۔ وہ سیب کے درخت کے نیچے پڑی بنچ پر بیٹھا گھنٹوں آنے جانے والوں کو تکتا۔ مشاہدہ اس کا ایسا تھا کہ نظر آنے والی معمولی جزئیات تک اسے یاد رہتی تھیں۔ ڈرائیور ہورٹن کسی کام سے باہر جاتا تو اکثر اسے ساتھ لے جاتا۔ اس کا خاموش ساتھ اسے اچھا لگتا تھا۔ ڈیمین باہر ہر چیز کو جیسے مسحور ہو کر دیکھتا تھا، اس پر اسے تعجب ہوتا۔

''اسے دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ مریخ سے آیا ہوا چھوٹا سا آدمی ہے۔'' ایک دن ہورٹن نے اپنی بیوی سے ڈیمین کے متعلق کہا۔ ''ایسا لگتا ہے کہ مریخ والوں نے اسے زمینی انسانوں کی اسٹڈی کے لیے بھیجا ہے۔''

''وہ اپنی ماں کی آنکھ کا تارا ہے۔ کسی نے تمہاری یہ بات سن لی تو اچھا نہیں ہوگا۔'' اس کی بیوی نے سخت لہجے میں کہا۔

''میں اسے نیچا نہیں کر رہا ہوں۔ بس وہ کچھ غیر معمولی سا لگتا ہے۔''

ڈیمین کے بارے میں پریشان کن کوئی بات تھی تو یہ کہ وہ آواز استعمال کرنے کا قائل نہیں تھا۔ وہ بولتا نہیں تھا۔ خوشی ہوتی تو وہ مسکراتا۔ اس کے دانت نکل پڑتے۔ دکھی ہوتا تو آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگتے۔ اور وہ بے آواز روتا۔ کیتھی نے ایک بار اس سلسلے میں ڈاکٹر سے بات کی۔ لیکن ڈاکٹر کے جواب نے اس کی پریشانی دور کر دی۔

''میں ایک ایسے بچے کو جانتا ہوں، جو آٹھ سال تک ایک لفظ بھی نہیں بولا تھا۔'' ڈاکٹر نے کہا ''اور وہ بولا تو اس نے یہ کہا کہ مجھے آلو کا بھرتہ اچھا نہیں لگتا۔ اس کی حیران ماں نے اس سے پوچھا کہ تم بول سکتے ہو تو اب تک کیوں نہیں بولے۔ بچے نے جواب دیا...... اس سے پہلے آپ نے آلو کا بھرتہ میرے سامنے رکھا ہی نہیں تھا۔''

کیتھی یہ سن کر بہت ہنسی۔ اس کی تشویش دور ہو گئی۔ اس نے سوچا، ڈیمین تو ابھی صرف ساڑھے تین سال کا ہے۔ سائنس دان البرٹ آئن اسٹائن چار سال کی عمر تک نہیں بولا تھا۔ اور ڈیمین ہر اعتبار سے مکمل بچہ تھا۔ بس وہ بولتا نہیں تھا۔ اور ہر چیز کو بہت غور سے دیکھتا تھا۔

وہ رابرٹ اور کیتھی کی شادی کا خوب صورت اور کامل ثمر تھا!

✿..........✿..........✿

حنیف پیدائشی طور پر دلوی تھا۔ اس کے زائچے میں یورینس نکتہ عروج پر تھا اور چڑھتا چاند اس سے قران کر رہا تھا۔ پیشے کے اعتبار سے وہ پاپارزی تھا۔ پیچھے پڑ جانے والا فری لانسر! صحافت کی دنیا میں اسے اسی لیے اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا کہ وہ جو کچھ کرنے کے لیے تیار رہتا تھا، اس کے لیے دوسرے آمادہ نہیں ہوتے تھے۔ مشہور تھا کہ صرف ایک تصویر کے لیے وہ کئی دن سب کچھ چھوڑ کر بیٹھا رہتا تھا۔ اس بلی کی طرح جس نے کسی چوہے کو تاک لیا ہو اور اب اس کے بل کے باہر اس کے نکلنے کے انتظار میں گھات لگائے بیٹھی ہو۔ اور اس نے کیسی کیسی تصویریں کھینچی تھیں۔ کموڈ پر بیٹھے ہوئے اداکار مارسیلو ماسٹریانی کی تصویر، جو اس نے یوکلپٹس کے ایک درخت پر چڑھ کر کھینچی تھی۔ یا جیکولین اوناسس کی تصویر جو اپنے بجرے پر الٹیاں کر رہی تھی۔ ایسی تصویریں ہی اس کی پہچان تھیں۔ وہ جبلی طور پر جانتا تھا کہ کب اور کہاں اسے موقع مل سکتا ہے یہ اس کی پیشہ ورانہ چھٹی حس

تھی۔ وہ ایسی تصویریں لیتا تھا، جو کسی اور کو نصیب نہیں ہوتی تھیں۔

وہ چیلسی کے علاقے میں ایک کمرے کے فلیٹ میں رہتا تھا۔ اور اسے اس پر کوئی افسوس یا احساس محرومی نہیں تھا۔ اور وہ اپنے ہدف کے بارے ایسی باریک بینی سے ریسرچ کرتا تھا، جیسے کوئی سائنس دان، جو پولیو کا علاج دریافت کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

پچھلے کچھ عرصہ سے لندن میں امریکا کا سفیر اس کی توجہ کا خاص مرکز تھا۔ وجہ یہ تھی کہ رابرٹ تھورن کی نجی زندگی بظاہر بڑی صاف ستھری تھی۔ جبکہ حنیف سمجھتا تھا کہ ایسے لوگوں کی زندگی میں گندگی زیادہ ہی ہوتی ہے۔ پتا اس لیے نہیں چلتا کہ وہ اسے چھپانے کے لیے بہت اہتمام کرتے ہیں۔ وہ سات پردوں کے پیچھے چھپا کر رکھتے ہیں اپنی نجی زندگی کو۔ اور حنیف کو ایسے پردے ہٹانے ہی کا تو شوق تھا۔ چنانچہ وہ موقع کا منتظر تھا اور وہ طویل انتظار کی اہلیت رکھتا تھا۔

آج اس کا تھورن کی پیری فورڈ کی جاگیر جانے کا ارادہ تھا۔ فوٹوگرافی کا تو امکان کم ہی تھا۔ کیونکہ وہاں بے شمار فوٹوگرافر ہوں گے۔ اس کا مقصد تو جاسوسی تھا۔ وہ حویلی کے محل وقوع کو، اس کے نقشے کو سمجھنا چاہتا تھا۔ کھڑکیاں، دروازے، کسی کی توجہ مبذول کرائے بغیر اندر گھسنے اور نکلنے کے راستے، نوکر ایسے نوکر.......... جنہیں کچھ دے دلا کر ان سے معلومات حاصل کی جا سکیں۔

وہ صبح جلدی اٹھا۔ اس نے اپنے کیمرے چیک کیے، لینزوں کی صفائی کی۔ پھر وہ آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر خود کو دیکھنے لگا۔ اس کی عمر اڑتیس سال تھی۔ نسلاً وہ ہندوستانی تھا۔ ایک تو رنگ پکا اور اس پر مستزاد بچپن میں نکلنے والی چیچک کے نشان۔ وہ جو زیادہ وقت اپنا چہرہ کیمرے کے پیچھے چھپا کر رکھتا تو اس کی سب سے بڑی وجہ اس کا رنگ اور چیچک کے وہ نشان تھے۔ اس کا جسم دبلا پتلا ہی نہیں، ڈھیلا ڈھالا بھی تھا۔

نکلنے سے پہلے اس نے اپنے ڈارک روم میں ٹائمر سیٹ کیے۔ پھر کاغذوں کے ڈھیر میں سے وہ دعوت نامہ تلاش کر کے نکالا۔ وہ رابرٹ تھورن کے بیٹے کی چوتھی سالگرہ کی پارٹی تھی۔ لندن کی گندی بستیوں سے سینکڑوں معذور بچوں اور یتیموں کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔

لندن کے مضافاتی علاقے میں کار ڈرائیو کرنا خوش گوار تجربہ ثابت ہوا۔ وہ خود کو بہت پرسکون محسوس کر رہا تھا۔ اس نے سگریٹ سلگائی اور سوچنے میں مصروف ہو گیا۔ فرصت کے لمحات میں وہ صرف اپنے بارے میں سوچتا تھا۔

رابرٹ تھورن کی جاگیر ایک میل دور رہ گئی تھی۔ ایک پولیس والا وہاں دعوت نامے چیک کر کے مہمانوں کو آگے جانے کے سلسلے میں ہدایات دے رہا تھا۔ حنیف کے دعوت نامے کو پولیس والے نے کئی بار چیک کیا۔ اسے وہ دعوت نامہ اصلی نہیں لگ رہا تھا۔ اس دوران حنیف بے پروائی سے سامنے کی سمت دیکھتا رہا۔ وہ اس برتاؤ کا عادی تھا اور اس میں خوش تھا۔ کیونکہ توجہ زیادہ ملتی تھی۔ اگر وہ ڈھنگ کا لباس پہن کر آتا تو اس کے کارڈ کو اور اسے مشتبہ نہ سمجھا جاتا۔ مگر اسے یہ سب کچھ پسند تھا۔ بلکہ یہ اس کا ہتھیار تھا۔ یوں وہ لوگوں کو بہت غور سے دیکھ سکتا تھا۔ کیونکہ ناپسندیدگی کی وجہ سے وہ اس کے وجود کو عدم وجود گرداننے لگتے تھے۔ اس کا رویہ بھی ایسا ہوتا تھا، جیسے وہ ان کے سامنے ہے ہی نہیں۔

بالآخر اسے لوہے کے بڑے گیٹ سے گزر کر اندر جانے کی اجازت مل گئی۔ اندر جاتے ہی اس کی آنکھیں فرط حیرت سے پھیل گئیں۔ پوری جاگیر کو اس انداز میں سجایا گیا تھا کہ کسی بہت بڑے میلے کا سماں لگ رہا تھا۔ وہاں رنگ ہی رنگ تھے۔ زندگی کے تمام رنگ۔ سرکس کے خیموں

کے درمیان بچے بھاگتے پھر رہے تھے۔ پھیری والے اپنا اپنا سامان...... ٹافیاں بسکٹ، پھل وغیرہ لیے آوازیں لگاتے پھر رہے تھے۔ وہاں ہر طرح کے جھولے موجود تھے۔ موسیقی کی آواز پھیری والوں کے اور بچوں کے ملے جلے شور پر غالب آنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ایک طرف قسمت کا حال بتانے والی عورت کا چھوٹا سا بوتھ تھا، جس کے باہر لندن کے بڑے ممتاز افراد قطار لگائے کھڑے تھے...... اپنی قسمت کے بارے میں جاننے کے منتظر! وہاں چھوٹے ٹٹو بھاگتے پھر رہے تھے۔ یہی نہیں، ہاتھی کا ایک بچہ بھی تھا جس پر چھوٹے چھوٹے سرخ دائروں کے ساتھ رنگ کیا گیا تھا۔ وہ چھوٹے بچوں کی توجہ کا مرکز تھا، جو اسے سکے دے رہے تھے۔ ہاتھی کا بچہ وہ سکے سونڈ میں پکڑ کر اپنے مالک کو دے دیتا تھا۔

عام فوٹو گرافروں کے لیے وہ فوٹو گرافی کی جنت تھی۔ درجنوں فوٹو گرافر لالچ سے بھرے تصویریں کھینچتے ادھر سے ادھر دوڑے پھر رہے تھے۔ لیکن حنیف کے نزدیک وہاں فوٹو گرافی کے لیے کچھ بھی نہیں تھا وہ تو سب دکھاوا تھا۔

''کیا ہوا دوست؟ فلم ختم ہو گئی کیا؟''

حنیف نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ ہوبی تھا...... نیوز ہیرالڈ کا فوٹو گرافر۔ ہاٹ ڈاگ کی ٹیبل کے پاس کھڑا وہ اپنے کیمرے میں نئی فلم لگا رہا تھا۔

''فلم تو بہت ہے۔ کوئی تصویر تو ملے''۔ حنیف نے بے زاری سے کہا۔

''حماقت مت کرو دوست۔ ایسی کسی جگہ آنے کا موقع روز روز نہیں ملتا'' ہوبی بولا۔

''اس طرح کی تصویریں تو میں جتنی چاہوں، تم سے بھی خرید سکتا ہوں۔''

''اوہ...... تو کوئی خاص تصویر چاہیے تمہیں؟''

''صرف خاص نہیں، خاص الخاص''۔

''میں تمہیں گڈ لک ہی کہہ سکتا ہوں ہنی۔ یہ وہ فیملی ہے، جو اپنی نجی زندگی کو بہت مقدس سمجھتی ہے۔''

حنیف کا منہ بن گیا۔ یہاں بیشتر لوگ اسے ہنی ہی کہتے تھے۔ حنیف کے مقابلے میں ہنی کہنا ان کے لیے آسان تھا۔ اور یہ اسے بہت برا لگتا تھا۔

یہ خاص الخاص حنیف کا خواب تھا۔ اسے یقین تھا کہ کسی نہ کسی دن کوئی خاص الخاص اسے اہمیت دلا دے گا۔ تب دنیا اس کی قدر کرے گی۔ تب وہ ایسا غیر اہم نہیں رہے گا۔

''اے آیا...... سنو...... آیا...... ادھر دیکھو'' کچھ دور سے ہوبی کی پکار سنائی دی۔

سب کی توجہ ایک طرف ہو گئی تھی۔ سالگرہ کا کیک ٹرالی پر رکھ کر باہر لایا جا رہا تھا۔

بچے کی آیا چیسی نے جوکر کا روپ دھارا ہوا تھا۔ چہرے پر اس نے پاؤڈر تھوپا ہوا تھا۔ ہونٹوں پر گہرے سرخ رنگ کی لپ اسٹک تھی۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ فوٹو گرافرز نے اسے گھیر رکھا تھا۔ اور وہ بچے کو بھینچ بھینچ کر پیار کر رہی تھی۔ وہ خوش تھی کہ اس وقت وہ سب کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہے۔

''یہ موم بتیاں یہ بجھا سکے گا'' ایک فوٹو گرافر نے نکتہ اٹھایا۔

''اس سے کہو کہ ریہرسل تو کرے'' دوسرے نے تجویز پیش کی۔

حنیف کی آنکھیں مجمعے کو ٹٹول رہی تھیں۔ بالآخر اسے شمع محفل نظر آ گئی...... کیتھی تھورن۔ وہ کچھ دور کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر بدمزگی کا تاثر بے حد واضح تھا اور آنکھوں میں ناپسندیدگی تھی۔ مگر وہ ایک لمحے کی بات تھی۔ پھر جیسے اس کے چہرے پر نقاب سی آ گری۔ وہ تاثر غائب ہو گیا۔

حنیف ایسے ہی موقع کی تلاش میں رہتا تھا۔ اس نے بڑی پھرتی سے تصویر لے لی۔

کیک کے لیے پسندیدگی کا اظہار لوگوں نے تالیوں کے ذریعے کیا۔ کیتھی نپے تلے قدموں سے آگے بڑھی۔

''اس کی قسمت کا حال معلوم کرو۔'' ایک رپورٹر نے چیخ کر کہا۔ ''اسے نجومی کے پاس لے کر چلو۔''

آیا بچے کو لیے آگے بڑھی۔ لوگوں کا ہجوم ان کے پیچھے تھا۔

''ڈیمین کو میں وہاں لے کر جاؤں گی۔'' کیتھی نے اچانک آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

''مجھے لے جانے دیں مادام'' آیا نے چہک کر کہا۔

''نہیں۔ یہ کام مجھے کرنے دو'' کیتھی مسکرا رہی تھی۔

حنیف کیمرے کے ویو فائنڈر کے ذریعے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا......

کیتھی اور آیا چیسا کی نظریں ملیں۔ چیسا نے ڈیمین کو چھوڑ دیا۔ وہ چھوٹا سا ایک لمحہ تھا، جسے ڈیمین اور کیتھی کے ساتھ نجومی کے بوتھ کی طرف بڑھتے ہوئے لوگ دیکھ نہ سکے۔ لوگ آگے بڑھ گئے۔ آیا چیسا پیچھے اکیلی رہ گئی۔ وہ اداس لگ رہی تھی۔ جوکر کا کاسٹیوم اب اس کے اکیلے پن کے محسوسات کی عکاسی کر رہا تھا۔ عقب میں وہ پرشکوہ اونچی حویلی تھی۔

حنیف نے بٹن دو بار دبایا!

پھر چیسا پلٹی اور تھکے تھکے قدموں سے حویلی کی طرف چل دی۔

نجومی کے خیمے کے پاس پہنچ کر کیتھی نے بڑی سختی سے رپورٹرز کو باہر رکنے کو کہا اور خود بچے کو لے کر اندر چلی گئی۔

اندر کی نیم تاریکی اور خاموشی میں بڑا سکون تھا۔ کیتھی نے سکون کی سانس لی۔

''ہیلو بیٹے''!

وہ آواز ایک نقاب کے پیچھے سے آئی تھی۔ نقاب ہرے رنگ کی تھی۔ ڈیمین نے اسے دیکھا تو اس کے جسم میں اینٹھن سی ہوئی اور وہ ڈر کر ماں سے لپٹ گیا۔

''کم آن ڈیمین'' کیتھی نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''یہ ایک اچھی چڑیل ہے۔ کیوں بھئی، تم اچھی چڑیل ہو نا؟''

’’بے شک‘‘ نجومی عورت بھی ہنس دی۔ ’’میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔‘‘

’’یہ تمہیں قسمت کا حال بتائے گی۔‘‘ کیتھی نے ڈیمین کو تھپکتے ہوئے کہا۔

’’ذرا میری طرف ہاتھ بڑھاؤ۔‘‘ نجومی عورت نے اشارہ کیا۔

لیکن ڈیمین ہاتھ بڑھانے کو تیار نہیں تھا۔ وہ ماں سے اور چمٹ گیا۔ یہ دیکھ کر نجومی عورت نے اپنا نقاب ہٹا دیا۔ وہ ایک عام سی جوان عورت تھی، جو مسکرا رہی تھی۔ ’’دیکھ لو، میں بھی سب لوگوں کی طرح ہوں۔‘‘ وہ بولی۔ ’’اور تمہیں مجھ سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔‘‘

ننھا ڈیمین قدرے پرسکون ہو گیا۔ اس نے اپنا ہاتھ نجومی عورت کی طرف بڑھا دیا۔

’’ارے واہ، کیسا پیارا اور نرم ہاتھ ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ خوش قسمتی تمہارے......‘‘ وہ کہتے کہتے رک گئی۔ ڈیمین کے ہاتھ کو وہ بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ اور اب اس کی نگاہوں سے الجھن جھانک رہی تھی۔ ’’ذرا دوسرا ہاتھ دکھاؤ۔‘‘ وہ بولی۔

ڈیمین نے دوسرا ہاتھ بھی اس کی طرف بڑھا دیا۔

نجومی عورت اس کے پھیلے ہوئے دونوں ہاتھوں کو دیکھتی رہی۔ اس کی الجھن اب اور واضح تھی۔

’’یہ الجھن تمہارے اس کھیل کا حصہ ہے؟۔‘‘ کیتھی نے اس سے پوچھا۔

’’نہیں۔ میں تین سال سے بچوں کی پارٹیوں میں یہ کام کر رہی ہوں۔ مگر ایسا میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا...... کبھی نہیں۔‘‘

’’کیا نہیں دیکھا؟‘‘

’’آپ خود دیکھیں۔ شخصیت کی لکیروں کا جو پیٹرن ہر ہاتھ پر ہوتا ہے، اس بچے کے ہاتھوں پر نہیں ہے۔ صرف سلوٹیں سی ہیں۔‘‘

کیتھی نے آگے جھک کر بچے کے ہاتھوں کو دیکھا۔ ''مجھے تو لکیریں نظر آ رہی ہیں۔'' وہ بولی۔

''میں دل، دماغ اور زندگی وغیرہ کی لکیروں کی بات نہیں کر رہی ہوں۔'' نجومی عورت نے کہا۔ ''یہ بتائیں بچے کا ہاتھ کبھی جلا تو نہیں تھا۔''

''نہیں...... کبھی نہیں۔''

''آپ اپنا ہاتھ دیکھیں۔ یہ انگلیوں اور انگوٹھوں کے پوروں پر لکیروں کا ایک پیٹرن نظر آ رہا ہے نا...... یہ ڈیزائن ہر انسان کے ہاتھوں پر مختلف ہوتا ہے۔ یہ شناختی نشان ہوتا ہے۔ دو آدمیوں کے ہاتھ پر ایک جیسا پیٹرن کبھی نہیں ملے گا۔ یہ خدا کی قدرت ہے۔''

چند لمحے خاموش رہی...... سنگین، گھمبیر خاموشی۔ ڈیمین خود بھی اپنے ہاتھوں کو گھور رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ گڑبڑ کیا ہے۔

''آپ بچے کی انگلیوں کے پوروں کو دیکھیں۔ کتنے چکنے اور ہموار ہیں۔ میں دعوے سے کہتی ہوں کہ اس کے فنگر پرنٹس کوئی نہیں لے سکتا۔''

کیتھی نے اور غور سے اپنے بیٹے کو دیکھا۔ اس بار وہ سمجھ گئی کہ نجومی عورت ٹھیک کہہ رہی ہے۔

''یہ کوئی بینک لوٹ لے تو اسے کوئی نہیں پکڑے گا۔'' نجومی عورت نے ہنستے ہوئے کہا۔ پھر وہ ہنستی رہی۔ کیتھی الجھن میں لپٹی ہوئی خاموشی سے اپنے بچے کے ہاتھوں کو دیکھے جا رہی تھی۔

''تم اس کی قسمت کا حال بتاؤ گی پلیز۔'' کیتھی کے لہجے میں ہلکی سی جھنجلاہٹ تھی۔

''ضرور۔ کیوں نہیں۔''

''تو وقت ضائع نہ کرو۔ ہم یہاں کچھ جاننے کے لیے آئے ہیں۔''

نجومی عورت پھر ننھے ڈیمین کے ہاتھوں کی طرف متوجہ ہوئی۔

مگر اسی لمحے باہر سے ایک چیختی ہوئی آواز ابھری۔ وہ آواز ڈیمین کی آیا چیسا کی تھی۔ اور آواز دور کی لگ رہی تھی۔

''ڈیمین...... ڈیمین...... باہر آؤ ڈیمین۔ میرے پاس تمہارے لیے ایک سرپرائز ہے۔''

کیتھی اور نجومی عورت دونوں ٹھٹھک گئے۔ اس پکار میں ایک ہذیانی چیخ چھپی تھی۔

''ڈیمین...... باہر آؤ اور دیکھو کہ میں تمہارے لیے کیا کر سکتی ہوں۔'' باہر آیا چیسا پھر چلائی۔

کیتھی نے ڈیمین کو گود میں اٹھایا اور تیزی سے خیمے سے نکلی۔ باہر آ کر وہ رکی اور اس نے حویلی کی سمت دیکھا۔

وہ منظر دیکھ کر وہ بت بن کر رہ گئی!

چیسا چھت پر تنی کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں بہت موٹی رسی تھی۔ اور وہ اسے ہلا ہلا کر دکھا رہی تھی کہ پھندا اس کے گلے میں ہے۔ نیچے لوگوں کا ہجوم تھا۔ آواز سن کر وہ سب پلٹ کر اسے دیکھ رہے تھے۔ سبھی مسکرا رہے تھے۔ البتہ کچھ نروس تھے۔ اور کچھ محظوظ ہو رہے تھے۔ کیونکہ چیسا اب بھی جوکر کے گیٹ اپ میں تھی۔ لگتا تھا، وہ کوئی تماشہ دکھانے والی ہے۔

چیسا چھت کے کنارے کی طرف چلی آئی۔ اس کے دونوں ہاتھ پھیل گئے......اس کرتب باز کے سے انداز میں جو خود کو آگ لگا کر سوئمنگ پول میں چھلانگ لگانے کے لیے تیار ہو رہا ہو۔

''ادھر دیکھو ڈیمین'' ! چیسا پھر چلائی۔ ''یہ میں تمہارے لیے کر رہی ہوں''

اور یہ کہتے ہی وہ چھت سے اتر گئی۔ اس کا جسم نیچے کی طرف لپکا، جس حد تک رسی نے اجازت دی۔ رسی ختم ہوئی تو اس کے جسم کو جھٹکا لگا۔ وہ ٹھہرا......اور پھر بے جان ہو کر جھولنے لگا۔

ہر طرف خاموشی تھی۔ چیسا مر چکی تھی۔

لان میں تمام لوگ بت بنے کھڑے تھے، اوپر کمسن آیا کا بے جان جسم فضا میں معلق تھا اور جھول رہا تھا۔ پھر اچانک ایک چیخ گونجی......اور وہ چیخ کیتھی کی تھی۔ بڑی مشکل سے کچھ لوگوں نے اسے خاموش کرایا اور اسے حویلی میں لے گئے۔

۞......۞......۞

ننھا ڈیمین اپنے کمرے میں اکیلا تھا۔ وہ کھڑکی سے باہر لان میں جھانک رہا تھا۔ اب وہاں کام کرنے والوں اور پھیری والوں کے سوا کوئی نہیں تھا۔ اور وہ سب سر اٹھائے اوپر دیکھ رہے تھے، جہاں ایک پولیس والا سیڑھی کے ذریعے اوپر چڑھ کر، رسی کاٹ کر لاش اتار رہا تھا۔ پھر وہ لاش کو سنبھال نہ سکا اور لاش سر کے بل گری۔

اب آیا چیسا کسی ٹوٹی پھوٹی گڑیا کی طرح مڑی تڑی پڑی تھی۔ بے جان آنکھیں جیسے آسمان کو تک رہی تھیں۔ اس کے سرخی سے لتھڑے ہوئے ہونٹوں پر لرزہ خیز مسکراہٹ تھی۔

۞......۞......۞

چیسا کی تدفین سے پہلے کے چند دنوں میں آسمان سیاہ ہو گیا۔ بجلی کی کڑک کسی طوفان کی آمد کا اعلان کر رہی تھی۔ کیتھی کا زیادہ وقت نیم تاریک نشست گاہ میں اکیلے بیٹھے خلاؤں میں گھورتے گزرا۔

کورونر کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا تھا کہ مرتے وقت چیسا کے خون میں الرجی کی دوا بینڈرل کی بڑی مقدار موجود تھی۔ اس بات نے الجھن اور بڑھا دی۔ یہ بہت بڑا سوال بن گیا کہ اس نے خودکشی کیوں کی؟

رابرٹ تھورن اخبار نویسوں سے بچنے کے لیے گھر پر ہی وقت گزار رہا تھا۔ وہ کیتھی کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا جو اسے بتدریج برسوں پرانے ڈپریشن میں دوبارہ اترتی محسوس ہو رہی تھی۔

''تم اس واقعے کا کچھ زیادہ ہی اثر لے رہی ہو۔'' اس رات اس نے کیتھی کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ''سوچو، وہ ہمارے گھر کا فرد تو نہیں تھی۔''

''وہ ہمارے گھر کا فرد ہی تھی۔'' کیتھی نے دھیمی آواز میں کہا۔ ''اس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ زندگی بھر ہمارے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔''

رابرٹ نے سر جھٹکا۔اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔''تب میرا خیال ہے کہ اس نے ارادہ بدل لیا تھا۔''اس نے کوشش کی تھی کہ اس کا لہجہ سرد نہ ہو۔لیکن لفظوں میں جو جارحیت تھی،اس کا وہ کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔

کیتھی اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔

''آئی ایم سوری''رابرٹ نے کہا۔''دراصل تمہیں اس حال میں دیکھنا میرے لیے بہت اذیت ناک ہے۔''

''میں قصوروار ہوں رابرٹ۔''کیتھی بولی۔''میں ہی اس کی موت کی ذمے دار ہوں''۔

''کیا کہہ رہی ہو''؟رابرٹ حیران رہ گیا۔

''ہاں......پارٹی میں کچھ ہوا تھا۔''

رابرٹ نے بڑی محبت سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔''دل پر کوئی بوجھ ہے تو اتار دو۔''

''پارٹی میں وہ سب کی توجہ کا مرکز بن گئی تھی۔''کیتھی نے کہا۔''میں حسد کا شکار ہوگئی،میں نے ڈیمین کو اس سے دور کر دیا۔کیسی تنگ نظر ہوگئی تھی میں۔میں اس کے ساتھ توجہ نہیں بانٹنا چاہتی تھی۔میں ساری توجہ خود چاہتی تھی''۔

''تم اپنے ساتھ زیادتی کر رہی ہو۔''رابرٹ نے کہا۔''میں سمجھتا ہوں کہ وہ لڑکی ذہنی مریض تھی۔''

''اگر توجہ کا مرکز بننے کی خواہش کرنا ذہنی مرض ہے تو میں بھی ذہنی مریض ہوں۔''

وہ خاموش ہوگئی۔کہنے کو اور کچھ رہا نہیں تھا۔وہ رابرٹ کی بانہوں میں سمٹ گئی۔وہ اسے تھپکتا رہا۔یہاں تک کہ وہ سوگئی۔رابرٹ جانتا تھا کہ یہ ویسی نیند ہے،جیسی وہ برسوں پہلے لیتی تھی،جب وہ لبریم دوا لیتی تھی۔شاید چیسا کی موت کے شاک نے اسے پھر لبریم لینے پر مجبور کر دیا تھا۔

اگلی صبح کیتھی نے چیسا کی آخری رسومات میں شرکت کی۔ڈیمین کو وہ اپنے ساتھ لے کر گئی تھی۔تدفین ایک چھوٹے سے قبرستان میں ہوئی۔شرکا میں صرف چیسا کے رشتے دار،کیتھی،ڈیمین اور ایک بوڑھا پادری تھا۔پادری نے مسلسل ہونے والی بوندا باندی سے بچنے کے لیے اپنے سر پر ایک اخبار پھیلایا ہوا تھا۔دوسرے ہاتھ میں مقدس کتاب لیے،وہ اس میں سے دعائیں پڑھ رہا تھا۔

پبلسٹی کے خوف سے رابرٹ تدفین میں شریک نہیں ہوا۔بلکہ اس نے تو کیتھی کو بھی روکنے کی کوشش کی تھی۔لیکن کیتھی کے لیے یہ شرکت ضروری تھی۔وہ مرنے والی سے محبت کرتی تھی۔آخری سفر کے لیے وہ اسے وداع کیسے نہ کرتی۔

قبرستان کے باہر کچھ رپورٹرز جمع تھے۔قبرستان کے گیٹ پر دو امریکی فوجی موجود تھے جنہوں نے انہیں اندر جانے سے روک دیا تھا۔انہیں رابرٹ نے عین وقت پر ایمبیسی سے بھیجا تھا۔

رپورٹرز میں حنیف بھی تھا۔وہ دور کے درختوں کے پاس کھڑا اپنے جادوئی لینز کے ذریعے تقریب کو دیکھ رہا تھا۔وہ لینس اتنا طاقت ور تھا کہ دور درخت پر ایک دوسرے سے لڑنے والی دو مکھیوں کے ہر ایکشن کو وہ عکس بند کر سکتا تھا۔وہ کیمرے کی مدد سے ایک ایک چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔مرنے والی کے روتے ہوئے لواحقین،کیتھی تھورن جو کہ شاک کی حالت میں تھی،اور بچہ جو بے چینی سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

اس وقت وہ بچہ ہی حنیف کی توجہ کا مرکز تھا۔ اور لینس کے ذریعے اسے تکتے ہوئے وہ شٹر دبانے کے لیے کسی مناسب لمحے کا منتظر تھا۔

پھر وہ لمحہ آ ہی گیا!

بچے کے چہرے کے تاثرات بدلے۔ اس نے پلکیں پٹ پٹائیں۔ ایک پل کو وہ خوف زدہ لگا۔ مگر اگلے ہی پل پرسکون ہو گیا۔ یہ سب اس وقت ہوا، جب اس کی آنکھیں قبرستان کے دور افتادہ حصے میں کسی نکتے پر مرکوز تھیں۔

تصویر کھینچتے ہی حنیف نے کیمرے کا رخ اس طرف کیا، جدھر بچہ دیکھ رہا تھا۔ لیکن وہاں اسے قبر کے کتبوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیا۔ مگر وہ دیکھتا رہا بالآخر اسے تحرک دکھائی دیا۔ ایک سیاہ دھبہ سا حرکت کرتا دکھائی دیا تھا۔

حنیف فوکس کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بالآخر وہ اسے دیکھنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ ایک بڑا اور سیاہ کتا تھا۔ وہ ساکت بیٹھا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ حنیف کو افسوس ہوا کہ وہ بلیک اینڈ وائٹ فلم استعمال کر رہا ہے۔ کیونکہ کتے کی زرد آنکھیں اجاگر ہوتیں تو وہ تصویر بہت ڈراؤنی ہوتی۔ بہر حال اپرچر کو کھول کر کسی حد تک تاثر تو وہ اب بھی اجاگر کر سکتا تھا۔

اس کام سے نمٹا تو وہ مطمئن تھا۔ وقت ضائع بہر حال نہیں ہوا تھا۔ لیکن نجانے کیوں وہ کچھ بے چین تھا۔ پہاڑی کی چوٹی سے اس نے دیکھا۔ تابوت اب قبر میں اتارا جا رہا تھا۔ اتنی دور سے بچہ اور کتا بہت چھوٹے نظر آ رہے تھے۔ لیکن ان کے درمیان جو خاموش رابطہ تھا، وہ بالکل واضح تھا۔

✿.........✿.........✿

اگلے روز پھر بارش ہوئی......اور مسز بےلاک کا نزول بھی!

مسز بےلاک آرش تھی۔ اس نے حویلی کا گیٹ کھولتے ہی اعلان کیا۔ ”میں نئی آیا ہوں“۔

گارڈ نے اسے روکنے کی کوشش کی۔ مگر وہ اسے جھڑک کر اندر چلی گئی۔ اس کا جارحانہ انداز توہین آمیز بھی تھا اور پرکشش بھی۔

”میں جانتی ہوں کہ یہ وقت آپ لوگوں کے لیے دشوار ہے“۔ اس نے اپنا کوٹ اتارتے ہوئے کہا۔ وہ رابرٹ اور کیتھی سے مخاطب تھی۔

”آپ میری یہ بات یاد رکھیں۔ جو کوئی بھی مرگھلی آیا رکھتا ہے، وہ اپنے لیے مصیبت کو دعوت دے رہا ہوتا ہے“۔

رابرٹ اور کیتھی کو اس کی خود اعتمادی نے گنگ کر دیا۔

”آیا کو بھاری بھرکم ہونا چاہیے۔ میری طرح“ مسز بےلاک نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”یہ ہلکی پھلکی آیائیں تو بس ہفتے دو ہفتے کے لیے ہوتی ہیں“۔

رابرٹ اور کیتھی اب بھی سحر زدہ سے بیٹھے تھے۔ مسز بےلاک کے لیے بھاری بھرکم بھی بہت ہلکا لفظ معلوم ہوتا تھا۔

کوٹ اتار کر لٹکانے کے بعد مسز بےلاک نے اپنا سوٹ کیس اٹھایا۔ ”اب جلدی سے بتائیں، بچہ کہاں ہے؟“

”میں تمہیں لے چلتی ہوں“۔ کیتھی نے زینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''میں چاہتی ہوں کہ میری اور اس کی پہلی ملاقات میں کوئی مخل نہ ہو۔ تا کہ ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ لیں۔''

کیتھی کو حیرت ہوئی۔ عجیب بدتمیز اور منہ پھٹ عورت ہے۔ ''بچہ بہت شرمیلا ہے۔ نئے لوگوں سے آسانی سے نہیں گھلتا ملتا۔''

''میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میرے ساتھ ایسا نہیں ہوگا۔''

''میں پھر کہوں گی......!''

''آپ مجھے موقع تو دیں۔'' مسز بے لاک نے کہا اور اپنا سوٹ کیس لے کر زینے کی طرف بڑھ گئی۔

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر رابرٹ اور کیتھی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ رابرٹ نے تائید میں سر ہلایا۔ لیکن اس کی نگاہوں میں بے یقینی تھی

''بہر حال...... یہ عورت مجھے اچھی لگی'' اس نے کہا۔

''مجھے بھی''

''یہ تمہیں ملی کہاں''؟

''مجھے......؟ یہ مجھے ملی ہے؟'' کیتھی نے حیرت سے کہا۔

''تو اور کیا؟''

''میں تو سمجھ رہی تھی کہ یہ تمہاری دریافت ہے۔''

ایک لمحے کی ہچکچاہٹ کے بعد رابرٹ نے پکارا۔ ''مسز بے لاک''!

اتنی دیر میں مسز بے لاک دوسری منزل کی لینڈنگ پر پہنچ چکی تھی۔ اس نے وہاں سے نیچے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''جی مسٹر تھورن''!

''معاف کرنا۔ تم نے ہمیں کنفیوز کر دیا ہے۔''

''وجہ؟''

''تم یہاں آئیں کیسے؟''

''ٹیکسی سے۔ اور ٹیکسی میں نے واپس بھیج دی ہے۔''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ تمہیں یہاں بھیجا کس نے ہے۔''

''ایجنسی والوں نے''۔

''ایجنسی! کون سی ایجنسی؟''

''آپ کی ایجنسی والوں نے اخبار میں خبر پڑھی کہ آپ کے بچے کی آیا مر گئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے دوسری آیا بھیج دی۔''

رابرٹ کو یہ بات کچھ غیر فطری لگی۔ لیکن لندن میں بے روزگاری کی گھمبیر صورت حال کے پیش نظر بات سمجھ میں آتی تھی۔ ''بہت ہی زبردست کارکردگی ہے۔'' وہ بڑبڑایا۔

''میں ایجنسی فون کر کے تصدیق کروں؟'' کیتھی نے پوچھا۔

''جی ہاں ضرور۔ اور اس دوران آپ چاہیں تو میں باہر بارش میں انتظار کر سکتی ہوں۔''

''نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں۔''

''میں آپ کو کوئی غیر ملکی ایجنٹ لگتی ہوں؟'' مسز بے لاک نے پوچھا۔

''نہیں۔ میں تو ایسا نہیں سمجھتا۔'' رابرٹ نے لطف لینے والے انداز میں کہا۔

''اتنے یقین سے نہ کہیں۔'' مسز بے لاک کا انداز بھی مزاحیہ ہو گیا۔ ''کون جانے' میرے سوٹ کیس میں ٹیپ ریکارڈر چھپے ہوں۔ اپنے گارڈ سے کہیں کہ تلاشی تو لے لے۔''

رابرٹ اور کیتھی ہنسنے لگے۔ مسز بے لاک بھی ہنس رہی تھی۔

''تم جاؤ۔ چیکنگ ہم بعد میں کرالیں گے۔'' رابرٹ نے کہا۔

رابرٹ اور کیتھی ڈرائنگ روم میں چلے آئے۔ کیتھی نے ایجنسی فون کر کے مسز بے لاک کے بارے میں معلوم کیا۔ وہاں سے بتایا گیا کہ مسز بے لاک ایک بے حد تجربہ کار آیا ہے اس کے چال چلن کی تصدیق کرنے والے بڑے اور اہم لوگ ہیں۔ الجھن صرف اتنی تھی کہ ایجنسی کے ریکارڈ کے مطابق مسز بے لاک ان دنوں روم میں ملازمت کر رہی تھی۔ بہر حال یہ ممکن ہے کہ صورت حال ابھی حال ہی میں تبدیل ہوئی ہو۔ ایجنسی والوں نے کہا کہ اسے یقیناً مینجر نے بھیجا ہو گا۔ وہ دو ہفتے کی چھٹی پر ہے۔ اس کے آنے کے بعد اس سے تصدیق کرادی جائے گی۔

کیتھی نے ریسیور رکھنے کے بعد رابرٹ کی طرف دیکھا۔ رابرٹ نے کندھے جھٹک دیئے۔ بہر حال وہ دونوں ہی خوش تھے کہ ایک بڑا مسئلہ بیٹھے بٹھائے حل ہو گیا۔ یہ اور اچھی بات تھی کہ اپنے عجیب طرز عمل کے ساتھ مسز بے لاک زندگی سے بھرپور عورت تھی۔ اور ان کے گھر کو ایسی ہی عورت کی ضرورت تھی۔

اوپر مسز بے لاک کے ہونٹوں کی مسکراہٹ اوجھل ہو چکی تھی۔ وہ اب دھندلائی ہوئی آنکھوں سے سوتے ہوئے بچے کو بغور دیکھ رہی تھی۔ اس کی ٹھوڑی کھڑکی کے چھجے پر ٹکی تھی۔ وہ شاید بارش دیکھتے دیکھتے سو گیا تھا۔

مسز بے لاک مسحور ہو کر وارفتہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی سانسوں کی آواز سے بچے کی آنکھ کھلی۔ دونوں کی آنکھیں ملیں۔ بچے کے جسم میں اینٹھن سی دکھائی دی۔ وہ تن کر بیٹھ گیا۔

''ڈرو نہیں ننھے بچے۔'' مسز بے لاک نے محبت بھری سرگوشی میں کہا۔ ''میں یہاں تمہاری حفاظت کے لیے آئی ہوں۔''

باہر بجلی کا ایک زبردست کڑاکا ہوا۔ پھر بارش شروع ہوئی، جو دو ہفتے تک جاری رہی۔

معمول سے زیادہ بارش کے نتیجے میں انگلستان کے مضافاتی علاقے نباتاتی زندگی سے دھڑک اٹھے۔ جولائی آتے آتے پیری فورڈ سبزے سے لہلہا اٹھا۔ لان کے عقب میں واقع جنگل بہت زیادہ گھنا ہوگیا۔ ایسے میں حیوانی زندگی خوب پنپتی ہے۔ ہورٹن کو ڈر تھا کہ اب خرگوش اپنی پناہ گاہوں سے نکلیں گے اور لان پر حملہ آور ہوں گے۔ چنانچہ اس نے ان کے لیے جگہ جگہ جال بچھا دیئے۔ رات کی تاریکی میں ان کی چیخوں سے سناٹا مجروح ہونے لگا۔

پھر کیتھی کے منع کرنے پر ہورٹن نے جال بچھانا چھوڑ دیا۔ مگر وجہ صرف کیتھی کا منع کرنا نہیں تھا۔ اصل میں وہ زد میں آئے ہوئے خرگوشوں کو لانے کے لیے جنگل میں داخل ہونے سے ڈرنے لگا تھا۔ اسے لگتا تھا کہ جھاڑیوں کے عقب سے اسے دیکھا جا رہا ہے۔

اس نے یہ بات اپنی بیوی کو بتائی تو وہ ہنس دی۔ ''ارے...... وہ ہنری پنجم کا بھوت ہوگا'' اس نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

لیکن ہورٹن بہت سنجیدہ تھا۔ ''کچھ بھی ہو۔ اب میں جنگل میں کبھی نہیں گھسوں گا۔'' اس نے کہا۔

یہی وجہ تھی کہ جب نئی آیا مسز بے لاک نے ڈیمین کو جنگل میں لے جانا شروع کیا تو وہ بہت پریشان ہوا۔ اور مسز بے لاک ڈیمین کے ساتھ کئی گھنٹے جنگل میں گزارتی تھی۔ وہاں دلچسپی کی ایسی کون سی چیز ہے، یہ سوچ کر ہورٹن متوحش ہوتا رہتا تھا۔

پھر ایک دن کپڑے دھونے میں اپنی بیوی کا ہاتھ بٹاتے ہوئے ہورٹن کو ننھے ڈیمین کے کپڑوں میں الجھے ہوئے کئی لمبے بال ملے، جو یقیناً کسی جانور کے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ ڈیمین کسی جانور سے کھیلتا رہا ہے۔

ہورٹن کی پریشانی اور بڑھ گئی۔ لیکن پیری فورڈ میں ایسے واقعات ابھی اور ہونے تھے۔

ایک بات یہ تھی کہ کیتھی اب اپنے بچے کو بہت کم وقت دے رہی تھی۔ چنانچہ بچے کے معاملات پر نئی آیا پوری طرح چھا گئی تھی۔ تاہم اس سے انکار ممکن نہیں تھا کہ مسز بے لاک ایک بے حد اہل گورنس ہے۔ اور اس نے بچے کا دل جیت لیا تھا۔ صاف نظر آتا تھا کہ ڈیمین مسز بے لاک سے بہت محبت کرتا ہے۔ لیکن یہ بات بہر حال پریشان کن بھی تھی اور غیر فطری بھی کہ وہ آیا کی قربت کو اپنی ماں کی قربت پر ترجیح دیتا تھا۔ یہ بات تمام ملازمین نے محسوس کر لی تھی...... اور وہ اس پر بات چیت بھی کرتے تھے۔ انہیں اپنی مالکن پر ترس آتا تھا، جس کا جائز حق ایک ملازمہ کو مل گیا تھا۔ ان کے بس میں ہوتا تو وہ مسز بے لاک کی چھٹی کرا دیتے۔ لیکن وہ دیکھ رہے تھے کہ آیا کا اثر و نفوذ ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتا جا رہا ہے۔

یہ بات کیتھی نے بھی محسوس کی تھی۔ مگر وہ بے بس تھی۔ ایک بار حسد کا شکار ہو کر اس نے اپنے بچے کے لیے کسی اور کی محبت میں مداخلت کی تھی۔ اس کے نتیجے میں بے چاری چیسا زندگی سے محروم ہوگئی تھی۔ اب وہ یہ حماقت دوسری بار نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اب ڈیمین سے اس کی کوئی اور محبت نہیں چھیننا چاہتی تھی۔

مسز بے لاک کو آئے ہوئے دو ہفتے ہوئے ہوں گے کہ اس نے اپنی اقامت تبدیل کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ بیس منٹ میں رہتی تھی۔ لیکن اب وہ اوپر ڈیمین کے کمرے کے عین سامنے والے کمرے میں منتقل ہونا چاہتی تھی۔ اس نے کیتھی سے پوچھا تو کیتھی نے اجازت دے دی۔

کیتھی خود ایک قدامت پسند گھرانے میں پلی بڑھی تھی۔ وہاں بچے کی پرورش، اس کی نگہداشت اور تربیت صرف اور صرف ماں کی ذمہ

داری تھی۔لیکن کیتھی جانتی تھی کہ یہاں ماحول مختلف ہے۔اسے شوہر کا نہ صرف گھر میں، بلکہ ضرورت پڑنے پر گھر سے باہر بھی ساتھ دینا ہے۔چنانچہ اس نے اپنے بچے کے معاملے میں خود کو اور پیچھے ہٹالیا۔

اس نئی آزادی اور اس کے نتیجے میں ملنے والی فرصت کو وہ بڑے سلیقے سے استعمال کررہی تھی۔اس طرح کہ اس کا شوہر اس سے بہت خوش تھا۔صبح کے وقت وہ فلاحی کاموں میں حصہ لیتی۔شام سیاسی ٹی پارٹیوں کے نام تھی۔اب وہ خوبصورت، نازک طبع اور تنہائی پسند عورت نہیں تھی۔اب وہ توانائی سے لبریز پراعتماد بیوی تھی، جو اپنے شوہر کے قدم سے قدم ملا کر چل رہی تھی۔رابرٹ تھورن بہت خوش تھا۔وہ یہی کچھ تو چاہتا تھا۔لیکن کبھی اسے ایسا لگتا کہ یہ تبدیلی بے سبب نہیں۔اور اس کا سبب کوئی اچھا نہیں۔بلکہ پریشان کن ہے۔

اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس کا یہ خیال خطرناک حد تک درست ہے۔

رابرٹ تھورن بے حد مصروف زندگی گزار رہا تھا۔اسے تیل کے بحران سے نمٹنے کی ذمے داری سونپی گئی تھی۔اس سلسلے میں اسے سعودی عرب کے شیوخ سے سرکاری نوعیت کی ملاقاتیں کرنی تھیں۔صدر امریکا کو اس سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔سعودی عرب کے بعد اسے ایران کا دورہ کرنا تھا۔اور ان دوروں میں اسے تنہا جانا تھا۔کیونکہ سفارتی دورے میں بیوی کی موجودگی عربوں کے نزدیک کمزوری کی دلیل ہوتی۔

اس نے یہ بات کیتھی کو بتائی تو اسے حیرت ہوئی۔''میری سمجھ میں تو نہیں آئی یہ بات''

''یہ ان کی معاشرت کے لحاظ سے ہے۔ان کا طرز فکر ہے۔'' رابرٹ نے کہا۔''اب میں ان کے ملک جارہا ہوں۔تو مجھے اس کا خیال رکھنا ہوگا۔''

''انہیں تمہارا خیال نہیں رکھنا چاہیے۔'' کیتھی نے تیز لہجے میں کہا۔

''ایسی بات نہیں۔وہ خیال کرتے......''

''تو میں کوئی ثقافتی شے ہوں۔''

''کیتھی......''

کیتھی نے دوبارہ اس کی بات کاٹ دی۔''میں نے ان شیوخ کو دیکھا ہے۔ان کے حرم بھی دیکھے ہیں۔وہ کہیں بھی جائیں، کسی نہ کسی کو پسند کرلیتے ہیں۔ان کے حرم میں ایک اور عورت کا اضافہ ہوجاتا ہے۔تو کیا وہ تم سے بھی یہی چاہیں گے؟''

''نہیں بھئی۔'' رابرٹ نے اسے ٹالنا چاہا۔رات بہت ہوچکی تھی۔اور وہ جھگڑا نہیں چاہتا تھا۔

''تم مجھے بہلا رہے ہو۔''

''میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ یہ دورہ بہت اہم ہے۔''

''اور اس اہمیت کے پیش نظر، اگر وہ تم سے عیاشی کو کہیں گے تو تم انکار نہیں کروگے؟''

رابرٹ کا تحمل جواب دینے لگا۔''ہماری غرض اتنی بڑی ہے کہ وہ کچھ بھی کہیں، میں مان لوں گا۔میں انکار نہیں کرسکتا۔''

کیتھی چند لمحے اسے گھورتی رہی۔ پھر بولی۔ ''اور اس تصویر میں میں کہاں ہوں؟''

''اپنے مقام پر! یہاں! تم جو کچھ کر رہی ہو، وہ بھی اتنا ہی اہم ہے۔''

''پھر وہی بہلانے کی کوشش......''

''میں تمہیں بہلا نہیں رہا، سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں......''

''یہی نا کہ تم ان کی ہر بات مان لو گے۔ نہ مانے تو یہ بے چاری دنیا تباہ ہو جائے گی۔ تم مجبور ہو۔''

''ایک حد تک یہ سچ ہے۔ اپنے قومی مفادات کی خاطر میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔''

کیتھی اسے گھورتی رہی۔ اس کی نگاہوں میں اتنی سختی، اتنی نفرت تھی کہ رابرٹ دہل گیا۔ ''میرے خیال میں تم ان کا کھلونا ہو اور میں تمہارا کھلونا ہوں۔ چلو...... بس! سو جاؤ۔''

رابرٹ نے دانستہ باتھ روم میں زیادہ دیر لگائی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ باہر آئے گا تو کیتھی سو چکی ہو گی۔ لیکن ایسا نہیں تھا۔ وہ جاگ رہی تھی اور اس کی منتظر تھی۔ اس کے انداز میں محبت تھی...... در گزر تھا۔ ''سوری رابرٹ'' اس نے کہا۔ ''میں تمہاری مجبوری سمجھتی ہوں۔ بس تم سے دور رہنے کا خیال مجھے ناقابل برداشت معلوم ہوتا ہے۔''

''تم جانتی ہو۔ میرا بھی یہی حال ہے۔'' رابرٹ نے کہا۔

مگر رابرٹ کو چند لمحے بعد اندازہ ہو گیا کہ کیتھی کی محبت میں محبت کم اور جارحیت...... بہت زیادہ ہے۔ اسے ہر ہر پل توہین کا احساس ہوتا رہا۔

کیتھی تو سو گئی۔ مگر رابرٹ کی نیند اڑ گئی تھی۔ وہ کھڑکی کے پاس جا بیٹھا۔ وہ پورے چاند کی رات تھی۔ اس کھڑکی سے جنگل دکھائی دیتا تھا۔ رابرٹ جنگل کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ پورا منظر ساکت تھا...... جیسے جنگل سو رہا ہو۔

لیکن اس سکوت، اس عدم تحرک کے باوجود اسے ایسا لگا، جیسے جنگل اسے گھور رہا ہے۔ قریب ہی وہ دوربین رکھی تھی، جو وہ پرندوں کو دیکھنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ رابرٹ نے دوربین اٹھائی اور آنکھوں سے لگائی۔

شروع میں تو اسے اندھیرے کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیا۔ پھر اسے دو دہکتے ہوئے کوئلے نظر آئے، جن پر چاندنی منعکس ہو رہی تھی۔ وہ زرد آنکھیں حویلی میں کسی سمت دیکھ رہی تھیں۔ اس کے جسم میں کپکپی سی دوڑ گئی۔ اس نے دوربین ہٹا دی۔

پھر وہ باہر نکلا اور زینے کی طرف چل دیا۔ لان عبور کر کے وہ گیٹ کی طرف بڑھا، جو جنگل کی جانب کھلتا تھا۔ وہ گیٹ سے نکل کر آگے بڑھا۔ وہ ننگے پاؤں ہی نکل آیا تھا۔ وہ گہرا سناٹا تھا۔ جھینگر تک کی آواز نہیں تھی۔ اور کوئی کشش اسے جنگل کی طرف کھینچ رہی تھی۔

جنگل کی سرحد پر رک کر اس نے دوربین آنکھوں سے لگائی۔ ایک پل کو دہکتے ہوئے کوئلوں جیسی وہ زرد آنکھیں اسے نظر آئیں۔ مگر اگلے ہی لمحے غائب ہو گئیں۔

وہ پلٹا! اسی لمحے اس کا پاؤں کسی نرم اور گیلی چیز سے مس ہوا۔ وہ گھبرا کر ہٹا اور ایک طرف جھکا۔ اس نے نیچے دیکھا۔ چاندنی میں صاف دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ایک مردہ خرگوش تھا...... سر کٹا خرگوش۔ اس کا جسم ابھی گرم تھا۔ جہاں اس کا سر رہا ہوگا، وہاں کی زمین خون سے رنگین ہو رہی تھی۔

اگلی صبح رابرٹ جلد جاگا اور اس نے ہورٹن سے استفسار کیا۔ ''کیا تم اب بھی خرگوش کے لیے جال بچھا رہے ہو۔''

''جی نہیں''۔ ہورٹن نے جواب دیا۔

رابرٹ اسے اپنے ساتھ وہاں لے گیا۔ جہاں رات اس نے سر بریدہ خرگوش دیکھا تھا۔ اب وہاں خرگوش کا محض ڈھانچہ تھا۔ اس کا گوشت کھایا جا چکا تھا۔ ڈھانچے پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ ہورٹن نے ہاتھ ہلا کر مکھیوں کو اڑایا اور جھک کر ڈھانچے کا جائزہ لیا۔

''کیا خیال ہے تمہارا؟'' رابرٹ نے اس سے پوچھا۔ ''کیا اس جنگل میں کوئی درندہ آ گیا ہے؟''

''کچھ کہہ نہیں سکتا جناب۔ لیکن میرے خیال میں ایسا نہیں ہے۔'' ہورٹن نے کہا۔ پھر اس نے مردہ خرگوش کی طرف اشارہ کیا۔ اب وہ بولا تو اس کے لہجے میں بدمزگی تھی۔ ''درندے بھوک کے لیے شکار کرتے ہیں۔ اور وہ سر چھوڑ دیتے ہیں۔ جبکہ آپ نے رات کو دیکھا، خرگوش کا دھڑ سلامت تھا اور سر غائب تھا۔ اس خرگوش کو جس نے بھی مارا ہے، اپنے نفس، اپنے باطن کی لذت کے لیے مارا ہے۔ تفریح کے لیے۔''

''اس کی لاش کہیں دور پھینک دو۔ اور گھر میں کسی سے تذکرہ نہ کرنا۔'' واپسی کے دوران رابرٹ نے ہورٹن سے کہا۔

گیٹ پار کر کے وہ مختلف سمتوں میں چل دیئے۔ اچانک ہورٹن رکا، اور پلٹا۔ ''سر، یہ جنگل مجھے اچھا نہیں لگتا۔ اور مجھے یہ بھی نامناسب لگتا ہے کہ مسز بے لاک آپ کے بیٹے کو اس جنگل میں لے کر جائے۔''

''تو تم اسے منع کر دینا۔ تفریح کے لیے یہ اتنا بڑا لان کم تو نہیں۔'' رابرٹ نے کہا۔

اس شام ہورٹن نے مسز بے لاک کو ٹوک دیا۔ تب اس رات رابرٹ تھورن کو پہلی بار ایسا لگا کہ اس کے گھر میں کوئی کمی ہے۔ اس رات مسز بے لاک اسے ڈرائنگ روم میں لے گئی۔

وہ بہت غصے میں تھی۔ ''میں اسے پسند نہیں کرتی کہ مجھے کسی دوسرے ملازم کی زبانی کوئی حکم ملے۔ اور یہ بات نہیں کہ میں نافرمان ہوں۔ بس میں یہ چاہتی ہوں کہ میرے لیے جو بھی حکم ہو، مجھے براہ راست دیا جائے۔'' اس کا انداز جارحانہ تھا۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟'' رابرٹ تھورن نے بے پروائی سے کہا۔ مگر وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ مسز بے لاک کی آنکھیں غصے سے دہک اٹھی تھیں۔

''ایک بڑے گھر اور ایک عام گھر میں یہی تو فرق ہوتا ہے مسٹر ہورٹن۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہاں انچارج کوئی بھی نہیں ہے۔ یہ گھر مرکزیت سے محروم ہے مسٹر تھورن۔''

یہ کہہ کر وہ پلٹی اور کمرے سے چلی گئی۔

رابرٹ اس کی بات کا مطلب سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جہاں تک گھر کا تعلق تھا تو کیتھی یہاں انچارج تھی۔ لیکن وہ خود زیادہ وقت گھر سے باہر گزارتا تھا۔ تو کیا مسز بے لاک اسے یہ بتانے کی کوشش کر رہی ہے کہ جیسا نظر آ رہا ہے، حقیقت میں ویسا نہیں ہے۔ یہاں کے معاملات کیتھی کے قابو میں نہیں ہیں۔ یا کیتھی یہاں کے معاملات سے بے تعلق ہو گئی ہے۔!

اپنے ڈربے نما فلیٹ میں حنیف جاگ رہا تھا۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اس کے ڈارک روم میں تھورن فیملی کی تصویریں بڑھتی ہی جا رہی ہیں۔ اس نے ابھی آیا چیسا کی تدفین والی تصویروں کے پرنٹ نکالے تھے۔ قبروں کے کتبوں کے درمیان کتے کا کلوز اپ تھا۔ پھر تھورن کے بیٹے کا کلوز اپ تھا۔ سالگرہ کی تقریب کی تصویریں الگ تھیں۔ کیتھی آیا کو دیکھ رہی ہے۔ آیا چیسا الگ تھلگ...... اکیلی کھڑی ہے...... جوکر کے کاسٹیوم میں۔

یہ آخری تصویر حنیف کے لیے بے حد پرکشش تھی۔ کیونکہ اس تصویر میں آیا کے سر سے ذرا اوپر ایک عجیب سا دھبہ تھا۔ شاید وہ کوئی تکنیکی خامی تھی۔ لیکن ایسا لگتا تھا کہ وہ بعد کے المیے کی علامت تھی...... نشانی اس کی موت کی۔ شاید وہ رنگوں کی پروسیسنگ میں کسی گڑبڑ کی وجہ سے تھی۔ جس کے نتیجے میں آیا چیسا کے سر اور گردن کے گرد موہوم سی دھند کا ایک ہالہ سا بن گیا تھا۔ عام طور پر ایسی نقص والی تصاویر کو وہ ردی قرار دے کر پھینک دیتا تھا۔ یا تلف کر دیتا تھا۔ لیکن یہ تصویر اس نے محفوظ کر لی تھی۔ کیونکہ اس کے کھینچے جانے کے بعد جو المیہ رونما ہوا تھا، اس نے اس دھبے، اس ہالے کو علامتی رنگ دے دیا تھا۔ جیسے وہ دھبہ دھبہ نہ ہو، نحوست کا...... تباہی کا سایہ ہو۔

اور آخری تصویر آیا چیسا کی رسی سے جھولتی ہوئی لاش کی تھی۔ واقعات کے تسلسل کو انجام تک پہنچانے والی ہولناک حقیقت! سچ تو یہ ہے کہ تھورن فیملی سے متعلق وہ تصاویر کسی ڈراؤنی فلم کی اسٹلز لگتی تھیں۔ اور حنیف اس پر خوش تھا۔ اس نے ایک مثالی گھرانے کو اپنا سبجیکٹ بنایا تھا اور اس میں چھپا ہوا غیر معمولی پن اجاگر کیا تھا۔ ایسا غیر معمولی پن جوان لوگوں میں کسی اور کو کبھی نظر نہیں آیا تھا۔ اور اب اس نے ان پر ریسرچ بھی شروع کر دی تھی۔ امریکا میں اپنے ایک رابطہ کو اس نے تھورن فیملی کا بیک گراؤنڈ معلوم کرنے اور ایسی معلومات فراہم کرنے پر مامور کیا تھا، جو اخبار نویسوں تک سے پوشیدہ ہوں۔

اب وہ معلومات اسے حاصل ہو گئی تھیں!

اسے پتا چل گیا تھا کہ کیتھی کا تعلق ایک جلاوطن روسی فیملی سے تھا، جس نے امریکا میں سیاسی پناہ حاصل کی تھی۔ اس کے باپ نے ایک آفس بلڈنگ کی چھت سے چھلانگ لگا کر خودکشی کی تھی۔ اس کی موت کے ایک ماہ بعد کیتھی پیدا ہوئی۔ اور ایک سال بعد اس کی ماں دوسری شادی کر کے نیوہیمپشائر چلی آئی۔ اس کے دوسرے شوہر نے کیتھی کو اپنا نام دیا۔

گزشتہ چند برسوں میں کیتھی نے جتنے بھی انٹرویو دیئے تھے، ان میں اس نے کبھی اپنے سوتیلے باپ کا حوالہ نہیں دیا تھا۔ حنیف کا اندازہ تھا کہ اس حقیقت کا شاید خود کیتھی کو بھی علم نہیں ہوگا۔ اور اس بات کی کوئی اہمیت بھی نہیں تھی۔ لیکن اس کے نتیجے میں اسے ضرورت پڑنے پر کیتھی پر بالادستی حاصل ہو سکتی تھی۔

بہر حال اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ وہ صحیح راستے پر چل رہا ہے۔

ابھی تک اس کے پاس خود رابرٹ تھورن کی کوئی تصویر نہیں تھی۔ تاہم اسے امید تھی کہ اگلے روز آل سینٹس چرچ میں ہونے والی شادی میں اسے یہ موقع بھی مل جائے گا۔ یہ یقینی تھا کہ رابرٹ تھورن اس شادی میں شرکت کرے گا۔ وہ مقام حنیف کے نکتہ نظر سے آئیڈیل نہیں تھا۔ لیکن اب تک خوش قسمتی نے اس کا ساتھ دیا تھا۔ اور اس کا خیال تھا کہ آگے بھی یہ سلسلہ چلے گا۔

✿.........✿.........✿

شادی کی تقریب سے ایک دن پہلے رابرٹ تھورن نے ایجنسی میں اپنے معمول کے تمام کام چھوڑ دیئے۔ ہفتے کے روز کام کچھ زیادہ ہی ہوتا تھا۔ وہ کیتھی کو ایک لمبی مضافاتی ڈرائیو پر لے گیا۔ وہ کیتھی کے ساتھ اپنے پچھلے تنازعے کے بارے میں بہت فکر مند تھا۔ اسی لیے وہ کیتھی کے ساتھ تنہائی میں وقت گزارنا اور یہ سمجھنے کی کوشش کرنا چاہتا تھا کہ معاملات میں کہاں اور کس نوعیت کی خرابی ہے؟

اس کی یہ ترکیب کارگر ثابت ہوئی۔ کیونکہ گزشتہ کئی ماہ میں وہ پہلا موقع تھا کہ کیتھی پرسکون دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے رابرٹ کا ہاتھ تھام رکھا تھا اور گردو پیش کی خوبصورتی میں کھوئی ہوئی تھی۔

دوپہر کو انہوں نے کنگ لیئر کا میٹنی شو دیکھا۔ ڈراما کیتھی پر بہت اثر انداز ہوا۔ اس کی آنکھوں میں بار بار آنسو آرہے تھے۔ پھر اپنے بچے کی موت پر لیئر کا وہ دکھ بھرا مکالمہ آیا..... کتے سانس لے رہے ہیں۔ چوہے سانس لے رہے ہیں۔ پھر ایسا کیوں ہے میرے بچے کہ تمہاری سانسوں کی ڈور ٹوٹ گئی.....اور کیتھی کو اپنے اندر کوئی نازک سی چیز ٹوٹتی محسوس ہوئی.....اور وہ باقاعدہ رونے لگی۔

رابرٹ نے اسے خود سے قریب کیا اور تھپکنے لگا۔

وہ باہر نکلے اور دوبارہ کار میں آبیٹھے۔ کیتھی نے مضبوطی سے رابرٹ کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ ڈرامے کی جذباتیت نے ان دونوں کے درمیان ایک ایسی قربت پیدا کر دی تھی، جس سے وہ گزشتہ کئی مہینوں سے محروم رہے تھے۔

وہ ایک چشمے کے پاس رکے۔ کیتھی کی آنکھیں پھر بھیگنے لگیں۔ دلوں کی قربت کے ان لمحوں میں وہ اپنے خوف کے متعلق باتیں کر رہی تھیں.....ڈیمین کو کھو دینے کا خوف۔ ''اگر ڈیمین کو کچھ ہو گیا تو میں جی نہیں سکوں گی۔'' اس نے کہا۔

''اسے کچھ نہیں ہوگا کبھی''۔ رابرٹ نے اسے یقین دلایا۔ ''زندگی اتنی بے رحم نہیں ہوتی۔''

وہ ایک اونچے درخت کے نیچے گھاس پر بیٹھ گیا۔ کیتھی چشمے پر نظریں جمائے سرگوشی میں بول رہی تھی۔ ''میں.....میں بہت خوف زدہ ہوں۔''

''ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔''

اب وہ ایک ٹڈے کو دیکھ رہی تھی، جو گھاس پر ادھر سے ادھر پھدکتا پھر رہا تھا۔

''تمہیں خوف کس بات کا ہے؟''

''میں ہر چیز سے خوف زدہ ہوں۔ کون سی ایسی چیز ہے، جس سے ڈر نہ لگے۔''

رابرٹ نے حیرت سے اسے دیکھا لیکن بولا کچھ نہیں، وہ چاہتا تھا کہ کیتھی وضاحت کرے۔

''مجھے ہر اچھی چیز کا خوف ہے کہ وہ کھو جائے گی، مٹ جائے گی۔ مجھے ہر بری چیز کا خوف ہے۔ کیونکہ میں اس کے مقابلے میں کمزور ہوں اور ہار جاؤں گی۔ مجھے تمہاری کامیابی سے ڈر لگتا ہے کہ وہ ناکامی میں بدل جائے گی۔ اور مجھے خوف ہے کہ نہ تمہاری کامیابی میں میرا کچھ دخل ہے، نہ میں تمہیں ناکامی سے بچاسکتی ہوں۔ اور مجھے ڈر ہے کہ تم امریکا کے صدر بن جاؤ گے۔ اور تمہاری بیوی خاتون اول کے منصب کی اہل نہیں ہوگی۔''

''اب بھی تم تقریباً وہی ذمے داریاں نبھا رہی ہو...... اور بڑی خوب صورتی سے نبھا رہی ہو۔''

''لیکن مجھے ان ذمے داریوں سے نفرت ہے۔''

بات بہت سادگی سے، بڑی سچائی سے کہی گئی تھی۔ اور وہ پہلا موقع تھا کہ کیتھی نے اس طرح کھل کر اظہار کیا تھا۔ اس سے ان کے درمیان اچھی فضا پیدا ہوگئی تھی۔

''تمہیں شاک نہیں لگا یہ سن کر'' کیتھی نے پوچھا۔

''کچھ لگا تو ہے۔ مگر زیادہ نہیں۔'' رابرٹ نے جواب دیا۔

''تم جانتے ہو، مجھے اپنے اور تمہارے باہمی تعلق کے ساتھ کیا کچھ پسند ہے۔؟''

رابرٹ نے نفی میں سر ہلایا۔

''میں چاہتی ہوں کہ ہم امریکا واپس چلے جائیں۔''

رابرٹ گھاس پر لیٹ گیا اور درخت کے پتوں کو تکنے لگا۔

''میں وہاں جانا چاہتی ہوں، جو ہمارا اصل گھر ہے۔ جہاں مجھے تحفظ کا احساس ہو۔''

کچھ دیر خاموشی رہی۔ کیتھی نے رابرٹ کے سینے پر سر رکھ دیا تھا۔

''اور مجھے سب سے زیادہ تحفظ کا احساس تمہاری قربت میں ہوتا ہے۔'' چند لمحے بعد کیتھی نے کہا۔

''ہاں۔ میں سمجھتا ہوں۔''

کیتھی نے آنکھیں موندلیں۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ ''یہ نیوجرسی ہے۔ ہے نا؟'' اس نے سرگوشی میں کہا۔ ''اور ہمارا چھوٹا سا فارم...... پہاڑی کے اوپر۔ ریٹائرمنٹ کے بعد ہم یہیں رہیں گے نا؟''

''یہ بہت اونچی پہاڑی ہے کیتھی۔'' رابرٹ نے کہا۔

''میں جانتی ہوں۔ جانتی ہوں کہ ہم کبھی اسے عبور نہیں کرسکیں گے۔''

اسی وقت ہوا کا ایک جھونکا آیا۔ درخت کے پتے جیسے کھلکھلا کر ہنس دیئے۔ چھن کر آتی ہوئی دھوپ ان کے چہروں پر تھر کنے لگی۔

''ممکن ہے، ڈیمین اسے عبور کرلے۔'' رابرٹ نے کہا۔ ''کون جانے، اس میں ایک شاندار کاشت کار چھپا ہو۔''

''اس کا کوئی امکان نہیں۔ وہ خالص تمہارا بیٹا ہے۔ سر سے پاؤں تک۔''

رابرٹ نے کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا۔ وہ درخت کے پتوں کو تکتا رہا۔

''ایک بات بتاؤں...... عجیب سی بات۔ ایسا لگتا ہے کہ اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

رابرٹ کہنی کے بل اٹھا اور اس نے کیتھی کے چہرے کو بہت غور سے دیکھا۔ وہاں اداسی ہی اداسی تھی۔ ''یہ بات کیوں کہی تم نے؟''

اس نے کندھے جھٹک دیئے، جیسے کہہ رہی ہو کہ اس بات کی وضاحت کرنا اس کے لیے بہت مشکل ہے۔ بالآخر اس نے کہا۔ ''وہ بے حد خودکفیل بچہ ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ دنیا میں اسے کسی کی ضرورت نہیں۔''

''کیا واقعی ایسا لگتا ہے؟''

''جیسے ایک بچے کو اپنی ماں سے وابستگی ہوتی ہے، اسے مجھ سے ذرا بھی نہیں ہے۔ ایک بات بتاؤ رابرٹ، تم اپنی ماں سے بہت قریب نہیں تھے کیا؟''

''میں تو تھا''

''اور اپنی بیوی سے؟''

ان کی آنکھیں ملیں۔ رابرٹ نے بڑی محبت سے اس کا ہاتھ سہلایا۔ ''تم جانتی ہو کہ میرے لیے تم کتنی اہم ہو۔ تمہارے بغیر میں کچھ بھی نہیں۔''

''میں چاہتی ہوں، سب کچھ ایسا ہی رہے جیسا اس وقت ہے۔ میں چاہتی ہوں، وقت یہیں ٹھہر جائے۔'' کیتھی نے خواب ناک لہجے میں کہا۔

''جانتی ہو کیتھی'' جب میں پہلی بار تم سے ملا تو میں نے سوچا، دنیا میں تم سے خوب صورت کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔''

وہ مسکرائی..... جیسے وہ لمحہ اسے بھی یاد آ گیا ہو۔ پھر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اور کیتھی، یقین کرو۔ میں آج بھی یہی سمجھتا ہوں۔'' رابرٹ نے رومان انگیز لہجے میں سرگوشی کی۔

''میں تم سے محبت کرتی ہوں رابرٹ تھورن۔''

''میں بھی۔ اور تم یہ بات جانتی ہو۔''

کیتھی کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ ''میں نہیں چاہتی کہ اب تم مجھ سے کبھی کوئی بات کرو۔ بس میں تمہاری یہ بات ہمیشہ کے لیے اپنی سماعت میں محفوظ رکھنا چاہتی ہوں۔'' پھر جب ان کی آنکھیں کھلیں تو اندھیرا ماحول پر چھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

٭............٭............٭

اس رات وہ پیری فورڈ واپس آئے تو سب سو چکے تھے۔ انہوں نے آتش دان دہکایا اور نرم چرمی کاؤچ پر بیٹھ گئے۔

''کیا وائٹ ہاؤس میں بھی ہم یہ سب کر سکیں گے؟'' کیتھی نے پوچھا۔

''یہ سوال بہت قبل از وقت ہے۔'' رابرٹ نے جواب دیا۔

''پھر بھی مجھے جواب دو۔''

''کوئی وجہ نہیں کہ ہم وائٹ ہاؤس میں بھی ایسے نہ رہ سکیں۔''
اس بار بھی ان کی قربت میں کیتھی کی جارحیت غالب تھی۔

٭............٭............٭

اگلی صبح روشن تھی۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ نو بجے تک رابرٹ شادی کی تقریب کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ زینے کے پاس آ کر اس نے کیتھی کو پکارا۔

''ابھی تو میں تیار نہیں ہوئی ہوں۔'' اوپر سے کیتھی کا جواب آیا۔

''ہم لیٹ ہو جائیں گے۔''

''مجھے بھی یہی لگتا ہے۔''

''تم جانتی ہو۔ اس بات کا قوی امکان ہے کہ وہ ہمارے انتظار میں تقریب ہی لیٹ کر لیں۔ اور یہ شرمندگی کی بات ہوگی۔ کوشش تو کرو کہ ہم وقت پر پہنچ جائیں۔''

''میں کوشش کر رہی ہوں۔''

''ڈیمین تیار ہو گیا ہے؟''

''شاید ہو گیا ہو۔''

''میں لیٹ نہیں ہونا چاہتا''

''اچھا...... مسز ہورٹن سے کہو کہ ہمارے لیے کچھ ٹوسٹ بنا دیں۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے۔''

''لیکن مجھے تو ہے۔''

''اچھا...... تم جلدی کرو۔''

باہر ہورٹن نے گاڑی لا کر پورچ میں کھڑی کر دی تھی۔ رابرٹ نے اسے اشارے سے بتایا کہ چند منٹ اور لگیں گے۔ پھر وہ مسز ہورٹن کو ٹوسٹ تیار کرنے کی ہدایت دینے کچن میں چلا گیا۔

کیتھی اپنے کمرے سے نکل کر ڈیمین کے کمرے کی طرف بڑھی۔ وہ پکار رہی تھی۔ ''چلو ڈیمین، ہم تیار ہو گئے۔ بس اب چلنا ہے۔''

وہ کمرے میں داخل ہوئی۔ لیکن وہاں ڈیمین اسے نظر نہیں آیا۔ باتھ روم کی طرف سے ٹب میں پانی کی چھپ چھپ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ باتھ روم میں داخل ہوئی تو اس کا منہ بن گیا۔ ڈیمین ابھی باتھ ٹب میں ہی تھا۔ مسز بے لاک اسے نہلا رہی تھی۔

''مسز بے لاک، میں نے تم سے کہا تھا کہ اسے جلدی تیار......''

''آپ مائنڈ نہ کریں مادام۔ میرے خیال میں ڈیمین کے لیے پارک جانا زیادہ بہتر رہے گا۔'' مسز بے لاک نے کہا۔

''میں نے تمہیں بتایا تھا کہ یہ ہمارے ساتھ چرچ جائے گا۔''

''ایسے خوبصورت دن ننھے بچوں کے لیے چرچ کوئی مناسب جگہ نہیں۔''

کیتھی نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ یوں مسکرا رہی تھی، جیسے اس کے نزدیک یہ قطعاً غیر اہم بات ہے۔ ''ویل آئی ایم سوری۔ لیکن اس کا چرچ جانا بہت زیادہ اہم ہے۔'' کیتھی نے سخت لہجے میں کہا۔

''یہ بہت چھوٹا ہے۔ چرچ میں ہنگامہ کے سوا کیا کرے گا۔''

اس کے لہجے میں اور اس کے انداز میں کوئی بات تھی۔ جس معصومیت اور سکون سے وہ برملا اس کے حکم کو ٹال رہی تھی، اس نے کیتھی کو غصہ دلا دیا۔ خود پر قابو پانے کے لیے اسے دانت پر دانت جمانے پڑے۔ ''تم سمجھ نہیں رہی ہو۔ مسز بے لاک، میں کہہ رہی ہوں کہ یہ ہمارے ساتھ چرچ جائے گا۔''

مسز بے لاک کے جسم میں واضح تناؤ نظر آیا۔ کیتھی کا لہجہ اسے بہت سخت اور توہین آمیز لگا تھا۔ بچے نے بھی یہ بات محسوس کر لی تھی۔ اور اپنی آیا سے چپک گیا تھا اور ماں کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

''کیا یہ پہلے کبھی چرچ گیا ہے؟'' چند لمحوں کی سنگین خاموشی کے بعد بالآخر مسز بے لاک نے پوچھا۔

''میں نہیں سمجھتی کہ اس سے کوئی فرق......''

''کیتھی''۔ اسی لمحے نیچے سے رابرٹ کی پکار سنائی دی۔

''ایک منٹ رابرٹ'' کیتھی نے وہیں سے جواب دیا۔ اب وہ مسز بے لاک کو گھور رہی تھی۔ جواباً مسز بے لاک بھی اسے گھور رہی تھی۔

''میں تم سے کہہ رہی ہوں کہ فوراً بچے کو تیار کرو۔'' اس بار کیتھی کا لہجہ بہت سخت تھا۔

''میں معذرت خواہ ہوں کہ میں اپنے دل کی بات ضرور کہوں گی۔ آپ چار سال کے بچے سے یہ توقع نہیں رکھ سکتیں کہ وہ ایک کیتھولک شادی کی رسومات کو سمجھے گا اوران سے لطف اندوز ہوگا۔''

کیتھی نے ایک گہری سانس لی۔ ''مسز بے لاک، میں اور میرا شوہر......ہم دونوں کیتھولک ہیں۔''

''ہوتے رہیں''

اس کھلی بدتمیزی اور نافرمانی نے کیتھی کو ہلا کر رکھ دیا۔ ''تم میرے بچے کو تیار کر کے پانچ منٹ کے اندر کار میں پہنچا دو۔ یا پھر اپنے لیے کوئی اور ملازمت تلاش کرنے کے لیے نکل کھڑی ہو۔''

''میرا خیال ہے، اب یہ تو مجھے کرنا ہی ہوگا۔''

''فیصلہ تمہیں ہی کرنا ہے۔''

''میں سوچوں گی۔''

''مجھے امید ہے کہ تم سنجیدگی سے سوچو گی۔''

چند لمحے بہت سنگین خاموشی رہی۔ پھر کیتھی جانے کے لیے پلٹی۔

'میں ایک بات بتادوں۔'' مسز بے لاک نے کہا۔ ''یہ اچھا فیصلہ نہیں ہے۔ اسے چرچ لے جا کر آپ پچھتائیں گی۔''

''جو میں نے کہا ہے، وہ کرو۔'' کیتھی نے کہا اور کمرے سے نکل آئی۔

پانچ منٹ سے پہلے ہی تیار ڈیمین کار میں موجود تھا۔

انہیں شیپرٹن سے ہو کر جانا تھا۔ جہاں نیا ہائی وے بن رہا تھا۔ وہاں ٹریفک جام تھا۔ اس کا مطلب تھا......مزید تاخیر، تھورن فیملی کی لیموزین میں خاموشی اور زیادہ سنگین ہوگئی۔

''کوئی بات ہے؟'' رابرٹ نے کیتھی کے تاثرات بھانپتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں......کچھ نہیں۔''

''تم غصے میں ہو؟''

''کوشش کر رہی ہوں کہ غصہ نہ کروں۔''

''بات کیا ہے؟''

''کوئی خاص بات نہیں۔''

''کم آن...... بتاؤ نا۔''

''ارے وہی مسز بے لاک۔'' کیتھی نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

''ہوا کیا۔''

''میرے اور اس کے درمیان تلخی ہوگئی۔''

''کس سلسلے میں''

''وہ ڈیمین کو پارک لے جانا چاہتی تھی۔''

''اس میں تو کوئی خرابی نہیں۔''

''چرچ کے بجائے......'' کیتھی نے وضاحت کی۔''اور اس نے اسے ہمارے ساتھ نہ بھیجنے کی سرتوڑ کوشش کی۔''

''ممکن ہے، ڈیمین سے دور ہو کر اسے تنہائی کا احساس ہوتا ہو۔''

''ایسا ہے تو یہ بھی کوئی اچھی بات نہیں۔''

رابرٹ نے کندھے جھٹک دیئے اور کھڑکی سے باہر ہائی وے کے تعمیراتی کام کو دیکھنے لگا۔ گاڑی ایک ایک انچ آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ دانت پیسنے لگا۔''ہورٹن...... ہم کسی طرح آگے نہیں نکل سکتے؟'' اس نے کہا۔

''نہیں سر، یہ ممکن نہیں۔ لیکن اجازت ہو تو میں بھی مسز بے لاک کے بارے میں کچھ کہوں۔''

''کہو''۔ رابرٹ نے نرم لہجے میں کہا۔

''برخوردار کے سامنے کہنا مجھے اچھا نہیں لگے گا۔''

کیتھی نے ڈیمین کو دیکھا، جو اس گفتگو سے بے نیاز اپنے نئے جوتے کے تسموں سے کھیل رہا تھا۔''کوئی بات نہیں ہورٹن، تم کہو''۔ اس نے ڈرائیور سے کہا۔

''میں سمجھتا ہوں کہ اس کی قربت بچے کے لیے اچھی نہیں۔ وہ گھر کے اصولوں کا خیال نہیں رکھتی۔''

''تم کن اصولوں کی بات کر رہے ہو؟'' رابرٹ نے کہا۔

''سر میں زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔''

''لیکن میں جاننا چاہتا ہوں۔''

''ہمارا اصول ہے کہ تمام ملازم کھانا ساتھ کھاتے ہیں۔ اور برتن باری باری دھوتے ہیں۔''

رابرٹ نے کن اکھیوں سے بیوی کو دیکھا۔ ہورٹن کی شکایت اسے سنگین نہیں لگ رہی تھی۔

''لیکن مسز بے لاک ہمارے ساتھ کھانا نہیں کھاتی۔ ہم سب کھانا کھا چکیں تو وہ نیچے آتی ہے اور اکیلی بیٹھ کر کھانا کھاتی ہے۔''

''اوہ...... یہ تو بری بات ہے۔'' رابرٹ نے بناوٹی فکرمندی سے کہا۔

''اور وہ برتن کبھی نہیں دھوتی۔ اس کے جھوٹے برتن ہمیشہ ہم لوگ دھوتے ہیں..... باری باری۔''

''ہم اس سے بات کریں گے اس سلسلے میں۔''

''پھر ایک اصول ہے کہ رات کو لائٹس آف ہونے کے بعد کسی ملازم کو اپنے کمرے سے نہیں نکلنا چاہیے۔'' ہورٹن نے مزید کہا۔ ''لیکن میں نے بارہا آدھی رات کے بعد اسے جنگل میں جاتے دیکھا ہے۔ اور ایسے میں وہ دبے پاؤں چلتی ہے۔ جیسے سب سے چھپ کر جا رہی ہو۔''

اس بار رابرٹ اور کیتھی دونوں سوچ میں پڑ گئے۔ ان کی آنکھوں میں الجھن تھی۔ ''یہ تو واقعی عجیب بات ہے۔'' رابرٹ بڑبڑایا۔

''اور معاف کیجیے گا۔ اب جو میں کہوں گا، وہ کہنا نامناسب معلوم ہوتا ہے۔ مگر بات ہی کچھ ایسی ہے۔'' ہورٹن بولا۔ ''سب ملازم جانتے ہیں کہ وہ ٹوائلٹ پیپر استعمال نہیں کرتی۔ آپ میری بات سمجھ رہے ہیں نا۔ جب سے وہ آئی ہے، اس کے باتھ روم میں ٹوائلٹ پیپر کا رول ویسے کا ویسا ہی ہے۔ اتنے عرصے میں ہم سب تین چار رول ٹوائلٹ پیپر کے تبدیل کر چکے ہیں۔''

عقبی سیٹ پر رابرٹ اور کیتھی کے درمیان نگاہوں کا تبادلہ ہوا۔ کہانی کی پراسراریت بڑھتی جا رہی تھی۔

''میں تو دو جمع دو چار والا آدمی ہوں جناب۔ میرا خیال ہے، وہ جنگل میں حوائج ضروریہ سے فارغ ہوتی ہے۔ اور میرے خیال میں یہ بدتہذیبی ہے۔ وہ خود ایسی ہے تو آپ کے بیٹے کو کیا سکھائے گی۔''

کچھ دیر خاموشی رہی۔ رابرٹ اور کیتھی حیران تھے۔

''ایک اور بات ہے جناب، جو مجھے بہت غلط لگتی ہے۔''

''وہ بھی بتا دو ہورٹن'' رابرٹ نے کہا۔

''وہ ٹیلی فون استعمال کرتی ہے..... اور وہ بھی ٹرنک کالز کے لیے۔ وہ روم فون کرتی ہے۔''

اپنی پوری بات کہہ کے ہورٹن ڈرائیونگ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ایک جگہ موقع ملا تو اس نے گاڑی آگے نکال لی۔ رابرٹ اور کیتھی اس کی باتوں پر غور کر رہے تھے۔

بار بار وہ ایک دوسرے کو دیکھتے۔

''آج اس کا رویہ کھلم کھلا گستاخانہ تھا۔'' بالآخر کیتھی نے کہا۔

''تم اسے نکالنا چاہتی ہو؟''

''میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ تم اپنی بتاؤ۔''

رابرٹ نے کندھے جھٹک دیئے۔ ''میرے خیال میں ڈیمین اس سے بہت مانوس ہو چکا ہے۔''

''میں جانتی ہوں۔''

''اوراس بات کی ایک اہمیت ہے۔''

''ہاں۔تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' کیتھی نے سرد آہ بھر کے کہا۔

''لیکن تم چاہو تو اسے جواب دے دو۔''

کیتھی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ ''ممکن ہے، وہ خود ہی چلی جائے۔''

ڈیمین ان دونوں کے درمیان بیٹھا کار کے فرش کو تک رہا تھا۔اس کی پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھیں۔

گاڑی بہت آہستہ آہستہ اپنی منزل کی طرف بڑھ رہی تھی۔

آل سینٹس چرچ ایک بہت بڑا چرچ تھا...... سترھویں صدی کے طرز تعمیر کا نمونہ، جس میں اٹھارہویں، انیسویں اور بیسویں صدی کی جھلکیاں بھی شامل ہوگئی تھیں۔ کیونکہ اس میں مسلسل اضافے ہوتے رہے تھے۔سامنے والا بہت بڑا اور بھاری دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔دن ہو یا رات، اندر ہمیشہ روشنی رہتی تھی۔

شادی کی یہ تقریب بڑی تقریب تھی۔ چرچ کی سڑک کے اطراف میں عوام الناس کا ہجوم تھا۔بعض لوگوں کے ہاتھوں میں پلے کارڈ تھے، جن پر کمیونسٹ پارٹی کے حق میں نعرے لکھے تھے۔ان میں ہر طبقے کے لوگ تھے۔انہیں معلوم تھا کہ اس تقریب میں بڑے لوگ آئیں گے۔ وہ ان کے دیدار کے لیے بھی آئے تھے۔اس کے نتیجے میں ٹریفک اورست ہو گیا تھا۔سڑک پر گاڑیوں کی ایک قطار تھی، جو رک رک کر چل رہی تھی۔ جو گاڑی گیٹ کے سامنے پہنچتی، وہ رکتی، لوگ اترتے اور گاڑی آگے بڑھ جاتی اور دوسری گاڑی آگے آجاتی۔

وہ لوگ دیر سے نکلے تھے۔اس لیے ان کی گاڑی بہت پیچھے تھی۔اس وقت وہ ایک بلاک پیچھے تھے۔ یہاں سکیورٹی والے اتنے زیادہ نہیں تھے۔لہٰذا کار کے گرد لوگ جمع ہو گئے تھے۔اور وہ بڑی ڈھٹائی اور دیدہ دلیری سے کار کے اندر جھانک رہے تھے۔کار چیونٹی کی رفتار سے رینگ رہی تھی۔تماشائیوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔

ڈیمین اس دوران اونگھتا رہا تھا۔اب اچانک اس کی آنکھ کھلی اور اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ جھانکتے ہوئے لوگوں کو دیکھ کر وہ چونکا اور گھبرا گیا۔کیتھی نے اسے خود سے قریب کرلیا۔اور سامنے دیکھنے لگی۔

باہر لوگوں کی تعداد بڑھ گئی اور ساتھ ہی دھکم پیل شروع ہوگئی۔ایک شخص نے جو حلیے سے لفنگا لگ رہا تھا، کھڑکی کے شیشے کو تھپتھپانا شروع کردیا۔ایسا لگتا تھا کہ وہ کار میں گھسنا چاہ رہا ہے۔

کیتھی سہم گئی اور بدن چرانے لگی۔وہ شخص اسے دیکھ کر وحشیانہ انداز میں ہنسنے لگا۔

''خدا کی پناہ۔یہ کیا ہو رہا ہے؟'' کیتھی نے گھبرا کر کہا۔

''اس پورے بلاک میں ٹریفک جام ہے۔'' ہورٹن بولا۔

''تم کسی طرح گاڑی نکال نہیں سکتے؟''

''گاڑی سے گاڑی جڑی ہوئی ہے میڈم۔''

باہر سے شیشے کو تھپتھپانے کی آواز اور بلند ہوگئی تھی۔ کیتھی نے گھبرا کر آنکھیں موند لیں۔ جیسے اس طرح سماعت کے دروازے بھی بند ہو جائیں گے۔

''ارے ادھر دیکھیں...... کمیونسٹ۔'' ہورٹن بولا۔

''ہم یہاں سے نکل نہیں سکتے کسی طرح؟'' کیتھی کے لہجے میں التجا تھی۔

ادھر ڈیمین کی آنکھوں سے خوف جھلکنے لگا۔ ماں کو خوف زدہ دیکھ کر وہ بری طرح ڈر گیا تھا۔

''سب ٹھیک ہے بیٹے...... سب ٹھیک ہے۔'' رابرٹ نے بچے کو چمکارا۔ ''یہ لوگ ہمیں تکلیف نہیں پہنچائیں گے۔ یہ بس دیکھنا چاہتے ہیں کہ اندر کون ہے؟''

لیکن بچے کی آنکھیں پھیلتی جا رہی تھیں۔ اور اس کی نظریں لوگوں پر نہیں تھیں۔ بلکہ وہ اوپر...... کافی اوپر کچھ دیکھ رہا تھا...... اور جو کچھ دیکھ رہا تھا، اس نے اسے دہشت زدہ کر دیا تھا۔

رابرٹ تھورن نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔ اسے چرچ کے میناروں کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔

''ڈیمین ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ تھوڑی دیر میں ہم چرچ کے اندر ہوں گے۔''

لیکن ڈیمین کی آنکھوں میں دہشت کا تاثر ہر گزرتے لمحے کے ساتھ گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ اس کا جسم تن گیا تھا۔ اور جیسے جیسے چرچ کا ٹاور قریب آتا محسوس ہو رہا تھا، اس کے جسم کا تناؤ بڑھتا جا رہا تھا۔

''ڈیمین...... بیٹے......'' رابرٹ نے پکارا۔ پھر اس نے اشارے سے کیتھی کو اس کی طرف توجہ دلائی۔ ڈیمین کا چہرہ جیسے پتھرا گیا تھا۔

اب لوگ پیچھے رہ گئے تھے اور چرچ بالکل سامنے آ گیا تھا۔

''ڈیمین، اب ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ اب یہاں کوئی نہیں ہے۔ ہم چرچ پہنچ گئے ہیں۔'' کیتھی نے بچے کا رخسار تھپتھپایا۔

لیکن بچے کی آنکھیں چرچ پر جمی تھیں اور ہر لحہ پھیلتی جا رہی تھیں۔

''کیا ہوا ہے اسے؟'' رابرٹ نے پوچھا۔

''پتا نہیں۔'' کیتھی نے کہا۔

''کیا بات ہے ڈیمین؟'' رابرٹ نے بچے کو چمکارا۔

کیتھی نے ڈیمین کی طرف ہاتھ بڑھایا، جسے ڈیمین نے دبوچ لیا۔ وہ ماں کی آنکھوں میں گھور رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں دہشت تھی۔

''یہ تو بری طرح دہشت زدہ ہے۔'' کیتھی نے کہا۔ پھر وہ ڈیمین کی طرف مڑی۔ ''کیوں ڈر رہے ہو؟ یہ تو چرچ ہے بیٹے''

یہ سن کر ڈیمین ہانپنے لگا اس کے ہونٹ سپید پڑ گئے تھے۔ آنکھوں میں کھلی دہشت تھی۔

''مائی گاڈ''۔ کیتھی کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

''اس کی طبیعت خراب ہو رہی ہے۔'' رابرٹ بھی گھبرا گیا۔

''اس کے ہاتھ پاؤں برف کی طرح ٹھنڈے ہو رہے ہیں۔''

لیموزین اچانک چرچ کے گیٹ کے سامنے رک گئی۔ دروازہ کھولا گیا اور چرچ کے باوردی گارڈ نے ڈیمین کو اتارنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اس لمحے ڈیمین کی دہشت انتہا کو پہنچ گئی۔ اس نے کیتھی کا لباس مٹھی میں دبوچا اور اس سے چپک گیا۔ اب وہ دہشت بھری آواز میں رو رہا تھا۔

''ڈیمین...... کیا کر رہے ہو''؟ کیتھی چلائی۔ ''کیا ہو گیا ہے تمہیں''؟ اس نے ڈیمین کو الگ کرنے کی کوشش کی۔ مگر ڈیمین اور شدت سے اس سے لپٹ گیا۔

''رابرٹ...... کچھ کرو۔'' کیتھی نے رابرٹ سے کہا۔

''ڈیمین۔'' رابرٹ چلایا۔

''ارے...... یہ تو میرے کپڑے پھاڑ رہا ہے۔''

رابرٹ نے بچے کو تھام کر زبردستی الگ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن بچہ ماں کو چھوڑنے کے لیے تیار ہی نہیں تھا۔ اب وہ ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا۔ کیتھی کے بال اس کی مٹھی میں آ گئے۔ اور کیتھی کے چہرے پر خراشیں پڑ گئیں۔

''خدایا...... مدد!'' کیتھی گھبرا کر چلائی۔

''ڈیمین...... چھوڑو ممی کو...... چھوڑ دو۔'' رابرٹ اسے کیتھی سے الگ کرنے کی سر توڑ کوشش کر رہا تھا۔

پھر اچانک ڈیمین دہشت سے چلانے لگا...... گلا پھاڑ کر۔ لوگ جمع ہو گئے۔ اب سب اسے قابو کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہورٹن بھی بچے کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن بچہ تو وحشی جانور بن گیا تھا۔ وہ ماں کا منہ نوچ رہا تھا۔ دوسری طرف اس کے ہاتھ میں ماں کے بالوں کا ایک گچھا تھا۔

''اسے ہٹاؤ...... کوئی ہٹاؤ اسے۔'' کیتھی بھی دہشت زدہ ہو گئی تھی۔ اسی لمحے ڈیمین کی انگلی اس کی آنکھ میں گھسی۔ کیتھی نے گھبرا کر بلا ارادہ اسے مارنا شروع کر دیا۔ رابرٹ نے جیسے تیسے اسے کیتھی سے الگ کیا اور اسے سینے سے بھینچ لیا۔

''گاڑی چلاؤ...... آگے بڑھاؤ۔'' رابرٹ نے چیخ کر ہورٹن سے کہا۔ یہ کہہ کر وہ بچے کو دبوچے ہوئے لپک کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

بچہ اب بھی ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا۔ رابرٹ نے جلدی سے دروازہ بند کیا۔ ہورٹن نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ اب گاڑی بہت تیزی سے

چرچ سے دور ہو رہی تھی۔

''مائی گاڈ...... مائی گاڈ'' کیتھی دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بری طرح سسک رہی تھی۔

گاڑی جیسے جیسے چرچ سے دور ہو رہی تھی، بچے کا جسم ڈھیلا پڑتا جا رہا تھا۔ پھر اس کا سر ایک طرف ڈھے گیا۔ وہ اتنا نڈھال ہو چکا تھا کہ اب اس میں ہلنے کی سکت بھی نہیں تھی۔ اس کا چہرہ پسینے میں تر تھا۔ رابرٹ اب بھی اس کے ہاتھوں کو قابو میں کیے بیٹھا تھا۔ کیتھی جیسے شاک میں تھی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ چہرے پر خراشیں تھیں۔ ایک آنکھ اس حد تک متورم تھی کہ تقریباً بند ہو گئی تھی۔

پیری فورڈ پہنچتے ہی رابرٹ نے ڈیمین کو اس کے کمرے میں پہنچایا۔ پھر وہ اس کے پاس بیٹھ کر خاموشی سے کھڑکی کے باہر دیکھتا رہا۔ بچہ اب شاید اپنے کیے پر خوف زدہ تھا۔ وہ باپ سے نظریں نہیں ملا رہا تھا۔ کیتھی بھی وہیں بیٹھی تھی۔

مسز بے لاک کمرے میں داخل ہوئیں۔ ''آپ جائیں۔ میں اسے سنبھال لوں گی۔'' اس نے رابرٹ سے کہا۔

اس کی آواز سن کر ڈیمین نے سر گھما کر اسے دیکھا، اسے دیکھتے ہی اس کی کیفیت بدل گئی۔ وہ ایک دم پرسکون ہو گیا۔

''یہ وہاں دہشت زدہ ہو گیا تھا۔'' کیتھی نے آیا کو بتایا۔

''یہ چرچ جانا پسند نہیں کرتا۔'' مسز بے لاک نے کہا۔ ''یہ پارک جانا چاہتا تھا۔''

''یہ بالکل...... بالکل جانور بن گیا تھا۔'' رابرٹ بولا۔

''اسے غصہ تھا۔'' مسز بے لاک نے کہا اور بڑھ کر ڈیمین کو گود میں اٹھا لیا۔ ڈیمین اس سے لپٹ گیا، جیسے کوئی بچہ اپنی ماں سے لپٹتا ہے۔ رابرٹ اور کیتھی نے خاموشی سے وہ منظر دیکھا...... اور پھر ایک ساتھ کمرے سے نکل گئے۔

✡.........✡.........✡

''میں کہہ رہا ہوں، کوئی گڑبڑ ہے...... بڑی گڑبڑ۔'' ہورٹن نے اپنی بیوی سے کہا۔

رات کا وقت تھا اور وہ دونوں کچن میں تھے۔ ہورٹن چرچ جانے اور آنے کا احوال بنا رہا تھا اور اس کی بیوی بڑی توجہ سے سن رہی تھی۔

''یہ مسز بے لاک مجھے ٹھیک نہیں لگتی۔'' ہورٹن نے کہا۔ ''اور اس بچے کے ساتھ بھی کوئی ٹیڑھا معاملہ ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ یہ مکان ہی اچھا نہیں ہے۔''

''تم کچھ زیادہ ہی وہم کر رہے ہو۔'' اس کی بیوی بولی۔

''تم میری بات کیسے سمجھ سکتی ہو؟ تم نے وہ سب کچھ دیکھا جو نہیں۔''

''ارے بچے ضد بھی کرتے ہیں...... مچلتے بھی ہیں۔''

''مگر وہ حیوان کی ضد تھی...... ایک بپھرے ہوئے حیوان کی۔''

''بچہ توانائی سے بھرپور ہے۔ بس اتنی سی بات ہے۔''

''ایسا کب سے ہے؟ سوچ کر بتاؤ۔''

اس کی بیوی نے سر جھٹکا، جیسے اس بات کو اہمیت دینے کے لیے تیار نہ ہو۔ اس نے فریج کھول کر سبزیاں نکالیں اور انہیں کاٹنے لگی۔

''تم نے کبھی اس کی آنکھوں میں دیکھا ہے۔'' ہورٹن نے کہا۔ ''وہ کسی جانور کی آنکھیں لگتی ہیں...... گھورتی ہوئی منتظر اور چوکنی آنکھیں۔ انہیں دیکھ کر لگتا ہے کہ جو کچھ اسے معلوم ہے، وہ ہم نہیں جانتے۔ وہ جہاں جا چکا ہے، ہم نے وہ جگہ کبھی دیکھی ہی نہیں۔ وہ بہت جاننے والی، باخبر آنکھیں ہیں۔''

''تم ہانکنے پر آؤ تو ہانکتے ہی چلے جاتے ہو۔''

''اچھا...... خود دیکھ لینا۔ میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ یہاں ایسا کچھ ہو رہا ہے۔ جو بہت برا ہے۔''

''دنیا میں ہر جگہ ہی کچھ نہ کچھ برا ہو رہا ہے۔'' اس کی بیوی نے بے پروائی سے کہا۔

''بہر حال مجھے یہ اچھا نہیں لگتا۔ میں سوچ رہا ہوں کہ ہمیں یہاں سے رخصت ہو جانا چاہیے۔'' ہورٹن کے لہجے میں سنگینی تھی۔

عین اس وقت رابرٹ اور کیتھی اوپری منزل کے برآمدے میں بیٹھے تھے۔ ڈیمین سو چکا تھا۔ وہ دونوں اندھیرے میں بیٹھے کلاسیکی موسیقی کے ریکارڈ سن رہے تھے۔ وہ دونوں خاموش تھے۔ کیتھی کا چہرہ متورم تھا اور وہ بار بار آئی واش کا ٹکور کر رہی تھی۔ اس کی آنکھ کی سوجن ذرا کم ہو گئی تھی۔

اس واقعے کے متعلق انہوں نے آپس میں کوئی گفتگو نہیں کی تھی۔ بس انہیں ایک دوسرے کی قربت کا احساس تھا۔ وہ دونوں جس خوف سے دوچار تھے، والدین اس طرح کے خوف میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں، جب انہیں پہلی بار اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ ان کے بچے کے ساتھ کوئی سنگین مسئلہ ہے۔ جب تک وہ خاموش رہتے ہیں، وہ خوف ایک وہم سا لگتا ہے۔ اور اس پر بات کر لیں تو وہی خوف حقیقی بن جاتا ہے...... زندہ حقیقت!

سو وہ دونوں بھی خاموش تھے...... اس موضوع پر بات کرنے سے گریزاں!

''تمہارے خیال میں ڈاکٹر کو بلانے کی ضرورت نہیں؟'' بالآخر رابرٹ نے خاموشی ختم کی۔

کیتھی نے جواب نہیں دیا۔ بس نفی میں سر ہلا دیا۔

''سوچ لو''

''ارے نہیں، معمولی سی خراشیں ہیں۔''

''میں تمہارے لیے نہیں، ڈیمین کے لیے پوچھ رہا ہوں۔''

کیتھی کندھے جھٹک کر رہ گئی۔ ''ہم ڈاکٹر کو بتائیں گے کیا؟''

''ہمیں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔ بس اس کا معائنہ کرا لیں گے۔'' رابرٹ نے کہا۔

''معائنہ تو پچھلے مہینے ہی ہوا ہے۔ وہ پوری طرح صحت مند ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ کبھی ایک دن بھی بیمار نہیں پڑا۔''

رابرٹ نے سر کو یقینی جنبش دی۔ وہ بھی یہی سوچ رہا تھا۔ ''واقعی...... یہ تو ہے۔ عجیب سی بات ہے۔ ہے نا؟''

''تمہیں عجیب لگتا ہے۔''

''ہاں، مجھے تو عجیب لگتا ہے۔''

رابرٹ کا لہجہ عجیب سا تھا۔ کیتھی نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''کیا مطلب؟''

''نہ خسرہ، نہ چیچک۔ بلکہ اسے تو کھانسی نزلہ بھی کبھی نہیں ہوا۔ سچ تو یہ ہے کہ اسے کبھی چھینک تک نہیں آئی۔''

''تو؟'' کیتھی کا لہجہ مدافعانہ تھا۔

''میں کہہ...... میرا مطلب ہے، یہ غیر معمولی بات ہے۔''

''مجھے تو ایسا نہیں لگتا۔''

''مجھے لگتا ہے۔''

''ہمارا بچہ بچوں کی انتہائی صحت مند قسم سے تعلق رکھتا ہے۔''

رابرٹ چونکا اور ساکت ہو گیا۔ سینے میں جیسے سخت سی گرہ پڑ گئی ہو۔ راز اب بھی اس کے سینے میں محفوظ تھا۔ وہ اب بھی یہ بات نہیں بھولا تھا کہ ڈیمین اس کی اولاد نہیں ہے۔ لیکن اس کے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں تھا! اس نے وہی کیا جو اسے کرنا چاہیے تھا۔ اسے دھوکہ نہیں کہا جا سکتا۔ یہ فریب دہی ہرگز نہیں ہے۔ اور اس کے نتیجے میں ان کی زندگی میں کتنی بہت سی خوشیاں آئی تھیں۔ مگر آج اسے احساس ہو رہا تھا کہ ساز گار وقت میں راز کو راز رکھنا مشکل نہیں ہوتا۔ لیکن اب...... اس کے اندر وہ راز مچل رہا تھا۔ زبان پر آنے کے لیے۔ کھلنے کے لیے۔

''دیکھو...... اگر تمہارے یا میرے ساتھ کبھی کوئی نفسیاتی مسئلہ رہا ہوتا، کوئی ذہنی اختلاف رہا ہوتا تو میں آج کے واقعے کے بعد ضرور فکر مند ہوتی۔ مگر ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

رابرٹ نے غور سے اسے دیکھا...... اور پھر نظریں چرانے لگا۔

''میں سوچتی رہی ہوں۔ اور مجھے یقین ہے کہ ہمارا بچہ صحت مند ہے۔ اس کی ددھیال اور ننھیال دونوں میں صحت مندی قابل رشک رہی ہے۔''

رابرٹ نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ نظر اٹھانے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔

''بس وہ ڈر گیا تھا۔ اور ڈرنا بچوں کے لیے بالکل فطری ہے۔''

رابرٹ نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ پیشانی ملنے لگا۔ وہ کیتھی کو حقیقت بتانے کے لیے بے تاب ہو رہا تھا۔ وہ راز پر سے پردہ ہٹانا چاہتا تھا۔ لیکن اسے احساس تھا کہ بہت دیر ہو چکی ہے۔ کیتھی سب کچھ جاننے کے بعد اس سے نفرت ہی کرے گی۔ ممکن ہے، اسے بچے سے بھی نفرت ہو جائے۔ نہیں...... اب بتایا نہیں جا سکتا۔ اس نے سوچا۔

''میں مسز بےلاک کے بارے میں سوچتی رہی ہوں۔'' اچانک کیتھی نے کہا۔

''کیا''؟

''یہی کہ اسے نکالنا ٹھیک نہیں ہوگا۔''

''آج تو اس کا رویہ بہت اچھا تھا۔''

''ممکن ہے، ڈیمین نے وہ باتیں سن لی ہوں جو ہورٹن اور ہم مسز بےلاک کے بارے میں کر رہے تھے۔'' کیتھی نے پرخیال لہجے میں کہا۔

''اور جو کچھ ہوا، وہ اسی کا ردعمل ہو۔''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو'' رابرٹ نے تائید کی۔

بات واقعی سمجھ میں آنے والی تھی۔ اس خیال نے کہ مسز بےلاک کو نکالا جا سکتا ہے، ڈیمین کو عدم تحفظ میں مبتلا کیا ہوگا۔ اور اس کے نتیجے میں وہ خوف زدہ ہو گیا ہوگا۔ بظاہر تو وہ نہیں سن رہا تھا۔ مگر عجب نہیں کہ وہ سر جھکائے سب کچھ غور سے سن رہا ہو۔ اور مسز بےلاک سے بچھڑنے کے خیال نے اسے دہشت زدہ کر دیا ہو۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو'' رابرٹ نے دہرایا۔ اس کے لہجے میں امید تھی۔

''میں سوچتی ہوں کہ اسے اور ذمے داریاں سونپ دوں۔'' کیتھی نے کہا۔ ''اس طرح کچھ وقت وہ گھر سے دور بھی رہے گی۔''

''کیسی ذمے داریاں؟''

''شام کو سودا سلف لانے کے لیے اسے بھیجوں...... اور خود وہ وقت ڈیمین کے ساتھ گزاروں۔''

''اب سودا کون لاتا ہے''؟

''مسز ہورٹن''

''یہ بات...... یہ تبدیلی مسز ہورٹن کو بری تو نہیں لگے گی؟''

''پتا نہیں۔ لیکن میں ڈیمین کے ساتھ زیادہ وقت گزارنا چاہتی ہوں۔''

''میرے خیال میں یہ سوچ عقل مندانہ ہے۔''

کیتھی نے منہ پھیر لیا۔ چند لمحے رابرٹ کو ایسا لگا کہ سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے۔ مگر پھر اس نے دیکھا کہ کیتھی رو رہی ہے۔ اسے روتا دیکھ کر اس کا دل کٹنے لگا۔ وہ بے بسی سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ کچھ بھی تو نہیں کر سکتا تھا اس کے لیے!

''تم نے ٹھیک سمجھا کیتھی۔'' اس نے سرگوشی میں کہا۔ ''ڈیمین نے ہماری گفتگو سن لی تھی۔ یہی حقیقت ہے۔ سیدھی سی بات ہے۔''

''کاش یہی بات ہو۔'' کیتھی کی آواز لرز رہی تھی۔

''میں بتا رہا ہوں، یہی بات ہے۔''

کیتھی نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ اس کے آنسو رک گئے تھے۔ پھر وہ اٹھی اور اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ ''میرے خیال میں ایک سخت دن گزارنے کے بعد جلدی سو جانے میں ہی عافیت ہے۔ میں سونے جا رہی ہوں۔''

''میں کچھ دیر یہاں بیٹھوں گا۔ پھر آتا ہوں۔'' رابرٹ نے کہا۔

کیتھی رابرٹ کو اپنی سوچوں میں گھرا چھوڑ کر اندر چلی گئی۔

رابرٹ اب جنگل کی سمت دیکھ رہا تھا۔ لیکن درحقیقت وہ کچھ بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کے تصور میں روم کا وہ اسپتال تھا، جہاں ڈیمین اسے ملا تھا۔ اس نے وہاں کھڑکی کے پاس خود کو کھڑے دیکھا۔ وہ فادر سے بچہ لینے کے سلسلے میں رضامندی ظاہر کر رہا تھا۔ آخر اس نے فادر سے بچے کی ماں کے بارے میں کیوں نہیں پوچھا؟ کہاں سے آئی تھی وہ؟ اور بچے کا باپ کون تھا؟ اور باپ وہاں موجود کیوں نہیں تھا؟ وہ پچھلے چار برس میں بھی یہ سب سوچتا رہا تھا...... اور اس نے کچھ مفروضوں کی تھپکی سے خود کو بہلا لیا تھا۔ ممکن ہے، بچے کی ماں کوئی دہقان لڑکی ہو اور چرچ سے اس کا تعلق ہو۔ اور اسی وجہ سے وہ کیتھولک چرچ کے اسپتال میں زچگی کے لیے آئی ہو۔ ورنہ وہ اسپتال بہت مہنگا تھا۔ اور ممکن ہے کہ وہ خود بھی یتیم ہو...... نہ ماں باپ، نہ رشتے دار۔ اور عجب نہیں کہ وہ بن بیاہی ماں ہو۔ اس سے بچے کے باپ کا وہاں موجود نہ ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ اور جاننے کو کیا تھا؟ کچھ بھی نہیں! اور فرق بھی کچھ نہیں پڑتا تھا۔ بچہ خوبصورت اور صحت مند تھا اور ہر اعتبار سے مکمل اور نارمل۔

رابرٹ نہ تو خود پر شک کرنے والا آدمی تھا۔ نہ ہی اسے خود کو الزام دینے کی عادت تھی۔ اس وقت بھی اس کا ذہن دلیلیں تلاش کر رہا تھا کہ اس نے جو کچھ کیا، درست تھا۔ اس وقت وہ الجھا ہوا بھی تھا اور مایوس بھی۔ اس وقت وہ باطنی طور پر کمزور ہو رہا تھا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ مجھ سے غلطی ہوئی...... میں نے غلط فیصلہ کیا؟ کیا مجھے سب کچھ معلوم کرنا چاہیے تھا؟

اب ان سوالوں کے جواب ملنا ممکن نہیں تھا۔ صرف چند افراد کو اس معاملے کا علم تھا۔ اور اب ان میں سے کون کہاں تھا، کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ان جاننے والوں میں سسٹر ٹریسا تھی، فادر اسپلٹیو تھا اور فادر ٹیسون تھا۔ صرف تین افراد! اور اب نجانے وہ کہاں ہوں گے؟''

❁ .... ❁ .... ❁

اس طویل رات کی تاریکی میں وہ بے حد خاموشی سے اپنے کام میں مصروف تھا۔ وہ دل و جان سے کام کر رہے تھے، اس احساس کے تحت کہ انہیں اس کام کے لیے منتخب کر کے درحقیقت ایک بڑا اعزاز دیا گیا ہے۔ کرہ ارض کی پوری تاریخ میں اس سے پہلے صرف دو بار یہ کوشش کی گئی تھی اور ناکام ہو گئی تھی۔ ان تینوں کو احساس تھا کہ اس بار ناکامی نہیں ہونی چاہیے۔

اب سب کچھ بس ان تینوں کے ہاتھ میں تھا۔ سب کچھ مقررہ وقت پر ہوا تھا اور کسی کو پتا بھی نہیں چلا تھا۔ ولادت کے بعد سسٹر ٹریسا نے نومولود کے ماتھے، بازو اور جسم سے بال صاف کیے اور اس کے جسم پر خوشبودار پاؤڈر لگا کر بدبو کو دبانے کی کوشش کی تاکہ جب وہ رابرٹ تھورن کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ قابل قبول لگے۔ بچے کے سر پر بہت گھنے بال تھے اور وہ بہت موٹے اور کھڑے بال تھے۔ سسٹر ٹریسا نے ہیئر ڈرائر سے انہیں سیٹ کیا۔ ساتھ ہی اس نے بالوں کے درمیان کھوپڑی پر اس کے برتھ مارک کو چیک کیا۔ وہ موجود تھا۔ لیکن آسانی سے نظر آنے والا نہیں تھا۔

یہ طے تھا کہ رابرٹ تھورن ٹریسا اور فادر ٹیسون سے کبھی نہیں مل سکے گا۔ ولادت کے وقت فادر ٹیسون نیچے تہ خانے میں مصروف تھا۔ جہاں دونوں لاشوں کو تابوت میں رکھ کر بھجوانے کی تیاری کی جا رہی تھی۔ پہلی لاش رابرٹ تھورن کے بچے کی تھی، جسے پہلی آواز نکالنے سے پہلے ہی ہمیشہ کے لیے خاموش کرا دیا گیا تھا۔ دوسری لاش جانور کی تھی، جسے ایک انسانی بچے کی ماں بننا پڑا تھا۔ وہ اس بچے کی ماں تھی، جو زندہ تھا اور جسے رابرٹ تھورن کو سونپا جانا تھا۔

باہر ایک ٹرک کھڑا تھا، جو ان لاشوں کو سرویٹری لے کر جاتا، جہاں سینٹ انجلز کے قبرستان میں گورکن ان کے لیے قبریں کھودنے کے بعد لاشوں کی آمد کے منتظر تھے۔

یہ منصوبہ شیطان کے پیروکاروں نے بنایا تھا اور اسپلیٹو اس کا انچارج تھا۔ بڑی احتیاط کے ساتھ اس نے اپنے دو معاونین کا انتخاب کیا تھا۔ سسٹر ٹریسا سے تو وہ پوری طرح مطمئن تھا۔ لیکن آخری لمحوں میں ٹیسون نے اسے فکرمند کر دیا تھا۔ پستہ قد اور منحنی عالم منصوبے کے ساتھ جوشیلے پن کی حد تک مخلص تھا۔ لیکن اس کے یقین کی بنیاد صرف خوف پر تھی۔ آخری دن وہ ایسے ڈانواں ڈول ہوا کہ اسپلیٹو پریشان ہو گیا۔ ٹیسون خود کو پرعزم ظاہر کر رہا تھا۔ لیکن اصل میں وہ بس خود کو اس کام کا اہل ثابت کرنے کے لیے یہ سب کچھ کر رہا تھا۔ وہ یقین سے محروم تھا۔ جو کچھ وہ کر رہے تھے، وہ اس کی اہمیت بھول بیٹھا تھا۔ وہ صرف اپنی ذمے داری کے حوالے سے ملنے والی اپنی اہمیت پر غور کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر اسپلیٹو اس حد تک بددل ہوا کہ اس نے اسے ٹیم سے نکالنے کا ارادہ کر لیا۔ کیونکہ اس میں سے کوئی ایک بھی ناکام ہو جاتا تو ناکامی کا ذمے دار تینوں کو ٹھہرایا جاتا۔ اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ منصوبہ ناکام ہو جاتا تو ایک ہزار سال بعد ہی وہ اگلی کوشش کر سکتے تھے۔ ایک ہزار سال!

لیکن آخر میں ٹیسون نے خود کو اہل ثابت کر دیا۔ بلکہ اس نے ایک غیر متوقع بحران پر بڑی مستعدی سے قابو پایا۔ بچہ ابھی مرا نہیں تھا۔ کریٹ میں سے اس کی آواز سنائی دی تھی۔ اس وقت کریٹ کو ٹرک میں رکھا جا رہا تھا۔ ٹیسون کریٹ اٹھا کر دوبارہ اسے اسپتال کے تہ خانے میں لے گیا۔ وہاں اس نے اس امر کو یقینی بنا دیا کہ اب بچے کی آواز کبھی بلند نہیں ہوگی۔ اس کارکردگی نے اسے اندر سے ہلا کر رکھ دیا۔ لیکن بہرحال اہمیت اس بات کی تھی کہ اس نے کام کر دیا۔

اس رات اسپتال میں سب کچھ نارمل تھا۔ ڈاکٹر اور نرسیں اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے تھے۔ کسی کو شبہ بھی نہیں ہوا کہ ان کے درمیان کچھ ہو رہا ہے۔ جو کچھ ہوا تھا، وہ اتنی رازداری اور درستی کے ساتھ کیا گیا تھا کہ رابرٹ تھورن سمیت کسی کو اندازہ تک نہیں ہوا۔

⚙ ⚙ ⚙

جنگل کی طرف دیکھتے ہوئے رابرٹ کو احساس ہوا کہ اب اس جنگل سے اسے خوف کا احساس نہیں ہو رہا ہے۔ پہلے تو اسے لگتا تھا کہ وہاں موجود کوئی چیز اسے بہت بری نظروں سے گھور رہی ہے۔ لیکن اس وقت جنگل پرسکون لگ رہا تھا۔ وہاں پہلے جیسا سناٹا بھی نہیں تھا۔ جھینگر بول رہے تھے اور مینڈک ٹرا رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ جنگل میں زندگی معمول پر آ گئی ہے۔

ادھر دیکھتے دیکھتے اچانک رابرٹ کی نظر ڈیمین کے کمرے کی کھڑکی کی طرف اٹھ گئی۔ وہاں نائٹ بلب روشن تھا۔ رابرٹ نے سوتے ہوئے

پرسکون بچے کا تصور کیا۔ ایک خوف زدہ کردینے والے دن کا یہ اختتام بہت مناسب ہوتا کہ وہ اپنے بچے کو سکون سے سوتے ہوئے دیکھ لے۔

اس نے سوئچ آف کر کے اندھیرا کیا اور باہر راہ داری میں نکل آیا۔

باہر اندھیرا تھا اور ہوا کی سنسناہٹ کے سوا کوئی آواز نہیں تھی۔ وہ اندازے سے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ چند لمحے اس نے ٹٹول کر لائٹ کا سوئچ تلاش کرنے کی کوشش کی۔ وہ نہیں ملا تو وہ اندھیرے میں ہی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ وہ لینڈنگ پر پہنچ گیا۔ اسے احساس ہوا کہ مکان میں ایسا اندھیرا تو کبھی نہیں ہوتا۔

وہ دیوار کے ساتھ لگ کر آہستہ آہستہ بڑھتا رہا۔ پھر اس کا ہاتھ سوئچ پر پڑا۔ اس نے سوئچ دبایا۔ لیکن روشنی نہیں ہوئی۔ وہ اس اندھیرے میں ہی آگے بڑھ گیا۔ ایک موڑ مڑنے کے بعد وہ بڑے ہال میں پہنچ گیا۔

سامنے اسے ڈیمین کا کمرہ نظر آیا۔ دروازے کی نچلی درز سے روشنی کی لکیر سی باہر آرہی تھی۔ لیکن وہ اچانک اپنی جگہ جم کر رہ گیا۔ کیونکہ اسے ایسا لگا کہ اس نے کوئی آواز سنی ہے۔ وہ ہلکی سی غراہٹ سے مشابہ آواز تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے پہچان پاتا، وہ معدوم ہوگئی۔ اب پھر خاموشی تھی۔

اس نے قدم بڑھانے کا ارادہ کیا۔ اسی لمحے وہ آواز پھر سنائی دی۔ اس بار آواز زیادہ بلند تھی۔ اس کا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔ پھر اس کی نظریں اٹھیں......اور اسے وہ آنکھیں نظر آئیں۔ اس کے منہ سے گھٹی گھٹی چیخ نکلی اور اس نے خود کو دیوار سے چپکا لیا۔

غراہٹ کی آواز اور زیادہ بلند ہوگئی۔ پھر اندھیرے میں اچانک ایک جسیم کتا نمودار ہوا اور بچے کے دروازے کے آگے تن کر کھڑا ہوگیا۔

رابرٹ تھورن جیسے پتھر کا بت بن گیا۔ کتے کی غراہٹ بھی بڑھ رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں سیاہ چمک اور نمایاں ہوگئی تھی۔

''ہش......ہش......'' رابرٹ نے لرزتی آواز میں کتے کو ہشکارا۔

کتے نے اپنا پیٹ فرش سے لگایا، جیسے خود کو حملہ کرنے کے لیے تیار کر رہا ہو۔

اسی وقت مسز بے لاک اپنے کمرے سے نکل آئی۔ ''چپ ہوجاؤ'' اس نے کتے سے کہا۔ ''جانتے نہیں، یہ گھر کے مالک ہیں۔''

کتا ایک پل میں نارمل ہوگیا اور دم ہلانے لگا۔ ڈراما اچانک ختم ہوگیا۔ مسز بے لاک نے سوئچ دبایا اور اگلے ہی ثانیے ہال جگمگانے لگا۔

رابرٹ اب بھی سانس روکے ہوئے، کتے کو گھورے جا رہا تھا۔ ''یہ......یہ کیا ہے''؟ وہ ہکلایا۔

''میں سمجھی نہیں سر۔''

''یہ کتا''

''میرے خیال میں شیفرڈ نسل کا ہے۔'' مسز بے لاک نے معصومیت سے کہا۔ ''خوبصورت ہے نا؟ ہمیں جنگل میں ملا تھا۔''

کتا اب مسز بے لاک کے قدموں میں لوٹ رہا تھا۔

''تمہیں اس کی اجازت کس نے دی؟''

''میرا خیال تھا کہ ہمیں چوکی داری کے لیے کتے کی ضرورت ہے۔ اور ننھا ڈیمین اس سے بہت محبت کرتا ہے۔''

رابرٹ اب بھی شاک کی حالت میں تھا۔ وہ بدستور دیوار سے چپکا کھڑا تھا۔

مسز بے لاک اس کی حالت سے لطف لے رہی تھی۔ ''لگتا ہے، اس نے خوف زدہ کر دیا آپ کو۔''

''ہاں۔''

''اب آپ اس کی افادیت خود دیکھ لیں۔ یہ چوکی داری کتنی اچھی کرے گا۔'' مسز بے لاک نے کہا۔ ''یقین کریں، یہ بے حد شاندار محافظ کتا ہے۔'' ''آپ کی غیر موجودگی میں یہ بچے کی حفاظت کرے گا۔ آپ یقیناً شکر گزار ہوں گے۔''

''میری غیر موجودگی میں۔''

''ابھی آپ کو ایران کے ٹرپ پر جانا ہے نا۔''

''تمھیں اس ٹرپ کے بارے میں کیسے پتا چلا؟''

مسز بے لاک نے کندھے جھٹک دیے۔ ''مجھے نہیں پتا تھا کہ یہ اتنا بڑا راز ہے۔''

''یہاں تو میں نے کسی سے یہ بات نہیں کی۔''

''مجھے مسز ہورٹن نے بتایا تھا۔''

رابرٹ نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ اب وہ پھر کتے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''کتا کوئی مسئلہ نہیں۔ گوشت کے چند پارچے اس کے لیے بہت ہیں......''

''میں اس کتے کو یہاں دیکھنا نہیں چاہتا۔'' رابرٹ نے سخت لہجے میں کہا۔

مسز بے لاک نے حیرت اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ''کیا بات ہے، آپ کو کتے اچھے نہیں لگتے؟''

''جب ضرورت محسوس کروں گا تو کتے کا انتخاب میں خود کروں گا۔''

''ڈیمین اس سے بہت مانوس ہو چکا ہے جناب۔ اور میرے خیال میں اسے کتے کی ضرورت ہے۔''

''اس کا فیصلہ میں کروں گا۔''

''بچوں کے لیے جانوروں کی اہمیت بہت زیادہ ہوتی ہے سر۔'' مسز بے لاک اسے یوں دیکھ رہی تھی، جیسے اسے کوئی پیغام پہنچانے کی کوشش کر رہی ہو۔

''تم کچھ کہنا چاہتی ہو مسز بے لاک؟'' رابرٹ نے کہا۔ ''اگر ایسی کوئی بات ہے تو کھل کر کہو۔''

''مجھے نہیں کہنا چاہیے جناب۔ آج کل آپ ویسے ہی ذہنی دباؤ کا شکار......''

''میں سننا چاہتا ہوں۔ تم بتاؤ۔''

''میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ آپ کا بچہ تنہائی کا شکار ہے۔''

رابرٹ کا جسم تن گیا۔ وہ جملہ اسے بہت سخت لگا تھا۔ ''وہ کیسے؟''

''وہ ماں کی توجہ کو ترستا ہے سر''

رابرٹ کے لیے وہ دھماکہ تھا۔ وہ سن ہو کر رہ گیا۔

''اب آپ میری بات سمجھ گئے ہوں گے۔ اس لیے میں کچھ کہنا نہیں چاہتی تھی۔ آپ کو تکلیف بھی پہنچی اور آپ پریشان بھی ہوئے۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ کیتھی کو ڈیمین سے دلچسپی نہیں ہے!'' رابرٹ کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ایسا لگتا ہے کہ وہ بچے کو پسند نہیں کرتیں۔ اور بچہ ان کی ناپسندیدگی کو محسوس بھی کرتا ہے۔

رابرٹ گنگ ہو کر رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے۔

''کبھی کبھی تو میں سوچتی ہوں کہ اس بے چارے کے پاس میرے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔'' مسز بے لاک نے مزید کہا۔

''میرا خیال ہے کہ تم غلطی پر ہو مسز بے لاک۔'' بالآخر رابرٹ بولا۔

''اب اس کے پاس میرے علاوہ یہ کتا بھی ہے۔ وہ اس کتے سے بہت پیار کرتا ہے، سر پلیز...... اسے اس سے محروم نہ کریں۔''

رابرٹ تھورن نے چند لمحے اس بے حد جسیم کتے کو غور سے دیکھا۔ پھر نفی میں سر ہلا دیا۔ ''مجھے یہ کتا پسند نہیں۔'' چند لمحوں کے توقف کے بعد اس نے کہا۔ ''کل اس کتے کو پاؤنڈ لے جانا۔''

''پاؤنڈ؟'' مسز بے لاک کی سانسیں رکنے لگیں۔

''ہاں...... ہیومن سوسائٹی۔''

''مگر وہاں تو کتوں کو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔''

''اس سے بچنا چاہو تو اس کتے کو نکال دو۔'' رابرٹ کے لہجے میں قطعیت تھی۔ ''کل بہر حال یہ مجھے یہاں نظر نہیں آنا چاہیے۔''

مسز بے لاک کے چہرے پر سختی چھا گئی۔ رابرٹ تھورن پلٹا اور واپس چل دیا۔ عورت اور کتا دونوں اسے جاتے دیکھتے رہے۔ دونوں کی آنکھوں میں رابرٹ کے لیے نفرت کے الاؤ دہک رہے تھے۔

❁ .... ❁ .... ❁

رابرٹ تھورن اس رات سو نہیں سکا۔ وہ بیڈ روم کی بالکنی میں بیٹھا سگریٹ پر سگریٹ پھونکتا رہا۔ اس کا حلق کڑوا ہو گیا۔ کئی بار اس نے سوئی ہوئی کیتھی کے رونے اور سسکنے کی آواز سنی۔ وہ ڈپریشن کا پرانا بھوت تھا جو اس کا پیچھا کرنے کے لیے لوٹ آیا تھا یا وہ خواب میں دن بھر کے واقعات دہرا رہی تھی۔ یہ فیصلہ کرنا رابرٹ کے لیے ممکن نہیں تھا۔ کاش آدمی دوسروں کے خواب دیکھ سکتا۔

حقیقت سے فرار حاصل کرنے کے لیے وہ قیاس اور تصور کے پانیوں میں اتر گیا۔

وہ اس امکان پر سوچ رہا تھا کہ کیا آدمی کے خوابوں سے دوسروں کو آگہی ہو سکتی ہے۔ دماغ کی سرگرمیاں ایک برقی رو کی مرہون منت ہوتی ہیں۔ تو کیا انہیں ٹی وی اسکرین پر نہیں دیکھا جا سکتا؟ بلکہ خواب کو ویڈیو ٹیپ پر منتقل کیا جائے۔ تا کہ تمام جزئیات سمیت اسے جب چاہیں دیکھ لیں۔ خود اس کے ساتھ اکثر ایسا ہوا تھا کہ اس نے کوئی پریشان کن خواب دیکھا۔ صبح اٹھا تو اسے بس یہ احساس تھا کہ وہ خواب ناخوشگوار تھا۔ لیکن خواب کی تمام جزئیات محو ہو چکی تھیں۔ البتہ خواب کی چھوڑی ہوئی پریشانی موجود تھی۔ اگر خواب ویڈیو ٹیپ پر ریکارڈ کیے جا سکتے تو......؟

یہ خیال بہت پرلطف، مگر بے حد خطرناک تھا۔ ایسا ہوتا تو دنیا کے بڑے اور اہم لوگوں کے خواب محفوظ کر لیے جاتے۔ اور آنے والی نسلیں انہیں ٹی وی اسکرین پر دیکھتیں۔ نپولین کے...... ہٹلر کے...... لی ہاروے اوسوالڈ کے خواب! اگر اوسوالڈ کے خوابوں کا ریکارڈ موجود ہوتا تو کون جانے کہ صدر کینیڈی ابھی زندہ ہوتے۔

بہر حال یہ ناممکن نہیں ہے۔ بلکہ عین ممکن ہے کہ مستقبل میں ایسا ہونے لگے!

انہی سوچوں میں اس نے رات گزار دی اور صبح ہو گئی۔

صبح کیتھی بیدار ہوئی تو اس کی آنکھ کی سوجن اتنی بڑھ چکی تھی کہ آنکھ پوری طرح بند ہو گئی تھی۔ رابرٹ نے اسے سمجھایا کہ اب ڈاکٹر کو دکھانا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ ان کے درمیان بات نہیں ہوئی۔ کیتھی گم صم تھی اور رابرٹ اپنی مصروفیات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اسے ایران کے ٹرپ کے سلسلہ میں تمام انتظامات مکمل کرانے تھے۔ لیکن اب اچانک وہ سوچ رہا تھا کہ اسے نہیں جانا چاہیے۔ وہ کیتھی اور ڈیمین، دونوں کی طرف سے فکر مند تھا۔ یہی نہیں، وہ خود اپنی طرف سے بھی پریشان تھا۔ لیکن اس کی وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

فضا میں کچھ بے یقینی سی تھی...... اور زندگی کے کچے کمزور دھاگے سے لٹکی ہوئی کوئی بھاری چیز معلوم ہو رہی تھی۔ اس سے پہلے اسے کبھی موت کا خیال نہیں آیا تھا۔ موت اس کے لیے بہت دور از کار شے تھی۔ لیکن اس وقت وہ اسے اپنی شہ رگ کے پاس محسوس کر رہا تھا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ زندگی کو کوئی سنگین خطرہ لاحق ہے۔ کیسے؟ کس طرف سے؟ اس کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

اپنی لیموزین میں بیٹھ کر سفارت خانے جاتے ہوئے اس نے اپنی بیمہ پالیسی، کاروباری اور مالی معاملات کے بارے میں ہدایتی نوٹس لکھے کہ اگر وہ مر جائے تو ان ہدایات پر عمل کیا جائے۔ وہ بے اختیار، بلا ارادہ لکھ رہا تھا۔ اسے یہ احساس بھی نہیں تھا کہ آج سے پہلے اس نے ایسا کبھی نہیں کیا۔ بلکہ ایسا کرنے کا کبھی سوچا بھی نہیں۔

رابرٹ کو غور کرنے کے بعد اس بات کا احساس ہوا تو وہ دہل گیا۔ اس کا جسم تن گیا، جیسے کسی خطرے کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو رہا ہو۔

لیموزین رکی۔ رابرٹ نیچے اترنے لگا۔ اسی لمحے اس نے ان دونوں افراد کو تیزی سے اپنی طرف لپکتے ہوئے دیکھا۔ ایک کے ہاتھ میں کیمرا تھا۔ جس سے وہ تصویریں کھینچے جا رہا تھا۔ جبکہ دوسرا سوالات کی بوچھار کر رہا تھا۔

رابرٹ سفارت خانے کی طرف بڑھا۔ مگر وہ دونوں پھرتی سے اس کے راستے میں آ گئے۔ ''آپ نے آج کا رپورٹر پڑھا ہے۔ مسٹر تھورن؟

''نہیں...... میں نے دیکھا ہی نہیں''۔

''اس میں آپ کے بچے کی آیا کے بارے میں آرٹیکل چھپا ہے۔ وہ آیا جس نے خودکشی...........''

''میں نے کہا نا کہ میں نے نہیں دیکھا''۔ رابرٹ نے دہرایا۔

''اس میں لکھا ہے کہ مس چیسا نے خودکشی کرنے سے پہلے ایک رقعہ تحریر کیا تھا''۔

''احمقانہ بات ہے...... کھوکھلی قیاس آرائی......''

''آپ ذرا اس طرف دیکھیں پلیز......'' وہ حنیف تھا۔ کیمرے کی کلک کی آواز سنائی دی۔

''پلیز...... ہٹو۔ مجھے جانے دو''۔ رابرٹ نے حنیف سے کہا جو اس کے اور سفارت خانے کے دروازے کے درمیان حائل ہو گیا تھا۔

''کیا یہ سچ ہے کہ وہ منشیات استعمال کرنے کی عادی تھی''؟ دوسرے صحافی نے پوچھا۔

''نہیں...... یہ غلط ہے''۔

''کورونر کی رپورٹ کہتی ہے کہ مرتے وقت اس کے خون میں......''

''وہ تو الرجی کی دوا تھی'' رابرٹ نے دانت بھینچ کر کہا۔ ''وہ الرجی کی مریضہ تھی......''

''لیکن دوا اس نے ضرورت سے زیادہ استعمال کی تھی...... بلکہ کافی زیادہ''۔

''آپ پلیز...... اسی طرح کھڑے رہیں''۔ حنیف نے استدعا کی۔

''تم میرے راستے سے ہٹتے ہو یا نہیں''۔ رابرٹ غرایا۔ اس کا تحمل جواب دے رہا تھا۔

''میں تو اپنا کام کر رہا ہوں جناب۔ اپنا فرض پورا کر رہا ہوں''۔

رابرٹ ایک طرف ہٹ کر جگہ بنانے کے بعد آگے بڑھنے لگا۔ مگر وہ پھر سامنے آ گئے۔

''بتائیں نا مسٹر تھورن، وہ منشیات لیتی تھی؟ صحافی نے اپنا سوال پھر دہرایا۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں''۔

''مگر وہ آرٹیکل......''

''اس آرٹیکل میں کیا لکھا ہے، مجھے اس کی پروا نہیں''۔

''زبردست! شاندار! یہ ہوئی نا بات۔ ایک لمحے یونہی کھڑے رہیے''۔ حنیف نے چہک کر کہا۔

کیمرا رابرٹ کے چہرے سے بہت قریب تھا۔ رابرٹ نے جھٹکے سے اسے ہٹایا۔ کیمرا حنیف کے ہاتھ سے نکلا اور فٹ پاتھ پر گرا۔ رابرٹ خود بھی کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ بات اتنی بڑھ جائے گی، اس نے یہ نہیں سوچا تھا۔ پھر اس نے جھنجھلا کر کہا۔ تم لوگوں میں لحاظ بالکل نہیں ہے۔ کسی کی عزت نہیں کر سکتے تم''۔

حنیف گھٹنوں کے بل بیٹھا ٹوٹے ہوئے کیمرے کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے سر اٹھا کر رابرٹ کو دیکھا۔

''مجھے افسوس ہے''۔ رابرٹ کی آواز لرز رہی تھی۔ ''مجھے بل بھیج دینا۔ یہ نقصان میں ادا کروں گا''۔

''کوئی بات نہیں مسٹر ایمبیسڈر ایسا کریں کہ......''

لیکن رابرٹ آگے بڑھا اور سفارت خانے کی طرف چل دیا۔

سفارت خانے کے گیٹ سے ایک فوجی لپکا ہوا آیا۔ اس نے یہ منظر تاخیر سے دیکھا تھا اور اب شاید نتائج دیکھنے کی غرض سے چلا آیا تھا۔

''تمہارے صاحب نے میرا کیمرا توڑ دیا''۔ حنیف نے کہا۔

فوجی نے چند لمحے جائزہ لیا۔ پھر دروازہ کی طرف پلٹ گیا۔ حنیف اور صحافی مخالف سمت میں چل دیئے۔

..........✿..........

رابرٹ تھورن کے کمرے میں جیسے زلزلہ آیا ہوا تھا۔ ایران کا ٹرپ خطرے میں تھا۔ کیونکہ رابرٹ تھورن نے بغیر کسی وضاحت کے جانے سے انکار کر دیا تھا۔

''بس میں نہیں جا سکتا''۔

اس دورے کی منصوبہ بندی اس کے اسٹاف کی دو ہفتے کی مسلسل محنت کا نتیجہ تھا۔ اس کے دونوں معاون وحشت زدہ تھے کہ ان کی محنت پر پانی پھر گیا ہے۔

''آپ یہ دورہ منسوخ نہیں کر سکتے''۔ ان میں سے ایک نے احتجاج کیا۔ ''سب کچھ طے ہو جانے کے بعد یہ ممکن نہیں کہ آپ فون کریں اور کہیں......''

''دورہ منسوخ نہیں، ملتوی کیا جا رہا ہے''۔

''انہیں توہین کا احساس ہوگا''۔ دوسرا معاون بولا۔

''ہونے دو''۔

''لیکن سر کوئی وجہ تو ہو''۔

میں اس وقت سفر کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ یہ اچھا وقت نہیں ہے''۔

''آپ کو احساس ہے کہ داؤ پر کیا کچھ لگا ہوا ہے''۔

''ڈپلومیسی''۔

''جی نہیں۔ معاملہ اس سے بڑھ کر ہے''۔

''ان کے پاس تیل ہے۔ اور ان کے پاس طاقت ہے۔ رابرٹ نے کہا۔ ''اب یہ حقیقت تبدیل تو نہیں ہو سکتی''۔

''اسی لیے تو یہ ضروری..........''

رابرٹ نے اس کی بات کاٹ دی۔''میں کسی اور کو بھیج دوں گا''۔

''جناب صدر کی خواہش تھی کہ آپ جائیں''۔

''میں ان سے بات کرلوں گا۔ میں انہیں سمجھادوں گا''۔

''سر آپ جانتے ہیں کہ اس دورے کی منصوبہ بندی کب سے کی جارہی تھی؟''

''تم اسے دوبارہ پلان بھی کر سکتے ہو''۔ رابرٹ نے چیخ کر کہا۔

اسکے اس غیر معمولی ردعمل کے نتیجے میں خاموشی چھاگئی۔ پھر اچانک انٹرکام کا بزر بولا۔ رابرٹ نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا۔ ''یس؟''

''روم سے کوئی فادر ٹیسون آئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انہیں آپ سے کوئی ذاتی کام ہے...... ارجنٹ نوعیت کا''۔ سکریٹری نے بتایا۔

''میں نے تو کبھی یہ نام نہیں سنا''۔ رابرٹ نے بلا جھجک کہا۔

''وہ کہتے ہیں کہ انہیں صرف دومنٹ دے دیے جائیں۔ معاملہ کسی اسپتال سے متعلق ہے''۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد سکریٹری نے کہا۔ شاید اس دوران اس نے ملاقاتی سے وضاحت طلب کی تھی۔

''ممکن ہے عطیے کا خواہاں ہو''۔ رابرٹ کے معاونین میں سے ایک نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ اندر بھیج دو انہیں''۔ رابرٹ نے گہری سانس لے کر کہا۔

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ اتنے نرم دل ہیں''۔ دوسرا معاون بولا۔

''ارے بھئی...... پبلک ریلیشنز کی بات ہے۔'' پہلے نے خیال آرائی کی۔

''ایران کے بارے میں حتمی فیصلہ نہ کریں سر''۔ دوسرے نے کہا۔''اس وقت آپ پریشان ہیں۔ بعد میں سکون سے سوچے گا اس پر''۔

''فیصلہ تو ہو چکا ہے''۔ رابرٹ کے لہجے میں تھکن تھی۔''یا تو کوئی اور جائے گا۔ یا یہ دورہ ملتوی ہوگا''۔

''ملتوی......؟ کب تک؟''

''جب تک میں مناسب نہ سمجھوں۔ اس وقت تک کے لئے التوا ضروری ہوگا''۔

آفس کا دروازہ کھلا۔ راہ داری میں ایک چھوٹے قد کا دبلا پتلا شخص کھڑا نظر آیا۔ وہ چوغہ پہنے ہوئے تھا۔ اس کے جسم کا تناؤ اور انداز کی عجلت اتنی دور سے ہی واضح طور پر محسوس کی جاسکتی تھی۔ اپنی اندر دھنسی ہوئی آنکھوں سے وہ رابرٹ کو التجائیہ نظروں سے تک رہا تھا۔

رابرٹ کے معاونین الجھ گئے۔ وہ رکے رہیں یا کمرے سے نکل جائیں۔ وہ فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے۔

پادری کی تیز نظروں نے رابرٹ کو پریشان کردیا تھا۔

میں آپ سے اکیلے میں بات کرسکتا ہوں؟ پادری نے اطالوی لہجے میں کہا۔

''آپ اسپتال سے متعلق بات کرنا چاہتے ہیں نا؟''

''جی ہاں''۔

ایک لمحہ سوچنے کے بعد رابرٹ نے دونوں معاونین کو جانے کا اشارہ کیا۔ اس دوران پادری اندر آچکا تھا۔ معاونین کے جاتے ہی اس نے دروازہ اندر سے بند کردیا۔ وہ پلٹا تو اس کے چہرے پر دکھ اور اذیت کا تاثر تھا۔

''جی فرمایئے''۔ رابرٹ نے کشیدہ لہجے میں کہا۔

''تمہارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے''۔ پادری بولا۔

''کک...... کیا مطلب؟''

''آپ میری بات دھیان سے سنیں'' پادری نے ہلے بغیر کہا۔ وہ بند دروازے سے پیٹھ لگائے کھڑا تھا۔

''آپ کک...... کہیں تو''۔

''تمہیں کرائسٹ کو اپنا نجات دہندہ مان لینا چاہیے۔ اب یہ ضروری ہوگیا ہے کہ تم یسوع مسیح کے پیروکار بن جاؤ''۔

چند لمحے خاموشی رہی۔ رابرٹ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کہے۔

''پلیز موسیو......'' فادر کے لہجے میں التجا تھی۔

''معاف کیجیے گا۔ آپ کسی ذاتی نوعیت کے معاملے پر مجھ سے بات کرنا چاہتے تھے۔ یہی بتایا تھا نا آپ نے؟''

''تم باقاعدگی سے عبادت کرو۔ مسیح کو اپنے اندر اتار لو۔ اپنے وجود میں شامل کرلو۔ صرف اسی طرح تم شیطان کے بیٹے کو شکست دے سکتے ہو''۔

کمرے کی فضا کشیدگی سے سنسنا رہی تھی۔ رابرٹ نے انٹرکام کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''وہ ایک قتل کرچکا ہے۔ اور پھر قتل کرے گا۔ وہ اس وقت تک کرتا رہے گا۔ جب تک اسے ہر وہ چیز حاصل نہ ہوجائے جو تمہاری ملکیت ہے''۔

''آپ باہر جائیں اور انتظار کریں'' رابرٹ نے فادر سے کہا۔

پادری اب آگے بڑھ رہا تھا۔اس کی آواز التجا کی شدت سے لرز رہی تھی۔''صرف مسیح کے ذریعے تم اس سے لڑ سکتے ہو۔تم عیسائیت کو پوری طرح اپنالو''۔

رابرٹ نے انٹرکام کا بٹن دبادیا۔

''میں نے دروازہ لاک کردیا ہے مسٹر تھورن''۔پادری نے کہا۔

''یس سر''۔انٹرکام پر سکریٹری کی آواز ابھری۔

''سیکورٹی گارڈ کو طلب کرلو''۔رابرٹ نے انٹرکام پر کہا۔

''کیا کہہ رہے ہیں سر''؟سکریٹری نروس ہوگئی۔

''میں التجا کررہا ہوں موسیو۔میری بات سمجھیں اور مان لیں''۔پادری کے لہجے میں التجا کی تڑپ تھی۔

''سر......؟''انٹرکام پر سیکرٹری نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''جس رات آپ کا بیٹا پیدا ہوا،میں وہاں ہاسپٹل میں موجود تھا مسٹر تھورن''پادری نے کہا۔

رابرٹ کو ایسا جھٹکا لگا کہ وہ سانس لینا ہی بھول گیا۔

''میں......میں دائی کا رول کررہا تھا۔میں اس ولادت کا عینی شاہد ہوں''۔پادری نے اٹک اٹک کر مزید کہا۔

انٹرکام پر سیکرٹری کی آواز پھر ابھری۔اس بار اس کے لہجے میں پریشانی تھی۔''مسٹر تھورن......آپ کیا کہہ رہے تھے۔معاف کیجئے میں نے سنا نہیں''۔

''کچھ نہیں۔بس میری اگلی ہدایت کی منتظر رہو''۔رابرٹ نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

''میں تم سے التجا کرتا ہوں......''پادری کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

''تم چاہتے کیا ہو؟''

''میں تمہیں بچانا چاہتا ہوں مسٹر تھورن۔تاکہ مجھے بخشش مل جائے۔میں بخش دیا جاؤں''۔

''تم میرے بیٹے کے بارے میں کیا جانتے ہو؟''رابرٹ نے پوچھا۔

''سب کچھ......ہر بات''۔

''کچھ بتاؤ بھی تو''۔

پادری کا جسم اب لرز رہا تھا۔اس کی آواز جذبات سے بوجھل تھی۔''میں نے اس کی ماں کو دیکھا تھا''۔وہ بولا۔

''یعنی میری بیوی کو''؟

''نہیں۔اس کی ماں کو۔اس کی ماں کو جواب تمہارا بچہ ہے''۔

رابرٹ کے چہرے پر درشتی چھا گئی۔''تم مجھے بلیک میل کر رہے ہو؟''

''نہیں جناب''۔

''تو پھر اور کیا چاہتے ہو تم؟''

''میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں''۔

''کیا بتانا چاہتے ہو؟''

''اس کی ماں کی حقیقت''

''تو بتاؤ۔ایسا کیا ہے بتانے کو''۔

''اس کی ماں ایک مادہ گیدڑ تھی۔وہ گیدڑ کے پیٹ سے پیدا ہوا۔میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا''۔پادری کی آواز سسکیوں سے بوجھل تھی۔

ایک دھماکے سے کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک فوجی اندر داخل ہوا۔اس کے پیچھے رابرٹ کے معاونین اور اس کی سکریٹری تھی۔رابرٹ کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔اور جسم ساکت تھا۔جبکہ پادری کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''کوئی گڑبڑ تو نہیں ہے سر؟''فوجی نے رابرٹ سے پوچھا۔

''آپ کی آواز مجھے عجیب سی لگی سر۔اور کمرے کا دروازہ لاک تھا۔میں نے سوچا......''سیکرٹری کے لہجے میں معذرت تھی۔

''میں چاہتا ہوں کہ اس شخص کو یہاں سے لے جاؤ''۔رابرٹ نے کہا۔''اور یہ دوبارہ یہاں نظر آئے تو اسے جیل میں ڈلوا دو''۔

کوئی اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔فوجی پادری پر ہاتھ ڈالتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔فادر ٹیسون آہستہ سے پلٹا اور خود ہی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔دروازے پر پہنچ کر وہ پلٹا اور اس نے رابرٹ کو دیکھا۔''خود کو کرائسٹ کی امان میں دے دو''اس نے اداس لہجے میں کہا۔

پھر وہ کمرے سے نکل گیا۔فوجی اس کے پیچھے تھا۔باقی لوگ خاموش کھڑے تھے۔سب کے چہروں پر الجھن تھی۔

''وہ کیا چاہتا تھا سر؟''رابرٹ کے ایک معاون نے پوچھا۔

''پتا نہیں''۔رابرٹ نے سرگوشی میں کہا۔''مجھے تو لگتا ہے کہ وہ پاگل ہے''۔

٭٭٭

سفارت خانے کے باہر سڑک پر حنیف ایک کار سے ٹیک لگائے اپنے فاضل کیمرے کو چیک کر رہا تھا۔ٹوٹا ہوا کیمرا اسی کار پر رکھا تھا۔

اچانک اس کی نظر سفارت خانے کے گیٹ پر پڑی۔دبلا پتلا پادری ایک فوجی کے ساتھ سیڑھیوں سے اترتا نظر آیا۔اس نے جلدی سے ان دونوں کی دو تصویریں کھینچ لیں۔اس دوران فوجی کی نظر اس پر پڑی اور وہ اس کی طرف چلا آیا۔وہ اسے ناخوشگوار نظروں سے دیکھ رہا تھا۔''اپنے

کیمرے کی بدولت آج تم خود کو خاصی پریشانی میں مبتلا کر چکے ہو'' ۔اس نے کہا۔ ''کیا ابھی تسلی نہیں ہوئی تمہاری۔''

حنیف مسکرایا۔ ''میری تسلی اتنی آسانی سے کہاں ہوتی ہے۔'' وہ بولا......اور اس نے فوجی کے چہرے سے کیمرے کو تقریباً ملاتے ہوئے اس کے دو کلوز اپ بنا ڈالے۔

فوجی دانت پیستے ہوئے پیچھے ہٹ گیا۔

حنیف نے فوکس تبدیل کیا اور مختصر الوجود پادری کو تلاش کرنے لگا۔ پھر اس نے پادری کی ایک تصویر کھینچ لی۔

اس رات حنیف اپنے ڈارک روم میں اپنی بنائی ہوئی تصویروں کو الجھن بھری متجسس نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اپنے فاضل کیمرے کی کارکردگی چیک کرنے کی غرض سے اس نے مختلف رفتار اور ایکسپوزرز کے ساتھ 36 تصویریں بنائی تھیں۔ ان میں سے تین تصویروں میں نقص نظر آ رہا تھا۔ اور یہ وہی نقص تھا جو چند ماہ پہلے ڈیمین تھورن کی آیا کی تصویر میں آیا تھا۔ اس بار وہی نقص پادری کی تصویروں میں تھا۔ اس بار بھی وہ رنگوں کی خرابی کا نتیجہ معلوم ہو رہا تھا۔ لیکن اس بار وہ نقص ایک سے زائد تصویروں میں ظاہر ہوا تھا۔ اتفاق سے وہ تمام تصویریں پادری کی تھیں۔ رنگوں کے امتزاج کی اس خرابی نے ایک دھبے کی شکل اختیار کر لی تھی۔ اور وہ دھبہ پادری کی تمام تصویروں میں اس کے سر پر چھایا ہوا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ دھبہ وہاں موجود ہے۔ اور تصویر درست کھنچی ہے۔

حنیف نے ڈویلپر سے فوٹو اٹھائے اور روشنی کے نیچے رکھ کر غور سے ان کا معائنہ کرنے لگا۔ دو تصویریں پادری اور فوجی کی تھیں۔ پھر فوجی کے دو کلوز اپ تھے اور اس کے بعد پادری کا لانگ شاٹ۔ پادری اور فوجی کی مشترکہ تصویروں میں وہ دھبہ پادری کے سر کے گرد موجود تھا۔ لیکن حیرت انگیز طور پر اس کے بعد فوجی کی تصویروں میں دھبہ ندارد تھا لیکن پادری کی اکیلی تصویر میں وہ پھر نمودار ہو گیا تھا۔ وہ آخری تصویر دور کی تھی۔ اس لیے دھبہ بھی اس میں چھوٹا نظر آ رہا تھا۔ میں وہ پادری کی تصویر کے سائز سے مطابقت رکھتا تھا۔ آیا کی تصویر کی طرح ان تصویروں میں بھی وہ ہالہ نظر آ رہا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ آیا کی تصویروں میں اس ہالہ نما دھبے نے آیا کے چہرے کو چھپا لیا تھا جبکہ پادری کی تصویروں میں وہ ہالہ پادری کے سر کے اوپر تھا۔ ایک فرق اور تھا۔ آیا کے چہرے پر وہ دھبہ پڑا ہوا تھا۔ جبکہ پادری کے سر کے اوپر وہ حرکت کرتا محسوس ہوتا تھا۔

حنیف اس کے بارے میں سوچتا اور الجھتا رہا۔ اس نے کہیں پڑھا تھا کہ فلم کے رنگ صرف روشنی ہی کے نہیں، بلکہ غیر معمولی مدت کے معاملے میں بھی حساس ہوتے ہیں۔ یہ مضمون اس نے فوٹوگرافی کے کسی رسالے میں پڑھا تھا۔ وہ مضمون انگلینڈ کے مشہور آسیب زدہ مکانوں کی تصویروں کے بارے میں تھا۔ ان تصویروں میں بھوت جیسے ہیولوں کے خاکے سے ابھر آئے تھے۔ جس شخص نے مضمون لکھا تھا۔ اسے فوٹوگرافک سائنس کا ماہر تسلیم کیا جاتا تھا۔ اس نے خیال ظاہر کیا تھا کہ درجہ حرارت کی تبدیلی نائٹریٹ پر اثر انداز ہوتی ہے۔ لیبارٹری کے تجربات اس امر کی تصدیق کرتے تھے کہ جیسے روشنی فلم کے رنگوں پر اثر انداز ہوتی ہے، ویسے ہی درجہ حرارت کی تبدیلی کا بھی فلم کے رنگوں پر اثر پڑتا ہے۔

یہ بات طے ہے کہ توانائی حرارت ہے اور حرارت توانائی۔ اگر بھوتوں کا وجود ہے تو بعض مخصوص اور نامعلوم عوامل کی موجودگی میں، کسی خاص صورت حال میں ان کے عکس سیلولائیڈ پر منتقل بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس مضمون میں توانائی کا انسانی جسم سے کوئی تعلق نہیں قائم کیا گیا تھا۔

حالانکہ توانائی تو انسانی جسم میں بھی ہوتی ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ تو کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کسی بیرونی اثر کے تحت، تشویش یا کشیدگی کی صورت میں وہ توانائی جسم کی سطح پر نمودار ہو جائے۔

سب جانتے ہیں کہ تشویش توانائی کو بڑھاتی ہے۔ اسی اصول کے تحت پولی گراف ٹیسٹ کیا جاتا ہے، جس سے پتا چل جاتا ہے کہ آدمی سچ بول رہا ہے یا جھوٹ۔ توانائی برقی رو کی شکل میں ہوتی ہے۔ اور برقی رو حرارت ہے۔ تو عین ممکن ہے کہ تشویش کے نتیجے میں جو حدت پیدا ہوتی ہے۔ وہ انسان کے گوشت سے گزر کر سطح پر...... یعنی جلد تک آ جاتی ہو۔ یعنی جو لوگ بہت پریشان اور متوحش ہوں، ان کی یہ حدت تصویر پر بھی اثر انداز ہوتی ہو۔

حنیف کے جسم میں سنسنی سی دوڑنے لگی۔ وہ اپنے فلم ایملشن کے چارٹس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ بالآخر اسے روشنی کے معاملے میں سب سے زیادہ حساس فلم مل گئی۔ وہ ٹرائی ایکس 600 فلم تھی...... ایک نئی فلم۔ وہ اتنی حساس فلم تھی کہ موم بتی کی روشنی میں بہت تیز ایکشن کو عکس بند کر سکتی تھی۔ حرارت کے معاملے میں بھی وہی سب سے زیادہ حساس فلم تھی۔

اگلی صبح اس نے ٹرائی ایکس 600 کے دو درجن رول خریدے۔ ساتھ ہی اس نے تمام فلٹرز بھی لیے جن کی آؤٹ ڈور فوٹو گرافی کے دوران ضرورت پڑ سکتی تھی۔ فلٹر روشنی کو بھی کم کر سکتے تھے۔ لیکن شاید حرارت پر اثر انداز نہیں ہو سکتے تھے۔

اب اسے ایسے سبجیکٹس کی تلاش تھی، جو بہت بڑی پریشانی سے، کسی بحران سے دوچار ہوں۔ اس کے لئے وہ اسپتال چلا گیا۔ اس نے ایسے کئی مریضوں کی تصویریں کھینچیں، جنہیں معلوم تھا کہ ان کے جینے کا کوئی امکان نہیں اور وہ کبھی بھی مر سکتے ہیں۔ کسی انسان کے لئے اس سے بڑے بحران کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن نتیجہ مایوس کن تھا۔ ان کی کسی تصویر پر کوئی دھبہ نہیں تھا۔ یہ ثابت ہو گیا کہ اس دھبے کا موت کی آگہی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

حنیف کی جستجو اور بڑھ گئی۔ لیکن وہ مایوس نہیں ہوا۔ کیونکہ وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ کوئی بے حد اہم بات دریافت کرنے والا ہے۔ اپنے ڈارک روم میں اس نے آیا اور پادری کے نئے فوٹو گراف بنائے۔ تجربے کے طور پر اس نے مختلف کاغذ استعمال کیے۔ پھر اس نے تصویروں کو انلارج کر کے اچھی طرح جائزہ لیا۔ انلارجمنٹ کے بعد یہ بات سامنے آ گئی کہ دھبہ محض دھبہ نہیں۔ وہ کوئی چیز ہے...... مادی چیز۔ انسانی آنکھ اسے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ لیکن نائٹریٹ نے اسے ایکسپوز کر دیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ فضا میں غیر مرئی چیزیں بھی موجود ہوتی ہیں۔

ایک ہفتے تک وہ صرف اس معاملے میں الجھا رہا۔ اسے کسی اور بات کا خیال ہی نہیں آیا۔ لیکن بالآخر وہ پھر رابرٹ تھورن کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا۔

رابرٹ تھورن کو کئی جگہ تقریریں کرنی تھیں۔ حنیف کے لئے وہاں پہنچنا کچھ مشکل نہیں تھا۔ رابرٹ ایک مقامی یونیورسٹی کے کیمپس گیا۔ اس نے ایک بزنس لنچ اٹینڈ کیا۔ دو ایک فیکٹریوں کی تقریبات میں اس نے شرکت کی۔ اس کا بات کرنے کا اسٹائل بڑا دل نشین تھا۔ اس کے انداز میں ایک جوشیلا پن تھا، جو اس کی سچائی کا غماز تھا۔ حنیف نے دیکھا کہ وہ جہاں بھی خطاب کرتا ہے، سامعین کے دل جیت لیتا ہے۔ یہ صلاحیت ثبوت تھی کہ وہ سیاست

کے میدان میں بہت کامیاب رہے گا۔ وہ لوگوں میں تحریک پیدا کر دیتا تھا اور لوگ اس کی باتوں پر یقین کرتے تھے۔ خاص طور پر مزدوروں اور کارکنوں کے حلقے میں وہ بہت مقبول تھا۔

''ہمارا معاشرہ بہت سے طبقوں میں منقسم ہے''۔ وہ پرزور لہجے میں کہتا۔ ''جوان اور بوڑھے...... امیر اور غریب۔ لیکن میرے نزدیک دو طبقے سب سے اہم ہیں۔ ایک وہ جنہیں اپنے لیے کچھ کرنے کا موقع ملا۔ اور دوسرے وہ جنہیں کبھی کوئی موقع نہیں ملا۔ اور لوگوں کو برابر کے مواقع نہ ملیں تو پھر جمہوریت محض ایک کھوکھلا لفظ ہے...... ایک بدصورت جھوٹ......''

اور ایسے موقعوں پر وہ لوگوں میں گھل مل جاتا۔ معذور لوگ نظر آتے تو وہ خود ان کی طرف لپکتا۔ لوگ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے۔ وہ اس کے کہے ہوئے ہر لفظ پر پوری طرح یقین کر لیتے تھے۔

بہرحال حقیقت یہ تھی کہ لوگ اس کے جس جوش کو سراہتے تھے، وہ اس کے اندر کی مایوسی اور اس کی ٹوٹ پھوٹ کا ردعمل تھا۔ یہ عام لوگوں سے خطاب درحقیقت اس کا فرار تھا...... اپنی نجی زندگی کے پریشان کن معاملات سے فرار۔ درحقیقت وہ بہت پریشان تھا۔ وہ جہاں بھی جاتا، اسے احساس ہوتا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ دو بار سامعین کے ہجوم میں اس کی نظر چوغے پر پڑی۔ ویسا چوغہ جیسے پادری پہنتے ہیں۔ اسے احساس ہوا کہ پادری ٹیسون اس کا پیچھا کر رہا ہے۔ لیکن اس نے یہ بات کسی کو نہیں بتائی۔ کیونکہ عین ممکن تھا کہ یہ اس کا وہم ہو۔

بہرکیف وہ اس کا عادی ہو گیا۔ تقریر کرتے ہوئے اس کی متلاشی نگاہیں ہجوم میں فادر ٹیسون کو ڈھونڈتیں۔ اور اسے یقین ہوتا کہ وہ وہاں موجود ہوگا۔ اس نے ٹیسون کے الفاظ کو رد کر دیا تھا۔ اس کے خیال میں وہ پاگل تھا۔ وہ کوئی مذہبی جنونی تھا جو خواہ مخواہ اس کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ اسے محض اتفاق ہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ حوالہ اس کے بیٹے کا دے رہا تھا، جس کے بارے میں صرف رابرٹ تھورن ہی جانتا تھا کہ وہ اس کا بیٹا نہیں، لے پالک ہے۔

لیکن اس سب کے باوجود اس کے کہے ہوئے الفاظ رابرٹ کی سماعت میں گونجتے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ جو کچھ فادر ٹیسون نے کہا، ناممکن ہے۔ پھر بھی اس کا ہر لفظ آسیب کی طرح اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ اور رابرٹ کو جدوجہد کرنی پڑتی تھی کہ اس کا دماغ انہیں سچ نہ مان لے۔

کبھی رابرٹ کو یہ خیال آتا کہ ہو نہ ہو، یہ ٹیسون قاتل ہے۔ اسے قتل کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ مشہور اور بڑے لوگوں کے قتل کے معاملے میں یہ ہوتا رہا ہے کہ ان کے قاتلوں نے اپنے ہدف سے ذاتی ملاقات کی کوشش کی، جیسے کہ ٹیسون اس سے ملا۔ ان میں صدر کینیڈی کا قاتل لی ہاروے اوسوالڈ بھی تھا۔

لیکن جلد ہی رابرٹ نے اس خیال کو مسترد کر دیا۔ اگر وہ اسی طرح لوگوں کے ہجوم میں اپنی موت تلاش کرتا رہا تو وہ گھر سے نکلنے کے قابل نہیں رہے گا۔ اس کے باوجود وہ سو رہا ہو یا جاگ رہا ہو، ٹیسون کا خیال اس کے ذہن پر ہر وقت سوار رہتا تھا۔ جلد ہی رابرٹ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اگر ٹیسون پاگل دیوانہ ہے تو وہ خود بھی اس سے کم نہیں رہا ہے۔ ٹیسون شکاری ہے تو وہ شکار ہے۔ اور شکار ہر وقت اپنے شکاری کے بارے میں سوچتا رہا ہے۔ اتنا تو شاید ٹیسون بھی اس کے متعلق نہیں سوچتا ہوگا۔

پیری فورڈ میں بظاہر تو سکون تھا۔ سطح پر سب کچھ ٹھیک تھا۔ لیکن تہ میں کوئی لاوا سا پک رہا تھا۔ اندر تشویش کی آگ دہک رہی تھی۔ رابرٹ اور کیتھی ایک دوسرے سے کم ہی ملتے تھے۔ رابرٹ اپنی مصروفیات کی وجہ سے اس سے دور ہو گیا تھا۔ اور جب وہ یکجا ہوتے تو ان کی گفتگو سطحی ہوتی۔ کوئی پریشان کن موضوع چھیڑنے سے دونوں ہی گریز کر رہے تھے۔

کیتھی اپنے وعدے کے مطابق ڈیمین کو زیادہ وقت دے رہی تھی۔ لیکن اس کے نتیجے میں فاصلہ اور بڑھ رہا تھا۔ ڈیمین بس جیسے تیسے اس کی قربت میں وقت گزار لیتا تھا۔ وہ خاموش رہتا۔ جیسے طوعاً و کرہاً اسے برداشت کر رہا ہو۔ جب مسز بے لاک شاپنگ کر کے واپس آتی تو اسے دیکھ کر وہ کھل اٹھتا۔

اپنی آیا کے ساتھ وہ ہنستا بھی تھا اور کھیلتا بھی تھا۔ لیکن کیتھی سے وہ کھنچا کھنچا رہتا۔ کیتھی اسے اس کے خول سے نکالنے کی ہر ممکن کوشش کرتی رہی۔ وہ اس کے لیے رنگ لائی، کلرنگ بکس لائی۔ بلاکس کے گیم لائی، چلنے والے کھلونوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ لیکن وہ اپنے بچے کا التفات نہیں جیت سکی۔ البتہ ایک شام ڈیمین نے ایک کتاب میں غیر معمولی دلچسپی لی، جس میں جانوروں کی تصویریں تھیں۔ یہ ردِ عمل دیکھ کر کیتھی نے فیصلہ کیا کہ وہ اسے چڑیا گھر لے کر جائے گی۔

اس آؤٹنگ کے لئے اس نے اسٹیشن ویگن میں ضرورت کی تمام چیزیں رکھ لیں۔ اس روز اسے احساس ہوا کہ وہ نارمل لوگوں سے کتنی مختلف زندگی گزار رہے ہیں۔ اس کا بچہ ساڑھے چار سال کا ہو چکا تھا اور اب تک اس نے چڑیا گھر نہیں دیکھا تھا۔ وہ ایسے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، جہاں انہیں سب کچھ بغیر کوشش کے...... خود بہ خود مل جاتا تھا۔ اسی وجہ سے اس کا بچہ بچپن کے ایڈونچرز سے محروم رہا تھا۔ اور شاید اسی وجہ سے وہ تفریح کے شعور سے بے خبر رہ گیا تھا۔

وہ دن کیتھی کو اچھا لگ رہا تھا۔ کیونکہ اس کے بچے کی آنکھوں میں زندگی کی چمک لہرا رہی تھی۔ وہ اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھا تھا اور بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ کیتھی کو لگا کہ بالآخر اس نے ایک درست فیصلہ کر لیا ہے۔

ڈیمین صرف خوش نہیں تھا۔ وہ باتیں بھی کر رہا تھا۔ ہپوپوٹیمس اس کے منہ سے نہیں نکل پا رہا تھا۔ بالآخر اس نے صحیح ادائیگی کر لی تو وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگا۔ کیتھی کے دل میں پہلی بار پھول کھل اٹھے۔ بچوں کی ہنسی ماؤں کے دلوں میں کس طرح پھول کھلاتی ہے، یہ اسے پہلی بار معلوم ہوا تھا۔ اس کا حوصلہ بڑھ گیا۔

شہر کی طرف ڈرائیو کرتے ہوئے وہ مسلسل باتیں کرتی رہی۔ ڈیمین بہت غور سے سن رہا تھا۔ شیر بندر اور گھوڑوں کی باتیں۔ وہ اسے بتا رہی تھی کہ گلہری دراصل چوہوں کے خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ گھوڑے اور گدھے ایک ہی نسل سے ہیں۔ اس نے ڈرائیو کرتے ہوئے، جانوروں سے متعلق ایک نظم گھڑ کر اسے سنا ڈالی۔ ڈیمین بہت خوش تھا۔ وہ بار بار اس نظم کی فرمائش کر رہا تھا...... اور کیتھی سنائے جا رہی تھی۔

یوں ہنستے بولتے وہ چڑیا گھر پہنچ گئے۔

وہ موسم سرما کا ایک چمک دار اتوار تھا۔ ایسے دن میں لندن میں کوئی ان ڈور نہیں رہنا چاہتا۔ چڑیا گھر میں ہر طرف لوگوں کا ہجوم تھا۔ گھاس

پر لوگ بیٹھے۔ لیٹے تھے۔ دھوپ میں جسم، سینکے جا رہے تھے۔ تازہ ہوا پھیپھڑوں میں اتاری جا رہی تھی۔

آوازوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ جانور بھی بہت خوش ہیں۔ ان کی غراہٹیں اور دہاڑیں دور تک سنائی دے رہی تھیں۔

کیتھی نے دو پاؤنڈ ادا کیے اور ایک پرام کرائے پر لے لیا۔ ڈیمین کو اس میں بٹھا کر وہ پرام دھکیلتی ہوئی چل دی۔

سب سے پہلے انہوں نے راج ہنسوں کو دیکھا۔ خوب صورت راج ہنس! بچوں کا ایک چھوٹا سا گروپ اپنے ہاتھوں سے انہیں ڈبل روٹی کے ٹکڑے کھلا رہا تھا۔ کیتھی نے آگے بڑھ کر اپنے اور پرام کے لئے جگہ بنائی۔ لیکن اس وقت تک ہنس کھانے میں دلچسپی کھو بیٹھے تھے۔ وہ تیرتے ہوئے جھیل کی دوسری طرف چل دیئے۔ وہ پلٹ کر دیکھ رہے تھے۔ بچے انہیں بلا رہے تھے۔ لیکن ہنسوں نے انہیں نظر انداز کر دیا۔

لنچ کا وقت ہو رہا تھا۔ ہجوم اور بڑھ گیا تھا۔ کیتھی کوئی ایسا پنجرہ تلاش کر رہی تھی۔ جہاں لوگوں کا ہجوم نہ ہو۔ داہنی جانب پریری کتوں کا بورڈ لگا تھا۔ کیتھی ڈیمین کو بتا رہی تھی کہ وہ صحرائی کتے ہیں۔ امریکا میں انہیں پالا بھی جاتا ہے۔

قریب پہنچ کر کیتھی نے دیکھا کہ وہاں بھی لوگوں کا رش ہے۔ سب لوگ اچک اچک کر ایک گڑھے میں جھانک رہے تھے۔ کیتھی نے بڑی مشکل سے جگہ بنائی اور ڈیمین کو لے کر آگے بڑھی۔ وہ کتوں کی بس ایک جھلک دیکھ سکے۔ کیونکہ اچانک ہی کتوں میں افراتفری مچ گئی اور وہ ادھر ادھر اپنے غاروں میں جا چھپے۔ لوگوں میں مایوسی پھیلی اور وہ تتر بتر ہو گئے۔ ڈیمین نے سر اٹھا کر دیکھنے کی کوشش کی اور پھر مایوسی سے ماں کو دیکھنے لگا۔

''شاید ان لوگوں کا بھی لنچ ٹائم ہو گیا ہے''۔ کیتھی نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

وہ آگے بڑھ گئے۔ کیتھی نے سینڈوچ خریدے۔ ڈیمین اور وہ کھانے لگے۔ وہ گھاس پر جا بیٹھے تھے۔

''اب چل کر بندروں کو دیکھتے ہیں''۔ کیتھی نے کہا۔ پھر ڈیمین سے پوچھا۔ ''بندر دیکھو گے؟''

ڈیمین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

منکی ہاؤس بہت بڑا تھا۔ جا بجا سائن نصب تھے۔ بندروں کے پنجرے دکھائی دیئے تو ڈیمین کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس کا انداز ہیجانی تھا۔ پہلی بار وہ کسی جانور کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک ریچھ تھا جو مشینی انداز میں ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔ اسے احساس تھا کہ جنگلے کے اس پار بہت سے لوگ اسے دیکھ رہے ہیں مگر وہ ان کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

لیکن کیتھی اور ڈیمین قریب پہنچے تو ریچھ کو نجانے کیسے ان کی موجودگی کا احساس ہو گیا۔ وہ چلتے چلتے رکا، ان کی طرف دیکھا اور دانت نکوسنے لگا۔ اس کے جسم کے بال کھڑے ہو گئے تھے۔

وہ دونوں آہستہ آہستہ آگے بڑھ گئے۔

برابر والے پنجرے میں ایک بڑی جنگلی بلی تھی۔ وہ بھی انہیں دیکھ کر ساکت ہو گئی۔ اس کی زرد آنکھیں ان پر جمی تھیں۔

اگلے پنجرے میں ایک بڑا بندر تھا۔ انہیں دیکھ کر وہ دانت نکوسنے لگا۔ وہاں سے گزرنے والے سینکڑوں افراد میں سے وہ صرف ان کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

اب کیتھی کو احساس ہونے لگا کہ وہ دونوں جانوروں پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ وہ دونوں مختلف پنجروں کے سامنے سے گزرتے رہے۔

کیتھی سب کچھ بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے ایک بات سمجھ لی۔ تمام جانور چوکنے پن سے صرف اور صرف ڈیمین کو دیکھ رہے تھے۔ اور ان کے انداز میں خوف تھا۔

لگتا تھا کہ ڈیمین کو بھی اس بات کا احساس ہو گیا ہے۔

''شاید یہ سوچ رہے ہیں کہ تم کوئی بہت لذیذ اور خوش ذائقہ چیز ہو'' کیتھی نے ہنستے ہوئے ڈیمین سے کہا۔ ''اور تم ہو بھی''۔

کیتھی ڈیمین کو پنجروں سے دور ایک اور راستے پر لے گئی۔ سامنے والی بلڈنگ کی طرف سے قہقہوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

کیتھی کو اندازہ ہو گیا کہ وہ منکی ہاؤس ہے۔ وہ آنے والوں کا سب سے مقبول مقام تھا۔ وہاں ایک لمبی قطار تھی۔ کیتھی نے ڈیمین کو گود میں اٹھایا اور قطار میں شامل ہو گئی۔

جہاں وہ تھے وہاں سے انہیں نظر تو نہیں آ رہا تھا۔ لیکن بچوں کے قہقہوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ دور کے کسی پنجرے میں بندر زبردست کرتب دکھا رہے ہیں۔ وہ ڈیمین کو گود میں لیے جگہ بناتی آگے بڑھتی رہی۔ یہاں تک کہ اس منظر کی جھلک انہیں بالآخر نظر آ گئی۔

اس پنجرے میں کافی تعداد میں چھوٹے بندر تھے اور زبردست موڈ میں تھے۔ وہ لٹکے ہوئے ٹائروں پر جھولتے ہوئے مختلف سمتوں میں لمبی اونچی چھلانگیں لگا رہے تھے۔ دیکھنے والوں کے لئے وہ بہت خوش کن منظر تھا۔ وہ طرح طرح کے کرتب دکھا رہے تھے۔

کیتھی اور زور لگانے لگی۔ وہ جلدی سے وہاں پہنچ جانا چاہتی تھی۔ تاکہ ڈیمین کو وہ منظر دکھا سکے۔

بندر یا تو تماشائیوں کی طرف سے بے خبر تھے۔ یا انہیں ان کی موجودگی کی پروا نہیں تھی۔ لیکن جیسے ہی کیتھی ڈیمین کو گود میں لیے آگے بڑھی اور ان کے سامنے آتے ہی پنجرے کے اندر کا ماحول اور بندروں کا موڈ یک لخت تبدیل ہو گیا۔ بندروں کا کھلنڈرا پن معدوم ہو گیا۔ ایک ایک کر کے انہوں نے سر گھمائے۔ ان کی آنکھیں ان کے حلقوں میں تیزی سے گردش کرنے لگیں جیسے وہ نروس ہو گئے ہوں۔ ان کی نگاہیں لوگوں کی بھیڑ میں جیسے کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔

لوگوں کو بھی چپ لگ گئی۔ وہ یہ سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ بندروں نے اچھل کود کیوں چھوڑ دی ہے۔ اور انہیں امید تھی کہ ابھی کسی بھی لمحے بندر دوبارہ کھلنڈرا پن شروع کر دیں گے۔

بندر دوبارہ ایکشن میں آئے...... لیکن لوگوں کی توقع کے بالکل برعکس۔

پنجرے میں اچانک ایک باریک اور طویل چیخ ابھری۔ وہ تنبیہی چیخ تھی یا خوف کا اظہار یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا۔ بہر حال اگلے ہی لمحے وہ چیخ اجتماعی چیخ بن گئی۔ تمام بندر ایک آواز ہو کر چیخ رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی پنجرہ جیسے تحرک سے لبالب بھر گیا۔ بندر اب یوں دیوانہ وار اچھل رہے تھے، جیسے پنجرے سے نکل بھاگنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ ان کا رخ پنجرے کی پچھلی دیوار کی طرف تھا، جو تاروں کی بنی ہوئی تھی۔ اس دیوار میں ایک کھڑکی بھی تھی۔

بندر اب ایسے دہشت زدہ تھے جیسے کسی نے ان کے درمیان کسی خونخوار درندے کو لا چھوڑا ہو۔ وہ ایک دوسرے کو نوچنے بھنبھوڑنے لگے۔ خون بہنے لگا۔ لوگ منہ پھاڑے حیران اور خاموش کھڑے تھے۔ لیکن ڈیمین ہنس رہا تھا۔ ان کی طرف اشارے کرتے ہوئے ہنس ہنس کر بے حال ہوا جا رہا تھا۔

پنجرے میں وحشت اور خوف اور بڑھ گیا۔ ایک بڑا بندر تاروں سے بنی ہوئی چھت پر چڑھ گیا۔ وہاں اس کا سر تاروں کے درمیان ایک پھندے میں پھنس گیا۔ وہ کچھ دیر نکلنے کی کوشش میں ہاتھ پاؤں مارتا رہا اور پھندا کستا گیا۔ بالآخر اس کا جسم بے جان ہو کر جھولنے لگا۔

چڑیا گھر کے منتظمین دوڑے ہوئے آئے۔ کچھ دروازے کی طرف لپکے۔ پنجرہ بندروں کی حیوانی چیخوں سے گونج رہا تھا۔ وہ بری طرح دہشت زدہ تھے اور ایک دیوار سے دوسری دیوار تک پاگلوں کی طرح دوڑ رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے کنکریٹ کے فرش سے اپنا سر ٹکرانا شروع کر دیا۔ اس کی تھوتھنی اور جسم لہولہان ہو گیا۔ وہ سر پٹکتا رہا۔ یہاں تک کہ لڑکھڑا کر گرا اور ختم ہو گیا۔ اس کے اردگرد دوسرے بندر چیخ اور اچھل رہے تھے۔ منظر کا ڈراؤنا پن انتہا کو پہنچ گیا تھا۔

دروازہ کھلا تو بندروں نے وہاں سے بھی نکلنے کی کوشش کی۔ اس کے نتیجے میں تماشائیوں میں بھی بھگدڑ مچ گئی۔ کیتھی کو بھی دھکے لگے۔ لیکن وہ جیسے بت بن گئی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلی۔ اس کا بچہ اس کی گود میں اب بھی ہنس رہا تھا، اشارے کر رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا، جیسے وہ اپنی وحشیانہ ہنسی سے جانوروں کو اور دہشت زدہ کر رہا ہو...... انہیں مرنے پر اکسا رہا ہو۔ اور کیتھی پر یہ واضح ہو چکا تھا کہ جانور اس کے بچے سے ڈر رہے ہیں۔ اس تباہ کن المیے کا محرک اس کا بچہ ہی ہے، اور اس کے دیکھتے ہی دیکھتے تباہی عروج کو پہنچ رہی تھی۔

❁ .... ❁ .... ❁

اس رات کیتھی دیر سے گھر واپس آئی۔ ڈیمین گاڑی میں سو چکا تھا۔ چڑیا گھر سے نکلنے کے بعد کیتھی صرف ڈرائیو کرتی رہی تھی۔ ڈیمین خاموش بیٹھا تھا۔ وہ الجھا ہوا بھی تھا اور دکھی بھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سے کون سی غلطی سرزد ہو گئی ہے۔ اس نے کیتھی کو خوش کرنے کے لیے وہ نظم دہرانے کی ناکام کوشش کی، جو اس نے چڑیا گھر جاتے ہوئے اسے سنائی تھی۔ لیکن کیتھی گنگ بیٹھی تھی۔ وہ پتھرائی ہوئی نظروں سے سامنے دیکھتے ہوئے ڈرائیو کرتی رہی۔ اندھیرا چھانے لگا تو ڈیمین نے اشارے سے اسے بتایا کہ وہ بھوکا ہے۔ لیکن کیتھی خاموشی سے ڈرائیو کرتی رہی۔ آخر ڈیمین سیٹ پر سمٹ کر لیٹ گیا۔ وہاں کمبل موجود تھا۔ اس نے کمبل اوڑھا اور سو گیا۔

کیتھی بے مقصد ڈرائیو کیے جا رہی تھی۔ اصل میں وہ اس خوف کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کر رہی تھی، جو دھیرے دھیرے اس کے دل و دماغ کو، اس کے پورے وجود کو جکڑ رہا تھا۔ وہ خوف ڈیمین کے بارے میں تھا نہ مسز بے لاک کے بارے میں۔ وہ خوف اس کے اپنے لیے تھا۔ یہ خوف کہ وہ پاگل پن کی طرف بڑھ رہی ہے۔

پیری فورڈ میں رابرٹ تھورن اس کا منتظر تھا۔ اسے امید تھی کہ وہ بہت خوش و خرم اور تازہ دم واپس آئے گی۔ اس نے کیتھی کے انتظار میں کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ اب وہ کھانے کی چھوٹی میز پر بیٹھے تھے۔ کیتھی اعصاب زدہ لگ رہی تھی۔ اور خاموش بیٹھی کھانا ٹونگ رہی تھی۔ رابرٹ اسے

غور سے دیکھ رہا تھا۔

''کیتھی......تم ٹھیک تو ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں۔ٹھیک ہوں۔''

''تو اتنی چپ چپ کیوں ہو؟''

''کچھ بھی نہیں بس تھک گئی ہوں۔''

''پورا دن باہر رہی ہو نا؟''

''ہاں۔''

کیتھی کے انداز میں کھنچاؤ تھا۔وہ مختصر جواب دے رہی تھی۔بلکہ شاید سوال اسے مداخلت لگ رہے تھے۔''اچھا لگا؟''

''ہاں۔''

''تم اتنی ڈسٹرب کیوں لگ رہی ہو؟''

''کیا ایسا ہے؟'' کیتھی کے لہجے میں بناوٹی حیرت تھی۔

''کیا بات ہے؟ کوئی گڑبڑ؟''

''گڑبڑ کیا ہو سکتی ہے؟''

''مجھے کیا معلوم۔تم اپ سیٹ لگ رہی ہو۔''

''کچھ نہیں۔تھک گئی ہوں۔ایک اچھی نیند کی ضرورت ہے۔''

کیتھی مسکرائی۔لیکن رابرٹ کو ایک نظر میں اندازہ ہو گیا کہ وہ جھوٹی مسکراہٹ ہے۔وہ پریشانی سے اسے دیکھتا رہا۔''ڈیمین تو ٹھیک ہے نا؟''

''ہاں''

''تمہیں پورا یقین ہے؟''

''ہاں''

رابرٹ اب بھی اسے دیکھ رہا تھا۔اور وہ نظریں چرا رہی تھی۔''دیکھو......اگر کوئی گڑبڑ ہوتی تو تم مجھے بتاتیں۔بتاتیں نا؟ مجھ سے تو تم کچھ نہیں چھپاتیں۔میرا مطلب ہے، ڈیمین کے بارے میں کوئی ایسی ویسی بات......''

''ڈیمین کے بارے میں؟ رابرٹ۔ڈیمین ہمارا بیٹا ہے۔اس کے بارے میں کوئی ایسی ویسی بات ہو ہی نہیں سکتی۔ہم تو خوش نصیب ہیں۔خدا نے ہمیں بہت بڑا تحفہ دیا ہے ڈیمین کی صورت میں۔'' اس نے رابرٹ کو تکتے دیکھا تو مسکرائی۔لیکن اس مسکراہٹ میں خوشی نہیں تھی۔

''تم سنجیدگی سے کہہ رہی ہو؟''

''سوچو نا رابرٹ۔ تھورن فیملی کا کوئی بچہ اچھا ہی ہو سکتا ہے نا۔ یہ تو خون کی بات ہے۔ اچھا خون، اچھی اولاد''

رابرٹ کو پھر احساس جرم ستانے لگا۔ ''لیکن مجھے لگتا ہے، کوئی گڑبڑ ہے۔''

کیتھی نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ پھر وہ ساکت بیٹھی چند لمحے کھانے کی پلیٹ کو گھورتی رہی۔

''کیتھی......کیا بات ہے؟ مجھے بتاؤ نا'' رابرٹ اب گھبرا گیا۔

''میرا خیال ہے......'' کیتھی اپنی آواز پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ''مجھے ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔'' اس نے سر اٹھایا۔ اس کی نگاہوں میں اذیت تھی۔ ''مجھے خوف ستا رہے ہیں۔ ایسے خوف جو کسی نارمل انسان کو کبھی نہیں ستاتے۔''

''کیتھی......کیسے خوف؟'' رابرٹ نے سرگوشی میں کہا۔ ''وضاحت کرو''

''میں بتا دوں تو تم مجھے پاگل سمجھنے لگو گے۔''

''نہیں......یہ ناممکن ہے۔'' رابرٹ نے اسے یقین دلایا۔ ''تم جانتی ہو کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔''

''تو پھر میری مدد کرو۔'' کیتھی گڑگڑانے لگی۔ ''پلیز میرے لیے کسی ڈاکٹر کا بندوبست کرو۔''

کیتھی کی آنکھ سے ایک آنسو اس کے رخسار پر پھسل آیا۔ رابرٹ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''تم فکر نہ کرو۔ ڈاکٹر کا بندوبست ہو جائے گا''۔

اب کیتھی رو رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس گزرے ہوئے دن کی یاد اس کے حافظے سے کبھی نہیں مٹے گی۔ ہمیشہ اس کے اندر موجود رہے گی۔

❂..........❂..........❂

سائیکاٹرسٹ انگلینڈ میں اتنے عام نہیں، جتنے امریکا میں ہیں۔ اسی لیے رابرٹ تھورن کو ایک ایسے سائیکاٹرسٹ کی تلاش میں، جس پر وہ اعتماد بھی کر سکے، خاصی جستجو کرنا پڑی۔

اس کا نام چارلس گریئر تھا۔ اس کی عمر زیادہ نہیں تھی۔ تاہم تجربہ بہت وسیع تھا۔ اور بڑے اہم لوگوں نے اس کا نام تجویز کیا تھا۔ کافی عرصہ وہ جارج ٹاؤن میں رہا تھا۔ اور اس نے کئی امریکی سینیٹرز کی بیویوں کا علاج کیا تھا۔

اس وقت رابرٹ تھورن چارلس گریئر کے دفتر میں اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

''سیاست دانوں کی بیوی کا عام طور پر مسئلہ مے نوشی کی کثرت کا ہے۔'' چارلس گریئر کہہ رہا تھا۔ ''شاید اس کی بنیادی وجہ ان کا احساس تنہائی ہوتا ہے۔ یہ احساس کہ انہیں ترک کر دیا گیا ہے۔ اور یہ خوف کہ وہ اپنی شناخت سے محروم ہو گئی ہیں۔''

''آپ اعتماد کی اہمیت تو سمجھتے ہیں۔'' رابرٹ نے کہا۔

''میرے پاس دینے کے لیے اس کے سوا کچھ ہے بھی نہیں۔ یہی میری کامیابی کا راز ہے۔'' چارلس گریئر نے جواب دیا۔ ''لوگ اپنے راز مجھے سونپ دیتے ہیں۔ جبکہ وہ کسی اور سے بات کرتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ اور انہیں بوجھ بھی اتارنا ہوتا ہے۔ مجھے کچھ بھی بتاتے ہوئے وہ نہیں

ہچکچاتے۔اس یقین کے ساتھ بتاتے ہیں کہ ان کا راز میرے پاس محفوظ رہے گا میں آپ سے صرف رازداری ہی کا وعدہ کرسکتا ہوں۔''

''تو میں اپنی بیوی کو آپ کے پاس بھیج دوں؟''

''ان سے اصرار کرنے کی ضرورت نہیں۔آپ صرف انہیں میرا فون نمبر دے دیں۔''

''یہ بات نہیں کہ وہ ڈاکٹر سے گریزاں ہو اصل میں اسی نے مجھ سے کہا تھا کہ اسے......''

''گڈ۔ویری گڈ۔''

رابرٹ تھورن اٹھ کھڑا ہوا''اس سے ملاقات کے بعد آپ مجھے فون کریں گے۔''

''میرا خیال ہے، نہیں۔''ڈاکٹر نے صاف گوئی سے کام لیا۔

''میرا مطلب ہے، شاید آپ کے پاس مجھے بتانے کے لیے کچھ ہو......''

''دیکھیے......میں جو کچھ بتاؤں گا، انہی کو بتاؤں گا۔''

''اگر کوئی پریشانی کی بات ہو......''

''آپ کی بیوی میں خودکشی کا رجحان تو نہیں ہے؟''

''جی نہیں''

''تو پھر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔میرا خیال ہے، معاملہ اتنا سنگین نہیں، جتنا آپ سمجھ رہے ہیں۔''

رابرٹ دروازے کی طرف بڑھا۔اس کی پریشانی کافی حد تک کم ہوگئی تھی۔

''مسٹر تھورن''۔ڈاکٹر نے اسے پکارا۔

''جی؟''رابرٹ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

''آپ آج یہاں کیوں آئے؟''

''آپ سے ملنے کے لیے۔''

''کس وجہ سے؟''

رابرٹ نے کندھے جھٹک دیئے۔''دیکھنا چاہتا تھا کہ آپ کیسے ہیں۔''

''کوئی خاص بات کرنا چاہتے تھے آپ مجھ سے؟''

رابرٹ نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ چند لمحے سوچا، پھر نفی میں سر ہلا دیا۔''کیا آپ کے خیال میں مجھے کسی سائیکاٹرسٹ سے ملنا چاہیے؟''

''یہ فیصلہ تو آپ ہی کرسکتے ہیں۔''

''آپ کے خیال میں مجھے نفسیاتی امداد کی ضرورت ہے؟''

''آپ خود بتائیں۔''

''میرے خیال میں مجھے ضرورت نہیں۔''

رابرٹ پلٹا اور آفس سے نکل آیا۔

اپنے دفتر پہنچ کر رابرٹ چارلس گریٹر سے اپنی گفتگو کے بارے میں سوچتا رہا۔ کیا واقعی اسے خود بھی کسی سائیکاٹرسٹ کی ضرورت ہے؟ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ چارلس گریٹر سے بات کرے۔ وہ اسے وہ باتیں بتانا چاہتا تھا، جو اس نے کبھی کسی سے نہیں کہی تھی۔ لیکن اس سے کچھ فائدہ نہیں تھا۔ جو جھوٹ اس نے تخلیق کیا تھا، اسے اس کے ساتھ جینا تھا۔ وہ جھوٹ اس کی زندگی کی سب سے بڑی حقیقت بن گیا تھا۔ لیکن یہ بھی سچ تھا کہ وہ کسی کو بتا کر دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا تھا۔

دن سست رفتاری سے گزرتا رہا۔ رابرٹ اپنے لیے ایک اہم تقریر تیار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اگلی شام اسے کچھ ممتاز کاروباری لوگوں کے سامنے وہ تقریر کرنی تھی۔ رابرٹ کا خیال تھا کہ کچھ عرب نمائندے بھی وہاں موجود ہوں گے۔ اس اعتبار سے اس تقریر کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کی تقریر مصالحانہ ہو تا کہ عربوں کی ناراضی کچھ کم ہو۔ عربوں اور اسرائیل کے درمیان مسلسل تنازعے کے نتیجے میں امریکا اور عربوں کے درمیان اختلافات کی خلیج دن بہ دن بڑھتی جا رہی تھی۔ رابرٹ جانتا تھا کہ عرب اور اسرائیل کے درمیان دشمنی کی نوعیت تاریخی ہے۔ وہ ایسی دشمنی تھی، جس کی بنیاد مذہبی تھی۔ اسی لیے رابرٹ ان دنوں بائبل کا مطالعہ کر رہا تھا۔ تا کہ اس دشمنی کو بہتر طور پر سمجھ سکے۔ پھر یہ بھی تھا کہ سامعین بائبل کے حوالوں سے متاثر بھی ہوتے تھے۔

اس نے لنچ کا آرڈر دیا اور اپنا کمرہ بند کر کے مطالعہ کرنے بیٹھ گیا۔ اس نے ضروری کتابیں جمع کر لی تھیں۔

بچپن کے بعد وہ پہلا موقع تھا کہ وہ بائبل کا مطالعہ کر رہا تھا۔ اس کی روشنی میں مشرق وسطیٰ کی صورت حال کو سمجھتے ہوئے وہ مسحور سا ہو گیا۔ اس نے پڑھا کہ پہلی بار خدا نے ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ سرزمین مقدس ان کی اولاد کو ملے گی۔ اور وہ مقدس سرزمین دریائے نیل سے لے کر لبنان اور دریائے فرات تک تھی۔ رابرٹ نے اٹلس کا جائزہ لیا اور سوچا کہ اسرائیل تو اس موعود مملکت کا ایک بہت چھوٹا حصہ ہے۔ یعنی اصل سرزمین سے تو اسرائیل اب بھی محروم ہے۔ تو کیا ایسا ہے کہ اسرائیل کی توسیع پسندی کا محرک خدا کا وہی وعدہ ہے۔

اور رابرٹ نے ہنستے ہوئے سوچا...... خدا نے وعدہ کیا ہے تو خدا پورا بھی کرے گا۔

اگر تم نے اور تمہاری آنے والی نسلوں نے وعدہ پورا کیا، جو مجھ سے کیا ہے تو میں بھی اپنا وعدہ پورا کروں گا۔ میں کبھی اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ تم نے وعدہ نبھایا تو میں تمہاری نسل میں خدا ترس لوگ پیدا کروں گا...... اور تمہیں ایک عظیم مملکت عطا کروں گا۔

یہ خدا کے الفاظ تھے!

رابرٹ تھوڑا ان کی سمجھ میں یہ بات آتی تھی۔ وہ وعدہ مشروط تھا۔ یہودیوں نے خدا سے کیا ہوا وعدہ پورا نہیں کیا۔ اس لیے وہ بے گھر اور

ذلیل وخوار پھر رہے ہیں۔اور پھر یہ تاریخی روایت بھی ہے کہ یہودیوں نے ہی عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کیا تھا۔اور عیسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد ہی یہودیوں کو بتادیا گیا تھا کہ......

اب تم تتر بتر ہو جاؤ گے۔اور جن اقوام میں بھٹکتے پھرو گے،ان کے درمیان تم بہت حقیر تعداد میں ہو گے۔تم غلامی کی زندگی گزارو گے......اس وقت تک جب تک تمہارے پیش رو خدا کے غضب کو دعوت نہیں دیتے۔

یہ صاف اور واضح پیش گوئی تھی جو درست ثابت ہوئی تھی۔تاریخ کے مختلف ادوار میں یہودیوں کا قتل عام ہوتا رہا تھا۔اب سوال یہ تھا کہ کیا ان کے پیش رووٗں نے خدا کے غضب کو دعوت دی ہے؟ کیا یہودیوں کا اچھا وقت آ گیا ہے؟

رابرٹ تھورن نے تاریخی حوالوں کا جائزہ لیا۔یہودیوں کی ذلت اور خواری کا آغاز حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں ہوا،جب وہ اسرائیل سے نکالے گئے۔پھر بھاگتے ہوئے یہودیوں کا قتل عام صلیبیوں نے کیا۔تاریخ بتاتی ہے کہ 1000ء میں بارہ ہزار یہودی قتل ہوئے۔وہ تمام یہودی جنھوں نے انگلینڈ میں پناہ لی تھی،یا تو نکال دیئے گئے یا پھانسی چڑھا دیئے گئے۔پھر 1298ء میں فرانس،بواریا اور آسٹریا میں ایک لاکھ یہودی قتل کیے گئے۔ستمبر 1306ء میں ایک لاکھ یہودی موت کے خوف سے فرار ہوئے۔1348ء میں یہودیوں پر الزام لگا کہ دنیا پر سیاہ طاعون کی آفت وہی لائے ہیں۔چنانچہ ایک لاکھ سے زیادہ یہودیوں کو چن چن کر قتل کیا گیا۔اگست 1492ء میں جب کولمبس ایک نئی دنیا دریافت کر رہا تھا، ہسپانویوں نے پانچ لاکھ یہودیوں کو قتل کیا اور پانچ لاکھ کو اپنی سرحدوں سے باہر دھکیل دیا۔پھر ہٹلر کا تباہ کن دور آیا،جس میں 60 لاکھ سے زیادہ یہودیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ایک کروڑ دس لاکھ یہودی بے گھری اور عسرت کا شکار ہوئے اور دنیا میں بکھر گئے۔اس وقت یہی ان کی تعداد تھی۔وہ صرف ایک کروڑ دس لاکھ بچے تھے۔

شاید یہ مسلسل بے گھری اور خطرات کا ہی نتیجہ تھا کہ یہودیوں نے بے پناہ عزم کے ساتھ اپنے لیے ایک علیحدہ اور آزاد وطن کی جدوجہد کی۔یہی وجہ تھی کہ وہ ہر جنگ کو اپنی آخری جنگ......اپنی بقا کی جنگ سمجھ کر لڑتے تھے۔اور ایسے لوگوں سے کون جیت سکتا ہے؟

کتاب مقدس میں خدا کا جو وعدہ تھا،رابرٹ تھورن نے اس کی تشریح کا جائزہ لیا۔تشریح بتاتی تھی کہ خدا کے وعدے کی تین اہم شقیں تھیں۔ایک تو وطن کے تحفے کا وعدہ تھا۔دوسرا یہ تھا کہ آل ابراہیم علیہ السلام ایک عظیم قوم بنے گی۔اور تیسرا اور سب سے بڑا وعدہ نجات دہندہ کی واپسی کا تھا۔اس کے مطابق یہودیوں کی اسرائیل واپسی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ ظہور سے جڑی ہوئی تھی۔اگر یہ تشریح درست ہے تو اس کا مطلب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کا وقت نزدیک ہے۔اس دوسرے ظہور کے متعلق تفصیلات نہیں تھیں کہ یہ کب اور کیسے ہوگا۔تمام پیش گوئیاں علامتی اور دیومالائی دھند میں لپٹی ہوئی تھیں۔

کیا یہ ممکن ہے کہ اس وقت مسیح علیہ السلام روئے زمین پر موجود ہوں۔کیا پتا،ان کی ولادت ہو گئی ہو اور اس وقت دنیا میں،لوگوں کے درمیان چل پھر رہے ہوں۔

رابرٹ تھورن بنیادی طور پر سوچنے والا آدمی تھا۔وہ اس سلسلے میں امکانات تلاش کرتا اور ان پر غور کرتا رہا۔اب اگر عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہو

چکے ہیں تو وہ چوغہ تو نہیں پہنتے ہوں گے۔ اور ان کے سر پر کانٹوں کا تاج بھی نہیں ہوگا۔ وہ عام لباس پہنتے ہوں گے۔ سوٹ......ٹائی؟ لیکن اگر وہ پیدا ہو چکے ہیں تو خاموش کیوں ہیں؟ دنیا کی اس ابتر حالت پر کچھ بولتے کیوں نہیں؟

رابرٹ ان تمام خیالات کو اپنے ساتھ گھر لے گیا......ساتھ ہی وہ تمام کتابیں بھی جن سے وہ مدد لے رہا تھا۔

کیتھی سونے کے لیے چلی گئی اور مکان تاریکی اور خاموشی میں ڈوب گیا۔ رابرٹ نے اپنی اسٹڈی میں وہ کتابیں کھولیں اور مزید غور وفکر کرنے لگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی واپسی کے خیال نے اس کے تصور کو مہمیز کر دیا تھا۔

کتاب پیش گوئی میں لکھا تھا۔ کہ مسیح علیہ السلام زمین پر واپس آئیں گے تو ان کا سامنا دجال سے ہوگا۔ دجال جو شیطان کا بیٹا ہے۔ تب نیکی اور بدی، خیر اور شر کے درمیان آخری معرکہ ہوگا۔ تب آخری تباہی ہوگی......دنیا کا خاتمہ......قیامت!

اچانک اس مکمل سکوت میں رابرٹ تھورن کو ایک آواز سنائی دی۔ وہ مکان کے اوپری حصے سے آئی تھی......کسی کے سسکنے کی آواز! دو تین سسکیوں کے بعد پھر خاموشی چھا گئی۔

رابرٹ اٹھا اور اوپر گیا۔ چند لمحے وہ کیتھی کو تکتا رہا۔ وہ سو رہی تھی۔ لیکن وہ پرسکون نیند نہیں تھی۔ وہ بے چین تھی۔ اس کا چہرہ پسینے میں نہایا ہوا تھا وہ اسے دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ پرسکون ہوگئی۔ رابرٹ کمرے سے نکل آیا۔

تاریک ہال میں ٹٹول ٹٹول کر زینے کی طرف بڑھتے ہوئے وہ مسز بے لاک کے کمرے کے سامنے سے گزرا۔ دروازہ ذرا سا کھلا ہوا تھا۔ کھڑکی سے اندر آتی چاندنی میں مسز بے لاک سوتی نظر آ رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ گوشت کا پہاڑ سانس لے رہا ہے۔

رابرٹ تھورن آگے بڑھتے بڑھتے ٹھٹھک کر رک گیا۔ مسز بے لاک کے چہرے کو دیکھ کر اسے شاک لگا تھا۔ اس کا چہرہ خوفناک حد تک سفید ہو رہا تھا۔ لیکن اس نے گہرے رنگ کی لپ اسٹک لگائی ہوئی تھی، جو خون کا تاثر اجاگر کر رہی تھی۔ کچھ اس لیے بھی کہ لپ اسٹک بے ڈھنگے پن سے لگائی گئی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ خون پیتے پیتے سو گئی ہے۔

رابرٹ کی رگوں میں خون جمنے لگا۔ وہ کسی اعتبار سے کوئی عام منظر نہیں تھا۔ اور بات ناقابل فہم بھی تھی۔ اپنے کمرے کی خلوت میں مسز بے لاک نے ادافروش عورتوں کا سا حلیہ بنایا تھا۔

رابرٹ دروازہ بند کر کے نیچے چلا آیا۔ اب وہ پھر کتابوں کو دیکھ رہا تھا۔ لیکن وہ ارتکاز سے محروم ہو چکا تھا۔ کھلے صفحات پر اس کی نظریں ٹھہر نہیں رہی تھیں......ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں۔

پھر اس کی نظریں کتاب دانیال کے کھلے صفحے پر جم گئیں۔ وہ پڑھنے لگا......

''......اور تب اسی قابل نفرت ہستی کو عروج حاصل ہوگا، جسے خدا کی تائید حاصل نہیں ہوگی۔ وہ جھوٹے اور جعلی طریقوں سے وجود میں آئے گا۔ اور فریب کے زور پر مملکت حاصل کرے گا۔ فوجیں اس کا مقابلہ نہیں کر سکیں گی اور ٹوٹ پھوٹ جائیں گی۔ اس کا ہر عمل منافقانہ اور دھوکے اور فریب پر مبنی ہوگا۔ بہت تھوڑے لوگوں کے ساتھ وہ بہت زیادہ قوت حاصل کر لے گا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ بے پناہ دولت حاصل کر لے گا۔ وہ وہ

کچھ کرے گا، جو اس کے باپ دادا پردادا نے بھی کبھی نہیں کیا ہوگا۔ وہ بڑی طاقتوں کے خلاف منصوبے بنائے گا اور فتح یاب ہوگا۔ وہ خود کو ہر دیوتا سے برتر ثابت کرے گا۔ اور وہ خداؤں کے خدا کے خلاف لرزہ خیز باتیں کرے گا۔ وہ اس وقت تک پنپے گا، پھلے پھولے گا، جب تک اس کی زیادتیوں اور عیاریوں کے خلاف برہمی اور نفرت انتہا کو نہیں پہنچے گی۔ کیونکہ جو کچھ طے کیا جا چکا ہے، وہ تو ہو کر رہنا ہے۔

رابرٹ نے اپنی دراز کھولی اور ٹٹول کر سگریٹ نکالی، سگریٹ سلگا کر وہ کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اصل میں جو کچھ اس نے اوپر مسز بے لاک کے کمرے میں دیکھا تھا، اس نے اسے ڈسٹرب کر دیا تھا۔ اس طرف سے دھیان ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا، جو اسے اس کی ریسرچ پر توجہ مرکوز نہیں کرنے دے رہی تھی۔

کتاب کہتی تھی کہ یہودی سرزمین مقدس میں واپس آئیں گے تو وہی عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کا وقت ہوگا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ دجال سے ہوگا۔ دونوں الگ الگ پلیں بڑھیں گے اور مقام حاصل کریں گے۔ یہاں تک کہ ان کے مقابلے کا وقت آ جائے گا۔

رابرٹ پھر مختلف کتابوں کی ورق گردانی کرنے لگا!

"......اس دن سے ڈرو۔ وہ بہت بے رحم، بہت ہولناک دن ہوگا۔ اس کی گرمی اور طوالت سے انسان پناہ مانگیں گے۔ اس دن زمین سمیٹ دی جائے گی......اور انسان عدم ہو جائے گا......نایاب!

اور خدا ان لوگوں پر اپنے قہر کا سخت ترین وار کرے گا، جنہوں نے یروشلم کے خلاف جنگ چھیڑی، ان کے جسموں سے گوشت گل کر بہہ جائے گا۔ ان کی آنکھیں اپنے حلقوں میں سڑ جائیں گی۔ اور ان کی زبانیں ان کے مونہوں میں ٹھٹھر جائیں گی......

شیطان درندے کو بھیجے گا......پوری قہرناکی اور قہر سامانی کے ساتھ۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے پاس وقت کم ہے۔ تو جو بھی ایمان والا سمجھنا چاہے، وہ سمجھ لے کہ درندے کا انسانی نمبر 666 ہے۔

رابرٹ نے کتابیں بند کیں اور لیمپ بجھا دیا۔ دیر تک وہ خاموش بیٹھا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا۔...... یہ کیسی کتابیں ہیں...... کس نے لکھی ہیں...... اور کیوں لکھی گئی ہیں؟ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ کیوں وہ ان پر یقین رکھتا ہے۔ مگر دوسری طرف انہیں مسترد بھی کرتا ہے۔ ان کتابوں پر یقین کرنے سے کوشش اور جدوجہد بے سود اور لاحاصل ثابت ہوتی ہے۔ کیا یہ سچ ہے کہ انسان محض کھلونا ہے...... خدا کا یا شیطان کا؟ کیا ہم محض کٹھ پتلیاں ہیں، جن کی ڈور آسمان سے ہلائی جا رہی ہے۔ کیا جنت اور دوزخ کا وجود ہے.؟ اسے احساس تھا کہ یہ سوال بچگانہ نہیں۔ اس کے باوجود وہ ان پر غور کرنے پر مجبور تھا۔

ابھی حال ہی میں اسے احساس ہوا تھا کہ اس کے اندر ایسی قوتیں ہیں، جن پر اس کا قابو نہیں۔ اور وہ قوتیں بامقصد اور مرکوز ہیں۔ اس احساس نے اسے کمزوری کا، اپنے فانی ہونے کا اور بے بسی کا شدید احساس دلایا تھا ایک وہی نہیں، تمام انسان بے بس ہیں۔ کسی انسان نے پیدا ہونے کی خواہش کی نہ مرنے کی۔ وہ تو مجبور ہے۔ نہ اپنے ارادے سے پیدا ہوتا ہے۔ نہ اپنی مرضی سے مرتا ہے۔ لیکن زندگی گزارنے کے اس عمل میں وہ کتنی اذیتیں اٹھاتا ہے۔

وہ کاؤچ پر لیٹ کر سو گیا۔ اس کے خواب خوف سے چھلکتے ہوئے خواب تھے۔ اس نے خود کو عورتوں کے لباس میں دیکھا۔ جبکہ اسے احساس تھا کہ وہ مرد ہے۔ اور وہ ایک پرہجوم سڑک پر تھا۔ ایک پولیس مین کو اس نے روکا۔ وہ پولیس والے کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ راستہ بھول گیا ہے اور خوف زدہ ہے۔ لیکن پولیس والا ٹریفک کنٹرول کرنے میں لگا ہوا تھا۔ اس کی طرف توجہ ہی نہیں دے رہا تھا۔ گاڑیاں رابرٹ کے اپنے قریب سے گزر رہی تھیں کہ اسے تقریباً چھو رہی تھیں۔ ادھر ہوا بہت تیز چل رہی تھی...... اتنی تیز کہ اسے سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ پھنس گیا ہے۔ اس نے مدد کے لیے پکارا۔ لیکن ہوا کے شور میں کوئی اس کی آواز نہیں سن سکا۔ جبکہ پولیس والا اس کے وجود کو ماننے سے ہی انکاری تھا۔

اچانک ایک سیاہ کار ڈگمگاتی ڈولتی اس کی طرف لپکی۔ اس نے ہٹنے کی کوشش کی۔ لیکن ہوا کے جھکڑوں نے اسے واپس دھکیل دیا۔ کار قریب آئی تو اس نے ڈرائیور کا چہرہ دیکھا۔ اس کا چہرہ نقوش سے...... خدوخال سے محروم تھا۔ لیکن وہ ہنس رہا تھا۔ جہاں دہانہ ہونا چاہیے تھا، وہاں سے گوشت چر گیا تھا۔ اور خون نکل رہا تھا۔

کار اب بہت قریب آ چکی تھی!

ٹکر ہونے والی تھی کہ رابرٹ کی آنکھ کھل گئی۔ اس سے سانس نہیں لی جا رہی تھی اور وہ پسینے میں شرابور تھا۔ دھیرے دھیرے وہ خواب کی گرفت سے آزاد ہو گیا۔ اب وہ ساکت وصامت لیٹا تھا۔

اس نے آنکھیں کھولیں اور سر گھما کر دیکھا۔ صبح ہونے والی تھی۔ مکان میں گہری خاموشی تھی۔ رابرٹ کا جی چاہا کہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ بڑی مشکل سے اس نے اندر ابھرنے والی اس خواہش پر قابو پایا۔

❁ ❁ ❁

کاروباری لوگوں سے رابرٹ تھورن کا خطاب مے فیئر ہوٹل میں ہونا تھا۔ سات بجے تک ہوٹل کا کنونشن روم کھچا کھچ بھر چکا تھا۔ رابرٹ نے اپنے معاونین سے کہہ دیا تھا کہ اس خطاب کی پریس کوریج ضروری ہے۔ چنانچہ انہوں نے شام کو اخبارات میں یہ اطلاع شائع کرا دی تھی۔ چنانچہ وہاں متوقع شرکا کے علاوہ پریس رپورٹرز بھی موجود تھے۔ ان کے علاوہ عام سڑک چھاپ لوگ بھی موجود تھے۔ جنہیں پیچھے کھڑے ہونے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ کمیونسٹ پارٹی نے رابرٹ تھورن میں خصوصی دلچسپی لینی شروع کر دی تھی۔ پچھلی کئی بار سے ان کے نمائندے رابرٹ کی تقریر سننے تو نہیں، مداخلت کرنے اور اسے گڑبڑانے کی نیت سے آتے تھے۔ رابرٹ کو امید تھی کہ وہ آج رات بھی موجود ہوں گے۔

لیکٹرن کی طرف بڑھتے ہوئے رابرٹ کو فوٹو گرافرز کا ایک چھوٹا سا گروپ نظر آیا۔ ان میں وہ بھی تھا، جس کا کیمرہ اس نے سفارت خانے کے سامنے توڑ دیا تھا۔ اب وہ ایک نیا کیمرہ لیے کھڑا تھا۔ اسے اپنی طرف متوجہ پا کر وہ فوٹو گرافر مسکرایا۔ جواباً رابرٹ بھی مسکرایا۔ دراصل اسے فوٹو گرافر سے اس کشادہ دلی کی توقع نہیں تھی۔

رابرٹ ہال میں خاموشی ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ پھر اس نے تقریر شروع کی۔ اس نے عالمی معیشت کا نقشہ کھینچا اور ایک کامن مارکیٹ کی اہمیت اجاگر کی۔

''ایک شخص کو کچھ خریدنا ہے اور دوسرے کو وہی کچھ بیچنا ہے۔ تو امن کی اہمیت خود بہ خود سامنے آتی ہے۔'' وہ کہہ رہا تھا۔ ''اور اگر کسی کو کچھ خریدنا ہے اور وہ ضرورت کی چیز ہے۔ اور دوسرا جس کے پاس وہ چیز ہے، وہ اسے فروخت نہیں کرنا چاہتا۔ تو یہ جنگ کی طرف اٹھنے والا قدم ہے۔ ہم انسانوں کو بنیادی اہمیت کی یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اصل میں ہم سب بھائی بھائی ہیں۔ زمین اور قدرتی وسائل میں برابر کے ساجھے دار۔ کیونکہ قدرت نے جو کچھ دیا ہے، وہ تمام انسانوں کے لیے ہے۔ خدا نے ہوا کو انسانوں کی اجارہ داری سے محفوظ کر کے ہمیں یہ اہم نکتہ سمجھا دیا ہے۔ ہم نہ سمجھیں، یہ الگ بات ہے''۔

وہ بڑی مؤثر تقریر کر رہا تھا۔ تمام لوگ سحر زدہ ہو کر سن رہے تھے۔ ہال میں خاموشی تھی۔

اب وہ معیشت اور سیاسی ابتری کا باہمی تعلق بیان کر رہا تھا۔ وہ حاضرین میں موجود عربوں کو خاص طور پر دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''غربت کا احتجاج تو ہماری سمجھ میں آتا ہے۔ لیکن ہمیں ذہن میں رکھنا چاہیے کہ تعیشات کی کثرت کے نتیجے میں جو شکایات پیدا ہوتی ہیں، وہ تہذیبوں کو تہس نہس کرتی رہی ہیں۔ انسانی تاریخ اس پر گواہ ہے۔......''

وہ پرجوش لہجے میں بول رہا تھا۔ حنیف اس کے چہرے کو کلوز اپ میں فوکس کر کے تصویریں بنا رہا تھا۔

''یہ ایک اداس کن مگر کڑوا سچ ہے۔'' رابرٹ کہہ رہا تھا۔ ''زمانہ قدیم کے مصر میں جو لوگ بڑا مقام و مرتبہ اور منہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوتے......''

''زمانہ قدیم کی کیا بات ہے۔ تمہاری اپنی بھی یہی پوزیشن ہے۔'' مجمع میں کسی نے بلند آواز میں کہا۔

رابرٹ کہتے کہتے رکا اور اندھیرے میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ لیکن یہ پتا نہ چل سکا کہ بولنے والا کون تھا۔ اور آواز بھی دوبارہ نہیں سنائی

دی۔

''فراعنہ کے دور میں مصر میں جو لوگ صاحب اقتدار و ثروت گھرانوں میں......''

''ہاں ہاں...... آج کی بات چھوڑو ہمیں اس دور کے بارے میں بتاؤ'' وہ آواز پھر ابھری۔ اس کے ساتھ ہی مجمع میں غصیلی سی ہلچل مچی۔

رابرٹ نے پھر نگاہ پر زور دیا اور اسے نظر آ گیا۔ وہ ایک طالب علم تھا۔ اس کے چہرے پر داڑھی تھی۔ وہ نیلی جینز پہنے تھا اور کمیونسٹ معلوم ہوتا تھا۔

''مسٹر تھورن، تم غربت کے بارے میں کچھ جانتے بھی ہو'' لڑکے نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''زندگی میں ایک دن بھی تمہیں پیٹ بھرنے کے لیے محنت نہیں کرنی پڑی۔''

لوگوں نے غصے سے اسے دیکھا۔ کچھ اس پر چلائے بھی۔ لیکن رابرٹ نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روکا۔ ''یہ نوجوان کچھ کہنا چاہتا ہے۔ ہمیں اس کی بات سننی چاہیے۔'' اس نے نرم لہجے میں کہا۔

لڑکا آگے بڑھ آیا۔ رابرٹ اسے تھکا دینا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ خوب بولے۔ اس طرح اس کا امیج بھی بنے گا۔

''آپ ساجھے داری کی بات کرتے ہیں تو اپنی دولت دوسروں کے ساتھ شیئر کیوں نہیں کرتے۔'' لڑکے نے چیخ کر کہا۔ ''اپنی دولت کا حساب بھی ہے آپ کے پاس۔ کتنے ہزار ملین ڈالر ہیں آپ کے پاس اور دنیا میں ہر روز کتنے لوگ بھوک سے مر رہے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ جو ریز گاری آپ بڑی بے پروائی سے جیب میں ڈال کر پھرتے ہیں، اس سے کتنے بھوکوں کو پیٹ بھر کر کھانا مل سکتا ہے۔ جو تنخواہ آپ اپنے شوفر کو ہفتہ وار دیتے ہیں، اس میں انڈیا کی ایک بڑی فیملی کا پورا مہینہ گزر سکتا ہے۔ آپ کے چالیس ایکڑ کے لان میں جو گھاس ہے، وہ بنگلہ دیش کی آدھی آبادی کو ایک وقت کی خوراک دے سکتی ہے۔ جو رقم آپ اپنے بچے کی برتھ ڈے پارٹی پر خرچ کرتے ہیں، اس رقم سے ایتھوپیا کی پوری آبادی ایک دن پیٹ بھر سکتی ہے۔ آپ دوسروں سے کہتے ہیں کہ اپنی دولت شیئر کرو۔ ذرا خود بھی تو شیئر کر کے دکھائیں۔ کوئی مثال تو قائم کریں۔ چار سو ڈالر کا سوٹ پہن کر غربت کے بارے میں تقریر تو کوئی بھی کر سکتا ہے، اثر کہاں سے آئے گا۔؟''

لڑکے نے سامعین پر بہت اچھا تاثر چھوڑا تھا۔ لوگوں نے تالیاں بجائیں۔

''تمہاری بات مکمل ہو گئی؟'' رابرٹ نے پیچھے کھڑے لڑکے سے پوچھا۔

''نہیں۔ ابھی تو مجھے بہت کچھ کہنا ہے۔'' لڑکے نے کہا۔ ''یہ تو تھی ذاتی بات۔ اب ذرا قومی اور بین الاقوامی سطح پر بات کرلیں۔ آپ ابھی زمین اور وسائل کو شیئر کرنے کی بات کر رہے تھے۔ اور آپ نے کہا کہ ایک شخص کو کسی چیز کی ضرورت ہو اور وہ اسے خریدنے کا خواہش مند ہو۔ جبکہ دوسرا شخص جس کے پاس اس کی مطلوبہ چیز ہو اور وہ بیچنا نہ چاہے تو یہ جنگ کی طرف پہلا قدم ہے۔ یہ ہے آپ کا فلسفہ۔ میرے نزدیک یہ جانوروں کی سوچ ہے۔ انسان مادی ضرورت کے لیے جنگ کرے تو انسانیت کے مرتبے سے گر جاتا ہے۔ اور یہ حیوانیت ہے......''

''میں یہ...... میرا مطلب......'' رابرٹ نے کہنا چاہا۔

''مجھے بات پوری کرنے دیں۔ میں یہاں لوگوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کے عزائم کیا ہیں۔ وسائل اور دولت کی امریکا میں کمی نہیں۔

ذرا یہ بتائیں کہ آپ انہیں کہاں استعمال کر رہے ہیں۔ سب سے زیادہ خرچ آپ ہتھیاروں پر کر رہے ہیں نا! کیا یہ سچ نہیں کہ آپ نے ایٹمی اسلحے کے انبار لگا رکھے ہیں؟ کس لیے؟ یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ دو شہروں پر ایٹم بم گرا کے آپ اس کا عملی جواب دے چکے ہیں۔ اب آپ وسائل شیئر کرنے کی بات کرتے ہیں تو عربوں کو اپنا تیل آپ کے ساتھ شیئر کرنا چاہیے۔ یہی کہہ رہے ہیں نا آپ؟ تو آپ اپنا کچھ ان کے ساتھ شیئر کیوں نہیں کرتے؟ آپ ایٹمی ٹیکنالوجی پوری دنیا کے ساتھ شیئر کیوں نہیں کرتے؟ بلکہ آپ تو پوری دنیا کو اس سے روکتے ہیں۔ آپ نہیں چاہتے کہ کوئی اور ایٹمی طاقت ہو۔ آپ نہیں چاہتے کہ کسی کے پاس آپ کے مقابلے کا اسلحہ ہو۔ کیوں؟ بلکہ آپ تو پوری دنیا کے حکمران بننا چاہتے ہیں۔ آپ دنیا کو اپنی انگلیوں پر نچانا چاہتے ہیں۔ اب ذرا اپنی باتوں میں ربط قائم کیجیے۔ اگر عرب اپنا تیل آپ کو نہیں دیں گے تو آپ ان سے جنگ پر مجبور ہو جائیں گے۔ اصل میں یہی کہہ رہے تھے نا آپ؟ تو حقیقت بس یہ ہے کہ آج آپ عربوں سے ڈپلومیسی سے کام لے رہے ہیں۔ مگر دس سال...... بیس سال بعد آپ اپنے اسلحہ کے زور پر پوری دنیا کے وسائل پر قبضہ کریں گے۔ یہی ہونا ہے۔ یہی آپ کا ارادہ ہے۔ آپ نے جاپان پر ایک نہیں، دو ایٹم بم گرائے۔ صرف یہ چیک کرنے کے لیے کہ جو بم آپ نے بنائے ہیں، وہ واقعی تباہ کن ہیں۔ پھر آپ نے اور بھیانک بم بنائے اور بناتے چلے گئے۔ شخصی آزادی، بنیادی انسانی حقوق اور جمہوریت کے فروغ کے نام پر آپ نے ویت نام، کوریا اور ایران میں اپنے اسلحے کو آزمایا۔ اور آنے والے وقت میں آپ عرب اور ایران میں وہاں کے عوام کے بنیادی حقوق کے نام پر لڑیں گے اور ان کے وسائل پر قابض ہو جائیں گے۔ آپ کے منہ سے انسانیت کی بات اچھی نہیں لگتی۔ آپ کا عمل انسان دشمنی کا ہے، انسان دوستی کا نہیں۔''

تالیوں کا حجم اس بار اور زیادہ تھا۔ رابرٹ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''یہ سب قیاس آرائیاں ہیں۔ اور کچھ نہیں۔''

''ایک بات بتائیں۔ آپ کتنے دولت مند ہیں؟ راک فیلر جتنے؟''

''نہیں...... ایسا بھی نہیں۔''

''جب راک فیلر کو نائب صدر مقرر کیا گیا تو اخبارات میں ان کی آمدنی کی تفصیل چھپی۔ لکھا گیا کہ ان کی آمدنی تین سو ملین ڈالر سے کچھ ہی زیادہ ہے۔ اور وہ، کچھ ہی زیادہ، کتنا تھا...... پتا ہے آپ کو؟ ۳۳ ملین ڈالر! وہ گننے کے قابل رقم نہیں تھی۔ وہ راک فیلر کی ریزگاری تھی۔ جب کہ اس وقت دنیا کی آدھی آبادی بھوک اور عسرت کا شکار تھی۔ مجھے یہ تو بتا دیں کہ اتنی دولت کس کام کی۔ کیوں لوگ اتنی دولت کماتے ہیں اور سنبھال کر رکھتے ہیں۔''؟

''میں راک فیلر نہیں ہوں''

''سب کہنے کی باتیں ہیں۔ راک فیلر بھی یہی کہتا تھا۔''

''اچھا...... اب تم مجھے جواب دینے کا موقع دو گے؟''

''ایک بچہ! ایک بھوکا بچہ! صرف ایک بھوکے بچے کے لیے کچھ کر دو۔ ہم تمہیں درست مان لیں گے۔ کم از کم ایک بار اپنے منہ سے نہیں، بڑھے ہوئے ہاتھ سے بات ثابت کر کے دکھاؤ۔ عمل کر کے دکھاؤ۔ بڑھاؤ ہاتھ......''

''میرا خیال ہے، میں یہ پہلے ہی کر چکا ہوں۔'' رابرٹ تھورن نے کہا۔

''تو وہ بچہ کہاں ہے اس وقت؟ کہاں ہے وہ بچہ، جسے تم نے بچایا تھا۔ ہمیں بتاؤ نا مسٹر تھورن۔''

''میرا خیال ہے، ہم میں سے بہت ایسے ہیں، جن کی ذمے داری ایک بھوکے بچے سے کہیں زیادہ ہے۔''

''مسٹر تھورن، جب تک آپ پہلے بھوکے بچے کو نہیں بچاتے، دنیا کو بچانے کی بات نہیں کر سکتے۔''

اب لوگ اس نوجوان کے ساتھ ہو گئے تھے۔ اس کے ہر جملے پر تالیاں بج رہی تھیں۔

رابرٹ خود کو گھرا ہوا محسوس کرنے لگا۔ ''تم اندھیرے میں کھڑے مجھ پر وار پہ وار کیے جا رہے ہو......'' اس نے کہا۔

''تو لائٹس آن کرا دو۔ تب میں تم پر اور زیادہ وار کروں گا۔ اور وہ بھی زیادہ بلند آواز میں۔'' لڑکے نے چیلنج کیا۔

لوگ ہنسنے لگے۔ رابرٹ کے اشارے پر لائٹس آن کر دی گئیں۔ رپورٹرز اور فوٹو گرافرز اٹھنے لگے۔ وہ سب پلٹ کر پیچھے کھڑے لڑکے کو دیکھ رہے تھے۔ حنیف کو پچھتاوا ہو رہا تھا کہ وہ دور کا لینس کیوں نہیں لایا۔ اب وہ فوکس کر رہا تھا تو لڑکے کے ساتھ کئی ایک افراد فریم میں آ رہے تھے۔

اسٹیج پر رابرٹ پرسکون تھا۔ لیکن روشنی ہوتے ہی اس کا انداز یک لخت بدل گیا۔ اب اس کی نگاہیں لڑکے پر نہیں، کہیں اور تھیں......اور جس پر تھیں، وہ لڑکے کے پیچھے قدرے نیم تاریکی میں تھا۔ وہ مختصر الوجود پادری ٹیسون تھا۔ اپنے ہاتھوں میں ہیٹ دبوچے، اسے بھینچتا ہوا وہ بہت نروس دکھائی دے رہا تھا۔ رابرٹ کو اس کا چہرہ نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ وہ پادری ہی ہے۔ اور اس خیال نے اسے جیسے پتھرا دیا۔

''کیا بات ہے مسٹر تھورن؟'' لڑکے نے چیلنج کیا۔ ''تمہارے پاس کہنے کو کچھ نہیں رہا؟''

رابرٹ تھورن اچانک ہی جیسے اپنی توانائی سے محروم ہو چکا تھا۔ وہ گنگ کھڑا تھا اور ایک نامعلوم خوف اس کے رگ و پے میں دوڑ رہا تھا۔ اور وہ پادری کو گھورے جا رہا تھا۔

اسٹیج سے نیچے حنیف نے رابرٹ کی ٹھٹھری ہوئی نگاہ کو دیکھا اور اپنا کیمرہ لیے ہوئے پلٹ گیا۔ رابرٹ اسی طرف کچھ دیکھ رہا تھا نا۔ اس نے بغیر سوچے سمجھے کئی تصویریں کھینچ لیں۔

''کم آن مسٹر تھورن'' لڑکے نے پھر چیلنج کیا۔ ''اب تو میں تمہیں نظر آ رہا ہوں نا۔ کچھ تو کہو، تمہیں کیا کہنا ہے۔''

''میرا خیال ہے، تمہاری......بعض باتیں......معقول ہیں۔'' رابرٹ نے اٹک اٹک کر کہا۔ ''ہم سب کو دولت کی منصفانہ تقسیم کے لیے کام کرنا چاہیے۔ میں اس سلسلے میں کافی کچھ کرتا رہا ہوں۔ لیکن مزید کرنے کی کوشش کروں گا۔''

اس کی بات نے نہ صرف لڑکے کو بلکہ تمام سامعین کو حیران کر دیا۔ وہ ان کے لیے قطعی غیر متوقع جواب تھا۔

کسی نے چیخ کر لائٹس آف کرنے کو کہا۔ اندھیرا ہو گیا۔ رابرٹ پھر اندھیرے میں گھورنے لگا۔ ذرا دیر بعد اس کی آنکھیں اندھیرے سے ہم آہنگ ہوئیں تو پادری کا چوغا اسے صاف نظر آیا۔

اس نے دیکھ لیا تھا کہ پادری مسلسل اس کا پیچھا کر رہا ہے!

۞.........۞.........۞

حنیف اس رات دیر سے گھر واپس پہنچا۔ اس نے فلمیں ڈویلپر میں رکھ دیں۔ امریکی سفیر رابرٹ کی شخصیت میں بڑی عجیب سی کشش تھی۔ آج اس کشش میں اور اضافہ ہوگیا تھا۔

حنیف کی چھٹی حس بہت توانا تھی۔ یہ کہنا بہتر ہوگا کہ وہ سونگھ لیتا تھا۔ اس وقت بھی اس نے خوف کی بو سونگھ لی تھی۔ اپنے کیمرے کے ویوفائنڈر سے رابرٹ تھورن کو دیکھتے ہوئے اسے واضح طور پر اس کے خوف کا اندازہ ہوگیا تھا۔ اور اس کے نزدیک وہ بے نام خوف بھی نہیں تھا۔ کیونکہ اس نے دیکھا تھا کہ رابرٹ تھورن نے کچھ دیکھا تھا...... آڈیٹوریم کی تاریکی میں اس نے کسی کو دیکھا تھا...... اور اس کے بعد ہی وہ خوف زدہ ہوا تھا۔ اور روشنی کم سہی، اور کیمرے کا اینگل وائیڈ سہی، لیکن حنیف نے اس کی نگاہ کے تعاقب میں کیمرے کو لے جا کر تصویریں بہر حال لی تھیں۔ اسے امید تھی کہ فلمیں ڈیولپ ہوں گی تو اسے یقیناً کوئی کام کی چیز ملے گی۔

اسے بھوک کا احساس ہونے لگا۔ واپس آتے ہوئے اس نے کھانے کا کچھ سامان خریدا تھا۔ اس میں سے چکن تکہ نکال کر وہ ڈبل روٹی کے ساتھ کھانے لگا۔ کھانے کے دوران اس کا ذہن خالی رہا۔

کھانے کے بعد وہ ڈارک روم میں چلا گیا۔ وہاں اس نے محلول میں سے پروف شیٹس نکال کر کلپ کے سہارے لٹکا دیں۔ جو کچھ اس کی نگاہوں کے سامنے تھا، اسے دیکھ کر وہ فتح مندی کے احساس سے سرشار ہوگیا۔ اس کی خوشی کی کوئی حد نہیں تھی۔

اس نے تیز روشنی کی اور شیٹس کو اسٹینڈ میں نصب محدب عدسے کے سامنے رکھ کر تصویروں کا جائزہ لیا۔ خوشی اس کے چہرے سے نمایاں تھی۔ اور خوشی کا سبب وہ تصویریں تھیں جو اس نے ہال کے عقبی حصے کی لی تھیں۔ تاریکی میں اگرچہ کوئی چہرہ، کوئی جسم نظر نہیں آرہا تھا۔ لیکن وہ رنگین دھبہ...... وہ دھند کا سا ہالہ بے حد نمایاں اور صاف دکھائی دے رہا تھا۔

مگر اسی لمحے حنیف کی نظر ایک اور چیز پر پڑی۔ ”لعنت ہو“۔ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

تصویر میں ایک موٹا آدمی تھا، جو سگار پی رہا تھا، جسے وہ رنگین دھبہ یا ہالہ سمجھ رہا تھا، وہ اس کے سگار کے دھویں کا شاخسانہ بھی ہوسکتا تھا۔ اس نے اس حصے کی تصویروں کے تین نیگیٹیو منتخب کیے اور انہیں انلارجر میں لگا دیا۔ پرنٹ نکلنے میں پندرہ منٹ لگتے۔ وہ پندرہ منٹ اسے بہت بھاری لگ رہے تھے۔ اس کا بس چلتا تو جادو کے زور پر ایک سیکنڈ میں وہ تصویریں بڑی کر دیتا۔

پندرہ منٹ بعد وہ انلارج ہوئی تصویروں کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا دل سینے میں دھڑ دھڑ کر رہا تھا۔

وہ دھواں نہیں تھا۔ اس کا رنگ اور اس کی ماہیت دھویں سے بالکل مختلف تھی۔ اور سگار پینے والے اور اس ہالہ نما دھبے کا درمیانی فاصلہ بھی بہت زیادہ تھا۔ اگر اسے سگار کا دھواں مان لیا جاتا تو اتنا بڑا بادل سا تخلیق کرنے کے لئے موٹے آدمی کو بہت سارا دھواں اگلنا پڑتا۔ اور اگر وہ اتنا دھواں اگلتا تو اس کے آس پاس کے لوگ ڈسٹرب ہوئے بغیر نہ رہتے۔ لیکن اردگرد کے لوگ بڑی بے نیازی سے سامنے کی طرف توجہ مرکوز کیے دیکھ

رہے تھے۔اور بھوت جیساوہ دھبہ آڈیٹوریم کے انتہائی عقبی حصے میں لٹکا ہوانظر آ رہا تھا۔

حنیف نے اس تصویر کو اسٹینڈ میں نصب محدب عدسے کے سامنے رکھ کر دیکھا۔ چند لمحے وہ بڑی باریک بینی سے اس ہالے نما دھبے کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر وہ بری طرح چونکا۔ اس دھبے کے ذرا نیچے اسے پادری کے چوغے کا بالائی حصہ صاف نظر آیا۔ اس کے منہ سے ہلکی سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔ یہ تو وہی دبلا پتلا چھوٹے قد کا پادری معلوم ہو رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ رابرٹ تھورن اور اس کے درمیان کوئی تعلق ہے۔

''او مائی گاڈ'' حنیف نے پیشانی کو ملتے ہوئے کہا۔

سنسنی کے احساس نے پہلے اس کی بھوک اڑائی تھی۔ مگر اب بھوک جگادی۔ وہ مرغی کے دوسرے پیس پر ٹوٹ پڑا۔

''اب میں اس احمق کو پکڑ سکوں گا۔ اب وہ بچ کر کہاں جائے گا''۔ وہ سنسنی آمیز لہجے میں بڑبڑایا۔

کھانے سے فارغ ہوتے ہی وہ سو گیا۔

اگلی صبح اس نے پادری کی وہ تصویر بڑی کی جو اس نے سفارت خانے کی سیڑھیوں پر اس وقت لی تھی، جب وہ امریکی فوجی کے ساتھ سفارت خانے سے باہر آ رہا تھا۔ وہ تصویر لے کر وہ اپنی مہم پر نکل کھڑا ہوا۔

وہ متعدد گرجاؤں میں گیا۔ پھر لندن پیرش کے مقامی آفس میں گیا۔ لیکن کسی نے پادری کو نہیں پہچانا۔ سب نے یہی کہا کہ اگر وہ یہاں کسی گرجا میں پادری ہوتا تو وہ اسے پہچان لیتے۔ وہ شہر سے باہر کسی چرچ کا ہوگا۔

حنیف کو اندازہ ہو گیا کہ اس کا کام کچھ اتنا آسان نہیں، جتنا اس نے سوچا تھا۔

ایک دور از کار خیال کے تحت وہ اسکاٹ لینڈ یارڈ بھی گیا اور ان کا مجرموں کا تصویری ریکارڈ چیک کیا۔ لیکن وہ بھی بے سود ثابت ہوا۔

اب ایک ہی امکان رہ گیا تھا۔ اس نے پادری کو سفارت خانے سے باہر آتے دیکھا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ سفارت خانے میں کوئی نہ کوئی اسے پہچانتا ہوگا۔

سفارت خانے میں داخل ہونا آسان نہیں تھا۔ بغیر اپائنٹ مینٹ کے اور کاغذات چیک کیے سیکورٹی والے کسی کو اندر نہیں جانے دیتے تھے۔ حنیف بھی استقبالیہ گیٹ سے آگے نہیں جا پایا۔

''میں مسٹر رابرٹ تھورن سے ملنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا۔ ''انہوں نے میرے نئے کیمرے کے بل کی ادائیگی کا وعدہ کیا تھا''۔

استقبالیہ کاؤنٹر والوں نے سفیر سے رابطہ کیا۔ بات کچھ آگے بڑھی۔ حنیف سے کہا گیا کہ وہ لابی میں موجود فون کے پاس چلا جائے۔ سفیر صاحب کے دفتر سے اس کی فون پر بات ہو جائے گی۔

حنیف کو صرف چند لمحے انتظار کرنا پڑا۔ فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف رابرٹ تھورن کی سیکرٹری تھی۔

''آپ مجھے بل کی رقم بتا دیں''۔ سیکریٹری کہہ رہی تھی۔ ''آپ کو چیک بذریعہ ڈاک بھیج دیا جائے گا''۔

''میں مسٹر تھورن سے بالمشافہ بات کرنا چاہتا ہوں''۔ حنیف نے کہا۔ ''میں انہیں یہ بھی تو دکھاؤں گا کہ ان کی ادا کی ہوئی رقم کا انہیں کچھ

فائدہ بھی ہوا ہے یا نہیں''۔

''یہ تو ممکن نہیں۔ سفیر صاحب اس وقت ایک اہم میٹنگ میں ہیں''۔

اب حنیف نے آخری داؤ کھیلا۔ ''بات یہ ہے کہ میرا ایک ذاتی مسئلہ ہے۔ جس میں وہ میری مدد کر سکتے ہیں''۔ اس نے کہا'' مجھے ایک پادری کی تلاش ہے۔ وہ میرا رشتہ دار ہے۔ وہ یہاں کسی کام سے آئے تھے۔ میں سوچتا ہوں، ممکن ہے کوئی مجھے ان کے بارے میں بتا سکے''۔

سکریٹری چند لمحے ہچکچائی۔ بات اسے کچھ عجیب لگی۔

''وہ بہت چھوٹے قد کے ہیں''۔ حنیف نے کہا۔

''کیا وہ اطالوی ہیں؟''

''وہ اٹلی میں کافی عرصہ رہے ہیں''۔ حنیف نے تکا لگایا۔

''ان کا نام ٹیسون تو نہیں۔

''میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ دراصل یوں سمجھیں کہ میں مدتوں کے بچھڑے ایک رشتے دار کو تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ میرے ماموں بہت پہلے میری ماں سے بچھڑ گئے تھے اور انہوں نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ اس کے نتیجے میں انہوں نے نام بدل لیا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ میری والدہ بستر مرگ پر ہیں اور ایک بار اپنے بھائی سے ملنا چاہتی ہیں۔ ان کا نام مجھے نہیں معلوم۔ بس یہ بتا سکتا ہوں کہ میری والدہ کی طرح ان کا قد بھی چھوٹا اور وہ بہت دبلے پتلے ہیں۔ پادری ہیں اور کافی عرصہ اٹلی میں گزار چکے ہیں۔ ابھی ایک ہفتہ یا دس دن پہلے میرے دوست نے انہیں سفارت خانے سے نکلتے دیکھا تھا۔ آپ کے ہاں آنے والوں کا ریکارڈ تو ہوتا ہوگا''۔

''ہاں۔ ٹیسون نامی ایک پادری یہاں آئے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ روم سے آئے ہیں''۔

''آپ کو پتا ہے کہ وہ کہاں رہتے ہیں؟''

''نہیں''۔

''کیا وہ سفیر صاحب سے ملنے آئے تھے؟''

''میرا......خیال ہے، ہاں''۔ سکریٹری کے لہجے میں ہچکچاہٹ تھی۔

''تو ممکن ہے، سفیر صاحب کو ان کا ایڈریس معلوم ہو''۔

''پتا نہیں۔ میرے خیال میں تو یہ ممکن نہیں''۔

''کیا یہ ممکن ہے کہ آپ ان سے پوچھ لیں''۔

''کوشش کر سکتی ہوں''۔

''کب تک معلوم کریں گی؟''

''وقت لگے گا۔ ابھی فی الحال تو ممکن نہیں۔''

''میری ماں بہت بیمار ہے۔ وہ ہاسپٹل میں ہے۔ میرے خیال میں وقت کم ہی رہ گیا ہے۔'' حنیف نے لہجے میں دکھ سموتے ہوئے کہا۔ رابطہ منقطع ہو گیا۔ حنیف وہیں بیٹھا رہا۔

اوپر رابرٹ تھورن کے کمرے میں انٹر کام کا بزر چیخا۔ رابرٹ نے ریسیور اٹھایا۔ ''یس۔''

''سر...... دو ہفتے پہلے آپ سے ایک پادری نے ملاقات کی تھی۔ ان سے کیسے رابطہ کیا جا سکتا ہے۔''

رابرٹ کام میں بری طرح الجھا ہوا تھا۔ لیکن پادری کے حوالے پر اس کے جسم میں سرد لہر سی دوڑ گئی۔ ''کون پوچھ رہا ہے؟''

''وہ فوٹو گرافر جس کا کیمرا آپ کے ہاتھ سے ٹوٹ گیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ پادری اس کا ماموں ہے۔''

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر رابرٹ تھورن نے پوچھا۔ ''وہ موجود ہے۔''

''جی سر۔''

''اسے اوپر بھیج دو۔''

نیچے لابی میں فون کی گھنٹی پھر بجی۔ حنیف نے ریسیور اٹھایا۔ ''مسٹر تھورن آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔'' سکریٹری کی آواز سنائی دی۔

چند لمحے بعد حنیف رابرٹ تھورن کے پرسکون آفس میں بیٹھا تھا۔ رابرٹ کے انداز میں تپاک تھا۔

''معذرت چاہتا ہوں کہ آپ کو ڈسٹرب کیا۔''

''ایسی کوئی بات نہیں۔''

وہ پہلا موقع تھا کہ حنیف اپنے کسی ہدف کے روبرو بیٹھا تھا۔ چنانچہ وہ نروس بھی تھا۔ کیمرے سے اچانک تصویر کھینچ لینا کچھ مشکل نہیں۔

صرف کسی کمزور لمحے کا انتظار چوکنا رہ کر کرنا ہوتا ہے۔ مگر سامنے بیٹھ کر بات کرنا اور بات ہے۔

''میں آپ سے اس کیمرے کے متعلق معذرت بھی کرنا چاہ رہا تھا۔'' رابرٹ نے کہا۔

''بہر حال وہ کیمرا پرانا تھا۔''

''میں نئے کیمرے کی قیمت ادا کرنا چاہتا ہوں۔''

''اس کی ضرورت نہیں......''

''میرے لیے یہ ضروری ہے۔''

''جیسی آپ کی مرضی۔'' حنیف نے کندھے جھٹک دیے۔

''آپ مجھے کسی اعلیٰ ترین کیمرے کا نام اور میک بتائیں۔ میں کسی کو بھیج کر ابھی منگوا دوں گا۔''

''آپ کی بڑی مہربانی......''

''بتائیں تو۔''

''جرمن میک کیمرا ہے...... پینٹا فلیکس۔''

''آپ میری سیکرٹری کو بتا دیجیے گا کہ کیمرا آپ کو کہاں پہنچایا جائے۔''

حنیف نے سر کو یقینی جنبش دی۔ اب وہ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔ جیسے ایک دوسرے کو تول رہے ہوں۔ سمجھ رہے ہوں۔ حنیف جانتا تھا کہ وہ اپنے مدمقابل پر ایک گھٹیا آدمی کا تاثر چھوڑتا ہے۔ اور وہ اسی صورت حال سے فائدہ اٹھانے کا عادی تھا۔

''میں آپ کو دیکھتا رہا ہوں...... بارہا...... مختلف مقامات پر۔'' رابرٹ نے کہا۔

''میری کوشش بھی یہی ہوتی ہے۔''

''آپ بہت منہ پھٹ ہیں۔''

''جی شکریہ'' حنیف نے کہا۔ ''گزشتہ رات وہ لڑکا آپ کے لئے خاصا مسئلہ بن گیا تھا۔''

''ہاں۔ میں جانتا ہوں اس کی باتیں بے وزن نہیں تھیں۔''

وہ دونوں جانتے تھے کہ وہ وقت گزاری کر رہے ہیں۔ دونوں میں سے کوئی بھی پہل کرنا نہیں چاہتا تھا۔

''میں نے اس سے اختلاف نہیں کیا۔ بلکہ اس کے موقف کو تسلیم کیا۔ اب اخبارات مجھے کمیونسٹ قرار دینے لگیں گے۔'' رابرٹ بولا۔

''وہ کمیونسٹ نہیں، مسلمان تھا۔''

''اوہ......'' رابرٹ کے لہجے میں حیرت تھی۔ پھر وہ بولا۔ ''اور مسلمان تو تم بھی ہو؟''

''جی ہاں۔''

''اور کسی بچھڑے ہوئے عیسائی رشتے دار کو تلاش کر رہے ہو''؟

''جی ہاں۔''

''اور وہ ٹیسوں نام کا پادری ہے؟''

''پادری تو وہ ہے۔ لیکن میں نام کی تصدیق نہیں کر سکتا۔ وہ میرا ماموں ہے اور برسوں پہلے میری ماں سے بچھڑا تھا۔''

رابرٹ نے غور سے حنیف کو دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں مایوسی تھی۔ ''تو تم ذاتی طور پر اس سے ناواقف ہو؟''

''جی ہاں۔ لیکن انہیں تلاش کر رہا ہوں۔''

رابرٹ اپنی کرسی پر ڈھے سا گیا۔ اس کی مایوسی واضح تھی۔

''مجھے یہ بتائیں گے کہ آپ سے وہ کس سلسلے میں ملے تھے؟'' حنیف نے پوچھا۔

''وہ ایک ہاسپٹل کے حوالے سے ملے تھے۔ عطیہ مانگ رہے تھے۔'' رابرٹ نے گہری سانس لے کر کہا۔

''کون سا ہاسپٹل''؟

''روم میں کوئی ہاسپٹل ہے۔ میں زیادہ نہیں جانتا۔''

''انہوں نے آپ کو اپنا ایڈریس دیا؟''

''نہیں۔ دراصل جس وقت وہ آئے۔ میں کچھ پریشان تھا۔ میں نے ان سے چیک بھجوانے کا وعدہ کر لیا۔ مگر اب مجھے یہ نہیں معلوم کہ چیک کہاں بھجوانا ہے۔''

حنیف نے سر کو یقینی جنبش دیتے ہوئے کہا۔ ''تب تو ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔''

''ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ۔''

''یعنی وہ آئے اور چلے گئے۔ بس؟''

''جی ہاں۔''

''اور اس کے بعد آپ نے انہیں نہیں دیکھا۔''

رابرٹ کا جبڑا تن گیا۔ حنیف اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ رابرٹ تھورن کچھ چھپا رہا ہے۔ ''نہیں...... کبھی نہیں۔'' بالآخر چند لمحوں کے توقف کے بعد رابرٹ تھورن نے کہا۔

''میں نے سوچا...... ممکن ہے، وہ آپ کے تقریری پروگراموں میں شرکت کرتے رہے ہوں۔''

ان کی آنکھیں پھر ملیں اور دیر تک الجھی رہیں۔ رابرٹ کو احساس ہو رہا تھا کہ فوٹوگرافر اس کے ساتھ چوہے بلی والا کھیل کھیل رہا ہے۔

''آپ کا نام کیا ہے۔''

''حنیف......حنیف ارشد۔''

رابرٹ پھر اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے نگاہیں ہٹالیں۔ اب وہ کھڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں''؟

''مجھے اس شخص کو تلاش کرنے میں بہت دلچسپی ہے۔ وہ پادری...... میں سمجھتا ہوں کہ میں نے اس کے ساتھ بہت عجلت برتی۔ اب مجھے غلطی کا احساس ہوگیا ہے۔ میں اس کی تلافی کرنا چاہتا ہوں۔''

''عجلت کی وضاحت نہیں کریں گے آپ؟''

''میں نے اسے زیادہ وقت نہیں دیا۔ اس کی بات نہیں سنی۔ میرا برتاؤ اچھا نہیں تھا۔''

''میرے خیال میں وہ اس کا عادی ہوگا۔ عطیات مانگنے والے تو یہ سب کچھ......''

''اسے جلد از جلد تلاش کرنا میرے لئے بہت ضروری ہے۔ اس کی بہت اہمیت ہے میرے لئے۔''

رابرٹ کے چہرے پر ایک نظر ڈالنے سے ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ بات اس سے کہیں زیادہ اہم ہے۔ حنیف کو یہ احساس بھی ہو رہا تھا کہ کوئی بڑا اہم معاملہ اس پر کھلنے والا ہے۔ اب بس اسے اپنے پتے ٹھیک طرح سے کھیلنے تھے۔ ''مجھے کچھ پتا چلا تو میں آپ کو بتا دوں گا'' اس نے کہا۔

''میں بہت شکر گزار ہوں گا۔''

''ایسی کوئی بات نہیں''

رابرٹ نے سر ہلایا۔ حنیف اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے رابرٹ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ ''جناب سفیر، آپ بہت فکر مند دکھائی دے رہے ہیں۔ اب میں بھی دنیا کی عافیت کی دعا ہی کرسکتا ہوں۔''

''ارے نہیں۔'' رابرٹ مسکرا دیا۔

''میں آپ کے پرستاروں میں سے ہوں۔ اس لیے آپ کے پیچھے لگا رہتا ہوں۔''

''شکریہ۔''

حنیف دروازے کی طرف بڑھا۔ مگر رابرٹ نے اسے پکارا۔ ''مسٹر حنیف!......''

''سر؟'' حنیف نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

''آپ نے اس پادری کو خود کبھی نہیں دیکھا؟''

''نہیں سر''

''دراصل آپ نے کہا کہ وہ میرے تقریری پروگراموں میں آتا ہوگا۔ اس پر میں نے سوچا کہ شاید......''

''نہیں سر''

''اچھا ٹھیک ہے۔''

چند لمحے وہ ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر حنیف دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ مگر پھر وہ پلٹا۔ ''مجھے آپ کی تصویریں لینے کا موقع مل سکتا ہے...... میرا مطلب ہے، نجی زندگی کی تصویریں! گھر پر...... فیملی کے ساتھ؟''

''ابھی تو مناسب وقت نہیں ہے۔'' رابرٹ تھورن نے کہا۔

''چند ہفتے بعد سہی۔''

''میں تمہیں کال کر دوں گا۔''

''میں انتظار کروں گا۔''

''میں کال ضرور کروں گا۔''

حنیف چلا گیا رابرٹ بند دروازے کو تکتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ شخص کوئی بات...... اہم بات جانتا ہے، جو اس نے ظاہر نہیں کی۔ بات قابل غور یہ تھی کہ پادری کے بارے میں وہ کیا جان سکتا ہے۔ اور اگر کچھ نہیں جانتا تو وہ پادری کا حوالہ لے کر اسی سے ملنے کے لئے کیوں آیا۔ اس کے پاس کیوں آیا، جبکہ اس سے ملنا آسان بھی نہیں تھا۔

زندگی اتفاقات سے عبارت ہوتی ہے۔ بظاہر یہ بھی ایک اتفاق معلوم ہو رہا تھا۔ لیکن رابرٹ تھورن کی چھٹی حس کچھ اور کہہ رہی تھی۔

✿.........✿.........✿

ایڈگر ڈو ٹیسون کے لئے زندگی چرچ میں بھی ویسی ہی بھیانک تھی، جیسی کہ روئے زمین پر۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے جیسے اور بہت سے لوگوں کی طرح روم کے شیطان پرست حلقے میں شامل ہو گیا تھا۔ نسلاً وہ پرتگیزی تھا...... ایک ماہی گیر کا بیٹا، جو ایک حادثے میں زندگی ہار بیٹھا تھا۔ اسی وقت ٹیسون بہت چھوٹا بچہ تھا۔

اس کے بچپن کی یاد مچھلیوں کی بساندھ میں لپٹی ہوئی تھی۔ مچھلیوں کی وہ بساندھ اس کی ماں کے وجود میں رچ بس چکی تھی۔ آخری وقت میں اس کی ماں اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ اس میں آگ جلانے کی بھی طاقت نہیں تھی اور وہ کچی مچھلیاں کھاتی تھی۔ یہی اس کی موت کا سبب بنا۔

آٹھ سال کی عمر میں وہ ماں سے بھی محروم ہو گیا۔ تب وہ چرچ کے زیر اہتمام چلنے والے یتیم خانے میں پہنچا دیا گیا۔ وہاں خدا پرستوں کے ہاتھوں اس کی مرمت کا سلسلہ شروع ہوا جو اس وقت تک نہیں رکا جب تک اس نے کردہ اور نا کردہ تمام گناہوں کا اعتراف نہیں کر لیا اور اسے پاک نہیں کر دیا گیا۔ دس سال کی عمر تک وہ کرائسٹ کا ہو چکا تھا۔ لیکن اس وقت تک اس کی کمر کوڑوں کے نشانات سے پوری طرح سیاہ ہو چکی تھی۔

خدا کا خوف مار مار کر اس کے اندر گہرائی تک اتارا گیا تھا۔ اس خوف کے تحت اس نے اپنی زندگی چرچ کو سونپ دی۔ آٹھ سال تک وہ دن رات بائبل کو گھول کر پیتا رہا۔ اس نے خدا کی محبت اور اس کے قہر و غضب کے بارے میں پڑھا۔ پچیس سال کی عمر میں وہ لوگوں کو بچانے اور پاک

کرنے کی غرض سے میدان عمل میں اتر آیا۔ وہ مشنری بن گیا۔ پہلے وہ اسپین اور پھر مراکش گیا اور خدا کے پیغام کی تبلیغ کرتا رہا۔ مراکش سے وہ جنوب مشرقی افریقہ کے اندرونی علاقوں میں گیا۔ وہاں اس نے بے شمار لوگوں کو عیسائی بنایا۔ طریق کار اس کا وہی تھا، جو اس پر آزمایا گیا تھا جو کچھ اسے ملا تھا، وہ وہی کچھ لوٹا رہا تھا۔ جیسے وہ پٹتا رہا تھا، ویسے ہی وہ انہیں پیٹتا تھا۔ اس دوران اسے احساس ہو گیا کہ مذہبی جنون کی اس گرمی میں دوسروں کی اذیت میں اسے جنسی مسرت حاصل ہوتی ہے۔

جن افریقیوں کو اس نے عیسائی بنایا تھا، اس میں ٹوبو نامی ایک لڑکا بھی تھا۔ ٹوبو اسے پرستش کی حد تک چاہنے لگا۔ اس چاہت میں وہ دونوں خدا اور انسان کے قوانین کی تکذیب وتوہین کے مرتکب ہوتے ہوئے گناہ کے راستے پر چل پڑے۔ ٹوبو کا تعلق کیکویو قبیلے سے تھا۔

قبیلے والوں نے ایک دن ٹیسون اور ٹوبو کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔ ٹوبو کو بدترین سزا ملی۔ اس کے جسم کے نازک اعضا کاٹ دیئے گئے۔ ٹیسون بال بال بچا اور وہاں سے بھاگا۔ یہ اطلاع تو اسے صومالیہ میں ملی کہ کیکویو قبیلے والوں نے اس کا بدلہ سان فرانسسکو کے ایک مشنری سے لیا۔ انہوں نے زندہ اس کی کھال اتاری اور اسی عالم میں اسے صحرا میں چلنے پر مجبور کیا۔ یہاں تک کہ وہ مر گیا۔

ٹیسون جبوتی، وہاں سے عدن، عدن سے جکارتہ بھاگا۔ وہ بھاگتا ہی رہا۔ لیکن ہر جگہ اسے اپنے لیے خدا کے قہر وغضب کی موجودگی کا احساس ستاتا رہا۔ موت دبے پاؤں اس کا پیچھا کر رہی تھی۔ بعض اوقات وہ اس کے بہت قریب کسی پر وار کرتی۔ وہ مسلسل خوف زدہ رہتا کہ اگلا نشانہ وہ ہوگا۔ بائبل کے حوالے سے وہ جانتا تھا کہ خدا کا غضب کتنا سریع الاثر ہوتا ہے۔ وہ بہت تیزی سے حرکت کرتا۔

نیروبی میں اس کی ملاقات باوقار فادر اسپلیٹو سے ہوئی۔ اس نے اسپلیٹو کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا۔ اسپلیٹو نے اسے تحفظ دینے کا وعدہ کیا اور اسے اپنے ساتھ روم لے گیا۔ وہاں شیطان پرستوں کی برادری میں شامل ہونے کے بعد اسے اطمینان نصیب ہوا۔ یہ وہ لوگ تھے ،جن کے درمیان خدائی قانون موجود نہیں تھا۔ وہ جسم کی تمام خوشیوں اور آسائشات کو جائز سمجھتے تھے اور ان کے پیچھے بھاگتے تھے۔ ٹیسون بھی ان کے رنگ میں رنگ گیا۔ وہ اچھوتوں کی وہ برادری تھی، جس نے اپنے تئیں باقی دنیا کو اچھوت سمجھ رکھا تھا۔ وہ شیطان کی پوجا کرتے تھے۔ ان کے لیے خدا کا مذاق اڑانا اور اسے برا بھلا کہنا بھی شیطان کی عبادت کے مترادف تھا۔

اس برادری میں اکثریت ورکنگ کلاس کے لوگوں کی تھی۔ لیکن چند پروفیشنل اور بڑے مقام ومرتبے والے لوگ بھی ان میں موجود تھے۔ باہر...... ظاہری طور پر وہ سب معزز لوگ تھے، اور عزت کی زندگی گزار رہے تھے۔ خدا کو ماننے والوں کے مقابلے میں یہ ان کا سب سے قیمتی ہتھیار تھا۔ ان کا مشن خوف وہراس پھیلانا اور باغیانہ رویوں کو فروغ دینا تھا۔ دجال کی آمد تک وہ انسانوں کے درمیان تفرقہ ڈالتے تھے۔ جہاں موقع ملتا، وہ ابتری پھیلاتے۔ تمام مذاہب میں فرقہ وارانہ نفرت پھیلانا ان کا نصب العین تھا۔

اس برادری کا اپنا بے حد قدیم قبرستان تھا۔ اس کا نام سینٹ اینجلز کا قبرستان تھا اور وہ روم کے نواحی علاقے میں واقع تھا۔

آئرلینڈ میں جو کچھ بھی ہو رہا تھا، شیطانی برادری اس میں سے بیشتر کا کریڈٹ لیتی تھی۔ بالوک اور بالام نامی دو راہبائیں تھیں، جو آئرش تھیں۔ آئرلینڈ کے دھماکوں میں ان کا بھی دخل تھا۔ بالام ایک دھماکے میں خود اپنے ہی ہاتھوں ماری گئی تھی۔ ایک مارکیٹ کے ملبے میں اس کے جسم

کی باقیات ملی تھیں۔ انہیں تدفین کے لیے اٹلی لایا گیا تھا۔ اور اس کی تدفین سینٹ انجلز کے قبرستان میں ہوئی تھی۔

بالام کی شیطان سے غیر معمولی عقیدت اور محبت کے اعتراف کے طور پر اسے شیطانوں کے سب سے بڑے دیوتا نکولا کی خانقاہ کے سائے میں دفن کیا گیا۔ اس تدفین میں شیطان کے پانچ ہزار چیلوں نے شرکت کی۔ ٹیسون اس تقریب سے بے حد متاثر ہوا۔ اس کے بعد وہ سیاسی طور پر کچھ زیادہ ہی سرگرم ہوگیا۔ وہ خود کو اسپلیٹو کے لیے قابل اعتماد ثابت کرنے کی سرتوڑ کوشش کر رہا تھا۔

اس کی کوششیں رنگ لائیں۔ اسے بڑے اہم کام سونپے جانے لگے۔ شیطان کے پجاریوں کے لیے کمیونسٹ بڑی نعمت تھے۔ پہلے مرحلے میں وہ ایشیا پر کمیونسٹوں کا غلبہ دیکھنا چاہتے تھے۔ پھر کمیونسٹ پوری دنیا پر چھا جائیں، یہی ان کا خواب تھا۔ اسی طرح وہ خدا کا نام دنیا سے مٹا سکتے تھے۔

کچھ اہم کام سرانجام دینے کے بعد ٹیسون کا شمار برادری کے لیڈروں میں ہونے لگا۔ اسپلیٹو نے اسے کئی اہم مہمات پر افریقہ بھیجا۔ کیونکہ افریقہ سے وہ واقف تھا۔ وہاں اس نے سیاسی بے چینی اور ابتری پھیلانے کے لیے بہت کام کیا۔ اس کی پوزیشن اور مستحکم ہوگئی۔

پھر وہ وقت آ گیا، جس کی پیش گوئی الہامی کتابوں میں کی گئی تھی۔ جب دنیا کی تاریخ کو بالکل اچانک اور فیصلہ کن انداز میں بدل جانا تھا۔ زمین کے وجود میں آنے کے بعد یہ تیسرا موقع تھا کہ شیطان نے براہ راست اپنی اولاد کو زمین پر لانے کی کوشش کی تھی۔ اس کی ولادت، پرورش، نگہداشت اور تربیت کی ذمے داری اس کے چیلوں کو نبھانی تھی۔ پہلی دو بار اس کی کوشش ناکام ہوگئی تھی۔ خدا کے نام لیواؤں نے بروقت درندے کا پتہ چلا کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا...... اس سے پہلے کہ وہ اقتدار تک پہنچتا۔

لیکن اس بار منصوبہ مکمل اور بے داغ تھا۔

اس منصوبے پر عمل کرنے والے تین افراد میں ٹیسون کا منتخب ہونا کوئی حیرت انگیز بات نہیں تھی۔ اس نے اپنی وفاداری اور عقیدے کی پختگی بارہا ثابت کی تھی۔ اور بہت مؤثر انداز میں ثابت کی تھی۔ اس کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ احکامات پر بلا جھجک اور بے چون و چرا عمل کرتا تھا۔

اسے جو کام سونپا گیا تھا وہ سب سے سخت اور بے رحمانہ تھا۔ کسی معصوم کی جان لینا صرف اس لیے کہ اس کی خالی جگہ پر کسی اور کو پہنچانا ہو، کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔

اسپلیٹو کے ذمے اس فیملی کا انتخاب تھا، جہاں ابن ابلیس کی پرورش کرانی تھی۔ اسے اڈاپٹ کرانے کی کارروائی بھی اس کی ذمے داری تھی۔ سسٹر ماریا ٹریسا کو ابن ابلیس کی پیدائش کرانے کا کام سونپا گیا تھا۔ ٹیسون کو اصل بچے کو ہلاک کرنا، بچے اور مادہ گیدڑ کی تدفین کرانا اور تمام شہادتوں کو مٹانے کی ذمے داری دی گئی تھی۔

ٹیسون بہت پر جوش تھا۔ برادری میں اسے اہمیت حاصل ہو چکی تھی۔ اور اس کام کے بعد تو اس کا مقام و مرتبہ کچھ اور ہی ہو جاتا۔ شیطان پرست قیامت تک اسے پوجتے۔ وہ یہ بھول گیا کہ کبھی وہ خدا پرست اور دین دار تھا۔

لیکن معاہدے پر عمل درآمد کے دن قریب آنے لگے تو ٹیسون میں ایک تبدیلی رونما ہوئی۔ وہ کمزور پڑنے لگا۔ کمزوری محسوس کرنے لگا۔ اس کی پیٹھ پر زخموں کے برسوں پرانے نشانات میں سوزش ہونے لگی۔ ہر رات اس کی اذیت بڑھتی گئی اور سونا ناممکن ہوتا گیا۔ پانچ راتیں ایسی گزریں کہ خیالی ہیولے اسے ستاتے رہے۔

اس کے تصور میں ٹوبو آیا...... افریقی لڑکا، جو اس سے محبت کرتا تھا۔ وہ ہاتھ پھیلا کر اس سے مدد مانگ رہا تھا۔ پھر اس نے کھال اترے ایک شخص کو صحرا میں تپتی ریت پر چلتے رحم کی بھیک مانگتے دیکھا۔ یہ وہ پادری تھا جسے قبائلیوں نے اس کے حصے کی سزا دی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا کیا میری قربانی رائیگاں جائے گی۔ اور اس نے ساحل پر ایک چار سالہ بچے کو دیکھا، جو اپنے باپ کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ اور اس نے اپنی دم توڑتی ماں کو دیکھا، جو اس سے معذرت کر رہی تھی کہ وہ اتنی کم عمری میں ہمیشہ کے لیے اسے چھوڑ کر جا رہی ہے...... وقت کے، تقدیر کے رحم و کرم پر چھوڑ کر۔ اس کی آنکھ کھلی تو وہ رو رہا تھا۔ دوبارہ وہ سویا تو اس نے خواب میں عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ وہ اس سے کہہ رہے تھے...... خدا معاف کرنے والا ہے۔ بس برائی کے راستے سے ہٹ جاؤ۔

ان راتوں نے، ان خوابوں نے ٹیسون کو ہلا کر رکھ دیا۔ اسپلیٹو نے اس کی حالت محسوس کر لی اور اسے بلا کر اس سے اس سلسلے میں پوچھا۔ لیکن ٹیسون جانتا تھا کہ اب وہ اتنا آگے جا چکا ہے کہ پیچھے ہٹنا ممکن نہیں۔ اب وہ ڈگمگایا تو اس کی زندگی تک خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ اس نے اسپلیٹو کو یقین دلایا کہ وہ اپنی ذمے داری بحسن و خوبی نبھائے گا۔ اس نے کہا کہ اس کی پیٹھ کے پرانے زخم تکلیف دے رہے ہیں۔ اس پر اسپلیٹو نے اسے سکون بخش دوائیں دیں۔

اس کے بعد اپنی ذمے داری پوری کرنے تک ٹیسون دواؤں کے زیر اثر رہا۔ خوابوں کا سلسلہ موقوف ہو گیا۔

چھ جون کو صبح چھ بجے...... چھٹے ماہ کے چھٹے دن اور چھٹے گھنٹے میں جو کچھ ہوا، وہ آخری سانس تک بھولنے والا نہیں تھا۔ زچگی کے دوران مادہ گیدڑ کی چیخیں آسمان تک پہنچنے لگیں۔ سسٹر ماریا نے ایتھر دے کر اسے خاموش کرایا۔ جانور کے اعتبار سے بچہ بہت بڑا تھا۔ اس کا پیٹ چاک کر کے ہی بچے کو نکالا جا سکتا تھا۔ بچے کے باہر آتے ہی ٹیسون نے اسپلیٹو کے دیئے ہوئے پتھر سے مادہ گیدڑ کا سر کچل دیا۔ اس عمل نے اسے اس عمل کے لیے

تیار کر دیا، جو اسے انسانی بچے کے ساتھ دہرانا تھا۔

لیکن جب انسانی بچہ اس کے سامنے لایا گیا تو وہ ڈگمگا گیا۔ بچہ نہایت خوبصورت تھا۔ ٹیسون پہلو بہ پہلو لیٹے دونوں بچوں کو دیکھتا رہا۔ ایک خون میں لتھڑا ہوا بال دار بچہ تھا۔ دوسرا نرم و نازک، خوب صورت اور گورا چٹا۔ اور انسانی بچہ اسے یوں دیکھ رہا تھا، جیسے وہ اس کے لیے معتبر ہو۔

ٹیسون جانتا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اور اس نے وہ کیا۔ لیکن اپنا کام وہ صفائی سے نہیں کر سکا۔ اسے ایک سے زیادہ وار کرنے پڑے۔ بلکہ ایک آخری وار تو اسے بچے کا تابوت کھول کر کرنا پڑا۔ اس وقت وہ بری طرح سسک رہا تھا۔ اور رابرٹ تھورن کے تابوت میں پڑے بچے کے سر پر پتھر کا آخری وار کرنے سے پہلے اسے بچے پر محبت آئی۔ اس کا جی چاہا کہ وہ اسے اٹھا کر سینے سے لگا لے۔ اور اسے لے کر کہیں بھاگ جائے...... دور...... بہت دور، جہاں تحفظ ہو۔ وہ ایسا کر بھی گزرتا۔ لیکن اس نے دیکھا کہ وہ پہلے ہی بچے کو نا قابل تلافی نقصان پہنچا چکا ہے۔ اب وہ بچہ نارمل زندگی کے قابل نہیں رہا تھا۔ چنانچہ اس بار اس نے پتھر اٹھایا اور جذبہ ترحم کے ساتھ بچے کے سر پر وار کیا، جیسے انسان ناکارہ گھوڑے پر رحم کرتا ہے۔ اور وہ وار کرتا رہا، یہاں تک کہ بچہ ساکت ہو گیا۔

اس رات کی تاریکی میں ٹیسون کے آنسوؤں سے بھیگے ہوئے چہرے کو کسی نے نہیں دیکھا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس کے بعد، اسے کسی نے نہیں دیکھا۔ اگلی صبح وہ روم سے نکل بھاگا۔ چار سال وہ مارا مارا پھرا۔ اس نے بلجیم میں مزدوری کی۔ اسے نشہ آور ادویات کی ضرورت تھی...... پیٹھ کی اذیت سے بچنے کے لیے نہیں...... جو کچھ اس نے کیا تھا، اس کی کرب ناک یاد کو مٹانے کے لیے۔ وہ اکیلا تھا۔ کسی سے بات نہیں کرتا تھا۔ بالآخر ایک اسپتال میں معائنے کے بعد یہ تشخیص ہو گئی کہ اس کی پیٹھ کی اذیت کا سبب ٹیومر تھا۔ اور وہ ریڑھ کی ہڈی سے اتنا قریب تھا کہ اس کا آپریشن نہیں کیا جا سکتا تھا۔

ٹیسون جانتا تھا کہ وہ مر رہا ہے۔ اس لیے وہ تلافی کرنا چاہتا تھا۔ اس کی سمجھ میں آ گیا تھا کہ خدا بہت رحم والا، بہت معاف کرنے والا ہے۔ جو کچھ اس نے کیا تھا...... بگاڑا تھا، اسے سنوارنے کے کوشش کر کے وہ خدا کی معافی کا حق دار بن سکتا تھا۔

اپنی بچی کھچی طاقت مجتمع کر کے وہ اسرائیل گیا۔ اذیت کو سلانے والی مارفین اس کے ساتھ تھی۔ اسے بیوگن ہیگن نامی شخص کی تلاش تھی۔ وہ ایک نام تھا جو شاید وقت کے آغاز سے اب تک شیطان سے منسلک تھا۔ 1092ء میں بیوگن ہیگن ہی تھا، جس نے شیطان کی اولاد کو تلاش کر کے اسے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ پھر 1710 میں بھی بیوگن ہیگن ہی تھا، جس نے دوسرے ابن ابلیس کو طاقت حاصل کرنے سے پہلے ہی ختم کر دیا تھا۔ یہ بیوگن ہیگن ایک لقب تھا...... خدا کے شکاریوں کا لقب! ان کا کام شیطان کے بیٹے کو روئے زمین پر پہنچنے سے روکنا تھا۔

بیوگن ہیگن کی تلاش میں ٹیسون کو سات ماہ لگے۔ کیونکہ وہ گمنامی پسند کرتا تھا اور وہ ایک زیر زمین قلعہ میں رہتا تھا۔ وہ بھی ٹیسون کی طرح وہاں اپنی موت کا منتظر تھا۔ وہ بھی ایک اذیت سے دوچار تھا۔ ناکامی کا احساس اسے بھی مارے ڈال رہا تھا۔ اسے علم تھا کہ شیطان کی کاروائی کا وقت آ پہنچا ہے۔ لیکن وہ شیطان کو روکنے میں ناکام رہا تھا۔ ابن ابلیس پیدا ہو چکا تھا!

ٹیسون نے بوڑھے بیوگن ہیگن کے ساتھ چھ گھنٹے گزارے۔ بیوگن ہیگن یاس انگیز خاموشی سے ٹیسون کی بات سنتا رہا۔ سب کچھ سننے کے

بعد اس نے کہا۔"میں یہاں سے نہیں نکل سکتا۔ کوئی ایسا شخص جس کی بچے تک براہ راست رسائی ہو، وہ مجھ سے یہاں آکر ملے۔"

ٹیسون کو احساس تھا کہ اس کے پاس وقت بہت کم ہے۔ وہ لندن چلا آیا۔ یہ بہت ضروری تھا کہ وہ رابرٹ تھورن سے ملے اور اسے قائل کرے۔ تاکہ جو کچھ کیا جانا چاہیے، کیا جا سکے۔ وہ خدا سے اپنے لیے پناہ مانگتا رہا۔ کیونکہ جانتا تھا کہ شیطان اسے روکنے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔ اور وہ شیطان کے حربوں کو جانتا سمجھتا تھا۔ اس نے اپنے بچاؤ کی ہر ممکن تدبیر کر لی تھی۔ وہ رابرٹ تھورن سے ملنے اور اسے قائل کرنے تک زندہ رہنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو گیا تو خدا اس کے گناہوں کو بخش دے گا۔

سوہو کے علاقے میں اس نے ایک کمرے کا فلیٹ کرائے پر لیا اور اسے اپنے لیے کسی چرچ کی طرح محفوظ قلعے میں تبدیل کر دیا۔ اس کا ہتھیار خدا کا کلام تھا۔ اس نے کمرے کی دیواروں کے چپے چپے کو، حتیٰ کہ کھڑکیوں تک کو بائبل کے صفحات چپکا کر چھپا دیا تھا۔ اس کے لیے اسے بائبل کی 70 کتابوں سے مدد لینا پڑی۔ اس کے علاوہ جا بجا...... ہر زاویے پر اس نے صلیبیں آویزاں کر دی تھیں۔ اپنی صلیب میں اس نے جگہ جگہ آئینے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے جڑ دیئے تھے۔ اور اسے گلے میں ڈالے بغیر وہ باہر نہیں نکلتا تھا۔ آئینے کے ان ٹکڑوں سے باہر دھوپ منعکس ہوتی تھی۔

لندن پہنچ کر اسے اندازہ ہو گیا کہ رابرٹ تھورن تک پہنچنا آسان نہیں ہے۔ دوسری طرف پیٹھ کی اذیت اس کے لیے ناقابل برداشت ہوئی جا رہی تھی۔ رابرٹ تھورن سے اس کے دفتر میں جو ملاقات ہوئی، وہ ناکام ثابت ہوئی۔ رابرٹ اس سے خوف زدہ ہوا اور اس نے اسے فوراً ہی سفارت خانے سے نکلوا دیا۔ اب صورت حال یہ تھی کہ ٹیسون سائے کی طرح رابرٹ کا پیچھا کر رہا تھا۔ جہاں رابرٹ جاتا، ٹیسون بھی وہاں پہنچ جاتا۔

اس روز بھی وہ جنگلے کے پیچھے سے رابرٹ تھورن کو دیکھ رہا تھا۔ رابرٹ تھورن چند مقتدر شخصیات کے ساتھ چیلسی کے ایک پس ماندہ علاقے میں سستے مکانات کے ایک پروجیکٹ کا افتتاح کرنے کے لیے آیا ہوا تھا۔

"مجھے اس پروجیکٹ کا افتتاح کرتے ہوئے خاص طور پر خوشی محسوس ہو رہی ہے۔" رابرٹ نے بلند آواز میں کہا۔ ہوا کے مخالف رخ خطاب کرنے کی وجہ سے اسے چیخنا پڑ رہا تھا۔

جنگلے کے دوسری طرف علاقے کے سو سوا سو غریب افراد کھڑے تھے۔"یہ پروجیکٹ اس علاقے کے مکینوں کی زندگی سنوارنے کی خواہش کا مظہر ہے۔"

یہ کہہ کر رابرٹ تھورن نے پھاوڑا اٹھایا اور اس سے مٹی ہٹا کر کام کا افتتاح کیا۔ اس کے ساتھ ہی بینڈ نے ایک دھن چھیڑ دی۔ رابرٹ اور اس کے ساتھ والے مقتدر لوگ عوام سے ہاتھ ملانے کے لیے جنگلے کی طرف بڑھے۔

رابرٹ کی کوشش تھی کہ وہاں موجود ہر شخص سے ہاتھ ملائے۔ کچھ لوگ زیادہ پرجوش تھے۔ وہ تو ہاتھ چومنے کی کوشش کر رہے تھے۔

لیکن اچانک رابرٹ کو ٹھہر جانا پڑا۔ ایک ہاتھ نے پوری قوت سے اس کا گریبان پکڑ لیا تھا۔

"کل......" ٹیسون نے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان کہا۔ وہ رابرٹ تھورن کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا، جن سے اب خوف جھلک

رہا تھا۔''......ایک بجے کیوز گارڈن میں مجھ سے ملو۔'' اس نے بات پوری کی۔

''چھوڑو مجھے۔'' رابرٹ نے گھبرا کر کہا۔

''پانچ منٹ......صرف پانچ منٹ مجھے موقع دو۔ پھر تم کبھی میری صورت بھی نہیں دیکھو گے۔''

''میں کہتا ہوں، ہاتھ ہٹاؤ۔''

''تمہاری بیوی کی زندگی خطرے میں ہے۔ تم نے کچھ نہ کیا تو وہ مر جائے گی۔'' ٹیسون نے کہا۔

رابرٹ تھورن نے جھٹکے سے خود کو چھڑایا۔ اب جو اس نے ادھر ادھر دیکھا تو ٹیسون غائب ہو چکا تھا۔ وہ جنگلے کے پیچھے اجنبی چہروں کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا رہا۔ اسی وقت فلیش بلب چمکنے لگے۔ اس کی تصویریں کھینچی جا رہی تھیں۔

❁..........❁..........❁

رابرٹ تھورن کا ذہن الجھا ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ فادر ٹیسون کے سلسلے میں کیا رویہ اختیار کرے۔ وہ پولیس کو ٹیسون کے پیچھے لگا سکتا تھا۔ پولیس پادری کو جیل میں بند کر دیتی۔ لیکن شکایت کنندہ کی حیثیت سے رابرٹ کو عدالت میں پیش ہونا پڑتا۔ پھر فادر ٹیسون سے پوچھ گچھ کی جاتی۔ اور جو کچھ وہ کہتا، اخباروں میں چھپتا، اور ساری دنیا کو معلوم ہو جاتا۔ یہ وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا......کسی بھی قیمت پر نہیں۔ کیونکہ پادری کا مسئلہ صرف اور صرف اس کا بیٹا ڈیمین تھا۔ ڈیمین اور اس کی پیدائش۔ اور یہ وہ معاملہ تھا جو رابرٹ نے پوری دنیا سے چھپایا تھا۔

تو اب پادری کے معاملے میں وہ کسی سے بھی مدد نہیں لے سکتا تھا۔ مدد لیتا تو مدد کرنے والے پر وہ راز کھل جاتا۔

ایسے میں اسے اس فوٹو گرافر حنیف ارشد کا خیال آیا۔ اس نے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا کہ اسے بتائے کہ جس شخص کی اسے تلاش ہے، وہ اسے مل گیا ہے۔ لیکن اس نے فوراً ہی ہاتھ کھینچ لیا۔ اس فوٹو گرافر کا تعلق پریس سے تھا۔ اور پریس والوں سے زیادہ خطرناک کوئی نہیں ہوتا۔

لیکن اپنا بوجھ اتارنے کے لیے کوئی تو ہو۔ کوئی تو ہو، جس سے وہ بات کر سکے۔ کیونکہ یہ حقیقت تھی کہ پادری نے اسے خوف زدہ کر دیا تھا۔ جو کچھ پادری کہنا چاہتا تھا، رابرٹ اسے سننے سے خوف زدہ تھا۔

اس صبح رابرٹ اپنی کار خود لے کر نکلا۔ ہورٹن سے اس نے کہا کہ وہ کچھ وقت اکیلے گزارنا چاہتا ہے۔ وہ ادھر ادھر ڈرائیو کرتا رہا۔ آفس وہ اس ڈر سے نہیں گیا۔ کہ وہاں وہ پوچھیں گے کہ وہ لنچ کے لیے کہاں جا رہا ہے۔ اسے یہ احساس ہو گیا تھا کہ فادر ٹیسون کے بلاوے کو نظر انداز کرنا مناسب نہیں ہے۔ البتہ بالمشافہ حوصلہ شکنی کی صورت میں یہ امکان تھا کہ وہ مایوس ہو کر اس کا پیچھا چھوڑ دیتا۔

رابرٹ کو اب اسی میں بہتری نظر آ رہی تھی کہ وہ فادر کا سامنا کرے، اسے کھل کر بولنے کا موقع دے اور اس کی ہر بات سنے۔ ابھی آخر میں اس نے خطرناک بات کہی تھی......اس نے کہا تھا کہ کیتھی کی جان کو خطرہ ہے۔ اس نے کہا تھا کہ اگر وہ ملنے نہیں آیا تو کیتھی مر جائے گی۔

اور رابرٹ کے لیے کیتھی کی اہمیت ہر چیز سے زیادہ تھی!

وہ ساڑھے بارہ بجے کیوز گارڈن پہنچا۔ اس نے گاڑی پارکنگ میں کھڑی کی۔ وہیں بیٹھ کر وہ ریڈیو پر خبریں سنتا رہا۔ وقت رینگ رینگ

کر گزر رہا تھا۔ لیکن اس کا دھیان خبروں میں نہیں تھا۔ وہ اس وقت زندگی کے بارے میں فلسفیانہ انداز میں سوچ رہا تھا۔ موت انسان کے وجود میں ٹائم بم کی طرح نصب ہوتی ہے...... جسم کے اندرونی اعضا کی طرح۔ وقت آتا ہے تو بم پھٹ جاتا ہے۔ اور یہ دور تو ایسا ہے کہ پلوٹونیم جیسی چیز ہر کسی کو دستیاب ہے۔ چھوٹے چھوٹے بے حیثیت ممالک بھی خود کو ایٹمی جنگ کے لیے تیار کر رہے ہیں۔ ان میں کچھ خودکشی کا رجحان رکھنے والے بھی ہیں۔ وہ اپنے ساتھ دوسروں کو لے بیٹھنے میں کوئی عار محسوس نہیں کریں گے۔ اس نے صحرائے سینائی کے بارے میں سوچا...... وہ زمین جس کا خدا نے ایمان والوں سے وعدہ فرمایا۔ تو کیا وہ زمین ایمان والوں کو اس وقت ملے گی، جب دنیا میں تمام زندگی کا ٹائم بم پھٹنے والا ہو گا۔

اس نے ڈیش بورڈ پر رکھی گھڑی میں وقت دیکھا۔ ایک بج رہا تھا۔ وہ کار سے نکلا اور آہستہ قدموں سے چلتا پارک میں داخل ہو گیا۔ اس نے رین کوٹ پہن لیا تھا اور آنکھوں پر چشمہ لگا لیا تھا۔ تاکہ پہچانا نہ جا سکے۔

اس نے پادری کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔ پھر وہ اسے نظر آ گیا۔ لیکن اسے دیکھ کر وہ جیسے پتھر کا بت بن گیا۔ اس کی طرف بڑھنے کو اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ ٹیسون ایک بینچ پر بیٹھا تھا۔ اس کی طرف اس کی پشت تھی۔ پادری نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ وہ خاموشی سے پلٹ کر جا بھی سکتا تھا اور اسے پتا بھی نہ چلتا۔ لیکن اب وہ منہ چھپانا نہیں چاہتا تھا۔

چنانچہ وہ گھوم کر پادری کے سامنے چلا گیا۔

پادری نے اتنا اچانک اسے نمودار ہوتے دیکھا تو حیران رہ گیا۔ اس کا چہرہ پسینے میں نہایا ہوا تھا۔ اور اعصابی کشیدگی اس کے چہرے پر صاف لکھی تھی۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ چند لمحے دونوں سامنے کھڑے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

''مجھے پولیس کو ساتھ لانا چاہیے تھا۔'' رابرٹ نے تیز لہجے میں کہا۔

''اس سے تمہیں کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔''

''بہر حال جو کہنا ہے، جلدی سے کہہ دو۔''

ٹیسون کی پلکیں پھڑپھڑائیں اور ہاتھوں میں لرزش نظر آنے لگی۔ لگتا تھا کہ وہ کسی اندرونی اذیت سے لڑ رہا ہے۔ ''جب یہودی سرزمین مقدس میں واپس آئیں گے......'' اس نے سرگوشی میں کہا۔

''کیا؟''

''جب یہودی سرزمین مقدس میں واپس آئیں گے۔ ایک شہاب ثاقب آسمان پر نظر آئے گا۔ اور مملکت روم کو دوبارہ عروج حاصل ہو گا۔ تب تم اور میں مر جائیں گے۔''

رابرٹ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ یہ شخص تو سو فی صد پاگل ہے۔ اس نے سوچا۔ وہ ایک نظم کے مصرعے تھے جو وہ سنا رہا تھا۔ انداز ایسا تھا جیسے وہ کسی ٹرانس میں ہے۔

''تب بحر ابد سے وہ اٹھے گا۔ سمندر کے دونوں کناروں پر وہ فوجیں جمع کرے گا۔ وہ بھائی کو بھائی سے لڑائے گا۔ یہاں تک کہ کچھ بھی

نہیں بچے گا۔"

اب پادری کا جسم یوں لرز رہا تھا کہ اس کی بوٹی بوٹی، جسم کا ریشہ ریشہ تھرکتا دکھائی دے رہا تھا۔

رابرٹ تھورن اس کے اور قریب ہو گیا۔ اس کی لرزتی آواز سننا اور سمجھنا بھی آسان نہیں تھا۔

"کتاب انکشافات میں یہ سب پیش گوئیاں موجود ہیں۔" پادری کہہ رہا تھا۔

"میں یہاں مذہبی وعظ سننے کے لیے نہیں آیا ہوں۔" رابرٹ نے خشک لہجے میں کہا۔

"شیطان اپنے سب سے زبردست اور آخری معرکے میں ایک انسانی شخصیت کو استعمال کرے گا، جو پوری طرح اس کے زیر اثر ہو گا۔ کتاب دانیال اور کتاب لیوک میں......"

"تم نے کہا کہ میری بیوی خطرے میں ہے" رابرٹ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تم ارض مقدس جاؤ۔ قدیم شہر جیزریل میں مگید و نامی قصبے میں۔ وہاں تمہیں بوڑھے بیوگن ہیگن سے ملنا ہو گا۔ صرف وہی بتا سکتا ہے کہ اس بچے کو کیسے ختم کیا جائے......"

"میری بات سنو......"

"جسے بھیڑ نے نہیں بچایا، اسے لازماً درندہ پھاڑ کھائے گا۔"

"خاموش ہو جاؤ"

ٹیسون خاموش ہو گیا۔ اس نے لرزتے ہاتھ سے اپنی پیشانی اور بھوؤں سے پسینہ پونچھا۔

"میں یہاں آیا تو صرف اس لیے کہ تم نے کہا تھا کہ میری بیوی کی جان خطرے میں ہے۔" رابرٹ نے کہا۔

"میں نے جاگتی آنکھوں سے دیکھا تھا مسٹر تھورن۔ خدا نے مجھے پیش بینی کی صلاحیت دی ہے۔ جو کچھ مستقبل میں ہونے والا ہے۔ وہ میں ہوتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ اس پر میرا اختیار نہیں ہے۔ میں اپنی مرضی سے کچھ نہیں دیکھ سکتا۔ اصل میں خدا دکھاتا ہے......"

"تم نے کہا تھا کہ میری بیوی......"

"وہ ماں بننے والی ہے۔"

رابرٹ کے لیے وہ دھماکہ تھا۔ وہ گنگ ہو کر رہ گیا۔ بات اتنی خلاف توقع تھی کہ چند لمحے وہ کچھ بول ہی نہیں سکا۔ پھر اس نے کوشش کر کے خود کو سنبھالا۔ "میرا خیال ہے کہ تم غلطی پر ہو۔" بالآخر اس نے کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ وہ ماں بننے والی ہے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔ اس کا امکان بھی نہیں۔ فادر اسپلیٹو نے کہا تھا کہ اب وہ کبھی ماں نہیں بن سکے گی۔"

"اس لیے کہ تم اولاد ابلیس کو گود لے لو۔ اور اس نے جھوٹ کہا تھا۔ اب میں تمہیں خبردار کر رہا ہوں کہ وہ اسے رحم مادر میں ہی قتل کرنے کی

کوشش کرے گا۔'' یہ کہتے کہتے ٹیسون کی ہلکی سی چیخ نکلی۔ درد نے بڑا شدید وار کیا تھا۔

''تم کس کی بات کر رہے ہو؟ کون قتل کرے گا؟'' رابرٹ کے لہجے میں الجھن تھی۔

''تمہارے بیٹے کی مسٹر تھورن...... بلکہ نام نہاد بیٹے کی۔ کیونکہ درحقیقت وہ شیطان کا بیٹا ہے۔ وہ تمہارے اصل بیٹے کو پیدا ہونے سے پہلے ہی قتل کر دے گا۔ اور یہی نہیں، اس کے بعد وہ تمہاری بیوی کو بھی ختم کر دے گا۔ اور جب اسے یقین ہو جائے گا کہ تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے، اب صرف اسی کا ہے تو مسٹر تھورن، تمہاری ضرورت بھی نہیں رہے گی۔ تب وہ تمہیں بھی ختم کر دے گا۔''

''بس بہت ہو گیا۔ اتنے چھوٹے معصوم بچے کے متعلق ایسی باتیں کرتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی۔''

''وہ معصوم نہیں، شیطان کا بیٹا معصوم کیسے ہو سکتا ہے۔'' ٹیسون نے بلا جھجک کہا۔ ''تمہاری دولت اور طاقت کی مدد سے وہ زمین پر شیطان کی مملکت قائم کرے گا...... ایک نقلی خدائی سلطنت۔ حالانکہ وہ براہ راست شیطان سے احکامات لے رہا ہوگا......''

''تم پاگل ہو۔'' رابرٹ نے پھنکارتے ہوئے کہا۔

''اسے ختم کرنا ہوگا مسٹر تھورن۔ یہ بہت ضروری ہے۔'' ٹیسون کے حلق سے پھر ایک کراہ نکلی اور اس کی ایک آنکھ سے آنسو چہرے پر پھسل آیا۔

رابرٹ تھورن سحر زدہ سا اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے لگتا تھا کہ وہ ہل بھی نہیں سکتا ہے۔

''پلیز مسٹر تھورن۔'' ٹیسون اب رو رہا تھا۔

''تم نے مجھ سے پانچ منٹ مانگے تھے۔''

''تم مگید و جاؤ اور بیوگن ہیگن سے ملو۔ جلدی کرو۔ کہیں دیر نہ ہو جائے۔''

رابرٹ نے نفی میں سر ہلایا۔ اس نے لرزتی ہوئی انگلی ٹیسون کی طرف اٹھائی۔ ''جو تم نے کہا، میں نے سن لیا۔ اب تم میری بات غور سے سن لو۔'' اس نے سخت تنبیہی لہجے میں کہا۔ ''اب اگر مجھے تمہاری صورت نظر آئی تو میں تمہیں گرفتار کرا دوں گا۔'' یہ کہہ کر وہ مڑا اور دروازے کی طرف چل دیا۔

ٹیسون رندھی ہوئی، آنسوؤں سے بھیگی آواز میں اسے پکار رہا تھا۔ ''ٹھیک ہے مسٹر تھورن۔ اب ہماری ملاقات جہنم میں ہوگی۔ وہاں ہم اپنی مشترکہ سزا بھگت رہے ہوں گے۔''

❁ ❁ ❁

اگلے ہی لمحے رابرٹ تھورن جا چکا تھا۔ ٹیسون اکیلا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں سر تھاما ہوا تھا۔ کئی منٹ تک وہ اسی حال میں اپنے آنسوؤں پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن وہ رک ہی نہیں رہے تھے۔ اس کے ذہن میں بس ایک ہی خیال تھا۔ کھیل ختم ہو گیا تھا...... اور وہ ناکام ہو چکا تھا۔

دھیرے دھیرے اٹھتے ہوئے اس نے پارک کا جائزہ لیا۔ پارک اب خالی تھا اور وہاں سناٹا تھا۔ نجانے کیوں وہ سکوت اور عدم تحرک اسے بہت غیر معمولی لگ رہا تھا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کسی خلا میں کھڑا ہے، جہاں ہوا نے بھی اپنی سانس روک لی ہے۔

پھر اچانک اسے وہ ہلکی ہلکی آواز سنائی دینے لگی۔ ابتدا میں وہ بہت دور کی آواز تھی...... دور کی اور بہت دھیمی آواز! لیکن پھر بتدریج اس میں شدت آتی گئی۔ یہاں تک کہ اس کے اردگرد کی فضا اس کی گونج سے مرتعش ہوگئی۔ اور اس آواز کا حجم اب بھی مسلسل بڑھ رہا تھا۔

ٹیسون نے گھبرا کر اپنے گلے میں پڑی ہوئی صلیب ہاتھ میں تھام لی۔ اس کی سانسیں بے ترتیب ہونے لگیں اور اس نے خوف زدہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔ آسمان تاریک ہوتا جا رہا تھا اور ہوا میں بہ تدریج تیزی آ رہی تھی۔ پھر ہوا اتنی تیز ہوگئی کہ درختوں کو دیکھتے ہوئے لگتا تھا کہ ہوا انہیں اکھاڑ پھینکے گی۔

ہوا اب غضب ناک ہوگئی تھی۔ دونوں ہاتھوں میں حمائلی صلیب دبوچے ہوئے ٹیسون اٹھا اور سڑک کی طرف چلنے لگا۔ اپنی دانست میں وہ تحفظ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ لیکن وہ وہاں پہنچا تو ہوا کا غیض وغضب اور بڑھ گیا۔ وہاں اس کے اردگرد ہوا بگولوں کی شکل میں ناچ رہی تھی۔ ردی کاغذ اور سڑک کا کوڑا کچرا اس کے ساتھ گھوم رہا تھا۔ ہوا اتنی تیز تھی کہ اس کے قدم ڈگمگا رہے تھے اور سانس لینا دشوار ہو رہا تھا۔ پھر ہوا کا ایک زبردست تھپیڑا اس کے چہرے سے ٹکرایا۔

سڑک کے پار اسے ایک چرچ نظر آ رہا تھا۔ وہ سڑک پار کرنے کی نیت سے فٹ پاتھ سے اترا تو ہوا اس پر عقاب کی سی تیزی سے جھپٹی۔ ہوا کی مخالف سمت عافیت کی طرف بڑھنے کے لیے اسے بہت زور لگانا پڑ رہا تھا۔ اب ہوا کے شور کے ساتھ ایک شیطانی آواز بھی تھی، جو اسے اپنے کان میں چنگھاڑتی محسوس ہو رہی تھی۔

ہوا سے لڑنے کی جدوجہد میں نڈھال ہوتا، سسکتا کراہتا ٹیسون آگے بڑھ رہا تھا۔ گرد کے جھکڑ نے اسے کچھ دیکھنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ نہ تو اس نے دیکھا، نہ ہی اسے آواز سنائی دی۔ بہرحال ایک ٹرک اس کی طرف آ رہا تھا۔ ٹرک ڈرائیور بھی گرد کی وجہ سے کچھ دیکھ نہیں پا رہا تھا۔ اس نے گھبرا کر بریک لگائے۔ لیکن بہت تیز رفتاری کی وجہ سے رفتار کم ہونے میں بھی وقت لگا۔

ٹائروں کے زمین پر رگڑنے کی آواز ٹیسون کے بہت قریب سے آئی تھی۔ اسے خود بھی حیرت ہوئی کہ وہ ٹرک کی لپیٹ میں آنے سے کیسے بچ گیا۔ بہرحال رفتار کم کرتے کرتے ٹرک قریب ہی پارک ہوئی گاڑیوں کی قطار میں گھس گیا۔ پھر ایک زوردار دھماکے کے بعد ٹرک رک گیا۔

ہوا اچانک رک گئی تھی۔ لوگ چیختے چلاتے ہوئے ٹیسون کے پاس سے گزر کر بدنصیب ٹرک کی طرف جا رہے تھے۔ ٹرک میں ڈرائیور کا خون میں نہایا ہوا سر کھڑکی پر ٹکا ہوا تھا۔ سر سے خون بہہ کر چہرے کو بھگوتے ہوئے اس کے کپڑوں پر گر رہا تھا۔

اوپر آسمان پر زبردست گڑگڑاہٹ ہوئی۔ ٹیسون بیچ سڑک پر کھڑا خوف سے لرزتے ہوئے بچے کی طرح رو رہا تھا۔ سامنے چرچ کے عین اوپر بجلی کا زبردست کڑاکا ہوا۔ اسے سنتے ہی ٹیسون پارک کی طرف واپس بھاگا۔

ایک اور کڑاکے کے ساتھ زبردست بارش شروع ہوگئی۔ آسمان پر کوڑوں کی طرح لہرانے والی بجلی اس کا تعاقب کر رہی تھی۔ ٹیسون اپنی

پوری قوت سے دوڑ رہا تھا۔ لیکن آسمانی بجلی اس کا پیچھا کیے جا رہی تھی۔ بجلی تڑپ کر نیچے آئی۔ ٹیسون بال بال بچا۔ ایک بے حد بڑا درخت بجلی کی لپیٹ میں آ گیا۔

اب ٹیسون کے حلق سے ڈری ڈری چیخیں نکل رہی تھیں اور وہ اندھا دھند بھاگ رہا تھا۔ پھر اسے بھاگنے میں دشواری کا احساس ہوا۔ اگلے ہی لمحے وجہ بھی اس کی سمجھ میں آ گئی۔ وہ کیچڑ میں آ گیا تھا۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور کیچڑ سے نکلنے کی کوشش کی۔ اس کے قدم بہر حال سست پڑ گئے تھے۔ بجلی آسمان کی انگلی کی طرح اس کی طرف لہرا رہی تھی۔ اگلے ہی لمحے پارک کی ایک چوبی بینچ آسمانی بجلی کی لپیٹ میں آئی اور ماچس کے پیکٹ کی طرح چرمرا کر رہ گئی۔

ٹیسون نے جھاڑیوں میں چھلانگ لگا دی اور ان کے درمیان بھاگتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ ایک ذیلی سڑک پر نکل آیا۔ اسی لمحے آسمان پر پھر کڑاکا ہوا اور بجلی زمین کی طرف لپکی۔ اس بار ایک لیٹر بکس اس کا نشانہ بنا، جس کے پاس سے محض ایک ثانیہ پہلے ٹیسون گزرا تھا۔ دھات کا لیٹر بکس کسی معمولی سی بالٹی کی طرح فضا میں اچھلا اور چند لمحے بعد زمین پر آ گرا۔

ٹیسون کی سانس سینے میں نہیں سما رہی تھی۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھتا رہا۔ اس کی نظریں مشتعل آسمان پر تھیں۔ بارش اتنی تیز تھی کہ اسے اپنے چہرے پر تھپڑ برستے محسوس ہو رہے تھے۔ نگاہ اور منظر کے درمیان آسمان سے زمین تک آتی پانی کی چادر حائل تھی، جس کی وجہ سے شہر کا منظر بے حد دھندلا نظر آ رہا تھا۔

لندن شہر میں لوگ بارش سے بچنے کے لیے پناہ کی تلاش میں ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ کھڑکیاں دھڑا دھڑ بند ہو رہی تھیں۔ چھ بلاک دور ایک اسکول ٹیچر پرانے طرز کی کھڑکی سے ابھی اسے بند کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ کلاس کے بچے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ وہ ایک پٹ والی پرانے طرز کی ایسی کھڑکی تھی، جسے کھولنے کے لیے اس کے پٹ کو اٹھا کر ایک پول کی مدد سے ٹھہرایا جاتا ہے۔ اب وہ ٹیچر کھڑکی بند کر رہی تھی تو اسے پول کو ہٹا کر پٹ کو گرانا تھا۔ اس ٹیچر بے چاری نے کبھی فادر ٹیسون کا نام بھی نہیں سنا تھا۔ نہ ہی وہ یہ جانتی تھی کہ اس وقت فادر ٹیسون کی قسمت اس کی قسمت سے جڑ گئی ہے۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس وقت پھنکارتے ہوئے اس موسم میں فادر ٹیسون اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔

اکھڑتی سانسوں کے ساتھ اپنے پیچھے لگے قہر و غضب سے بھاگتا ٹیسون اسی تنگ گلی میں داخل ہوا۔ وہ اب بھی دوڑ رہا تھا۔ بجلی کے کڑاکے اب کافی پیچھے رہ گئے تھے۔ لیکن ٹیسون کی طاقت بھی جواب دے رہی تھی۔ ہر دھڑکن اسے ڈنک کی طرح لگ رہی تھی۔

موڑ مڑ کر وہ سانس درست کرنے کے لیے ایک بلڈنگ کے نیچے کھڑا ہوا۔ اس کا منہ کھلا ہوا تھا اور وہ سانس کھینچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی نگاہیں دور پارک پر جمی تھیں، جہاں بجلیاں اب بھی لہرا رہی تھیں۔ اوپر کی طرف دیکھنے کا اسے خیال ہی نہیں آیا۔ حالانکہ وہاں کچھ ہو رہا تھا۔

تیسری منزل کی اس کھڑکی کا پول ڈھیلا ہو چکا تھا۔ ٹیچر اس کے نچلے حصے کو اس کے کنڈے سے نکالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ پول کا بالائی حصہ جن کیلوں کی مدد سے کھڑکی کے پٹ سے جوڑا گیا تھا، وہ زنگ آلود ہو کر دھیرے دھیرے جگہ چھوڑتے چھوڑتے اب پول کو پوری طرح آزاد کر رہی تھیں۔ ادھر ٹیچر نے پول کو کنڈے سے نکالا، ادھر بالائی حصہ بھی نکلا اور پول عمودی حالت میں زمین کی طرف گرنے لگا۔ ٹیچر نے اسے پکڑنے

کی کوشش کی۔لیکن وہ نیزے ہی کی طرح نیزے ہی کی رفتار سے گر رہا تھا۔اس کا نکیلا دھاتی حصہ نیچے تھا۔

ٹیسون عین اس جگہ کھڑا تھا۔پول اس کے سر میں گھسا تھا اور اس کے پورے جسم کے وسطی حصے سے گزر کر زمین میں دھنس گیا۔پول نے ٹیسون کو جیسے پرو دیا تھا۔خون نہ نکلا ہوتا تو اسے دیکھ کر کسی بڑے کھلونے ہی کا خیال آتا۔

پورے لندن میں موسم گرما کی بارش اچانک ہی رک گئی تھی!

اسکول کی ٹیچر نے تیسری منزل سے نیچے جھانکا اور اس منظر کو دیکھ کر پاگلوں کی طرح چلانے لگی۔

دوسری سڑک پر پارک کے سامنے لوگ الٹے ہوئے ٹرک سے ڈرائیور کی خون میں لت پت لاش نکال رہے تھے۔

بادل چھٹے اور سورج نے دوبارہ سر اٹھایا اور یوں چمکنے لگا، جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔

کچھ چھوٹے بچے پادری کی پول کے ساتھ گڑی لاش کے گرد جمع ہو گئے تھے۔اور متجسس نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔پادری کے ہیٹ سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے اس کا منہ کھلا ہوا تھا اور چہرے پر حیرت کا تاثر منجمد ہو گیا تھا۔ایک بڑی سبز رنگ کی مکھی اس کے مردہ ہونٹوں پر منڈلا رہی تھی، جیسے اس کے کھلے ہوئے منہ میں گھسنے کا ارادہ رکھتی ہے۔

۞۔۔۔۔۔۞۔۔۔۔۔۞

یہ اس واقعے کی اگلی صبح کی بات ہے۔ پیری فورڈ کے گیٹ پر ہورٹن نے اخبارات اکٹھا کیے اور سن روم میں لے گیا۔ جہاں رابرٹ اور کیتھی بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ کمرے سے نکلتے ہوئے ہورٹن نے دیکھا کہ مسز تھورن کا چہرہ اب بھی ستا ہوا تھا اور وہ اعصابی کشیدگی کا شکار لگ رہی تھیں۔ پچھلے کئی ہفتوں سے اس کا یہی حال تھا۔ ہورٹن کا خیال تھا کہ یہ اس ڈاکٹر کی وجہ سے ہے، جس سے ملنے ہفتے میں دو تین بار وہ لندن جاتی تھی۔ انہیں لے کر وہی جاتا تھا۔

ابتداء میں تو ہورٹن یہ سمجھا کہ یہ کسی جسمانی عارضے کے لیے ہے۔ لیکن پھر ایک دن بلڈنگ کے بورڈ پر اس نے پڑھ لیا کہ ڈاکٹر گریئر سائیکاٹرسٹ ہے۔ خود ہورٹن کو کبھی کسی ماہر نفسیات کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ بلکہ اس کے جاننے والوں میں بھی کسی نے یہ چونچلا نہیں پالا تھا۔ اس کا اپنا نظریہ یہ تھا کہ نفسیاتی معالج بس ایک کام کرتے ہیں...... یہ کہ اپنے مریض کو پاگل پن کی سرحد کے پار دھکیل دیتے ہیں۔ اور ڈاکٹر گریئر سے ملنے کے بعد مسز تھورن کی کیفیت اس کے سامنے تھی اور اس کے اندازے کی تائید کر رہی تھی لندن کے سفر کے دوران مسز تھورن خوش مزاجی اور زندہ دلی کا مظاہرہ کرتی تھیں۔ لیکن واپس آتے ہوئے وہ بجھی بجھی، اعصاب زدہ اور چپ چپ رہتی تھیں۔

اور یہ حقیقت تھی جب سے کیتھی نے ڈاکٹر گریئر سے ملنا شروع کیا تھا، اس کا مزاج برہم رہنے لگا تھا۔ وہ اچھے موڈ میں کم ہی نظر آتی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ اس کے دل و دماغ اور اعصاب پر کوئی بہت بھاری بوجھ ہے۔ جس سے وہ چٹخنی جا رہی ہے۔ گھر کے ملازموں سے وہ دور ہو گئی۔ مختصر اور درشت احکامات کے سوا وہ کوئی بات نہیں کرتی تھی۔ اور اپنے بیٹے سے بھی اس کا تعلق تقریباً منقطع ہو چکا تھا۔ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ بچہ پہلے اس کی طرف سے بے پروا تھا۔ لیکن پچھلے چند ہفتوں سے اسے ماں کی طلب ہونے لگی تھی۔ لگتا تھا کہ چند ہفتے پہلے تک جو کیتھی اس کی محبت جیتنے کی کوشش کرتی رہی تھی، وہ اب بار آور ثابت ہو رہی تھی۔ مگر اب کیتھی کو اس کی محبت کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ چنانچہ ڈیمین ماں سے محروم ہی تھا۔

خود کیتھی کو بھی یہ تھراپی اپنے لیے بوجھ معلوم ہو رہی تھی۔ کیونکہ اس نے اپنی تشویش کی سطح کو کھرچ کر دیکھا تھا۔ تو اسے تشویش اور مایوسی کے گہرے اتھاہ اور تاریک کنوئیں کے سوا کچھ نظر نہیں آیا تھا۔ جو زندگی وہ گزار رہی تھی، وہ کنفیوژن سے جنگ کے سوا کچھ بھی نہیں تھی۔ بلکہ اب تو وہ اپنی شناخت بھی کھو رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کون ہے۔ ہاں اسے یاد تھا کہ وہ کون ہوا کرتی تھی اور کیا چاہتی تھی۔ لیکن وہ سب کھو چکا تھا۔ مستقبل کا تصور کرتی تو اسے اندھیرے کے سوا کچھ بھی دکھائی نہ دیتا۔ خوف اس کے لیے روزمرہ کی چیز بن گیا تھا۔ فون کی گھنٹی بجتی تو وہ لرز اٹھتی۔ پریشر ککر کی آواز سے وہ دہل جاتی۔ ٹی پاٹ کی سیٹی اس کے اعصاب پر بم کی طرح گرتی۔ وہ اس مقام پر پہنچ گئی تھی، جہاں ہر دن گزارنا اس کے حوصلے پر بڑا بار تھا اور حوصلہ ہر روز کم ہوتا جا رہا تھا۔

آج کا دن اس کے لیے اور سخت تھا۔ وہ جانتی تھی کہ بچا کھچا حوصلہ آج اور کمزور ہو جائے گا۔ وجہ یہ تھی کہ آج اس پر ایک ایسا انکشاف ہوا تھا، جو فوری عملی اقدام کا تقاضہ کر رہا تھا۔ اور اسے ڈر تھا کہ اس سلسلے میں اس کا اپنے شوہر سے تصادم ہوگا۔ کیونکہ وہ اس کے مجوزہ عملی اقدام کی مخالفت کرے گا۔ اس کے علاوہ ڈیمین بھی اس کے لیے بوجھ بنتا جا رہا تھا۔ صبح ہی سے اس کے آس پاس منڈلانا اور اس کی توجہ حاصل کرنے کی کوشش کرنا ڈیمین کا معمول ہو گیا تھا۔ اس وقت بھی وہ سن روم میں ایک پہیوں والا کھلونا پرشور انداز میں دوڑاتا پھر رہا تھا۔ کھلونا بار بار کیتھی کی کرسی سے ٹکراتا۔

اور کیتھی کو یقین تھا کہ ڈیمین بالارادہ اسے اس کی کرسی سے ٹکرا رہا ہے۔ اور ڈیمین اپنے منہ سے ریلوے انجن کی سی آواز نکال رہا تھا۔

''مسز بے لاک۔'' بالآخر کیتھی نے بلند آواز میں پکارا۔

رابرٹ تھورن اس وقت اخبار کھول رہا تھا۔ کیتھی کے لہجے کی تندی نے اسے دہلا دیا۔ ''کیا بات ہے ڈیر، کوئی گڑبڑ ہے؟'' اس نے پوچھا

''ڈیمین۔ میں یہ شور برداشت نہیں کر سکتی۔''

''اب ایسا بھی نہیں ڈیئر کہ یہ......''

''مسز بے لاک۔'' کیتھی نے پھر پکارا۔

بھاری بھرکم آیا تقریباً بھاگتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ ''جی مادام؟''

''بچے کو یہاں سے لے جاؤ'' کیتھی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''لیکن کیتھی ڈیر، یہ بے چارہ بس کھیل ہی تو رہا ہے۔'' رابرٹ نے احتجاج کیا۔

''تم اسے یہاں سے لے جاؤ۔'' کیتھی نے اسے نظر انداز کرتے ہوئے دہرایا۔ وہ مسز بے لاک سے مخاطب تھی۔

''بہت بہتر مادام۔'' مسز بے لاک نے کہا۔

مسز بے لاک ڈیمین کا ہاتھ تھام کر اسے کمرے سے باہر لے چلی۔ ڈیمین نے پلٹ کر اپنی ماں کو دیکھا۔ رابرٹ تھورن کو اس کی آنکھوں میں دکھ اور اذیت نظر آئی تو وہ تڑپ اٹھا۔ کیتھی اسے نظر انداز کر کے ناشتے میں مصروف رہی۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کیتھی کہ ہم نے بچے کی آرزو کیوں کی تھی۔''

''اپنے امیج کے لیے۔''

''کیا؟ کیا کہہ رہی ہو؟'' رابرٹ کو شاک لگا۔

''بچہ کیوں نہ ہوتا رابرٹ۔'' کیتھی نے کہا۔ ''ایک خوب صورت فیملی خوبصورت بچے کے بغیر کیسے مکمل ہو سکتی ہے۔''

اس کے لہجے نے رابرٹ کو ہلا دیا۔ ''کیتھی......''

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ ہے نا؟ یہ تو ہم نے سوچا ہی نہیں تھا کہ بچے کو پالنے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ ہم نے تو صرف یہ سوچا کہ ایک خوبصورت بچے کے ساتھ ہماری تصویریں اخبارات میں چھپیں گی تو لوگوں کو کیسا لگے گا۔ وہ ہمارے بارے اچھے انداز میں سوچیں گے۔ ہمارا امیج بہتر ہوگا۔''

رابرٹ گنگ ہو کر رہ گیا۔ وہ منہ کھولے حیرت سے کیتھی کو گھور رہا تھا۔

کیتھی بھی اس کی آنکھوں میں براہ راست دیکھنے لگی۔ ''میں نے غلط تو نہیں کہا۔ ٹھیک ہے نا؟''

''کیا یہ وہ نفسیاتی امداد ہے، جو ڈاکٹر گریئر سے تمہیں مل رہی ہے۔''

''ہاں''

''تب تو میرا خیال ہے کہ مجھے اس سے بات کرنی ہوگی۔''

''ضرور کرو۔ اسے بھی تم سے کوئی بات کرنی ہے۔''

کیتھی کا انداز بے حد بلاواسطہ اور سرد تھا۔ رابرٹ کا خیال تھا کہ جو کچھ کیتھی کہنا چاہتی ہے، وہ سمجھ رہا ہے۔ ''تم ہی بتا دو، کیا بات ہے؟''

''بات یہ ہے رابرٹ کہ ہم ایک مسئلے سے دوچار ہیں۔''

''کچھ بتاؤ تو۔''

''مجھے اب کوئی بچہ نہیں چاہیے رابرٹ۔''

رابرٹ اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا اور مزید وضاحت کا منتظر تھا۔

''تمہیں اس میں کوئی اعتراض تو نہیں؟''

''میں تو تمہاری خوشی میں خوش ہوں، جو تمہاری مرضی'' رابرٹ نے کہا۔

''تو تمہیں اسقاط حمل پر کوئی اعتراض نہیں؟''

رابرٹ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ وہ ایسا ذہنی جھٹکا تھا، جس سے وہ آسانی سے نہیں سنبھل سکتا تھا۔

''میں امید سے ہوں رابرٹ۔ کل صبح مجھے پتہ چلا ہے۔'' کیتھی نے کہا۔

چند لمحے خاموشی میں گزرے۔ رابرٹ کا سر گھوم رہا تھا۔

''تم نے میری بات سنی ہے؟'' کیتھی نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

''یہ...... یہ کیسے ممکن ہے؟'' رابرٹ کی آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں تھی۔

''ممکن تو ہے۔ کبھی کبھی حفاظتی انتظامات غیر موثر ہو جاتے ہیں۔''

''تمہیں یقین ہے کہ تم امید سے ہو؟''

''بالکل یقین ہے ابھی زیادہ وقت نہیں ہوا ہے۔''

رابرٹ کا چہرہ سپید پڑ گیا تھا۔ ہاتھ لرز رہے تھے۔ اور وہ میز کو گھور رہا تھا۔ ''تم نے کسی کو بتایا اس بارے میں؟'' اس نے پوچھا۔

''صرف ڈاکٹر گریئر کو معلوم ہے۔''

''تمہیں یقین ہے؟''

''کس بارے میں پوچھ رہے ہو...... یہ کہ میں اسقاط چاہتی ہوں؟''

''نہیں...... وضع حمل کے بارے میں۔''

''مجھے پورا یقین ہے۔''

رابرٹ کا جسم شل ہو گیا تھا۔ لگتا تھا کہ ایک انگلی ہلانا بھی اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ اور وہ خلا میں کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہا تھا۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر میکانیکی انداز میں ریسیور اٹھا لیا۔

''ہاں...... ہاں، میں بول رہا ہوں۔'' اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

دوسری طرف سے سنتے ہوئے اس کی نگاہوں میں الجھن در آئی۔ وہ کیتھی کو تک رہا تھا۔ ''کیا......؟ تم کون ہو بھئی؟ ہیلو؟ ہیلو؟''

دوسری طرف سے فون رکھ دیا گیا تھا۔ لیکن رابرٹ ریسیور کان سے لگائے ساکت بیٹھا تھا۔

''کیا ہوا؟ کون تھا؟'' کیتھی نے اس کی کیفیت سے پریشان ہو کر پوچھا۔ ''کیا بات ہے؟''

''کچھ اخبارات کے بارے میں......''

''کچھ اخبارات میں چھپا ہے......؟''

''کسی نے ابھی مجھے کال کیا اور کہا کہ آج کے اخبار پڑھوں۔''

اس نے میز پر فولڈ ہوئے رکھے اخبارات کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اخبار کھولتے ہی اس کی نظر پہلے ہی صفحے پر ایک تصویر پر پڑی۔ وہ یوں سٹ کر رہ گیا، جیسے اس کے جسم پر کسی نے کوڑا مارا ہے۔

''کیا بات ہے؟ پریشان کیوں ہو؟'' کیتھی نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

لیکن رابرٹ جواب دینے کے قابل نہیں تھا۔ کیتھی نے ہاتھ بڑھا کر اخبار اس سے لے لیا۔ اس نے دیکھا، وہ بڑی خوف ناک تصویر تھی۔ ایک کھڑکی کا پول ایک شخص کے جسم کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوا زمین میں گڑ گیا تھا۔ کیپشن...... پادری پراسرار حالات میں مصلوب۔ ناقابل فہم المیہ۔

کیتھی نے اخبار سے سر اٹھا کر اپنے شوہر کو دیکھا۔ وہ بہت الجھا اور دہلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھاما، جو برف کی طرح سرد ہو رہا تھا۔

''رابرٹ...... کیا بات ہے؟'' اس نے پکارا۔

رابرٹ اٹھا اور کمرے سے نکلنے لگا۔

''تم اسے جانتے تھے؟''

رابرٹ نے جواب نہیں دیا۔ کیتھی نے پھر تصویر کو دیکھا۔ وہ خبر پڑھنے لگی۔ اسی دوران اسے رابرٹ کی کار اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ جب تک وہ اٹھ کر جھانکتی، رابرٹ کی گاڑی باہر جا چکی تھی۔

کیتھی پھر خبر پڑھنے لگی......

''بشپ انڈسٹریل اسکول کی تیسری جماعت کی ٹیچر مسز جیمز کے لیے وہ دن اور دنوں کی طرح ہی شروع ہوا تھا۔ وہ جمعے کا دن

تھا۔ جس وقت بارش شروع ہوئی، وہ بچوں کو ریڈنگ کرانے کی تیاری کر رہی تھیں۔ حالانکہ بارش کا رخ ایسا نہیں تھا کہ کھڑکی سے اندر آتی۔ لیکن بارش کے شور سے بچنے کے لیے انہوں نے کھڑکی بند کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ اسکول کی انتظامیہ کو اس پرانی کھڑکی کے بارے میں کئی بار خبردار کر چکی تھیں کہ اسے کھولنے کے لیے پٹ میں اٹکایا جانے والا پول ڈھیلا ہو چکا ہے۔

بہر حال کل وہ پول پوری طرح اپنے کنڈے سے نکل گیا اور تیسری منزل سے عمودی حالت میں نیچے گرا۔ بدقسمتی سے ایک راہ گیر اس وقت بارش سے پناہ لینے کے لیے بلڈنگ کے نیچے آ کر کھڑا ہوا تھا۔ پول اس کے سر پر گرا اور پورے جسم کو پروتا ہوا زمین میں گڑ گیا۔ وہ موقع پر ہی ختم ہو گیا۔

پولیس نے ابھی تک اس راہ گیر کی شناخت جاری نہیں کی ہے اور اس کے لواحقین کو تلاش کر رہی ہے۔

کیتھی کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ بظاہر تو رابرٹ سے اس کا کوئی تعلق نظر نہیں آ رہا تھا۔ اسی الجھن میں اس نے رابرٹ کے دفتر فون کیا۔ لیکن وہ ابھی تک وہاں نہیں پہنچا تھا۔ اس نے پیغام چھوڑا کہ وہ آفس پہنچتے ہی گھر فون کر لے۔

دوپہر ہو گئی اور رابرٹ نے کال نہیں کیا۔ گویا وہ ابھی تک آفس نہیں پہنچا تھا۔

اب کیتھی نے اپنے سائیکاٹرسٹ ڈاکٹر گریٹر کو فون کیا۔ لیکن وہ بھی مصروف تھا، اور فون اٹینڈ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے بعد اس نے آخری کال اسپتال کی اور اسقاطِ حمل کے انتظامات کے سلسلے میں بات کر لی۔

❁..........❁..........❁

اخبار میں پادری کی آخری تصویر دیکھنے کے بعد رابرٹ تھورن اپنی گاڑی میں بیٹھ کر لندن کی طرف چلا۔ وہ بہت تیز ڈرائیو کر رہا تھا۔ لیکن اس کا ذہن اس سے زیادہ تیزی سے سوچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

کیتھی حاملہ تھی۔ پادری کی بات درست ثابت ہوئی تھی۔ اور اب جو کچھ بھی ٹیسون نے اس سے کہا تھا، وہ اس میں سے کسی ایک بات کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے پادری کی پارک میں آخری ملاقات کو یاد کرنے کی کوشش کی۔ ٹیسون نے کیا کیا کہا تھا۔ اس نے کوئی نام لیا تھا اور چند مقامات کے نام تھے، جہاں جانے کو وہ کہہ رہا تھا...... کسی سے ملنے کو کہہ رہا تھا۔ لیکن اب اسے کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔ وہ کوشش کر رہا تھا کہ خود کو پرسکون کر لے۔ اب تک جو کچھ بھی ہوا، وہ اسے یاد رہے۔

کیتھی سے اس کی گفتگو...... پھر وہ گمنام فون کال آئی تھی۔ ''آج کے اخبار پڑھو'' اس آواز نے کہا۔ آواز جانی پہچانی لگ رہی تھی۔ لیکن وہ اسے پہچاننے میں ناکام رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ایسا کون ہے جو پادری کے اس سے تعلق سے باخبر ہے۔

یہ سوچتے ہوئے اسے اچانک اسی فوٹوگرافر حنیف کا خیال آ گیا۔ بالکل درست...... وہ آواز اسی کی تھی۔

اپنے آفس پہنچ کر رابرٹ نے خود کو اپنے کمرے میں بند کر لیا۔ پھر اس نے انٹر کام پر اپنی سیکرٹری کو حنیف کا فون ملانے کی ہدایت کی۔

تھوڑی دیر بعد سیکرٹری نے بتایا کہ حنیف کے فون نمبر پر ریکارڈ پیغام چل رہا ہے کہ وہ اس وقت باہر ہے۔

رابرٹ نے اس سے نمبر لیا اور خود ملا کر دیکھا۔ ریکارڈ ڈ پیغام حنیف کی اپنی آواز میں تھا۔ اور وہ وہی آواز تھی، جس نے صبح فون کر کے اسے اخبار پڑھنے کا مشورہ دیا تھا۔ سوال یہ تھا کہ حنیف نے فون پر اپنا نام کیوں نہیں بتایا؟ وہ کس طرح کا کھیل کھیل رہا ہے؟

پھر سیکرٹری نے اسے بتایا کہ کیتھی نے کال کیا تھا اور اسے فون کرنے کو کہا تھا۔ لیکن رابرٹ نے فی الوقت اسے فون کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اس سے اسقاط حمل کے بارے میں بات کرے گی۔ اور ابھی وہ اس موضوع پر بات کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

''وہ اسے مار ڈالے گا۔'' اس کے کانوں میں فادر ٹیسون کی آواز گونجی۔ ''وہ اسے رحم مادر ہی میں ختم کر دے گا۔''

رابرٹ نے ڈاکٹر چارلس گریٹر کا نمبر ملایا۔ ''میں آ رہا ہوں۔ مجھے تم سے ایک اہم معاملے پر بات کرنی ہے۔''

٭٭٭

ڈاکٹر گریٹر کے لیے اس کی آمد غیر متوقع نہیں تھی۔ وہ کیتھی کی ذہنی ابتری اور پراگندگی کو دیکھ چکا تھا۔ اینگزائٹی اور ٹوٹ پھوٹ کے درمیان ایک بہت باریک لکیر ہوتی ہے۔ پچھلے چند دنوں میں وہ کیتھی کو اس لکیر کے دونوں طرف ڈولتے دیکھ چکا تھا۔ وہ اس کیفیت کو سمجھ سکتا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ کیتھی کی دہشت حد سے گزر سکتی ہے...... اسی حد تک کہ وہ اپنی جان لینے کی کوشش بھی کر سکتی ہے۔

''کوئی بھی نہیں جان سکتا کہ خوف کتنی گہرائی تک سرایت کر چکا ہے۔'' ڈاکٹر نے رابرٹ سے کہا۔ ''لیکن میں یہ بات وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ مسز تھورن جذباتی ٹوٹ پھوٹ کے بہت قریب ہیں۔''

رابرٹ تھورن اعصاب زدہ سا بیٹھا ڈاکٹر گریٹر کو ادھر ادھر ٹہلتے دیکھ رہا تھا۔

''میں یہ سب پہلے بھی دیکھ چکا ہوں۔ یہ ایسا ہے، جیسے مال گاڑی دھیرے دھیرے رفتار پکڑتی ہے۔''

''تو تمہارے خیال میں اس کی حالت پہلے سے زیادہ ابتر ہے؟'' رابرٹ نے لرزتی آواز میں پوچھا۔

''میں یہ کہوں گا کہ وہ ابتری کی طرف تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہیں۔''

''تم اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتے؟''

''میں ہفتے میں دو بار انہیں وقت دیتا ہوں۔ لیکن میرے خیال میں انہیں مستقل نگہداشت کی ضرورت ہے۔''

''تم دبے لفظوں میں اسے پاگل قرار دے رہے ہو؟''

''میرے خیال میں وہ ایک خیالی دنیا میں جی رہی ہیں۔ اور وہ خیالی دنیا بہت خوفناک ہے۔ مسز تھورن اس خوف کے زیر اثر جی رہی ہیں۔''

''میں نہیں سمجھا، تم کس خیالی دنیا کی بات کر رہے ہو۔''

گریٹر سوچ میں پڑ گیا، جیسے فیصلہ کرنے کی کوشش کر رہا ہو کہ کھل کر بات کرے یا نہیں۔ بالآخر اس نے کہا۔ ''ان کی ایک فنتاسی تو یہ ہے کہ ان کے خیال میں ان کا بچہ درحقیقت ان کا نہیں ہے۔''

رابرٹ تھورن کے لیے وہ دن ہی ایسا تھا۔ شاک پر شاک لگ رہے تھے۔ وہ بیٹھے کا بیٹھا رہ گیا، جیسے مفلوج ہو گیا ہو۔

''اب میں اسے خوف نہیں کہوں گا۔ بلکہ اسے ان کی دبی ہوئی، کچلی ہوئی خواہش قرار دوں گا۔ لاشعوری طور پر وہ ماں بننا نہیں چاہتی تھیں۔ اب اس خواہش کو پورا کرنے کی یہی ایک صورت ہے کہ وہ سمجھیں کہ ان کا بچہ دراصل ان کا نہیں ہے۔ کم از کم جذباتی سطح پر وہ یہی سمجھتی ہیں۔''

رابرٹ ابھی تک نہیں سنبھلا تھا کہ اس پر کچھ تبصرہ کر پاتا۔

''دیکھیے ...... میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ ان کے لیے بچے کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔'' گریئر نے وضاحت ضروری سمجھتے ہوئے کہا۔ ''اس کے برعکس وہ بچہ ہی ان کی زندگی کی اہم ترین چیز ہے۔ لیکن کسی نامعلوم سبب سے وہ اسی سے خطرہ محسوس کر رہی ہیں۔ خطرے کی نوعیت کا میں اندازہ نہیں لگا سکا ہوں۔''

بالآخر رابرٹ تھورن کی زبان کھلی۔ ''لیکن اسے بچے کی بہت شدید آرزو تھی۔''

''آپ کی خاطر...... !آپ کی خوشی کے لیے؟''

''نہیں...... ہرگز نہیں۔ یہ اس کی اپنی آرزو تھی۔ وہ ماں بننا چاہتی تھی۔''

''لاشعوری طور پر وہ ماں بن کر خود کو آپ کا اہل ثابت کرنا چاہتی تھیں۔ انہیں ڈر تھا کہ یہ نہ ہوا تو وہ آپ کے نزدیک بے وقعت ہو جائیں گی۔''

رابرٹ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں مایوسی تھی۔

''اور اب ماں بننے کے بعد وہ محسوس کرتی ہیں کہ وہ ایک ماں کے فرائض ادا کرنے کی اہلیت سے محروم ہیں۔'' چارلس گریئر نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''چنانچہ وہ اپنی نااہلی چھپانے کے لیے عذر تراشنے کی کوشش کرتی ہیں۔ وہ سوچتی ہیں کہ یہ بچہ ان کا نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو شیطان کا......''

''کیا......؟ کیا......؟'' رابرٹ دہل کر رہ گیا۔

''وہ اس سے محبت نہیں کر سکتیں۔'' گریئر نے کہا۔ ''اب اس کی وجہ بھی ظاہر کرنی ہو گی۔ کیونکہ ایک ماں کے لیے یہ غیر فطری بات ہے۔ سو انہوں نے یہ وجہ گھڑ لی......''

''وہ کہتی ہے کہ بچہ شیطان کا ہے؟'' رابرٹ نے لرزتی آواز میں پوچھا۔ اس کا بہت برا حال تھا۔ چہرہ خوف سے چیخ رہا تھا۔

''اس وقت ان کے لیے یہ سوچنا ضروری ہے۔ ایک اور بچہ ان کے لیے تباہ کن ہو گا۔''

''کیسے؟ اسی طرح...... یعنی وہ اسے بھی شیطان سمجھے گی؟''

''یہ تو موجودہ بچے کے بارے میں ان کی فنتاسی ہے۔''

رابرٹ نے گہری سانس لی۔ اس کا دل بگڑ رہا تھا، جی متلا رہا تھا۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔'' گریئر نے اسے تسلی دی۔

''ڈاکٹر......؟''رابرٹ ہچکچا رہا تھا۔

''جی......کہیے۔''

لیکن رابرٹ کہہ نہیں سکا۔دونوں خاموش بیٹھے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

''آپ کچھ کہہ رہے تھے۔''ڈاکٹر نے اسے ترغیب دی۔وہ سمجھ گیا تھا کہ رابرٹ تھورن کچھ کہنا چاہتا ہے۔لیکن کہتے ہوئے ڈرتا ہے۔

رابرٹ اب بھی خاموش تھا۔اس کے ہونٹ بے آواز ہل رہے تھے۔

''مسٹر تھورن، آپ ٹھیک تو ہیں؟''

''میں خوف زدہ ہوں۔''رابرٹ نے سرگوشی میں جواب دیا۔

''یہ تو فطری ہے۔صورت حال ہی ایسی ہے۔''

''کچھ بہت خوفناک ہو رہا ہے۔اور بہت خوفناک ہونے والا ہے۔''

''بہر حال آپ دونوں اس سے گزر جائیں گے۔خیر و عافیت کے ساتھ۔''

''تم سمجھ ہی نہیں رہے ہو۔''

''میں سمجھ رہا ہوں مسٹر تھورن۔''

''نہیں ڈاکٹر۔دراصل تم کچھ بھی نہیں جانتے۔''

''آپ یقین کریں، میں جانتا بھی ہوں اور سمجھتا بھی ہوں۔''

رابرٹ کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔اس نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔

''آپ بہت دباؤ میں ہیں۔بڑا بوجھ ہے آپ پر۔اور آپ کو اس کا پوری طرح اندازہ بھی نہیں ہے۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔''

''سب سے پہلے تو آپ کو اسقاط کی منظوری دینی چاہیے۔''

رابرٹ نے سر اٹھایا اور ڈاکٹر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا۔پھر اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔''نہیں۔ہر گز نہیں۔''

''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔''ڈاکٹر کے لہجے میں حیرت تھی۔''دیکھیں، اگر آپ کسی مذہبی فلسفے کے تحت انکار کر رہے ہیں تو......''

''نہیں۔''

''تو آپ اس کی ضرورت سمجھیں......''

''نہیں۔مجھے اس کی ضرورت نظر نہیں آتی۔''رابرٹ کے لہجے میں قطعیت تھی۔''اور میں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔''

''یہ ضروری ہے مسٹر تھورن۔''

''نہیں۔''

چارلس گریٹر اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ رابرٹ تھورن کو بڑی بدمزگی سے دیکھ رہا تھا۔ ''میں آپ کے انکار کی وجہ جاننا چاہوں گا۔''

رابرٹ پھر اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ ''مجھے پہلے ہی خبردار کر دیا گیا تھا کہ یہ حمل ضائع کر دیا جائے گا۔ لیکن میں اس خطرے سے لڑوں گا۔ میں اسے بچانے کی کوشش کروں گا۔''

ڈاکٹر کی نگاہوں میں الجھن بھی تھی اور فکر مندی بھی۔

''میں جانتا ہوں کہ میری بات سن کر تم سمجھو گے کہ میں بھی پاگل ہوں۔ اور ممکن ہے، ایسا ہو بھی۔'' رابرٹ نے کہا۔

''ایسا کیوں کہہ رہے ہیں آپ۔''

رابرٹ کے جبڑے بھنچ گئے۔ ''یہ حمل برقرار رہ گیا تو میں یقین کرنے سے بچ جاؤں گا۔ اور میں یقین نہیں کرنا چاہتا۔''

''کیسا یقین؟''

''وہ یقین جو میری بیوی کو ہے۔ یہ یقین کہ میرا بچہ......'' رابرٹ کہتے کہتے رکا۔ الفاظ جیسے اس کے حلق میں پھنس گئے۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی آنکھوں کا تاثر اس درندے کا سا تھا، جس نے خطرے کی بو سونگھ لی ہو اور چوکنا ہو گیا ہو۔ ایک وجدانی سوچ ایک مہیب موج کی طرح اس کے اندر چھا گئی تھی۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ کچھ ہونے والا ہے۔

''مسٹر تھورن؟''

''معاف کرنا ڈاکٹر......''

''پلیز مسٹر تھورن، آپ بیٹھ جائیں۔''

لیکن رابرٹ نے سر جھکا اور کمرے سے نکل گیا۔ باہر نکلتے ہی وہ زینے کی طرف لپکا۔ بلڈنگ سے نکل کر وہ بھاگتا ہوا اسی طرف بڑھا، جہاں اس نے کار پارک کی تھی پریشانی کا احساس اس کے وجود میں بھرتا چلا جا رہا تھا۔

وہ کار کے پاس پہنچا۔ اس نے چابی نکال کر دروازہ کھولا۔ کار اسٹارٹ کرتے ہی اس نے ایکسیلیٹر دبایا اور پوری رفتار کے ساتھ یوٹرن لیا۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ کوئی بڑی بات ہونے والی ہے۔ اسے فوری طور پر گھر پہنچنا چاہیے۔

اس نے گاڑی کو ہائی وے پر ڈال دیا۔ پیری فورڈ تک آدھے گھنٹے کی مسافت تھی۔ مگر نجانے کیوں، اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ وقت پر گھر نہیں پہنچ پائے گا۔ سڑک پر ٹریفک معمول کے مطابق تھا۔ وہ بار بار ہارن بجاتا اور گاڑیوں کو اوورٹیک کرتا جا رہا تھا۔

پیری فورڈ ہاؤس میں کیتھی کو بھی نامعلوم تشویش کا احساس ہو رہا تھا۔ ایک بے نام خوف تھا جو اس کے دل میں چٹکیاں لے رہا تھا۔ اس سے بچنے کے لیے اس نے خود کو گھریلو کاموں میں الجھا لیا تھا۔ اس وقت وہ دوسری منزل کی لینڈنگ پر پودوں کو پانی دینے والا جھرنا ہاتھ میں لیے کھڑی تھی۔ وہ یہ سوچ رہی تھی کہ بالکنی پر لٹکے ہوئے گملوں تک کیسے پہنچے۔ اسے ان پودوں کو پانی دینا تھا۔ لیکن ڈر تھا کہ پانی دو منزل نیچے ٹائلڈ فلور

پر بکھر جائے گا۔ اس کے عقب میں پلے روم تھا، جہاں ڈیمین اپنے پہیوں والے کھلونے کو دوڑاتے ہوئے ٹرین کی سی آوازیں نکال رہا تھا۔ وہ کھلونے پر سوار تھا اور اسے تیز سے تیز تر کیے جا رہا تھا۔ اس رفتار کی مناسبت سے ٹرین کی آواز بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ مسز بے لاک پلے روم کے ایک گوشے میں یوں آنکھیں بند کیے کھڑی تھی، جیسے مصروف دعا ہو۔ وہ کیتھی کو نظر نہیں آ رہی تھی۔

ہائی وے پر رابرٹ تھورن اپنی کار پاگلوں کی طرح چلا رہا تھا۔ اب اس کی گاڑی روڈ M40 پر تھی، جو اسے سیدھا پیری فورڈ لے جاتا۔ اس کے چہرے سے اعصابی کشیدگی ہویدا تھی۔ اسٹیئرنگ وھیل کو اس نے سختی سے دبوچ رکھا تھا۔ کار کی ہر حرکت کے ساتھ اس کے جسم میں کھنچاؤ نظر آتا تھا۔ کار سیاہ چکنی سڑک پر اتنی تیزی سے دوڑ رہی تھی کہ باہر سے دیکھنے والوں کو بس ایک نقرئی لکیر سی نظر آتی۔ اس کے مقابلے میں وہ دو کاریں جنہیں وہ پیچھے چھوڑ رہی تھی، ساکت نظر آ رہی تھیں رابرٹ تھورن پسینے میں نہا گیا تھا۔ آگے نظر آنے والی ہر کار اس کے لیے اوورٹیک کرنے والا ہدف تھی۔ وہ ہارن بجائے جا رہا تھا اور اس کے جواب میں ہر کار اسے راستہ دے رہی تھی۔ پولیس کا خیال آیا تو اس نے عقب نما آئینے میں دیکھا۔ وہاں اسے ایک بڑی سیاہ کار اپنی کار کے پیچھے نظر آئی۔ وہ اس کا پیچھا کر رہی تھی اور اس کا اس کی کار سے درمیانی فاصلہ مسلسل کم ہو رہا تھا۔

رابرٹ کے چہرے پر خوف کا تاثر جم کر رہ گیا!

پیری فورڈ میں ڈیمین اپنی کھلونا گاڑی کی رفتار مسلسل بڑھا رہا تھا۔ ہال وے میں کیتھی ایک اسٹول لے آئی تھی اور اب اس پر چڑھ رہی تھی۔ ڈیمین کے کمرے میں مسز بے لاک بچے کو یوں گھور رہی تھی، جیسے اپنے وجود کی پوری قوت سے بچے کو گاڑی مزید تیز چلانے کی تلقین کر رہی ہو۔ اور وہ اس میں کامیاب بھی تھی۔ کیونکہ ڈیمین اپنی گاڑی کی رفتار بڑھائے جا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر اور آنکھوں میں وحشت ہی وحشت تھی۔

اپنی کار میں رابرٹ تھورن نے ایکسیلیٹر پر دباؤ ڈالا۔ یہاں تک کہ مزید دبنے کی گنجائش نہیں رہی۔ سیاہ کار اب بہت قریب آ گئی تھی۔ عقب نما میں وہ اس کے ڈرائیور کو دیکھ سکتا تھا، جو بے حد سرد نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ رابرٹ کا اسپیڈو میٹر 90 پر تھا۔ پھر سوئی بڑھتے بڑھتے 110 پر جا پہنچی۔ لیکن سیاہ کار سے درمیانی فاصلہ جوں کا توں تھا۔

رابرٹ اب ہانپ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ معقولیت اور ہوش وحواس سے دور جا چکا ہے۔ اسے گاڑی روک دینی چاہیے تھی۔ لیکن وہ نہیں روک رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ سیاہ گاڑی اسے اوورٹیک کرے۔ اس کی کار اس رفتار کے نتیجے میں احتجاجی آوازیں نکال رہی تھی۔ لیکن اسے پروا نہیں تھی۔

''نہیں......'' اس نے کراہتے ہوئے کہا۔ ''نو......نو......''

سیاہ گاڑی اب اس کی گاڑی کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی، اور پھر وہ دھیرے دھیرے آگے نکلنے لگی۔ رابرٹ اسٹیئرنگ پر ہاتھ مار مار کر جیسے اپنی گاڑی سے رفتار بڑھانے کا مطالبہ کر رہا تھا۔

سیاہ گاڑی آگے نکل رہی تھی۔ اب رابرٹ نے دیکھا کہ سیاہ گاڑی کے عقبی حصے میں ایک تابوت رکھا ہے۔

پیری فورڈ میں ڈیمین کی کھلونا گاڑی کی رفتار اور بڑھ گئی تھی۔ بے جان کھلونا گاڑی پر جیسے دیوانگی طاری تھی۔ وہ پورے کمرے میں ادھر

سے ادھر اور ادھر سے ادھر ناچتی پھر رہی تھی۔ باہر حال وے میں اسٹول پر چڑھی ہوئی کیتھی بالکنی سے لٹکے ہوئے پودوں کے گملوں کی طرف ہاتھ بڑھا رہی تھی۔

ہائی وے پر سیاہ جنازہ گاڑی رابرٹ کی کار کو اوورٹیک کر چکی تھی۔ رابرٹ تھورن کے حلق سے خون کو ٹھٹھرا دینے والی چیخ نکلی۔ اسی لمحے پیری فورڈ ہاؤس میں ڈیمین تھورن کی کھلونا گاڑی میزائل کی طرح کمرے سے نکلی اور اسٹول سے ٹکرائی۔ کیتھی کے قدم اکھڑے اور وہ آگے کی طرف گری۔ اس کے دونوں ہاتھ کچھ تھامنے کی کوشش میں مچلے۔ لیکن وہاں خلا کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اس نے بالکنی کی ریلنگ پکڑنے کی کوشش کی۔ وہ اسے تو نہیں پکڑ سکی۔ لیکن گولڈ فش کا گول باؤل بھی اس کے ساتھ ہو گیا۔ کیتھی کے حلق سے ایک چیخ نکلی اور وہ گرتی گئی۔

چیخ معدوم ہوئی اور نیچے فرش پر کیتھی کے ٹکرانے کی آواز ابھری۔ ایک لمحے بعد گولڈ فش کا باؤل فرش سے ٹکرایا اور کرچی کرچی ہو گیا۔

کیتھی فرش پر بے حس و حرکت پڑی تھی۔ جبکہ اس کے پہلو میں ایک نازک گولڈ فش فرش پر پھیلے پانی میں تڑپ رہی تھی۔

☼..........☼..........☼

رابرٹ تھورن اسپتال پہنچا۔ اخباری نمائندے وہاں پہلے ہی سے موجود تھے۔ رابرٹ کی آنکھوں کے سامنے فلش بلب جگمگانے لگے۔ رپورٹرز چیخ چیخ کر اس سے سوالات الگ کر رہے تھے۔ رابرٹ بڑی مشکل سے جگہ بناتا اور اس دروازے کی طرف بڑھا، جس پر...... انتہائی نگہداشت کا کمرہ...... تحریر تھا۔

وہ گھر پہنچا تو اس نے مسز بے لاک کو ہسٹیریائی کیفیت میں پایا تھا۔ بڑی مشکل سے اس نے اسے بتایا کہ کیتھی دوسری منزل سے گر گئی ہے اور اسے ایمبولینس میں سٹی ہاسپٹل لے جایا گیا ہے۔

''مسٹر تھورن، آپ کی اہلیہ کی کیا کنڈیشن ہے؟'' ایک رپورٹر نے چیخ کر پوچھا۔

''مجھے راستہ دو۔'' رابرٹ نے کہا۔

''کہتے ہیں کہ وہ اوپر سے گری ہے۔''

''مجھے اندر جانے دو۔''

''وہ بچ جائیں گی نا......؟''

رابرٹ دروازہ کھول کر اندر گیا۔ دروازہ بند ہوا تو رپورٹرز کی آوازوں سے چھٹکارا ملا۔ وہ ہال میں تیز قدموں سے بڑھتا رہا۔

''ایمبیسیڈر تھورن؟''

''جی...... میں رابرٹ تھورن ہوں۔''

ڈاکٹر تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ ''میرا نام بیکر ہے۔''

''میری بیوی کا کیا حال ہے؟'' رابرٹ نے مضطربانہ لہجے میں پوچھا۔

''وہ بہت بری طرح گری ہیں۔ سر میں اندرونی چوٹیں ہیں۔ کالر بون میں فریکچر ہے۔ کچھ اندرونی جریان خون بھی ہے۔ تاہم وہ سنبھل جائیں گی۔''

''وہ......وہ حاملہ بھی ہے۔''

''جی نہیں......''

رابرٹ کی سانسیں رکنے لگیں۔ ''کیا......کیا حمل ضائع ہوگیا؟''

''جہاں فرش پر وہ گری تھیں، وہاں کے خون کا میں تجزیہ کرانا چاہتا تھا۔ لیکن ہمارے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی آپ کے بیٹے کی گورنس پوری طرح صفائی کر چکی تھی۔''

رابرٹ کا جسم لرزنے لگا۔ وہ سہارے کے لیے دیوار سے ٹک گیا۔

''یہ حادثہ کیسے ہوا، ہم اس کی تفصیل کسی کو نہیں بتائیں گے۔ عام لوگوں کو جتنا کم معلوم ہو، اتنا ہی اچھا ہے۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

رابرٹ اسے غور سے دیکھنے لگا۔ ڈاکٹر کو احساس ہوگیا کہ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔

''آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی بیوی نے چھلانگ لگائی تھی دوسری منزل سے؟''

''کیا......؟ چھلانگ لگائی!''

''جی ہاں۔ دوسری منزل کی بالکنی سے۔ آپ کے بچے اور گورنس کی نگاہوں کے سامنے۔''

رابرٹ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے دیوار کی طرف منہ پھیر لیا۔ اس کے کندھوں کی لرزش سے ڈاکٹر نے سمجھ لیا کہ وہ رو رہا ہے۔

''جس طرح سے وہ گری تھیں، ایسے میں عموماً پہلے سر زمین سے ٹکراتا ہے۔ اس اعتبار سے آپ خود کو خوش قسمت سمجھ سکتے ہیں۔ وہ سر کے بل گری ہوتیں تو بچ نہیں سکتی تھیں۔''

رابرٹ نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ وہ اپنے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''خود کو سنبھالیں۔ روئیں نہیں۔ آپ کو تو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ وہ بچ گئیں۔ اور اگر مناسب خیال رکھا گیا تو وہ دوبارہ ایسی کوشش نہیں کریں گی۔ میری اپنی سالی میں بھی خودکشی کا رجحان تھا۔ وہ ٹوسٹر لے کر باتھ ٹب میں جا لیٹی۔ بجلی کا زبردست شاک لگا تھا۔''

رابرٹ نے پلٹ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ ''اب وہ کہاں ہیں۔؟''

''سوئٹزرلینڈ میں۔''

''میں اپنی بیوی کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔''

''اوہ سوری۔ وہ روم نمبر 4A میں ہیں۔''

رابرٹ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق چل دیا۔

کیتھی کے کمرے میں خاموشی اور اندھیرا تھا۔ کارنر میں ایک نرس کرسی پر بیٹھی کسی میگزین کی ورق گردانی کر رہی تھی۔ رابرٹ کمرے میں داخل ہوتے ہی ٹھٹھک گیا۔ اسے شاک لگا تھا۔ کیتھی کی حالت ایسی تھی کہ اس سے دیکھا نہیں جا رہا تھا۔ اس کا چہرہ متورم اور نیلا ہو رہا تھا۔ پلازما کی بوتل سے ایک ٹیوب سوئی کے ذریعے اس کے بازو میں لگی تھی۔ دوسرے ہاتھ پر پلاسٹر چڑھا تھا۔ وہ بے ہوش تھی۔ اس کے چہرے پر زندگی کی رمق نہیں تھی۔

''یہ سو رہی ہیں۔'' نرس نے کہا۔

رابرٹ بوجھل قدموں سے بڑھا اور بیڈ کے قریب جا کھڑا ہوا۔

کیتھی کو نجانے کیسے اس کی موجودگی کا احساس ہوا۔ وہ کراہی اور اس نے بہت آہستہ سے سر گھمایا۔

''کیا یہ تکلیف میں ہے؟'' رابرٹ نے لرزتی آواز میں نرس سے پوچھا۔

''یہ بہت طاقت ور مسکن دواؤں کے زیرِ اثر ہے۔'' نرس نے جواب دیا۔

رابرٹ کیتھی کے پاس بیٹھ گیا۔ پھر اس نے سر بیڈ پر ٹکایا اور رونے لگا۔ کچھ دیر بعد اسے احساس ہوا کہ کیتھی کا ہاتھ اس کے سر پر ہے۔

''رابرٹ ......'' کیتھی نے سرگوشی میں پکارا۔

رابرٹ نے سر اٹھا کر دیکھا۔ کیتھی آنکھیں کھولنے کے لیے جدوجہد کر رہی تھی۔

''کیتھی۔'' رابرٹ کی آنسوؤں میں بھیگی ہوئی آواز سسکی سے مشابہ تھی۔

''اسے مجھ کو قتل نہ کرنے دینا رابرٹ۔'' کیتھی نے کہا۔ پھر اس کی آنکھیں مند گئیں اور وہ سو گئی۔

❂..........❂..........❂

رابرٹ آدھی رات کے بعد گھر واپس پہنچا۔ دیر تک وہ نیچے اندھیرے میں کھڑا رہا۔ یہ وہ جگہ تھی، جہاں کیتھی گری تھی۔ ٹائل کے فرش پر کیتھی کے خون کے ہلکے ہلکے دھبے نظر آ رہے تھے۔ وہ عجیب سی کیفیت میں ان دھبوں کو دیکھتا رہا۔ تھکن اس کے جسم کے ریشے ریشے میں سرایت کر گئی تھی۔ اور وہ نیند کو ترس رہا تھا۔ جو المیہ رونما ہوا تھا، اس کے احساس سے بچنے کے لیے ایک نیند ہی کا راستہ رہ گیا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ ایک دن میں...... صرف ایک دن میں زندگی یوں بدل گئی ہے۔ کہ اب کبھی پہلے جیسی نہیں ہو سکے گی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ کسی کی بددعا لگ گئی ہے۔ یا اس پر کوئی لعنت مسلط ہو گئی ہے۔

رابرٹ وہیں کھڑا زینے کو دیکھتا رہا۔ وہ اوپر چڑھا اور اس لینڈنگ کو دیکھنے لگا، جہاں سے کیتھی نے چھلانگ لگائی تھی۔ اس نے کودنے کے لیے تیار ہوتی ہوئی کیتھی کا تصور کرنے کی کوشش کی۔ ایک بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اگر کیتھی سنجیدگی سے اپنی جان لینا چاہتی تھی تو اسے دوسری منزل کی بجائے چھت سے کودنا چاہیے تھا۔ اور خودکشی کے اور بھی بہت سے طریقے تھے۔ گھر میں نیند کی گولیاں بھی بڑی تعداد میں موجود تھیں۔ ریزر بلیڈ بھی تھے۔ اور بھی بہت کچھ تھا۔ کودنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور وہ بھی ڈیمین اور مسز بے لاک کی آنکھوں کے سامنے!

اسے پھر پادری ٹیسون کا خیال آیا اور اس کی تنبیہہ یاد آئی۔ وہ اس بچے کو رحم مادر میں ہی ختم کر دے گا۔ پھر وہ تمہاری بیوی کو قتل کرے گا۔ اور جب اسے یقین ہو جائے گا کہ اب تمہاری ہر چیز کا وارث وہ ہے تو وہ تمہیں بھی......''

اس نے آنکھیں بند کر لیں اور ذہن سے یہ سب کچھ جھٹکنے کی کوشش کی۔ اسے پول میں پروئے ہوئے ٹیسون کی تصویر یاد آئی۔ پھر فوٹو گرافر حنیف کی فون کال کا خیال آیا۔ اور یہ یاد آیا کہ جنازہ گاڑی کو دیکھ کر ہائی وے پر اس کی کیا کیفیت ہوئی تھی۔ کیسے اسے یقین تھا کہ گھر پر کچھ بہت ہی برا ہونے والا ہے۔ سائیکاٹرسٹ نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ وہ اعصابی دباؤ میں ہے۔ بعد میں اس کے طرزِ عمل نے یہ بات ثابت کر دی تھی۔ کیتھی کے خوف اسے بھی منتقل ہو گئے تھے۔ اسے کوشش کرنا ہو گی کہ وہ ہوشمند رہے...... پاگل پن سے محفوظ!

اسے جسمانی کمزوری کا احساس ہو رہا تھا۔ اندھیرے میں سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ اس وقت نیند بہت ضروری ہے۔ ایک بھرپور نیند لے کر وہ اٹھے گا۔ تو صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے تیار ہو گا۔ کھوئی ہوئی توانائی بحال ہو چکی ہو گی۔

اپنے کمرے کے دروازے پر وہ رکا۔ اس نے تاریک ہال میں ڈیمین کے کمرے کی طرف دیکھا دروازے کی نچلی درز سے روشنی کی لکیر باہر آ رہی تھی۔ اس نے تصور میں ڈیمین کو پرسکون نیند سوتے دیکھا۔ اس کا جی چاہا کہ وہ بچے کو دیکھے۔ وہ دبے قدموں اس کے کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ خود کو یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ لیکن ڈر اس کے اندر موجود تھا۔ اس یقین دہانی سے اسے کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

اس نے ڈیمین کے کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھولا...... اور وہ بھی بڑی آہستگی سے۔ لیکن دروازہ کھلتے ہی جو کچھ اسے نظر آیا، اس نے اسے دہلا دیا۔ اس کا جسم لرزنے لگا۔

ڈیمین سو رہا تھا۔ لیکن وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ایک جانب مسز بے لاک دونوں ہاتھ سینے پر باندھے خلا میں گھور رہی تھی۔ اور دوسری

طرف وہ بے حد جسیم کتا بیٹھا تھا۔ وہی کتا، جسے اس نے چند ہفتے پہلے بھی دیکھا تھا۔ وہی کتا، جسے اس نے جنگل میں دیکھا تھا۔ وہ کتا بے حد چوکنے انداز میں بیٹھا اس کے بیٹے کی رکھوالی کر رہا تھا۔

رابرٹ کی سانسیں بے ترتیب ہونے لگیں۔ اس نے بڑی آہستگی سے دروازہ بند کیا اور بغیر چاپ پیدا کیے الٹے پیروں واپس ہوا۔ اپنے کمرے میں دروازے پر پہنچ کر اس نے سکون کا سانس لیا۔ وہ وہاں کھڑا اپنی سانس درست کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس کا جسم اب بھی لرز رہا تھا۔

اسی وقت جیسے خاموشی کا شیشہ چٹخ گیا۔ وہ فون کی آواز تھی۔ وہ دروازہ کھول کر تیزی سے فون کی طرف لپکا۔

''ہیلو......؟'' اس نے ریسیور اٹھا کر کہا۔

''میں حنیف بول رہا ہوں۔ یاد ہے...... وہ فوٹو گرافر جس کا کیمرہ آپ نے توڑا تھا۔''

''ہاں۔ مجھے یاد ہے۔''

''میں چیلسی میں ہوں۔ آپ فوراً مجھ سے ملنے یہاں آ جائیں۔''

''کیا بات ہے؟''

کچھ تو ہے مسٹر تھورن۔ اور ایسا ہے کہ آپ کو معلوم ہونا چاہیے۔''

✿..........✿..........✿

حنیف کا اپارٹمنٹ پس ماندہ علاقے میں تھا۔ رابرٹ کو اسے تلاش کرنے میں بڑی دشواری پیش آئی۔ ادھر بارش بھی شروع ہو گئی تھی۔ سب کچھ دھندلا دھندلا نظر آ رہا تھا۔ عین اس وقت جب وہ مایوس ہونے لگا تھا، اسے وہ بلڈنگ نظر آ گئی۔

حنیف اپنے اپارٹمنٹ کی بے ترتیبی پر شرمندہ تھا۔ اسے احساس تھا کہ اس کا مہمان بہت بڑا آدمی ہے۔ اس کے آنے سے پہلے اسے صفائی کرنی چاہیے تھی۔ اس نے جلدی جلدی میلے کپڑے الماری میں ٹھونسے۔ بیڈ پر بکھرے ہوئے کمبل کو تہ کیا۔ پھر اس نے دروازہ کھولا۔ کیونکہ وہ کھڑکی سے رابرٹ تھورن کو آتا ہوا دیکھ چکا تھا۔

پانچویں منزل پر پہنچتے پہنچتے رابرٹ ہانپ چکا تھا۔ اس کا چہرہ راکھ رنگ ہو رہا تھا۔

''آپ پسند کریں تو میں آپ کو برانڈی پیش کروں؟''

''پلیز......''

''لیکن یہ آپ کے شایان شان نہیں۔ آپ تو بہت اعلیٰ درجے کی پیتے ہوں گے۔''

''کوئی بات نہیں۔ اس وقت تو مجھے ڈرنک کی ضرورت ہے۔''

حنیف نے دروازہ بند کیا اور کوٹھری میں چلا گیا۔ رابرٹ تھورن اس کے ڈارک روم کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہاں سرخ چمک دار روشنی تھی۔ دیواروں پر جابجا فوٹو گراف لٹکے ہوئے تھے۔ وہ سب بڑے سائز کے تھے۔

حنیف ایک بوتل اور دو گلاس اٹھا لایا۔ ایک گلاس بھر کے اس نے رابرٹ کی طرف بڑھایا۔ ''یہ لیجئے۔ یہ آپ کو دھماکہ جھیلنے کے قابل بنادے گی۔''

رابرٹ جام لے کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔

''چیرز'' حنیف نے اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''سگریٹ پئیں گے؟''

رابرٹ نے نفی میں سر ہلایا۔ فوٹو گرافر کے انداز کی بے پروائی اس کے اعصاب پر مزید بوجھ ڈال رہی تھی۔ ''تم مجھے کچھ بتانا چاہتے تھے۔'' اس نے حنیف کو یاد دلایا۔

''جی ہاں۔''

''میں تمہاری بات سمجھ نہیں سکا تھا۔ ایسا کیا ہے، جو مجھے معلوم ہونا چاہیے؟''

حنیف اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ ''آپ کو ابھی تک معلوم نہیں۔''

''نہیں۔''

''تو پھر آپ یہاں کیوں آئے ہیں۔''

''تم نے فون پر کوئی واضح بات جو نہیں کی تھی۔''

حنیف نے سر ہلایا۔ ''جی ہاں۔ میں واضح بات کر بھی نہیں سکا تھا۔ وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔''

''کچھ بتاؤ تو، کیا ہے؟''

''فوٹو ہیں۔'' حنیف نے گلاس خالی کر کے رکھا اور ڈارک روم میں چلا گیا۔ پھر اس نے اشارے سے رابرٹ کو بلایا۔ ''میں نے سوچا پہلے آپ کو انٹرٹین کروں۔''

''میں بہت تھکا ہوا ہوں۔''

''جو میں دکھانے والا ہوں، اسے دیکھ کر آپ کا دل پھر سے دھڑکنے لگے گا۔''

اس نے چند فوٹوز کے اوپر لگی اسپاٹ لائٹس آن کیں۔ رابرٹ اس کے پاس ہی ایک اسٹول پر بیٹھ گیا تھا۔

''ان تصویروں کو پہچانتے ہیں آپ؟''

وہ ڈیمین کی چوتھی سالگرہ کی پارٹی کی تصویریں تھیں۔ ایک تصویر میں ڈیمین کی پہلی آیا چیسا جوکر کے کاسٹیوم میں اکیلی کھڑی تھی۔ پس منظر میں حویلی تھی۔ ''ہاں پہچانتا ہوں۔'' رابرٹ نے کہا۔

''اب ایک نظر اس تصویر کو دیکھیں۔'' حنیف نے تصویر ہٹائی۔ اسے کے نیچے ایک اور تصویر تھی۔ اس میں جھولا جھولتے ہوئے بچے تھے اور کیتھی انہیں دیکھ رہی تھی۔

حنیف نے وہ تصویر بھی ہٹائی۔ نیچے ایک اور تصویر تھی۔ وہ بھی چیسا کی تھی۔ اس تصویر میں چیسا اداس نظر آ رہی تھی۔ اس کے پس منظر میں حویلی تھی۔ ''اس تصویر میں آپ کو کوئی غیر معمولی بات نظر آ رہی ہے؟''

''نہیں۔''

حنیف نے انگلی سے تصویر کے اس حصے کو ہلایا، جہاں چیسا کی گردن اور سر کے پاس دھند کا دھبہ سا تھا۔ ''پہلے میں اسے تصویر کا نقص سمجھتا تھا۔'' حنیف نے کہا ''لیکن آپ اگلی تصویر بھی دیکھیں۔''

اس تصویر میں چیسا چھت سے لٹکی ہوئی تھی۔ وہ اس کی خودکشی کے بعد کی تصویر تھی۔

''میں کچھ سمجھا نہیں۔''

''ابھی سمجھ جائیں گے۔''

حنیف نے وہ تصویریں ہٹائیں اور تصویروں کی ایک اور گڈی اٹھائی۔ اس میں سب سے اوپر پادری ٹیسون کی تصویر تھی، جس میں وہ امریکن ایمبیسی سے نکل کر باہر آ رہا تھا۔ ''اس تصویر کے بارے میں کیا کہتے ہیں آپ؟''

رابرٹ نے تصویر دیکھی اور پھر بدمزگی سے اسے دیکھا۔ ''یہ تمہیں کہاں سے ملی؟''

''یہ میں نے کھینچی ہے۔''

''تم نے کہا تھا کہ تم اسی شخص کو ڈھونڈ رہے تھے۔ اور یہ تمہارا رشتہ دار ہے۔''

''میں نے جھوٹ کہا تھا۔ آپ بس تصویر کو غور سے دیکھیں۔'' حنیف نے تصویر میں پادری کے سر پر لٹکے ہوئے دھند نما دھبے کو انگلی سے چھوا۔

''یہ...... یہ اس کے سر پر سایہ......؟''

''جی ہاں۔ اور یہ تصویر دیکھیں۔ یہ اس تصویر کے دس دن بعد کھینچی گئی ہے۔'' حنیف نے تصویر ہٹا کر دوسری تصویر دکھائی۔ وہ آڈیٹوریم کے عقبی حصے میں لوگوں کے ایک گروپ کی تصویر تھی۔ ٹیسون کا چہرہ تو تصویر میں نہیں نظر آ رہا تھا۔ لیکن پادریوں والا لبادہ واضح تھا۔ اس تصویر میں بھی جہاں پادری کا سر ہوگا، وہاں دھند کا وہی دھبہ نظر آ رہا تھا۔

''میرا اندازہ ہے کہ یہ اسی پادری کی تصویر ہے۔ اس کا چہرہ تو نظر نہیں آ رہا ہے۔ لیکن دھند کا وہ دھبہ نمایاں ہے۔'' حنیف نے کہا۔

رابرٹ تصویر کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں الجھن تھی۔

''آپ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کریں کہ پادری کا سر کہاں ہونا چاہیے۔ تب آپ دیکھیں گے کہ اس تصویر میں دھند کا یہ دھبہ سر سے اتر کر گردن تک آ پہنچا ہے۔ دس دن پہلے کی تصویر میں یہ اس کے سر اور چہرے پر تھا۔ یہ جو کچھ بھی ہے، متحرک ہے۔''

رابرٹ نے تصویر کو غور سے دیکھا۔ حنیف کی بات درست تھی۔ وہ گنگ ہو کر رہ گیا۔

حنیف نے وہ تصویر ہٹائی اور اس کی جگہ اخبارات کے صفحہ اول پر شائع ہونے والی، ٹیسون کی موت کے بعد کی تصویر رکھ دی۔ ''اب دیکھیں۔''

رابرٹ کو فرق نظر آ گیا۔ پہلی تصویروں میں دھند کا وہ دھبہ متحرک تھا۔ جبکہ اس آخری تصویر میں وہ ساکت تھا۔ آیا چیسا کی تصویروں میں بھی فرق نظر آ رہا تھا۔ جس تصویر میں وہ چھت سے لٹکی نظر آ رہی تھی، اس میں دھند کا وہ دھبہ ساکت تھا۔

''بات آپ کی سمجھ میں آ رہی ہے؟'' حنیف نے پوچھا۔

اچانک ایک خودکار ٹائمر کی آواز گونجی۔ حنیف نے ایک اور لائٹ آن کر دی۔ پھر وہ رابرٹ کی طرف مڑا جو اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ''میں ابھی اس کی وضاحت نہیں کر سکتا۔ اسی لیے تو میں نے تفتیش شروع کی تھی۔''

اس نے کیمیائی محلول میں چٹکی ڈال کر ایک بڑی کی ہوئی تصویر پکڑی اور باہر لٹکائی۔ اسے جھٹک کر وہ خشک کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر اس تصویر کو وہ روشنی کے سامنے لے گیا۔

''پولیس میں میرے اچھے خاصے تعلقات ہیں۔ انہوں نے مجھے کچھ نیگیٹو دیے تھے۔ جن سے میں نے تصویریں بڑی کر کے بنائی ہیں۔ کورونر کی رپورٹ کے مطابق وہ کینسر کے آخری اسٹیج پر تھا۔ تقریباً ہر وقت وہ مارفین کے اثر میں رہتا تھا۔ دن میں تین بار وہ مارفین کے انجکشن لیتا تھا۔''

رابرٹ تھورن کی نظر اس بڑی کی ہوئی تصویر پر پڑی تو وہ پلک جھپکا کر رہ گیا۔ وہ تین تصویریں تھیں...... پادری کی برہنہ لاش کی تصویریں!

''ظاہری طور پر...... بیرونی طور پر اس کا جسم بالکل نارمل تھا۔'' حنیف کہہ رہا تھا۔ ''لیکن آپ ذرا اس کی بائیں ران کے اندر والے حصے کو دیکھیں۔'' یہ کہہ کر اس نے رابرٹ کی طرف طاقتور محدب عدسہ بڑھایا۔

رابرٹ نے عدسہ لے کر جسم کے مجوزہ حصے کو دیکھا۔ بہت غور سے دیکھنے پر اسے وہ نشان نظر آیا۔ وہ گودا ہوا نشان لگتا تھا۔ ''یہ کیا ہے؟''

''چھ کے تین ہندسے...... چھ سو چھیاسٹھ۔''

''کسی نازی عقوبتی کیمپ کی نشانی؟''

''پہلے میں نے بھی یہی سوچا تھا۔ لیکن ڈاکٹری رپورٹ کہتی ہے کہ یہ گودا گیا ہے۔ عقوبتی کیمپوں میں یہ سب کچھ نہیں ہوتا تھا۔ یہ تو خود کردہ معلوم ہوتا ہے۔''

ان دونوں کے درمیان نگاہوں کا تبادلہ ہوا۔ رابرٹ کی نگاہوں میں الجھن تھی۔

حنیف نے ایک اور تصویر اٹھائی اور اسے روشنی کے سامنے لے آیا۔ ''یہ وہ کمرا ہے، جہاں وہ رہتا تھا۔ سوہو میں ایک کمرے کا چھوٹا سا اپارٹمنٹ، میں نے وہ فلیٹ دیکھا ہے۔ ہم وہاں پہنچے تو فلیٹ چوہوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ نمکین گوشت کا ادھا کھایا ٹکڑا چھوڑ گیا تھا۔ چوہے دعوت اڑا رہے تھے۔'' رابرٹ تھورن نے تصویر کا جائزہ لیا۔ وہاں صرف ایک میز، ایک بیورو، اور ایک بیڈ تھا۔ دیواروں پر مڑے تڑے صفحے چپکائے گئے تھے۔ جو بے حد عجیب لگ رہے تھے۔ اس کے علاوہ ہر جگہ بڑی بڑی صلیبیں لٹکی ہوئی تھیں۔

''یہ جو کاغذ ہیں۔ یہ بائبل کے صفحات ہیں۔'' حنیف نے وضاحت کی۔ ''ہزاروں صفحات! دیوار پر ایک انچ کی جگہ بھی ایسی نہیں تھی، جہاں بائبل کا صفحہ نہ چپکایا گیا ہو۔ حد یہ ہے کہ اس نے کھڑکیوں کو بھی ان صفحات سے ڈھانپ دیا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ کسی شیطانی چیز کو کمرے میں داخل ہونے سے روک رہا تھا۔''

رابرٹ تھورن حیرت زدہ بیٹھا اس تصویر کو تکے جا رہا تھا۔

''اور صلیبیں بھی لاتعداد تھیں۔ اکتالیس صلیبیں تو صرف داخلی دروازے پر گاڑی گئی تھیں۔'' حنیف نے کہا۔

''وہ......وہ پاگل تھا!'' رابرٹ نے سرگوشی میں کہا۔

حنیف نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ جانتے ہیں کہ بات یہ نہیں ہے۔''

حنیف نے ایک دراز کھولی اور ایک بوسیدہ سا فولڈر نکالا۔ ''پولیس نے اسے مذہبی دیوانہ قرار دے کر نظر انداز کر دیا۔'' وہ بولا۔ ''میں ابھی آپ کو دکھاتا ہوں۔''

وہ نشست گاہ میں چلا آیا۔ رابرٹ تھورن اس کے پیچھے تھا۔ حنیف نے فولڈر کو میز پر الٹ دیا۔ تمام چیزیں میز پر بکھر گئیں۔ ''یہ اس کی ڈائری ہے۔'' حنیف نے بوسیدہ ڈائری اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ اس کے متعلق کچھ نہیں بتاتی۔ ہاں آپ کے......آپ کی مصروفیات کے متعلق بتاتی ہے۔ آپ آفس سے کب نکلے......کہاں گئے......کہاں پہنچے......کہاں تقریر کی......''

''ذرا مجھے دکھاؤ۔''

''ضرور دیکھیں۔''

رابرٹ تھورن نے کانپتے ہاتھوں سے ڈائری کھولی اور آہستہ آہستہ ورق گردانی کرتا رہا۔

''اس کا آخری اندراج بتاتا ہے کہ اس کی آپ سے ملاقات طے تھی...... کیوز گارڈن میں۔ اور یہ اندراج اسی تاریخ کا ہے، جب اس کی موت واقع ہوئی۔ میرا خیال ہے، پولیس کو پتا چل جائے تو وہ اس معاملے میں خصوصی دلچسپی لینے لگے گی۔''

رابرٹ نے سر اٹھایا اور اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ ''وہ پاگل تھا۔''

''میں ایسا نہیں سمجھتا۔''

حنیف کے لہجے میں دھمکی تھی۔ اور وہ ٹکٹکی باندھے اسے گھور رہا تھا۔ رابرٹ جھرجھری لے کر رہ گیا۔ ''تم کیا چاہتے ہو؟''

''آپ اس سے ملے تھے؟''

''نہیں''

''مسٹر ایمبیسیڈر، میرے پاس اور معلومات بھی ہیں۔ لیکن جب تک آپ مجھے حقیقت نہیں بتائیں گے۔ میں وہ آپ کو نہیں دوں گا۔''

''تمہیں اس معاملے میں اتنی دلچسپی کیوں ہے؟'' رابرٹ کی آواز پھنکار سے مشابہ تھی۔

''میں آپ کا دوست ہوں۔ آپ کے کام آنا چاہتا ہوں۔''

رابرٹ تھورن کے جسم میں تناؤ تھا اور نظریں حنیف کے چہرے پر جمی تھیں۔

''بہت اہم چیزیں یہاں موجود ہیں۔ آپ چاہیں تو تبادلہ معلومات کر لیں۔ چاہیں تو رخصت ہو جائیں۔''

رابرٹ دانت پیس رہا تھا ''تم کیا جاننا چاہتے ہو؟''

''آپ نے پارک میں اس سے ملاقات کی تھی؟''

''ہاں''

''اس نے کیا کہا آپ سے؟''

''اس نے مجھے تنبیہہ کی تھی۔''

''کس سلسلے میں؟''

''اس نے کہا کہ میری زندگی کو خطرہ ہے۔''

''کس نوعیت کا خطرہ؟''

''اس کی باتیں مبہم اور غیر واضح تھیں۔''

''مجھے بے وقوف نہ بنائیں۔''

''یہ بات نہیں۔ اس کی گفتگو ہوش مندانہ نہیں تھی۔''

حنیف ایک قدم پیچھے ہٹا اور اسے اشتباہ آمیز نظروں سے دیکھتا رہا۔

''وہ بائبل سے اقتباس سنا رہا تھا۔ مجھے ٹھیک سے یاد نہیں۔ میں اسے پاگل سمجھ رہا تھا۔ اس کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔'' میں سچ بتا رہا ہوں۔ مجھے یاد نہیں کیونکہ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔''

حنیف کے انداز میں اب بھی اشتباہ تھا اور رابرٹ اس سے نظریں چرا رہا تھا۔

''دیکھیں...... آپ کو مجھ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔'' حنیف نے کہا۔

''تم نے کہا کہ تمہارے پاس اور اہم معلومات ہیں؟''

''لیکن پہلے آپ کو پوری حقیقت اگلنی ہو گی۔''

''اب میرے پاس بتانے کو کچھ اور ہے ہی نہیں۔''

حنیف نے بے بسی سے کندھے جھٹکے، سر ہلایا اور میز پر بکھری ہوئی چیزوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس نے ان میں سے اخبار کا ایک تراشہ نکالا اور رابرٹ تھورن کی طرف بڑھایا۔

''یہ ماہنامہ منجم کا تراشہ ہے۔اس میں ایک غیر معمولی فلکیاتی واقعے کی رپورٹ چھپی ہے۔ایک شہاب ثاقب چمکتا ہوا ستارہ بن گیا......دو ہزار سال پہلے والے ستارہ بیت اللحم کی طرح۔''

رابرٹ نے اس آرٹیکل کا جائزہ لیا۔وہ بار بار اپنے چہرے سے پسینہ پونچھ رہا تھا۔

''فرق صرف اتنا ہے کہ یہ تازہ واقعہ مغرب میں ہوا...... براعظم یورپ میں۔'' حنیف نے اپنی بات جاری رکھی۔''اور یہ چار سال پرانی بات ہے......تاریخ تھی......6 جون۔یہ تاریخ سن کر آپ کے دماغ میں کوئی گھنٹی بجتی ہے؟''

''ہاں۔''

''تو پھر آپ اس دوسرے تراشے کی اہمیت بھی سمجھ سکیں گے۔یہ روم کے ایک اخبار کے آخری صفحے پر چھپا تھا۔''

رابرٹ نے دوسرا تراشہ لیا اور اسے فوراً ہی پہچان بھی لیا۔وہ کیتھی کی اسکریپ بک میں موجود تھا۔

''یہ آپ کے بچے کی پیدائش کی خبر ہے۔تاریخ وہی ہے......چار سال پہلے کی 6 جون۔میں اسے اتفاق کہوں گا۔آپ کیا کہتے ہیں؟''

رابرٹ تھورن کے ہاتھ اس بری طرح کانپ رہے تھے اور تراشہ اس کے ہاتھوں میں یوں پھڑپھڑا رہا تھا کہ اس سے کچھ پڑھا نہیں جا رہا تھا۔

''آپ کا بیٹا چھ بجے پیدا ہوا تھا۔''

رابرٹ نے پرتشویش نگاہوں سے اسے دیکھا۔مگر بولا کچھ نہیں۔

''میں فادر ٹیسون کی ران کے اس نشان کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔میرا خیال ہے، یہ آپ کے بیٹے کی پیدائش سے تعلق رکھتا ہے۔چھٹا مہینا، چھٹا دن اور......''

''میرا بیٹا مر چکا ہے۔'' رابرٹ تھورن اچانک پھٹ پڑا۔''میرا بیٹا مر چکا ہے۔اور مجھے معلوم نہیں کہ میں جسے پال رہا ہوں، وہ کس کا بیٹا ہے۔'' اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔اس کی سانسیں بے حد ناہموار تھیں۔

''آپ مائنڈ نہ کریں مسٹر تھورن تو میں اس سلسلے میں آپ کی مدد کروں۔''

''نہیں۔یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے۔''

''آپ غلطی پر ہیں جناب۔'' حنیف نے سنگین لہجے میں کہا۔''یہ میرا مسئلہ بھی ہے۔''

رابرٹ نے چونک کر اسے دیکھا۔دونوں چند لمحے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے۔حنیف ڈارک روم میں گیا۔واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک اور تصویر تھی، جس سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔اس نے تصویر کو جھٹکا اور رابرٹ کی طرف بڑھا دیا۔''پادری کے کمرے کے ایک گوشے میں ایک چھوٹا سا آئینہ تھا۔'' حنیف وضاحت کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔''تصویریں لیتے ہوئے آئینے میں میرے اپنے عکس کی تصویر بھی بن گئی۔''

رابرٹ نے تصویر کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر شک نظر آیا۔

رابرٹ اس تصویر کو دیکھے جا رہا تھا۔ تصویر میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ اکثر فوٹوگرافر بے دھیانی میں اپنی اس طرح کی تصویر کھینچ جاتے ہیں۔ اس تصویر میں غیر معمولی بات یہ تھی کہ حنیف کے سر اور دھڑ میں کوئی رابطہ نہیں تھا۔ وہ گردن پر آتے ہوئے اس دھبے نما پھندے کی وجہ سے ایک دوسرے سے منقطع نظر آ رہے تھے۔ یہ وہی دھند کا دھبہ سا تھا، جو اس سے پہلے آیا چیسا اور فادر ٹیسون کی تصویروں میں وہ دیکھ چکا تھا۔

اور اب وہ دونوں مر چکے تھے!

کیتھی کا حادثہ رابرٹ تھورن کے لئے آئندہ چند روز تک آفس نہ آنے کا بہترین عذر تھا۔ اس نے اپنے اسٹاف کو بتایا کہ وہ کیتھی کے لئے ہڈیوں کے اسپیشلسٹ ڈاکٹر سے ملاقات کے لئے روم جا رہا ہے۔

روم تو اسے جانا تھا...... لیکن ایک دوسرے مشن پر۔ اس رات اس نے حنیف کو سب کچھ بتا دیا تھا۔ یہ تجویز حنیف کی ہی تھی کہ تفتیش کا آغاز وہیں سے کیا جائے، جہاں ڈیمین پیدا ہوا تھا۔ وہیں سے انہیں تصویری معمے کے گم شدہ ٹکڑے ملیں گے۔

اس نے بڑی خاموشی سے سفر کا انتظام کیا۔ اسے پریس والوں سے بچنا تھا۔ اس نے روم جانے کے لئے پرائیوٹ جیٹ طیارہ کرائے پر لیا۔ طیارہ روم کے اس رن وے پر اترا جہاں عام لوگوں کی رسائی نہیں تھی۔

روانگی سے پہلے حنیف تحقیقی مواد جمع کرنے میں مصروف رہا۔ اس کے پاس بائبل کے مختلف پرنٹ، پراسرار اور شیطانی علوم پر تین کتابیں اور باب الفتن کے ذیل میں ترتیب دی گئی احادیث کا ایک مجموعہ تھا۔

رابرٹ تھورن نے بڑے ہیٹ اور دھوپ کے چشمے کی مدد سے اپنا حلیہ ایسا بنا لیا تھا کہ کوئی اسے رابرٹ تھورن کی حیثیت سے شناخت نہیں کر سکتا تھا۔

پیری فورڈ میں خاموشی تھی۔ رابرٹ خاموش گھر میں چکراتا پھرا۔ اسے احساس ہوا کہ ہورٹن اور اس کی بیوی گھر چھوڑ کر جا چکے ہیں۔

وہ کچن میں داخل ہوا تو مسز بے لاک نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ ''وہ دونوں چلے گئے۔''

مسز بے لاک سنک کے پاس کھڑی ترکاری کاٹ رہی تھی۔ اس سے پہلے یہ کام ہمیشہ مسز ہورٹن کرتی تھی۔

''چلے گئے؟'' رابرٹ کے لہجے میں الجھن تھی۔ ''واپس کب آئیں گے؟''

''کبھی نہیں۔ وہ ملازمت چھوڑ گئے ہیں۔ انہوں نے آپ کے لئے ایڈریس دیا ہے۔ آپ ان کی پچھلے ماہ کی تنخواہ اس ایڈریس پر انہیں بھیج سکتے ہیں۔''

رابرٹ کے لئے وہ بہت بڑا شاک تھا۔ ''انہوں نے کوئی وجہ نہیں بتائی؟'' اس نے مسز بے لاک سے پوچھا۔

''آپ فکر نہ کریں سر۔ میں سب سنبھال لوں گی۔''

''مگر انہوں نے کوئی وجہ تو بتائی ہوگی۔''

''مجھے تو نہیں بتائی۔ ویسے بھی وہ مجھ سے بات کم ہی کرتے تھے۔ اصل میں ہورٹن یہ گھر چھوڑنے پر اصرار کر رہا تھا۔ مسز ہورٹن جانا نہیں چاہتی تھی۔''

رابرٹ پریشانی سے اسے گھورتا رہا۔ اسے مسز بے لاک اور ڈیمین کو گھر میں اکیلا چھوڑنے کے خیال سے خوف آ رہا تھا۔ لیکن وہ کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔ اسے تو ہر حال میں جانا تھا۔

''میں چند روز کے لئے شہر سے باہر جاؤں تو تم کام چلا لوگی؟''

''کیوں نہیں سر۔ گھر میں ضرورت کی ہر چیز دو ہفتے کے لئے موجود ہے۔ بلکہ میرا خیال ہے، ڈیمین کو یہ خاموشی اور سکون اچھا لگے گا۔''

رابرٹ نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ کچن سے نکلتے نکلتے وہ پلٹا۔ ''مسز بے لاک؟''

''لیس سر؟''

''وہ کتا؟''

''آپ بے فکر رہیں سر۔ شام تک وہ اس گھر سے جا چکا ہوگا۔''

''مجھے یہ بتاؤ کہ وہ ابھی تک گھر میں کیوں ہے۔''

''میں اسے باہر چھوڑ آئی تھی سر۔ لیکن وہ دوبارہ آ گیا۔ یہ حادثے والی رات کی بات ہے۔ ڈیمین کے اصرار کی وجہ سے مجھے اسے کمرے میں لانا پڑا۔ میں نے اسے سمجھایا تھا کہ آپ یہ پسند نہیں کریں گے۔ مگر صورت حال کے پیش نظر میں نے مناسب یہی سمجھا کہ......''

''میں اس کتے کو یہاں اب نہ دیکھوں۔''

''بہت بہتر جناب۔ میں آج ہی ہیومن سوسائٹی کو فون کر دوں گی۔''

رابرٹ جانے کے لئے مڑا۔

اس لمحے مسز بے لاک نے اسے پکارا۔ ''مسٹر تھورن؟''

رابرٹ پلٹا۔ ''کیا بات ہے؟''

''آپ کی وائف اب کیسی ہیں؟''

''وہ بہ تدریج سنبھل رہی ہے۔ اب کچھ بہتر ہے۔''

''کیا میں ڈیمین کو لے کر ان سے ملنے جا سکتی ہوں۔ آپ تو جا رہے ہیں نا۔''

رابرٹ چند لمحے اسے بغور دیکھتا رہا۔ وہ تولیے سے اپنے ہاتھ خشک کر رہی تھی۔ اس وقت وہ خالص گھریلو عورت لگ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس عورت کو اتنا ناپسند کیوں کرتا ہے۔ ''نہیں مسز بے لاک، تم نہ جانا۔ میں واپس آ جاؤں تو اسے ماں سے ملا لاؤں گا۔''

''بہت بہتر جناب۔''

رابرٹ پلٹا اور باہر نکل آیا۔

گھر سے نکل کر وہ اپنی کار خود ڈرائیو کر کے اسپتال گیا۔ وہاں ڈاکٹر بیکر سے اس کی بات ہوئی۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ کیتھی اس وقت جاگ رہی ہے اور خاصی پرسکون ہے۔ ''میں اسے کسی سائیکیٹرسٹ کو دکھانا چاہتا ہوں۔ آپ کی اجازت درکار ہے۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

رابرٹ نے اسے چارلس گریئر کا فون نمبر نوٹ کرا دیا۔

پھر وہ کیتھی کے کمرے میں گیا۔ اسے دیکھ کر کیتھی کے ہونٹوں پر کمزور سی مسکراہٹ ابھری۔ ''ہیلو۔'' اس کی آواز سرگوشی جیسی تھی۔

''ہیلو کیتھی۔ کچھ بہتر محسوس کر رہی ہو؟''

''ہاں، کسی حد تک۔''

''ڈاکٹر کہہ رہا ہے، تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔''

''مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے۔''

رابرٹ نے کرسی کھینچی اور اس کے پاس بیٹھ گیا۔ کیتھی اس عالم میں بھی اتنی خوب صورت لگ رہی تھی کہ اسے حیرت ہونے لگی۔ کھڑکی سے اندر آتی دھوپ اس کے بالوں سے کھیل رہی تھی۔

''تم اچھے لگ رہے ہو۔'' کیتھی نے کہا۔

''میں تمہارے بارے میں یہی بات سوچ رہا تھا۔''

وہ مسکرائی۔ ''میں جانتی ہوں، فی الوقت میں قابل دید نہیں ہوں۔''

رابرٹ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے۔

''کیسا عجیب وقت ہے یہ۔''

''کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے۔'' رابرٹ نے کہا۔

''کیا یہ ممکن ہے کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے۔''

''میرا خیال ہے، سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''تو پھر سب کچھ غلط کیوں ہو رہا ہے؟''

رابرٹ نے سر جھٹک دیا۔ اس بات کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

''اگر ہم بہت برے لوگ ہوتے تو میں کہتی، ٹھیک ہے۔ ہم اس کے مستحق تھے۔ لیکن ہم نے کوئی برائی نہیں کی۔ پھر ہمارے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟''

''یہ تو میں بھی سوچتا ہوں۔'' رابرٹ نے کہا۔

کیتھی اتنی دکھی، اتنی پریشان حال لگ رہی تھی کہ رابرٹ کا دل بھر آیا۔ ''مجھے چند روز کے لئے شہر سے باہر جانا ہے۔ تم اسپتال میں محفوظ رہوگی۔''

کیتھی کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔ اس نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔

''ایک ضروری کام سے جانا ہے۔'' رابرٹ نے وضاحت کی۔ ''ایسا کہ ٹالا نہیں جاسکتا۔''

''کتنے دن کے لئے جا رہے ہو؟'' کیتھی نے پوچھا۔

''تین دن کے لئے۔ تمہیں ہر روز کال کروں گا۔''

کیتھی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ رابرٹ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے کیتھی کی پیشانی کو چوما۔

''رابرٹ؟''

''کہو کیا بات ہے؟''

''وہ کہتے ہیں کہ میں نے چھلانگ لگائی تھی۔'' کیتھی کی نگاہوں میں بچوں کی سی الجھن تھی۔ ''انہوں نے تمہیں بھی یہی بتایا ہے۔''

''ہاں۔''

''ذرا سوچو۔ میں ایسا کیوں کرنے لگی۔''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ تمہیں یہی سمجھنے کی تو کوشش کرنی ہے۔''

''کیا میں پاگل ہوں؟''

رابرٹ اسے غور سے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ''شاید ہم سبھی پاگل ہیں۔'' اس نے سرگوشی میں کہا۔

کیتھی اپنا چہرہ اس کے چہرے کے قریب لے آئی۔ ''میں نے خود چھلانگ نہیں لگائی تھی۔'' وہ بولی۔ ''ڈیمین نے مجھے دھکا دیا تھا۔''

خاموشی کے چند طویل لمحے گزرے۔ پھر رابرٹ کمرے سے نکل آیا۔

✿ ✿ ✿

چھ نشستوں والے لیئر جیٹ میں رابرٹ تھورن اور حنیف ارشد کے سوا کوئی نہیں تھا۔ جہاز روم کے تاریک آسمان میں پرواز کر رہا تھا۔ جہاز کے اندر کے ماحول میں کشیدگی اور خاموشی تھی۔ حنیف اپنی کتابیں کھولے بیٹھا تھا۔ ''آپ یاد کریں...... بتائیں کہ فادر ٹیسون نے آپ سے کیا کہا تھا۔ کوشش کریں کہ لفظ بہ لفظ دہرا دیں۔''

''سب کچھ دھندلا دھندلا ہے۔ مجھے ٹھیک سے یاد نہیں آتا۔'' رابرٹ کے لہجے میں اذیت تھی۔

''آپ بالکل شروع سے بتائیں۔ کوشش تو کریں۔''

رابرٹ پادری ٹیسون سے اپنی ملاقات یاد کرنے لگا۔ ''کچھ ایسی بات کہی تھی اس نے...... سمندر سے ابھرنے کی ...... فوجوں کی

......موت کی......اور سلطنت روما کی......"

"ذہن پر اور زور دیں۔"

"میں نے دھیان بھی نہیں دیا۔ میں تو اسے پاگل سمجھ رہا تھا۔"

"دھیان سے نہ سہی، مگر آپ نے سنا تھا۔ یاد کریں۔"

"مجھے کچھ یاد نہیں۔"

"میں کہہ رہا ہوں نا، ذہن پر زور دیں۔"

رابرٹ کے چہرے پر فرسٹریشن تھا۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں اور ذہن پر زور دینے کی کوشش کی۔ لیکن ذہن پوری طاقت سے مزاحمت کر رہا تھا۔ "مجھے کچھ یاد آ رہا ہے۔" اس نے کہا۔ "وہ مجھے اچھا کرسچین بننے کی تلقین کر رہا تھا...... خوشامد کر رہا تھا۔ کہہ رہا تھا...... یسوع مسیح کے بن جاؤ۔"

"کس لئے؟"

"شیطان کے بیٹے کو شکست دینے کے لئے۔"

"اور کیا کہا تھا اس نے؟"

"ہاں......وہ کسی بوڑھے آدمی کے متعلق بات کر رہا تھا......"

"بوڑھا آدمی؟ کیسا بوڑھا آدمی؟"

"اس نے مجھ سے کہا کہ مجھے جا کر اس بوڑھے شخص سے ملنا چاہیے۔"

"ذہن پر اور زور دیں۔"

"مجھے اور کچھ یاد نہیں آ رہا ہے۔"

"اس نے بوڑھے شخص کا نام بھی تو بتایا ہوگا۔"

"مم......مگدو......ما گر......نہیں مگیدو۔ لیکن نہیں، یہ تو جگہ کا نام تھا۔"

"کون سی جگہ؟" حنیف اس پر مسلسل دباؤ ڈال رہا تھا۔

"اس نے کہا تھا کہ مجھے مگیدو جا کر اس بوڑھے سے ملنا چاہیے۔ ہاں...... مجھے پکا یاد ہے۔ اسی جگہ کا نام لیا تھا۔"

حنیف نے بریف کیس کھول کر نقشہ نکالا۔ اس کا انداز ہیجانی تھا۔ مگیدو......مگیدو بڑبڑاتے ہوئے وہ نقشے پر انگلی لہرا رہا تھا۔

"تم نے یہ نام سنا ہے؟" رابرٹ نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے، یہ جگہ اٹلی میں ہے۔"

لیکن اس کا خیال غلط تھا۔ اٹلی میں ہی نہیں، یورپ کے کسی بھی ملک میں اس نام کا کوئی شہر کوئی قصبہ نہیں تھا۔ حنیف آدھے گھنٹے تک نقشے کو ٹٹولتا رہا۔ پھر اس نے نقشے کو تہ کرتے ہوئے مایوسی سے سر جھٹکا۔ پھر اس نے رابرٹ کو دیکھا، جو اتنی دیر میں گہری نیند سو چکا تھا۔ اس نے رابرٹ کو جگایا نہیں۔ وہ اپنی کتابوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اب وہ نزول مسیح کی پیش گوئیوں کا مطالعہ کر رہا تھا۔ ایک بات طے تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے پہلے خروج دجال ہونا تھا۔ دجال جسے عیسائی اینٹی کرائسٹ کہتے ہیں...... مسیح دجال!

بائبل میں لکھا تھا...... مسیح دجال کی آمد ہوگی، جو انسانی روپ میں ابلیس کی اولاد ہوگا۔ وہ چار ٹانگوں والے جانور سے زنا کے نتیجے میں پیدا ہوگا۔ جیسے مسیح علیہ السلام نے محبت، نرمی، اور مہربانی کو فروغ دیا تھا، ویسے ہی یہ اینٹی کرائسٹ دنیا میں نفرت اور خوف پھیلائے گا۔ اسے احکامات براہ راست جہنم سے ملیں گے۔

جہاز کے پہیے رن وے سے ٹکرائے تو جہاز کو جھٹکا لگا۔ حنیف نے اپنی کتابیں سمیٹیں اور باہر دیکھا۔ روم میں بارش ہو رہی تھی۔ آسمان پر بجلی کے کوڑے گڑگڑاہٹ کے ساتھ لہرا رہے تھے۔

وہ تیزی سے سنسان ایئر پورٹ سے نکلے اور منتظر ٹیکسی تک پہنچے۔ ٹیکسی میں حنیف نے تھوڑی سی نیند لے لی۔ رابرٹ تھورن خاموش بیٹھا اپنے اور کیتھی کے بارے میں سوچتا رہا۔ کیا دن تھے، جب وہ دونوں جوان تھے، خوش امیدی سے سرشار تھے۔ ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے سڑکوں پر بے فکری سے مٹر گشت کرتے تھے۔ ان دنوں وہ کتنے معصوم تھے۔ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت تھی۔ کیتھی کے جسم کی خوشبو، اس کی ہنسی کی کھنک اسے اب بھی یاد تھی۔ وہ روم کو ایسے دریافت کر رہے تھے، جیسے کولمبس نے امریکہ دریافت کیا تھا۔ اور روم انہیں اپنا لگتا تھا...... ذاتی ملکیت۔

رابرٹ سوچ رہا تھا کہ اب شاید وہ کبھی پہلے جیسے نہیں ہو سکیں گے۔ وہ دن کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے۔

ٹیکسی ایک دم سے رکی۔ جھٹکا لگا تو وہ اپنے خیالوں کی دنیا سے باہر آ گیا۔

''آپ کی منزل آ گئی جناب۔'' ٹیکسی ڈرائیور نے کہا۔

حنیف کی آنکھ بھی کھل گئی تھی۔ رابرٹ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر الجھن تھی۔ ''یہ وہ جگہ نہیں ہے۔'' بالآخر اس نے کہا۔

''یہی جگہ ہے سر۔'' ڈرائیور منمنایا۔

''نہیں۔ وہ اینٹوں سے بنی پرانے طرز کی عمارت تھی۔'' رابرٹ نے کہا۔ ''مجھے اچھی طرح یاد ہے۔''

''کیا پتا درست ہے؟'' حنیف نے پوچھا۔

''ہاسپٹل ڈی سینٹو یہی ہے۔'' ڈرائیور کے لہجے میں اصرار تھا۔

''یہ بہت مختلف ہے۔'' رابرٹ بھی مصر تھا۔

اس بار ڈرائیور نے اطالوی زبان میں کچھ کہا۔

''یہ کیا کہہ رہا ہے؟'' حنیف نے رابرٹ سے پوچھا۔

''اس کا کہنا ہے کہ یہاں آگ لگی تھی۔''

''آگ!''

''شاید پرانی عمارت میں آگ لگ گئی تھی۔ اس پر یہ نئی عمارت تعمیر کی گئی ہے۔''

ڈرائیور نے پھر اطالوی جھاڑی۔ حنیف سوالیہ نظروں سے رابرٹ کو دیکھ رہا تھا۔

''تین سال پہلے آگ لگی تھی...... خطرناک آگ۔ بہت لوگ جل مرے تھے۔'' رابرٹ نے اسے بتایا۔

رابرٹ نے ڈرائیور کو کرایہ ادا کیا۔ اور اس سے انتظار کرنے کو کہا۔ پہلے تو اس نے انکار کر دیا۔ لیکن رابرٹ نے ڈالر دکھائے تو اس نے جلدی سے ہامی بھرلی۔ رابرٹ نے ٹوٹی پھوٹی اطالوی میں اسے سمجھایا کہ وہ روم سے واپسی تک اسے اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں۔

''میں اپنی بیوی کو فون کر کے بتا دوں۔ پھر واپس آتا ہوں۔'' ڈرائیور نے کہا۔

رابرٹ اور حنیف اسپتال میں داخل ہو گئے۔ انہیں ابتداء میں ہی مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ آدھی رات کے بعد کا وقت تھا۔ اسپتال کے ذمے داروں سے صبح سے پہلے ملاقات نہیں ہو سکتی تھی۔ حنیف اپنے صحافی ہونے کا فائدہ اٹھانے کی کوششوں میں لگ گیا۔

ادھر رابرٹ کو ایک ایسی نرس مل گئی جو انگریزی بول سکتی تھی۔ اس نے تصدیق کی کہ تین سال پہلے اسپتال میں اتنی خوف ناک آگ لگی تھی کہ کچھ بھی نہیں بچا تھا۔ پرانی عمارت پوری طرح تباہ ہو گئی تھی۔

''سب کچھ تو نہیں تباہ ہوا ہوگا۔'' رابرٹ نے کہا۔ ''اسپتال کا ریکارڈ......''

''میں اس وقت یہاں نہیں تھی۔ لیکن لوگ کہتے ہیں کہ کچھ بھی نہیں بچا تھا۔''

''ممکن ہے، ریکارڈ کہیں اور رکھا جاتا ہو۔''

''میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔''

رابرٹ کو مایوسی ہوئی۔ نرس اس سے زیادہ کچھ بتا نہیں سکتی تھی۔ ''اصل میں میرا معاملہ بہت اہم ہے۔'' اس نے کہا۔ ''میں نے یہاں سے ایک بچے کو گود لیا تھا۔ میں اس بچے کے والدین کے متعلق جاننا چاہتا ہوں۔''

''یہاں ایسا کچھ بھی نہیں ہوتا۔''

''میرا معاملہ ذرا مختلف ہے۔ وہ ایک انڈر اسٹینڈنگ کے تحت ہوا تھا۔''

''دیکھیں آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہاں یہ کام ریلیف ایجنسی کی وساطت سے ہوتا ہے۔''

''یہ بتاؤ، جو بچے یہاں پیدا ہوتے ہیں، ان کا ریکارڈ تو رکھا جاتا ہے۔''

''جی ہاں۔''

''تو اگر میں تمہیں بچے کی تاریخ پیدائش دوں تو.......۔''

''اس کا کچھ فائدہ نہیں۔'' حنیف نے بات کاٹ دی۔

رابرٹ نے سر گھما کر دیکھا۔حنیف اسی طرف آ رہا تھا۔اس کے چہرے پر بھی مایوسی تھی۔

''آگ ریکارڈ روم سے شروع ہوئی تھی۔'' حنیف نے بتایا۔'' کاغذات تمام وہیں تھے۔ ریکارڈ روم تو پہلے ہی مرحلے میں خاک ہو گیا۔ پھر زینوں نے آگ پکڑی تیسری منزل کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ تو جہنم کی مثال بن گئی تھی۔''

''تیسری منزل؟''

''وہاں نرسری تھی اور میٹرنٹی وارڈ تھے۔ سب کچھ راکھ ہو گیا تھا۔''

رابرٹ تھورن کو چکر آنے لگے۔ وہ لڑکھڑایا۔مگر دیوار سے ٹک گیا۔

''معاف کیجئے گا۔ مجھے جانا ہے۔'' نن نے کہا۔

''پلیز......دو منٹ اور دے دو مجھے۔'' رابرٹ نے التجائیہ لہجے میں کہا۔'' مجھے اسٹاف کے بارے میں بتائیں۔ بہت لوگ بچے بھی تو ہوں گے۔''

''جی ہاں......کچھ لوگ تھے۔''

''ایک لمبے قد کا، بھاری بدن کا پادری تھا۔''

''اس کا نام فادر اسپلیٹو تھا؟''

''ہاں......یہی نام تھا اس کا۔'' رابرٹ کے لہجے میں سنسنی در آئی۔

''وہ یہاں چیف آف سٹاف تھا۔''

''ہاں......وہ انچارج تھا۔کیا وہ......''

''وہ بچ گیا تھا۔''

''کیا وہ یہاں موجود ہے؟''

''نہیں۔''

''تو پھر کہاں......''

''وہ سوبیاکو کی خانقاہ میں ہے۔ بچنے والوں میں سے بہت سے وہاں لے جائے گئے تھے۔ ان میں سے کچھ مر گئے۔ مجھے اسپلیٹو کا نہیں معلوم۔ ممکن ہے، وہ بھی مر گیا ہو۔ بہر حال آگ سے وہ بچ نکلا تھا۔ مجھے یاد ہے۔ لوگ کہتے تھے کہ اس کا بچ جانا معجزہ ہی ہے۔ آگ لگی تو وہ تیسری

منزل پر تھا۔"

"سوبیا کو۔" حنیف نے دہرایا۔

نن نے اثبات میں سر ہلایا۔" وہاں سانتا بینی ڈکٹس کی خانقاہ ہے۔"

وہ باہر نکلے اور ٹیکسی کی طرف لپکے۔ حنیف پھر اپنا نقشہ کھول کر بیٹھ گیا۔ سوبیا کو اٹلی کی شمالی سرحد کے قریب تھا۔ وہاں پہنچنے کے لئے انہیں لمبا سفر کرنا تھا۔

ٹیکسی ڈرائیور پھر آنا کانی کرنے لگا۔ رابرٹ نے پھر نوٹ دکھائے اور وہ پھر راضی ہو گیا۔

حنیف نے اسے نقشہ دکھا کر سمجھایا۔ کیونکہ اب اس میں جاگنے کی ہمت نہیں تھی۔

لیکن سفر شروع ہوا تو ان سے سویا نہیں گیا۔ حنیف نے اپنی کتابیں کھول لیں۔ ٹیکسی اس وقت مضافات سے گزر رہی تھی۔

"افوہ......" اچانک حنیف کے منہ سے نکلا۔

رابرٹ اس کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ اس وقت بائبل کھولے بیٹھا تھا۔

"یہ تو بائبل میں موجود ہے...... پیش گوئیوں والے باب میں۔ جب یہودی سرزمین اسرائیل میں واپس آئیں گے......"

"ہاں۔ یہ وہی نظم ہے۔" رابرٹ نے ہیجانی لہجے میں کہا۔" اس میں کسی کومٹ کا بھی تذکرہ ہے۔"

"جی ہاں۔ اور سلطنت روما کا عروج۔ یہ سب اینٹی کرائسٹ کی آمد کی نشانیاں ہیں۔" حنیف نے کہا۔" اینٹی کرائسٹ...... ابلیس کا بیٹا۔"

ٹیکسی بڑھ رہی تھی۔ رابرٹ نے اپنا بریف کیس کھول کر وہ بائبل نکالی۔ جس سے وہ چند روز پہلے اپنی تقریر کی تیاری میں مدد لے رہا تھا۔ وہ اصل میں بائبل کی تشریح تھی۔ اس کی مدد سے وہ نشانیوں کو سمجھ سکتے تھے۔

"یہودی اسرائیل پر قابض ہو چکے ہیں۔" حنیف نے کہا۔" کومٹ بھی سامنے آ چکا ہے۔ رہی سلطنت روم کے عروج کی بات تو یہ عیسائیت کے عروج کی طرف اشارہ ہے۔ بعض مفسرین کے خیال میں اس کا اشارہ یورپ کی مشترکہ منڈی کی طرف ہے۔"

"بات سمجھ میں آتی ہے۔"

"لیکن اس کا مطلب کیا ہے کہ وہ بحر ابد سے ابھرے گا۔"

"یہ تو وہی نظم ہے، جو ٹیسون نے سنائی تھی۔" رابرٹ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔" ہاں...... یہی کہا تھا اس نے۔ اور کہا تھا کہ بحر ابد کے دونوں طرف فوجیں ہوں گی۔ ہاں...... یہ بھی کہا تھا اس نے۔"

"یہ نظم، پیش گوئیوں کے باب میں موجود ہے۔"

رابرٹ ذہن پر مزید زور دے رہا تھا کہ کچھ اور بھی یاد آ جائے۔ وہ کڑھ رہا تھا کہ اس نے ٹیسون کی بات توجہ سے کیوں نہیں سنی۔

"مفسرین کا کہنا ہے کہ بحر ابد دراصل دنیائے سیاست کو کہا گیا ہے۔ سیاست ہی وہ سمندر ہے، جس میں ہمیشہ مدوجزر رہتا ہے۔ اور

انقلابی طوفان آتے رہتے ہیں۔''

وہ دونوں اب ایک دوسرے کو غور سے دیکھ رہے تھے۔

''اس کا مطلب ہے کہ ابلیس کا بیٹا دنیائے سیاست سے ابھرے گا۔'' حنیف نے کہا۔

رابرٹ نے کچھ نہیں کہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ بھی تو دنیائے سیاست سے تعلق رکھتا ہے۔

❁..........❁..........❁

سانتا بنی ڈکٹس کی خانقاہ پتھروں سے تعمیر کیے گئے ایک قلعے میں تھی۔ اب امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں قلعہ بوسیدگی کا شکار تھا۔ لیکن وہ اب بھی مضبوطی اور وقار کا مظہر نظر آتا تھا۔ وہ ہیروڈ کے زمانے کی یادگار تھا اور ان گنت انقلاب بھگت چکا تھا۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران جرمن فوجی یہاں قابض ہو گئے تھے۔ انہوں نے تمام راہبوں کو گولیوں سے بھون ڈالا تھا اور یہاں اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کر لیا تھا۔ 1946ء میں خود اطالویوں نے اس پر بمباری کی تھی۔

ان تمام باتوں کے باوجود خانقاہ ایک مقدس اور متبرک جگہ تھی۔ ایک پہاڑی پر ایستادہ اس عمارت کی دیواروں میں صدیوں سے کی جانے والی دعاؤں کی گونج سنائی دیتی محسوس ہوتی تھی۔ وہ صدیوں کی امین تھیں۔

ٹیکسی خانقاہ کے سامنے رکی تو اس کے مسافر محوِ خواب تھے۔ ٹیکسی ڈرائیور کو انہیں جھنجوڑنا پڑا۔ ''سینور...... اٹھ جائیں۔''

حنیف نے جاگتے ہی کھڑکی کا شیشہ اتارا اور صبح کی ٹھنڈی اور تازہ ہوا پھیپھڑوں میں بھر لی۔ پھر اس نے منظر کا جائزہ لیا۔ وہ بڑی سرسبز جگہ تھی۔

''یہ سانتا بنی ڈکٹس ہے۔'' ڈرائیور نے کہا۔

رابرٹ نے آنکھیں ملتے ہوئے اس طرف دیکھا۔ آسمان پر چھائی ہوئی شفق کی سرخی کے پیش منظر میں وہ تاریک سی لگ رہی تھی۔

''کیسی پرشکوہ عمارت ہے۔'' حنیف نے تبصرہ کیا۔

''ہم عمارت تک نہیں جا سکتے؟'' رابرٹ نے ٹیکسی ڈرائیور سے پوچھا۔

ڈرائیور نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' حنیف نے تائید کی۔

انہوں نے ڈرائیور سے کہا کہ وہ کچھ دیر سو لے۔ پھر وہ خانقاہ کی طرف چل پڑے۔

وہاں پہنچنے کے لیے انہیں کمر تک اونچی گھاس کے درمیان چلنا پڑا۔ ان کی پینٹیں رانوں تک بھیگ گئیں۔ راستہ بہت دشوار تھا اور ان کا لباس اس کے لحاظ سے بالکل غیر موزوں تھا۔ آدھے راستے میں ہی ان کی سانس پھول گئی۔ حنیف سانس درست کرنے کے لیے رکا اور اس دوران اس نے گرد و پیش کی کچھ تصویریں بنا ڈالیں۔

کیمرا اس کے پاس تھا۔ ''ناقابل یقین۔'' اس نے استعجابیہ لہجے میں کہا۔

رابرٹ آگے نکل چکا تھا۔ اس نے پلٹ کر اسے دیکھا اور چڑچڑے پن سے کہا۔ ''اب آ بھی جاؤ۔''

حنیف کیمرہ لٹکائے تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ گہرے سناٹے میں ان کے سانسوں کے سوا کوئی آواز نہیں تھی۔ مگر ذرا دیر بعد انہیں دور سے مناجات کی آواز سنائی دینے لگی، جو راہب مل کر پڑھ رہے تھے۔

''یہ بڑی اداس کن جگہ ہے۔'' حنیف نے کہا۔ اب وہ خانقاہ کے دروازے پر پہنچ گئے تھے۔ ''ذرا یہ آواز تو سنیں۔ اس میں کیسا دکھ ہے۔''

مناجات کی آواز اب در و دیوار سے پھوٹتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ محرابی دروازے سے گزر کر اندر داخل ہوئے ابھی تک انہیں مناجات گانے والے نظر نہیں آئے تھے۔

اب وہ ایک راہ داری میں تھے۔ ''میرا خیال ہے، اس طرف چلنا ہے۔ ذرا کیچڑ کا خیال رکھیں۔ حنیف نے کہا۔

آگے براؤن رنگ کا فرش تھا، جس کا رنگ جگہ جگہ سے اڑ رہا تھا۔ آگے انہیں ایک بھاری دروازہ نظر آیا۔ مناجات کی آواز اب اور بلند ہو گئی تھی۔ پھر دروازہ کھلا۔ سامنے ایک پرشکوہ منظر تھا۔ انہیں ایسا لگا کہ وہ کسی صدیوں پرانے معبد میں داخل ہو رہے ہیں۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ کسی بہت بڑی ہستی کے روبرو پیش ہو رہے ہوں۔ انہیں وہاں عجیب سے روحانی تقدس کا احساس ہو رہا تھا۔ بلکہ انہیں کسی کی جسمانی موجودگی کا احساس ہو رہا تھا۔

وہ بہت بڑا اور قدیم طرز کا کمرا تھا۔ سامنے سنگی قدمچے ایک بہت بڑی قربان گاہ تک جا رہے تھے۔ قربان گاہ کی دیوار پر ایک چوبی صلیب آویزاں تھی، جس پر پتھر سے تراشی ہوئی مسیح کی شبیہہ نقش تھی۔ اس کمرے کی چھت گنبد نما تھی جو اوپری حصے میں بالکل کھلی ہوئی تھی اور آسمان نظر آ رہا تھا۔ اس وقت چھت سے ہلکی ہلکی روشنی نیچے اتر رہی تھی۔ اس روشنی میں مسیح کی شبیہہ جگمگا رہی تھی۔

''کیسا تقدس آمیز ماحول ہے۔ دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بہت پرانا معبد ہے۔''

رابرٹ نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کی نگاہیں کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ پھر وہ راہبوں کے ایک گروہ پر جم گئیں۔ وہ بنچوں پر گھٹنوں کے بل بیٹھے دعا کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنے چہرے چادروں میں چھپائے ہوئے تھے۔ ان کی مناجات میں جذباتیت تھی۔ لیکن نجانے کیوں وہ اعصاب کو بوجھل بھی کر رہی تھی۔ ان کی آواز کبھی نیچی ہوتی، کبھی بلند ہوتی اور کبھی ایسا لگتا تھا کہ آواز ہے ہی نہیں۔

حنیف نے اپنا لائٹ میٹر نکالا اور اس کے ذریعے کمرے کا جائزہ لینے لگا۔

''ہٹاؤ اسے۔'' رابرٹ نے سخت لہجے میں کہا۔

''مجھے فلیش لائٹ لانی چاہیے تھی۔'' حنیف نے بے دھیانی میں کہا۔

''میں کچھ کہہ رہا ہوں ہٹاؤ اسے۔''

حنیف نے بدمزگی سے اسے دیکھا۔ لیکن لائٹ میٹر بہر حال ہٹا دیا۔

رابرٹ بہت بے چین اور مضطرب نظر آ رہا تھا۔ اس کے گھٹنے لرز رہے تھے، جیسے کوئی قوت اسے گھٹنوں کے بل جھک کر دعا کرنے پر مجبور

کر رہی ہو۔

''آپ ٹھیک تو ہیں؟'' حنیف نے اس سے پوچھا۔اس کے لہجے میں تشویش تھی۔

''میں کیتھولک ہوں۔'' رابرٹ نے لرزتی آواز میں جواب دیا۔

پھر اچانک اس نے اندھیرے میں کچھ دیکھا اور اس کا چہرہ جیسے ٹھٹھر کر رہ گیا۔حنیف نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔وہ ایک وہیل چیئر تھی۔اور اس پر ایک بے حد جسیم شخص بیٹھا تھا۔گھٹنوں کے بل سر جھکا کر بیٹھے ہوئے راہبوں کے برعکس وہ وہیل چیئر پر تن کر بیٹھا تھا۔اس کے بازو خمیدہ تھے اور سر ایک طرف ڈھلکا ہوا تھا۔وہ فالج زدہ لگ رہا تھا۔

''کیا یہی فادر اسپلیٹو ہے؟'' حنیف نے سرگوشی میں سوال کیا۔

رابرٹ نے اثبات میں سر ہلایا۔وہ بہت اعصاب زدہ لگ رہا تھا۔

وہ دونوں آگے بڑھے، تاکہ اس شخص کو غور سے دیکھ سکیں۔

اور جب انہوں نے اسے دیکھا تو وہ لرز کر رہ گئے۔اس کے آدھے چہرے کا گوشت جیسے پگھل کر بہہ گیا تھا۔ایک پتھرائی ہوئی آنکھ اوپر کی طرف دیکھتی محسوس ہو رہی تھی۔حالانکہ وہ اس آنکھ سے کچھ دیکھنے کے قابل نہیں تھا۔اس کا داہنا ہاتھ بھی جھلسا ہوا تھا۔

☼.........☼.........☼

''ہمیں نہیں معلوم کہ یہ کچھ دیکھ اور سن سکتے ہیں یا نہیں۔'' فادر اسپلیٹو کے قریب کھڑا ہونے والا راہب کہہ رہا تھا۔ ''آتش زنی کے واقعے کے بعد سے کسی نے کبھی ان کی آواز نہیں سنی۔ انہیں بولتے نہیں دیکھا۔''

وہ لوگ اس وقت ایک اجڑے ہوئے باغیچے میں کھڑے تھے، جو یقیناً کبھی بہت خوبصورت رہا ہوگا۔ وہ راہب فادر اسپلیٹو کی وہیل چیئر دھکیل کر یہاں تک لایا تھا۔

عبادت ختم ہو چکی تھی۔ وہ اور راہب اس کے پیچھے پیچھے آئے تھے۔ پھر وہ آگے چلے گئے۔ بات کرنے والے راہب نے ان کے دور جانے کا انتظار کیا۔

''ہم لوگ ان کا خیال رکھتے ہیں، انہیں کھلاتے پلاتے ہیں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ سزا پوری ہونے کے بعد خداوند ان کو شفا عطا فرمائے۔''

''سزا؟'' رابرٹ نے حیرت سے دہرایا۔

راہب نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''جو چرواہا اپنی بھیڑوں کو چھوڑ دے، اس کا سیدھا ہاتھ ناکارہ ہو جاتا ہے۔ اور آنکھ بصارت کھو بیٹھتی ہے۔

تو کیا یہ اپنے مقام اور مرتبے سے گر چکے ہیں؟''

''جی ہاں۔''

''میں وجہ پوچھ سکتا ہوں۔''

''کرائسٹ کو چھوڑ دینے کے جرم میں۔''

رابرٹ اور حنیف کے درمیان نظروں کا تبادلہ ہوا۔ دونوں کی نگاہوں میں الجھن تھی۔

''آپ کو کیسے پتا چلا کہ انہوں نے کرائسٹ کو چھوڑ دیا تھا؟'' رابرٹ نے راہب سے پوچھا۔

''انہوں نے خود اعتراف کیا ہے۔''

''لیکن آپ کہتے ہیں کہ یہ بات نہیں کرتے۔''

''میں تحریری اعتراف کی بات کر رہا ہوں۔ ان کا بایاں ہاتھ کسی حد تک کام کرتا ہے۔''

''اعتراف کی نوعیت کیا تھی؟'' رابرٹ کو کرید لگی ہوئی تھی۔

راہب چند لمحے ہچکچایا۔ ''آپ کس استحقاق کے تحت پوچھ رہے ہیں۔''

''یہ بے حد اہم معاملہ ہے...... زندگی اور موت کا معاملہ۔ میری التجا ہے کہ ہم سے تعاون کیجیے۔''

راہب چند لمحے رابرٹ کو غور سے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''آیئے میرے ساتھ۔''

اب وہ اسپلیٹو کی کوٹھڑی میں تھے۔ وہاں ایک گدے اور ایک سنگی میز کے سوا کچھ نہیں تھا۔ یہاں بھی چھت کھلی ہوئی تھی۔ دھوپ اور بارش کے لئے کہیں کوئی آڑ نہیں تھی۔ ایک دن پہلے ہونے والی بارش کا کچھ پانی فرش پر جمع تھا۔ گدا گیلا ہو رہا تھا۔ رابرٹ سوچ رہا تھا کہ کیا سب لوگ یہ بے آرامی اور تکلیف جھیلتے ہیں...... یا یہ اسپلیٹو کی سزا کا حصہ ہے۔

''انہوں نے اس میز پر کوئلے سے اپنا اعتراف لکھا تھا۔'' راہب نے کہا۔

وہ میز کو دیکھنے کے لئے آگے بڑھے۔ وہ کوئلے سے بنی ہوئی عجیب سی علامتی ڈرائنگ تھی۔

''یہ انہوں نے یہاں آنے کے بعد پہلے ہی دن بنایا تھا'' راہب نے بتایا۔ ''کیونکہ ہم نے یہیں میز پر چھوڑ دیا تھا۔ مگر انہوں نے دوبارہ اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔''

وہ ایک انسانی پتلے کی ٹیڑھی میڑھی اور بے حد بچگانہ ڈرائنگ تھی۔ پتلے کے سر کے گرد ایک نیم دائرہ تھا۔ اس نیم دائرے کی شکل کی لکیر پر 6 کے تین ہندسے بنے ہوئے تھے۔ ویسے ہی جیسے انہوں نے مردہ فادر ٹیسون کی ران پر گودے ہوئے دیکھے تھے۔

حنیف انہیں بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

''یہ جو نیم دائرہ ہے نا یہ چادر میں چھپے ہونے کی علامت ہے۔ راہب اپنا چہرہ چھپاتے ہیں نا'' راہب نے کہا۔

''یہ انہوں نے خود کو بنایا ہے؟'' حنیف نے راہب سے پوچھا۔

''ہم سب کا یہی اندازہ ہے۔''

''ان چھ کے ہندسوں کا کیا مطلب ہے؟''

''یہ شیطان کا ہندسہ ہے۔'' راہب نے بلا تامل کہا۔ ''جبکہ سات یسوع مسیح کا ہندسہ ہے۔''

''تو یہ تین چھ کیوں ہے؟''

''ہمارے خیال میں یہ شیطانی تثلیث کی علامت ہے۔ شیطان، اینٹی کرائسٹ اور جھوٹا نبی۔'' راہب نے وضاحت کی ''یہی تو انسان کی آزمائش ہے۔''

''آپ اسے اعتراف کیوں سمجھتے ہیں؟'' حنیف نے اعتراض کیا۔

''دیکھیں، آپ کی طرح ہمیں بھی یقین ہے کہ فادر اسپلیٹو نے یہ خود کو بنایا ہے اور اس پر یہ جہنمی نیم دائرہ بنانے کا مطلب اعتراف ہی ہو سکتا ہے۔''

''مگر آپ اس جرم کی تشخیص نہیں کر سکتے، اس کی نوعیت کا اندازہ نہیں لگا سکتے، جس کا یہ اعتراف ہے؟''

''تفصیلات کی کوئی اہمیت نہیں'' راہب بولا۔ ''اہمیت اس بات کی ہے کہ وہ شرمندہ ہے اور سزا کا خواہش مند ہے۔''

رابرٹ اور حنیف کے درمیان نگاہوں کا تبادلہ ہوا۔ رابرٹ تھورن کے چہرے پر تناؤ تھا۔

''میں ان سے بات کرسکتا ہوں؟'' رابرٹ نے راہب سے پوچھا۔

''اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔''

رابرٹ نے فادر اسپلیٹو کو دیکھا۔ اس کے پتھرائے ہوئے چہرے کو دیکھ کر وہ جھرجھری لے کر رہ گیا۔ ''فادر اسپلیٹو۔'' اس نے اسے پکارا ''میرا نام تھورن ہے...... رابرٹ تھورن۔''

فادر اسپلیٹو کی طرف سے کوئی ردِعمل ظاہر نہیں ہوا۔ وہ پتھرائی ہوئی آنکھ سے اوپر دیکھتا رہا۔

''میں نے آپ سے کہا نا، یہ لاحاصل ہے۔'' راہب نے پھر کہا۔

لیکن اتنی مشقت اٹھا کر اتنی دور آنے کے بعد رابرٹ رکنے والا نہیں تھا۔ ''فادر اسپلیٹو ایک بچہ تھا، جو تم نے مجھے گود دیا تھا۔ یاد ہے نا؟ میں اس بچے کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔''

''پلیز سنو......'' راہب کے لہجے میں التجا تھی۔

''تم نے ان کے سامنے اعتراف کیا ہے۔'' رابرٹ تھورن مشتعل ہو کر چیخنے لگا۔ ''اب میرے سامنے بھی اعتراف کرو۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ جس بچے کو میں نے تمہارے کہنے پر اپنا بیٹا بنایا ہے، وہ کس کا ہے؟''

''معاف کیجئے گا، آپ مجھے مجبور کر رہے ہیں......'' راہب الجھن محسوس کر رہا تھا اور مداخلت کرنا چاہتا تھا۔

''فادر اسپلیٹو، میری بات سن رہے ہو نا؟ مجھے بتاؤ۔'' رابرٹ دہاڑا۔

راہب نے اسپلیٹو کی وہیل چیئر کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا۔ لیکن حنیف اس کے راستے میں حائل ہوگیا۔

''فادر اسپلیٹو...... خدا کے لئے جواب دو۔ مجھے بتاؤ، اس بچے کی ماں کہاں ہے؟ کون تھی وہ؟ پلیز...... بتاؤ مجھے۔''

اور اچانک ہی ماحول تبدیل ہوگیا۔ خانقاہ میں گھنٹیاں بجنے لگیں۔ وہ کان پھاڑ دینے والی آواز تھی، جس نے انہیں ہلا دیا۔ حنیف اور رابرٹ دونوں کے جسموں میں لرزش تھی۔ گھنٹیوں کی آواز خانقاہ کی سنگی دیواروں سے ٹکرا کر واپس آ رہی تھی۔ اس کا حجم بڑھ رہا تھا۔

پھر رابرٹ کی نظر فادر اسپلیٹو کے ہاتھ پر پڑی۔ وہ کپکپا رہا تھا...... نقاہت کے باوجود وہ اٹھ رہا تھا۔ ''کوئلہ'' رابرٹ حلق کے بل چلایا۔ ''اسے کوئلہ دو۔''

حنیف تیزی سے حرکت میں آیا۔ اس نے میز پر رکھا کوئلے کا وہ بڑا ٹکڑا اٹھا کر فادر اسپلیٹو کے ہاتھ میں دے دیا۔

گھنٹیاں اب بھی بج رہی تھیں۔

فادر اسپلیٹو کا کوئلے والا ہاتھ سنگی میز پر حرکت کر رہا تھا۔ میز پر بھدے حروف نمودار ہو رہے تھے...... ''یہ...... یہ تو کوئی لفظ ہے۔'' حنیف نے ہذیانی انداز میں کہا۔ ''سی...... ای...... آر......''

فادر اسپلیٹو کا ہاتھ بری طرح لرز رہا تھا۔ لیکن وہ لکھنے کے لئے زبردست جدوجہد کر رہا تھا۔ اس کا منہ کھل گیا تھا اور وہ کراہ رہا تھا۔ اس سے

اس اذیت کا اندازہ ہوتا تھا جس سے وہ گزر رہا تھا۔

''پلیز فادر...... لکھو...... پورا کرو۔'' رابرٹ نے التجا کی۔

''وی...... ٹی......'' حنیف لکھے ہوئے حروف پڑھ رہا تھا۔

اور اچانک گھنٹیوں کی آواز معدوم ہوگئی۔ فادر اسپلیٹو کی لرزتی انگلیوں کی گرفت سے کوئلہ کا ٹکڑا نکل گیا اور اس کا سر دوبارہ وھیل چیئر کی پشت گاہ سے جا لگا۔ وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔ اس کا چہرہ پسینے میں نہایا ہوا تھا۔

گھنٹیوں کی بازگشت بھی ختم ہوگئی۔ وہ سب خاموش کھڑے میز پر کوئلے سے لکھے حروف کو دیکھے جا رہے تھے۔

''سرویٹ۔'' رابرٹ کے منہ سے نکلا۔

''سرویٹ۔'' حنیف نے دہرایا۔

''کیا یہ اطالوی زبان کا لفظ ہے؟'' رابرٹ نے راہب سے پوچھا۔

راہب نے پہلے میز پر لکھے حروف کو اور پھر فادر اسپلیٹو کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن تھی۔

''کیا یہ آپ کے لئے قابل فہم لفظ ہے؟''

''میرے خیال میں انہوں نے سرویٹری لکھنے کی کوشش کی ہے۔'' راہب نے کہا۔

''اس کا مطلب؟''

''یہ ایک پرانا...... بے حد پرانا قبرستان ہے۔ سنیٹ اینجلو کا قبرستان...... شیطان کے پرستاروں کا قبرستان۔''

فادر اسپلیٹو کا اکڑا ہوا جسم پھر مرتعش ہوگیا۔ اس کے حلق سے عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں۔ لگتا تھا، وہ کچھ بولنے، کچھ کہنے کی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن بالآخر اپنی کوشش میں ناکامی کے بعد وہ خاموش ہوگیا۔

رابرٹ اور حنیف راہب کی طرف متوجہ ہوئے جو فادر کو دیکھ کر بدمزگی سے سر ہلا رہا تھا۔ ''اب سرویٹری کھنڈرات کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ ہاں، وہاں ٹیکولا کے مقبرے کی باقیات ضرور موجود ہیں۔''

''ٹیکولا کون؟'' حنیف نے پوچھا۔

''شیطان پرستوں کا دیوتا۔ اس قبرستان میں کبھی بھینٹ بھی دی جاتی تھی۔''

''فادر نے اس قبرستان کا نام کیوں لکھا؟''

''یہ تو مجھے نہیں معلوم۔''

''اچھا...... یہ قبرستان کہاں ہے؟''

''وہاں کچھ بھی نہیں ہے سینور...... قبروں کے سوا۔ اور کچھ وحشی کتے بھی ہیں وہاں۔''

''یہ ہے کہاں؟ حنیف کے لہجے میں جھنجلاہٹ بھی تھی اور اصرار بھی۔

''روم کے شمال میں، کوئی پچاس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ تمہارے ٹیکسی ڈرائیور کو معلوم ہوگا۔'' راہب نے خشک لہجے میں کہا۔

☼............☼............☼

ٹیکسی ڈرائیور کو جگانا بے حد صبر آزما ثابت ہوا۔ آنکھ کھلتے ہی وہ رفع حاجت کے لئے کھیت کی طرف دوڑ گیا۔ واپس آکر اس نے ان کی نئی فرمائش سنی تو پچھتانے لگا کہ لالچ میں اس نے خود کو برا پھنسالیا ہے۔

''خوف خدا رکھنے والے اس قبرستان کا رخ بھی نہیں کرتے۔'' اس نے فریاد کرنے والے انداز میں کہا۔ ''اور ہم رات سے پہلے وہاں پہنچ بھی نہیں سکیں گے۔''

جو طوفانی بارش انہوں نے روم میں دیکھی تھی۔ وہ اطراف میں بھی پھیل گئی تھی۔ بارش میں ان کو کم رفتار سے سفر کرنا پڑ رہا تھا۔ پھر انہیں ہائی وے چھوڑ کر ایک پرانی اور شکستہ سڑک پر سفر کرنا پڑ رہا تھا۔ اس سڑک پر پانی جمع تھا اور کیچڑ بھی جمع تھا اور کیچڑ بھی کافی تھا۔ ایک جگہ ٹیکسی ڈگمگائی ......اس کا پچھلا پہیہ ایک گڑھے میں پھنس گیا۔ ان تینوں کو ٹیکسی سے نکل کر زور لگانا پڑا۔ اس میں وقت الگ ضائع ہوا۔ وہ دوبارہ ٹیکسی میں بیٹھے تو ان کے کپڑے تر ہو چکے تھے اور جسم کپکپا رہے تھے۔

حنیف نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ شام ہو چکی تھی۔ اس کے فوراً بعد وہ بے خبر سو گیا۔ کئی گھنٹے بعد اس کی آنکھ کھلی تو اس احساس کی وجہ سے کہ ٹیکسی چل نہیں رہی ہے۔ اس کے برابر رابرٹ کمبل لپیٹے بے خبر سو رہا تھا۔ اگلی سیٹ سے ڈرائیور کے خراٹوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

حنیف نے دروازہ کھولا۔ باہر گہرا اندھیرا تھا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا قریبی جھاڑی کی طرف گیا اور وہاں بیٹھ کر پیشاب کرنے لگا۔

اس کا اندازہ تھا کہ وہ صبح کاذب کا وقت ہے۔ آسمان پر روشنی کی پہلی جھلک نظر آنے لگی تھی۔ اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں ہیں۔ گرد و پیش نظر آتا تو کچھ اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

بالآخر اس کی سمجھ میں آ گیا کہ وہ منزل پر پہنچ چکے ہیں۔ سامنے لوہے کا ایک جنگلا تھا، جس پر نکیلی کیلیں لگی تھیں۔ اس جنگلے کے عقب میں آسمان کی دھیمی روشنی میں اسے دور تک قبروں کے کتبے نظر آ رہے تھے۔

وہ ٹیکسی میں گیا اور چند لمحے سوتے ہوئے رابرٹ کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ پانچ بجنے میں دس منٹ کم تھے۔ پھر وہ اترا اور دبے قدموں ڈرائیور کی طرف گیا اور اگنیشن سے چابی لے کر وہ ڈکی کی طرف گیا۔ آہستگی سے اس نے لاک کھولا اور اس کا پٹ اوپر اٹھایا۔ پٹ اوپر اٹھتے ہوئے خاصی آواز ہوئی۔ لیکن سوئے ہوئے دونوں افراد کی نیند میں کوئی خلل نہیں پڑا۔

حنیف نے ڈکی میں سے اپنا کیمرا کیس اٹھایا، کیمرے میں فلم کا نیا رول ڈالا۔ پھر فلیش چیک کیا۔ اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ فلیش ٹھیک کام کر رہی تھی۔ چند لمحے اس نے نظر بحال ہونے کا انتظار کیا۔ پھر اس نے ڈکی کا جائزہ لیا۔ تیل میں لتھڑے کاٹن کے درمیان اسے جیک کی راڈ نظر آئی۔ اس نے راڈ اٹھائی اور اسے اپنی بیلٹ میں اڑس لیا۔

آہستگی سے ڈکی بند کر کے وہ زنگ آلود جنگلے کی طرف بڑھا۔ وہ اندر گھسنے کے لئے مناسب جگہ تلاش کر رہا تھا۔ زمین گیلی تھی۔ اسے سردی لگ رہی تھی اور کپکپی چڑھ رہی تھی۔ لیکن اسے ایسی کوئی جگہ نظر نہیں آئی۔

ایک جگہ ایک درخت نظر آیا۔ اس درخت کی مدد سے وہ جنگلے پر چڑھا۔ اسے اپنے کیمرے اور اس کے متعلقہ آلات کی بھی فکر تھی۔ اسی وجہ سے دوسری طرف اترتے ہوئے اس کا پاؤں پھسلا۔ اس کا کوٹ پھٹ گیا۔ لیکن وہ خود بہرحال عافیت سے دوسری طرف پہنچ گیا۔ اس کے آلات بھی محفوظ رہے۔

اپنے کیمرے کو لے کر وہ آگے بڑھتا رہا۔ آسمان پر روشنی بڑھتی جا رہی تھی۔ اب وہ گردو پیش کو اس کی جزئیات سمیت دیکھ سکتا تھا۔ بیشتر کتبے بہت پرانے اور بوسیدہ تھے۔ بعض قبریں ڈھے گئی تھی۔ ان کے درمیان چوہے دوڑتے پھر رہے تھے۔ وہ اتنے نڈر تھے کہ انہیں اس کی موجودگی کی بھی پروا نہیں تھی۔ کچھ قبروں میں گھس رہے تھے اور کچھ قبروں سے نکل رہے تھے۔

وہاں بہت اونچی گھاس بھی تھی۔ بعض جگہوں پر تو وہ قد آدم سے بڑھ کر تھی۔ اور گھاس میں کہاں جھاڑیاں ہیں، یہ پتا ہی نہیں چلتا تھا۔ سخت سردی کے باوجود حنیف کے مسامات پسینہ اگل رہے تھے۔ اسے رہ رہ کر احساس ہو رہا تھا کہ اسے چھپ کر دیکھا جا رہا ہے۔ جیسے بھوت اور بدروحیں ہر قدم پر اس کی نگرانی کر رہے ہیں۔

وہ چند لمحے رکا...... خود کو پرسکون کرنے اور ان سوچوں سے چھٹکارہ پانے کے لئے۔ اس لمحے اس کی نظریں اوپر کی طرف اٹھیں اور اس شے پر جم کر رہ گئیں۔

وہ دیوقامت سنگی مجسمہ بلندی سے اسے گھور رہا تھا۔ اس کے چہرے پر شدید غصے کا تاثر تھا۔ حنیف کو لگا کہ اس غصے کا سبب اس کی دخل اندازی ہے۔ سر اٹھا کر دیکھتے ہوئے اس کی سانسیں تیز اور پرشور ہو گئیں۔ مجسمے کی حلقوں سے ابلتی ہوئی آنکھیں اسے حکم دیتی محسوس ہو رہی تھیں...... یہ حکم کہ وہ فوراً اس قبرستان سے نکل جائے۔

حنیف کی ذہنی کیفیت ذرا بہتر ہوئی تو اس نے مجسمے کو ناقدانہ نظروں سے دیکھا۔ اس کا چہرہ انسانی، لیکن اس کے تاثرات حیوانی تھے۔ اس کا منہ کھلا ہوا تھا، جیسے وہ شدید غصے میں ہو۔ اپنے خوف پر قابو پاتے ہوئے حنیف نے کیمرا سنبھالا اور مجسمے کی تین تصویریں بنالیں۔

اس نے دوبارہ سر اٹھا کر مجسمے کو دیکھا۔ اس کا چہرہ انسانی تھا۔ لیکن اس پر تاثر وحشی جانوروں کا سا تھا۔ تنگ پیشانی پر سلوٹیں، بہت بڑی اور پھولی ہوئی ناک اور چیخنے کے انداز میں کھلا ہوا منہ، جیسے وہ غیض و غضب میں ہو۔

حنیف کے وجود میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ وہ مجسمہ تھا ہی ایسا ڈراؤنا!

ادھر ٹیکسی میں سوئے ہوئے رابرٹ کی پلکیں لرزیں۔ دھیرے دھیرے اس نے آنکھیں کھولیں۔ چند لمحوں میں اسے یہ احساس ہوا کہ حنیف ارشد ٹیکسی میں موجود نہیں ہے۔ وہ ٹیکسی سے نکلا تو اسے قبرستان نظر آیا۔

اسی وقت سپیدہ سحر پھوٹ رہا تھا۔

''حنیف......''اس نے حنیف کو پکارا۔

لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ جنگلے کی طرف بڑھا اور حنیف کو دوبارہ پکارا۔

اس پکار کے جواب میں گویا اسے دور سے ایک آواز سنائی دی...... تحرک کی آواز! وہ آواز قبرستان کے اندر سے آئی تھی، جیسے کوئی اس کی طرف بڑھا چلا آ رہا ہو۔ رابرٹ نے جنگلے کی سلاخیں تھامیں اور خاصی کوشش کے بعد جنگلے پر چڑھا۔ پھر اس نے دوسری طرف چھلانگ لگا دی۔

''حنیف......!''اس نے پھر پکارا۔

اس کی طرف بڑھتی ہوئی آہٹوں کی آواز معدوم ہو چکی تھی۔ رابرٹ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ پتلی کیچڑ میں اس کے جوتوں سے چر چر کی آواز نکل رہی تھی۔ پھر اسے وہ بڑے جسیم چوہے نظر آئے۔ انہیں دیکھ کر اس کے اعصاب جواب دینے لگے۔ وہاں ایسی بھیانک خاموشی اور سکوت تھا، جس کا اسے پہلے تجربہ ہو چکا تھا۔ وہ ایسی خاموشی تھی، جیسے گردوپیش کے ماحول نے بھی سانس روک لی ہو۔ اسے یاد آیا، پہلی بار ایسا سناٹا اس نے پیری فورڈ میں محسوس کیا تھا۔ یہ اس رات کی بات تھی، جب اسے احساس ہوا تھا کہ جنگل کی جانب سے ان دیکھی آنکھیں اسے دیکھ رہی ہیں۔

وہ رک گیا۔ اس وقت یہاں بھی اسے ایسا ہی لگ رہا تھا کہ اسے چھپ کر دیکھا جا رہا ہے۔ وہ ٹٹولنے والی نگاہوں سے گردوپیش کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر اس کی نظریں ایک بہت بڑی صلیب پر جم کر رہ گئیں۔ وہ الٹی صلیب تھی، جو زمین میں گاڑی گئی تھی۔

اسے دیکھ کر رابرٹ تھورن کا جسم تن سا گیا۔

اچانک صلیب کے عقب سے پھر آہٹ سنائی دی۔ اس بار وہ آہٹ تیزی سے اس کے قریب آ رہی تھی۔ اس کا جی چاہا کہ وہ پلٹے اور بھاگ کھڑا ہو۔ لیکن یہ اس کے بس میں نہیں تھا۔ اس کے قدم جیسے زمین میں گڑ گئے تھے۔

آہٹ بہت قریب آ گئی تھی۔ خوف سے رابرٹ تھورن کی آنکھیں پھیلنے لگیں۔

''مسٹر تھورن!''

وہ حنیف کی آواز تھی۔ اگلے ہی لمحے وہ جھاڑیوں سے برآمد ہوا۔

رابرٹ کی سانس سینے میں نہیں سما رہی تھی۔ اس کا جسم لرز رہا تھا۔

حنیف کے ہاتھ میں جیک کی راڈ تھی اور وہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ''مل گیا مسٹر تھورن۔ میں نے تلاش کر لیا۔''اس نے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان کہا۔

''کیا مل گیا؟''

''آپ آئیں تو۔ میرے ساتھ چلیں۔''

وہ دونوں جھاڑیوں کی طرف بڑھ گئے۔ حنیف قبروں کے کتبوں سے بچ کر چلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی رفتار تیز تھی۔ رابرٹ کے لئے

اس کے ساتھ چلنا دشوار تھا۔

سامنے ایک مسطح قطعہ زمین نظر آ رہا تھا۔ ''وہ دیکھیں، وہ رہیں۔'' حنیف نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

رابرٹ نے اشارے کی سمت دیکھا۔ وہ برابر برابر دو قبریں تھیں۔ اس قبرستان کی دوسری قبروں کے برعکس وہ بہت پرانی نہیں لگ رہی تھیں۔ ایک بڑی قبر تھی، دوسری بہت چھوٹی۔ دونوں پر کتبے نصب تھے، جن پر صرف نام اور تاریخیں کندہ تھیں۔

''تاریخیں دیکھیں۔'' حنیف نے سنسنی آمیز لہجے میں کہا۔ ''دونوں پر ایک ہی تاریخ لکھی ہے...... 6 جون...... 6 جون...... 6 جون! چار سال پہلے کی 6 جون۔ ایک ماں کی قبر ہے اور دوسری بیٹے کی۔''

رابرٹ آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور قبروں کے پاس جا کھڑا ہوا۔ وہ انہیں گھور رہا تھا۔

''پورے قبرستان میں یہی ہیں جو نئی کہی جا سکتی ہیں۔'' حنیف نے کہا۔ ''باقی قبریں تو اتنی پرانی ہیں کہ ان کے کتبے بھی مٹ گئے ہیں۔ ان پر کیا لکھا تھا، پڑھا ہی نہیں جا سکتا۔''

رابرٹ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ جھکا اور ہاتھ سے کتبوں کو صاف کرنے لگا، جن پر گرد جمی تھی۔

اب وہ کتبوں کی تحریر پڑھ سکتا تھا۔

''کیا لکھا ہے؟'' حنیف نے پوچھا۔

''یہ لاطینی زبان ہے۔''

''لکھا کیا ہے؟''

''موت اور پیدائش میں...... دو نسلیں ہم آغوش ہوتی ہیں۔''

''اوہ......''

''تم نے خوب دریافت کیا انہیں۔'' رابرٹ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

حنیف اس کے پاس ہی گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ یہ دیکھ کر اسے حیرت ہوئی کہ رابرٹ تھورن کی آنکھوں میں آنسو ہیں۔ رابرٹ کا سر جھکا ہوا تھا اور وہ رو رہا تھا۔ حنیف اس کے آنسو تھمنے کا انتظار کرتا رہا۔

''یہی ہے۔ میں جانتا ہوں، یہی ہے۔'' رابرٹ سسکیوں کے درمیان کہہ رہا تھا۔ ''میں جانتا ہوں، میرے بچے کو یہیں دفن کیا گیا ہے۔''

''اور یہ دوسری قبر غالباً اس عورت کی ہے، جس کے بچے کو آپ پال رہے ہیں۔''

رابرٹ نے سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا اور کتبے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ''اس پر یہی لکھا ہے...... ایک ماں اور اس کا بچہ۔''

''آپ نے اسپلیٹو سے یہی تو کہا تھا۔ اس نے بتا دیا۔ یہ آپ کے بچے کی قبر ہے۔ اور دوسری آپ کے لے پالک کی ماں کی۔''

''لیکن یہاں کیوں؟انہیں اس قبرستان میں کیوں دفن کیا گیا؟''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں۔''

''ان کے لئے یہ خوف ناک جگہ ہی رہ گئی تھی؟''

حنیف اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔یہ الجھن تو اسے بھی تھی۔''اس الجھن کو سلجھانے کی ایک ہی صورت ہے۔''اس نے کہا۔''ہم اتنی دور بلا وجہ تو نہیں آئے ہیں۔ہمیں اپنا کام مکمل کرنا چاہیے۔''

یہ کہہ کر اس نے جیک راڈ اٹھائی اور کدال کی طرح قبر کے سینے میں اتار دی۔راڈ اگلے ہی لمحے کسی چیز سے ٹکرائی۔''یہ کام کچھ ایسا مشکل بھی نہیں ہے۔''اس نے کہا۔''قبر بہ مشکل ایک ڈیڑھ فٹ گہری ہے۔''

اس نے جیک راڈ سے قبر کھودنی شروع کی۔درمیان میں وہ رک کر مٹی ایک طرف جمع کرتا جا رہا تھا۔

''آپ میرا ہاتھ نہیں بٹائیں گے؟''اس نے رابرٹ سے اپیل کی۔

رابرٹ ایک لمحے کو ہچکچایا۔پھر اس نے جیک راڈ اس سے لے لی۔

مگر ہاتھوں سے مٹی ہٹاتے ہوئے اسے اپنی انگلیاں سن محسوس ہو رہی تھیں۔

آدھے گھنٹے کی مشقت کے دوران وہ پسینے میں نہا گئے۔ان کے چہروں اور لباسوں پر مٹی جم گئی۔بالآخر مٹی ہٹ گئی۔اب سیمنٹ کی دو سلیں نظر آ رہی تھیں۔

وہ دونوں بیٹھ کر سوچتے رہے۔بالآخر رابرٹ نے کہا۔''اب کیا کریں؟''

''سونگھیں۔بو آ رہی ہے؟''

''ہاں۔''

''انہوں نے جلدی میں کام کیا ہوگا۔حفظان صحت کے اصولوں کا خیال نہیں رکھا۔''

رابرٹ کے چہرے پر اذیت کا سایہ لہرا گیا۔لیکن اس نے کچھ کہا نہیں۔

''پہلے کون سی دیکھیں گے؟''حنیف نے پوچھا۔

رابرٹ ہچکچایا۔''کیا یہ ضروری ہے؟''

''جی ہاں۔''

''مجھے یہ غلط لگتا ہے۔جیسے ہم گناہ کر رہے ہوں۔''رابرٹ بولا۔

''آپ کہیں تو میں ٹیکسی ڈرائیور کو مدد کے لئے بلا لاؤں۔''

رابرٹ نے دانت پر دانت جما دیے۔یہ اسے گوارا نہیں تھا۔اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''چلیں پھر آ جائیں۔ پہلے بڑی قبر دیکھی جائے۔''

حنیف نے جیک راڈ سے سیمنٹ کی سل کے پہلو کی جانب وار کیا۔ ذرا دیر میں اتنی جگہ بن گئی کہ جیک کی راڈ کو وہاں پھنسایا جا سکتا تھا۔ راڈ پھنسا کر وہ زور لگانے لگا۔ اس کی انگلیاں دکھ گئیں۔ لیکن سل کو وہ اٹھا نہ سکا۔

''بہت بھاری ہے۔'' اس نے کراہتے ہوئے کہا۔ ''آپ میری مدد کیوں نہیں کرتے۔''

رابرٹ جلدی سے اس کی مدد کو بڑھا۔ اب وہ دونوں مل کر زور لگا رہے تھے۔ دونوں ہانپنے لگے۔ بالآخر سل ایک جھٹکے سے اٹھ گئی۔ وہ دونوں دور جا گرے۔

وہ دونوں سنبھل کر اٹھے اور انہوں نے قبر میں جھانکا۔

''میرے خدا'' حنیف کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

وہ ایک گیدڑ کا ڈھانچہ تھا۔ کہیں کہیں گوشت اب بھی رہ گیا تھا۔ اس سے چیونٹیاں اور طرح طرح کے کیڑے مکوڑے لپٹے ہوئے تھے۔ اندر مکھیاں اور بھڑیں بھی تھیں۔ رابرٹ گھبرا کر پیچھے ہٹا۔ حنیف جلدی سے سیمنٹ کی سل کو اس کی جگہ پر دھکیلنے لگا۔

اس کام سے فارغ ہو کر وہ مکھیوں سے بچنے کے لئے پیچھے ہٹا اور کیچڑ میں گر گیا۔ اٹھتے ہی اس نے واپس بھاگنے کی کوشش کی۔ لیکن رابرٹ نے پیچھے سے اسے پکڑ لیا۔

''کیا بات ہے؟ نکلیں نا یہاں سے؟''

''نہیں......'' رابرٹ چلایا۔

''چلیں نا۔ نکلیں یہاں سے۔''

''نہیں۔ ہمیں دوسری قبر بھی دیکھنی ہے۔''

''اس کی کیا ضرورت ہے۔ جو دیکھنا تھا، ہم دیکھ چکے ہیں۔''

''دوسری قبر دیکھنا ضروری ہے۔'' رابرٹ نے ملتجیانہ لہجے میں کہا۔ ''ممکن ہے اس میں بھی جانور ہو۔''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟''

''ممکن ہے، میرا بیٹا زندہ ہو...... کہیں اور ہو۔''

حنیف پلٹ آیا۔ رابرٹ کی آنکھوں میں جو دکھ تھا، اس نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

چند لمحے بعد وہ سیمنٹ کی دوسری سل سے زور آزمائی کر رہے تھے۔ وہ چھوٹی بھی تھی اور اس لیے نسبتاً ہلکی بھی تھی۔ اسے اٹھانے میں انہیں زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔

جو کچھ اس قبر میں تھا، اسے دیکھ کر رابرٹ کا چہرہ دکھ سے چیخ سا گیا۔ اس قبر میں ایک انسانی بچے کی باقیات تھیں۔ اس کی نازک کھوپڑی

جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھی۔ صاف پتا چلتا تھا کہ اس کے سر پر وار کیا گیا تھا۔

رابرٹ بری طرح سسک رہا تھا۔ ''میرے بچے کا سر آہ۔''

حنیف نے قبر میں جھانکا۔ اس منظر نے اسے بھی دہلا دیا۔ ''او مائی گاڈ۔''

''انہوں نے اسے مار ڈالا۔ قتل کر دیا۔'' رابرٹ ہذیانی لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''اب ہمیں یہاں سے نکلنا چاہیے۔'' حنیف نے سل کو دوبارہ سرکا کر قبر کو بند کر دیا۔

''ان بدبختوں نے میرے بچے کو قتل کر دیا۔'' رابرٹ ہذیانی انداز میں چلایا۔

حنیف نے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے زبردستی واپسی کے لئے کھینچنے لگا۔ وہ عملاً اسے گھسیٹ رہا تھا۔ مگر پھر اچانک وہ ٹھٹھک گیا۔ اسے لگا کہ خوف سے اس کا جسم پتھرا گیا ہے۔ ''مسٹر تھورن۔'' اس نے دھیرے سے اسے پکارا۔

رابرٹ نے پلٹ کر اس کی نگاہ کے تعاقب میں دیکھا۔ اسے بھی خون اپنی رگوں میں جمتا محسوس ہوا۔

وہ جرمن نسل کا سیاہ شیفرڈ کتا تھا۔ اس کی دونوں آنکھیں ایک دوسرے سے بہت قریب تھیں اور ان میں وحشیانہ چمک تھی۔ اس کے ادھ کھلے منہ سے رال بہہ رہی تھی اور حلق میں کہیں گہرائی سے ہلکی ہلکی خوف ناک غراہٹیں ابھر رہی تھیں۔

رابرٹ اور حنیف ساکت صامت کھڑے تھے۔

کتا آہستہ آہستہ جھاڑیوں سے باہر آیا اور ان کی طرف بڑھنے لگا۔ اب انہیں اس کا پورا جسم نظر آ رہا تھا۔ وہ مرگھلا چرخ سا تھا۔ اس کے سر کی بائیں جانب ایک بڑا زخم تھا...... گھناؤنا زخم!

جھاڑیوں میں پھر حرکت ہوئی۔ ایک اور کتے کا سر نمودار ہوا۔ وہ سرمئی رنگ کا تھا۔ اس کی تھوتھنی پر زخم تھا۔

پھر ایک اور کتا نمودار ہوا...... پھر ایک اور...... ایک اور......

اچانک قبرستان تحرک سے بھر گیا۔ ہر طرف سے کتے نمودار ہو رہے تھے...... پاگل کتے...... وحشی کتے۔ ان کی تعداد دس تھی۔

رابرٹ اور حنیف اپنی جگہ پتھر کے بت بنے کھڑے تھے۔ انہیں ڈر تھا کہ ان کے جسم کی معمولی سی جنبش بھی کتوں کو اکسانے کا سبب بن جائے گی۔

''ان میں سے مردہ لاشوں کی سی بدبو اٹھ رہی ہے۔'' حنیف نے سرگوشی میں کہا۔ ''آہستہ آہستہ پیچھے ہٹیے۔''

وہ دونوں سانس بھی بڑی آہستگی سے لے رہے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگے۔ ایک طرف سر جھکائے ہوئے کتے ان کی طرف بڑھتے رہے۔ ان کا انداز ایسا تھا، جیسے شکار پر جھپٹنے کی تیاری کر رہے ہوں۔

اسی وقت رابرٹ لڑکھڑایا۔ اس کے حلق سے بے ساختہ آواز نکلی۔ حنیف نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''سنبھل کر......! اور پرسکون رہیے۔'' اس نے تسلی دینے والے انداز میں اس سے کہا۔ ''بھاگیے گا نہیں۔ یہ مردار خور کتے ہیں۔''

لیکن اس کا اندازہ غلط تھا۔ وہ دو کھلی قبروں کے پاس سے گزرے...... اور کتے وہاں نہیں رکے۔ ان کی نظریں تو بس ان دونوں پر جمی ہوئی تھیں۔

اب ہر گزرتے لمحے کے ساتھ ان کے اور کتوں کے درمیان کا فاصلہ کم ہو رہا تھا۔ حنیف کو جنگلے تک پہنچنے کی فکر تھی۔ اس نے آہستگی سے سر گھما کر دیکھا۔ جنگلا اب بھی کوئی سو گز دور تھا۔

رابرٹ پھر لڑکھڑایا اور حنیف سے چمٹ گیا۔ ان دونوں کے جسم لرز رہے تھے۔

پھر ان کی پیٹھیں کسی ٹھوس چیز سے ٹکرائیں۔ رابرٹ کا جسم بید مجنوں کی طرح لرزنے لگا۔ وہ مہیب سنگی مجسمے تک پہنچ گئے تھے اور اس وقت مجسمے کے قدموں میں نصب قربان گاہ کے پتھر پر کھڑے تھے۔

یہاں پھنس کر وہ گھر گئے۔ کتے اب نیم دائرے کی شکل میں انہیں گھیر لینے والے انداز میں اس طرح حرکت کر رہے تھے کہ ان کے بھاگنے کی ہر راہ مسدود ہو گئی تھی۔

ایک لمحہ ایسا تھا کہ شکار اور شکاری، دونوں ساکت تھے۔ سورج نکل چکا تھا۔ کتے شفق کی سرخی میں نہائے ہوئے تھے۔ اور وہ سب یوں ساکت تھے، جیسے حرکت میں آنے کے لئے کسی خاص اشارے کے منتظر ہوں۔

لمحے گزرتے گئے۔ جسموں کا تناؤ بڑھتا گیا۔ کتے زمین سے پیٹ چپکائے جھپٹنے کے لئے تیار تھے۔

پھر بالکل اچانک اعلان جنگ کے طور پر حنیف نے ہاتھ میں تھامی ہوئی جیک راڈ کو پہلے کتے کی طرف گھمایا۔ اس کے ساتھ ہی دھماکہ خیز انداز میں سکوت کا خاتمہ ہو گیا۔ کتے فضا میں اچھلے......

رابرٹ اور حنیف پلٹ کر بھاگے۔ لیکن حنیف ابتدا ہی میں گر گیا۔ ایک کتے نے عقب سے اس کی گردن دبوچ لی تھی۔ وہ لڑھک رہا تھا اور کتوں سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے گلے میں پڑے ہوئے کیمرے نے اسے دانتوں سے بچا لیا۔ کتوں کے نکیلے دانتوں نے کیمرے کا لینس توڑ ڈالا۔ وہ اس کے گوشت میں دانت گاڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔

کتے حنیف میں اس طرح الجھے کہ رابرٹ کو بھاگنے کا موقع مل گیا۔ وہ جنگلے کی طرف لپک رہا تھا کہ اچانک ایک جسیم کتا اس پر حملہ آور ہو گیا۔ رابرٹ کو کتے کے دانت اپنی پیٹھ میں اترتے محسوس ہوئے۔ وہ آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن کتا اس سے بری طرح لپٹا ہوا تھا۔ رابرٹ گھٹنوں کے بل گر گیا۔ وہ اب بھی آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر اب اور کتے بھی اسی طرف آ گئے تھے اور اس پر جھپٹ رہے تھے۔ فضا میں ان کے چمکتے دانت اور اچھلتی رال دکھائی دے رہی تھی۔ وہ دیوانہ وار ہاتھ چلاتے ہوئے انہیں ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن جنگلے کی طرف بڑھنے کی اس کی ہر کوشش ناکام ہو گئی تھی۔

کوئی اور چارہ نہ پا کر اس نے خود کو گیند کی طرح گول کیا اور لڑھکنے کی کوشش کی۔ دانت اس کی پشت میں گڑتے جا رہے تھے۔ ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ ایک لمحے کو اسے حنیف کی جھلک نظر آئی۔ وہ بھی لڑھک رہا تھا۔

خود رابرٹ کو اب درد کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ اس کے ذہن میں بس ایک خیال تھا...... یہ کہ اسے یہاں سے بچ کر نکلنا ہے۔ اس نے اٹھ کر چاروں ہاتھ پیروں پر آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ کتے اس کی پیٹھ سے چمٹے ہوئے تھے۔ لیکن وہ ایک ایک انچ کر کے جنگلے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اچانک اس کا ہاتھ کسی سرد سخت چیز سے ٹکرایا۔ وہ جیک راڈ تھی، جو حنیف نے کسی کتے کو کھینچ کر ماری تھی۔ اس نے اسے مضبوطی سے تھاما اور پیٹھ سے چمٹے ہوئے کتوں کی طرف گھمایا۔

کتوں کی چیخوں سے اسے اندازہ ہوا کہ اس کا راڈ گھمانا کارآمد ثابت ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس کے سر کے اوپر خون کا فوارہ سا اچھلا اور ایک کتا چکراتا ہوا اس کے سامنے زمین پر گرا اور ساکت ہو گیا۔

اس کامیابی نے اس کا حوصلہ بڑھایا۔ اس نے راڈ پھر گھمائی اور گھماتا چلا گیا۔ یوں اسے اٹھنے کا موقع مل گیا۔

ادھر حنیف مسلسل لڑھکتے لڑھکتے ایک درخت تک پہنچ گیا۔ کیمرا اب بھی اس کے گلے سے لٹکا ہوا تھا اور کتے اس کے کیمرے پر مسلسل حملہ کر رہے تھے۔ اسی وقت اس کی فلیش لائٹ میں جھماکا ہوا۔ کتے اس کی روشنی سے گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے۔

رابرٹ تھورن اب کھڑا ہو چکا تھا اور مسلسل راڈ گھمائے جا رہا تھا۔ راڈ کبھی کسی کتے کے سر پر لگتی اور کبھی کسی کی تھوتھنی پر۔ ساتھ ہی وہ جنگلے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

حنیف کی سمجھ میں آ گیا تھا کہ وہ اپنے کیمرے کی فلیش لائٹ کو ہتھیار کے طور پر استعمال کر سکتا ہے۔ اور وہ کر رہا تھا۔ کتے جب بھی قریب آتے، وہ فلیش کا بٹن دبا دیتا۔ روشنی کا جھماکا ہوتا اور کتے گھبرا کر پیچھے ہٹ جاتے۔ اس طرح سے وہ بھی جنگلے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

وہ رابرٹ کے پاس پہنچ گیا۔ رابرٹ جنگلے پر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ فلیش لائٹ کی مدد سے کتوں کو دور رکھ رہا تھا۔ ان کے کپڑے پھٹ گئے تھے اور چہرہ زخمی تھا۔

رابرٹ جنگلے پر چڑھ رہا تھا۔ تیزی سے چڑھنے کی کوشش میں نکیلے جنگلے نے اس کی بغل کو زخمی کر دیا۔ اس کے حلق سے چیخ نکلی۔ بہر حال اس نے خود کو گرنے سے بچایا اور جنگلے پر چڑھ کر دوسری طرف چھلانگ لگا دی۔

اب حنیف جنگلے پر چڑھ رہا تھا۔ وہ اب بھی اپنی فلیش کو استعمال کر رہا تھا۔ جنگلے پر چڑھنے کے بعد دوسری طرف چھلانگ لگانے سے پہلے اس نے کیمرے کو کتوں کی طرف اچھال دیا۔ کتے کیمرے پر جھپٹے اور اس کی دھجیاں اڑانے میں مصروف ہو گئے۔

رابرٹ زمین پر بیٹھا رو رہا تھا۔ حنیف نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے اٹھایا اور اسے سہارا دے کر ٹیکسی کی طرف لے چلا۔

ٹیکسی ڈرائیور نے نیند بھری آنکھوں سے انہیں دیکھا۔ اس کے حلق سے دہشت بھری چیخ نکلی اور آنکھیں پھیل گئیں۔ اس نے اگنیشن کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ لیکن وہاں چابی تھی ہی نہیں۔ وہ باہر نکلا۔ اس نے رابرٹ کو گاڑی میں بٹھانے میں حنیف کی مدد کی۔

رابرٹ ٹیکسی کی عقبی نشست پر ڈھیر ہو گیا۔

حنیف گاڑی کی چابی نکالنے کے لئے ڈکی کی طرف جھپٹا۔ اس نے پلٹ کر کتوں کی طرف دیکھا۔ وہ پاگل ہوئے جا رہے تھے۔ غراتے

ہوئے وہ جنگلے سے ٹکریں مار رہے تھے۔ ایک کتے نے تو جنگلے کو پھلانگنے کی کوشش بھی کی اور تقریباً کامیاب ہو گیا۔ آخری لمحوں میں جنگلے کی کیل اس کی گردن میں گھسی۔ اس کی گردن سے خون کا فوارا سا بلند ہوا وہ پلٹ کر گرا اور دوسرے کتوں نے لمحوں میں اسے چیر پھاڑ کر رکھ دیا۔

حنیف نے چابی ڈرائیور کو دی اور خود پچھلی سیٹ پر ڈھیر ہو گیا۔

ٹیکسی تیز رفتاری سے بڑھی۔ ڈرائیور نے عقب نما آئینے میں انہیں دیکھا اور جھرجھری لے کر رہ گیا۔ وہ انسان نہیں لگ رہے تھے۔ ان کے لباس چیتھڑوں میں تبدیل ہو چکے تھے۔ ان کے چہروں اور جسموں سے جا بجا خون رس رہا تھا۔ اور وہ ایک دوسرے سے لپٹ کر ننھے بچوں کی طرح رو رہے تھے۔

۞......۞......۞

ٹیکسی ڈرائیور انہیں اسپتال لے گیا، جہاں انہیں ایمرجنسی روم میں لے جایا گیا۔ پھر اس نے کار سے ان کا سامان نکالا اور اپنی ٹیکسی لے کر نکل بھاگا۔

رابرٹ تو غشی کی حالت میں تھا۔ حنیف سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔ اس کام میں وہ ماہر بھی تھا۔ اس نے ایسی معقول کہانی گھڑی کہ اسپتال والوں کو یقین آ گیا۔ "ہم نشے میں تھے۔" اس نے انہیں بتایا۔ "اس حال میں ہم ایک ایسی جاگیر میں داخل ہو گئے، جہاں تنبیہی بورڈ نصب تھے کہ وہاں رکھوالی کے لئے خون خوار کتے موجود ہیں۔ وہاں کتوں نے ہمیں گھیر لیا......"

"وہ جاگیر کہاں تھی؟" اس سے پوچھا گیا۔

"روم کے مضافات میں۔" حنیف نے بلاجھجک کہا۔ "لیکن میں نے بتایا نا کہ ہم نشے میں تھے۔ ہم اس کی نشان دہی نہیں کر سکتے۔ ہاں مجھے اتنا یاد ہے کہ وہاں نکیلی سلاخوں والا جنگلا بھی تھا۔ میرا دوست اس جنگلے پر چڑھا تھا اور اسے زخم بھی لگا۔"

ان کی مرہم پٹی بھی کی گئی اور ٹیٹنس کے انجکشن بھی لگائے گئے۔ "ایک ہفتے بعد دوبارہ آنا ہوگا تمہیں۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "ہم بلڈ ٹیسٹ کے ذریعہ تصدیق کریں گے کہ انجکشن موثر ثابت ہوئے ہیں یا نہیں۔"

اسپتال میں ہی انہوں نے کپڑے بدلے اور باہر نکل آئے۔ حنیف نے عقل مندی کی تھی کہ اسپتال والوں کو رابرٹ تھورن کے متعلق نہیں بتایا تھا۔ باہر آتے ہی انہوں ایک عام ہوٹل کا رخ کیا اور فرضی ناموں سے کمرا لیا۔

اس وقت رابرٹ کیتھی سے رابطہ کرنے کی کوشش میں مصروف تھا اور حنیف کمرے میں ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔

"وہ تمہیں ختم کر سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے نہیں کیا۔" حنیف نے کہا۔ "وہ میرے پیچھے پڑے رہے۔ مجھے ختم کرنا چاہتے تھے وہ۔"

رابرٹ نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اس کی شرٹ پر خون کا سیاہ دھبہ نظر آ رہا تھا۔

"تم سن نہیں رہے مسٹر تھورن۔ وہ کتے میری جان کے دشمن تھے۔ مجھے ختم کرنا چاہتے تھے۔" اس بار حنیف کے لہجے میں جھنجلاہٹ تھی۔

"ہیلو...... ہاسپٹل۔" رابطہ ملنے پر رابرٹ ماؤتھ پیس میں کہہ رہا تھا۔ "جی...... میری بیوی روم نمبر 614 میں ہے۔"

"وہ تو میرا کیمرا کام آ گیا۔ نہیں تو......" حنیف بدستور فریاد کیے جا رہا تھا۔

"دیکھیں...... آپ کچھ کریں۔ دس از این ایمرجنسی۔" رابرٹ نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"ہمیں اس سلسلے میں کچھ کرنا ہوگا مسٹر تھورن۔" حنیف اپنی کہے جا رہا تھا۔ "تم سنتے کیوں نہیں۔"

رابرٹ نے سر گھما کر اسے دیکھا۔ "میں سن رہا ہوں۔ تم مگیدو نامی قصبے کو تلاش کرو۔"

"کیسے تلاش کروں؟" حنیف نے بھنا کر کہا۔

"کچھ کرو۔ کسی لائبریری سے مدد لو......"

"لائبریری! او مائی گاڈ"

''ہیلو؟'' رابرٹ نے پھر ماؤتھ پیس میں کہا۔ ''کیتھی؟''

اسپتال میں کیتھی کو اپنے شوہر کے لہجے سے ہنگامی صورت حال کا اندازہ ہوا تو وہ تن کر بیٹھ گئی۔ اس کے ایک ہاتھ میں فون تھا۔ جبکہ دوسرا ہاتھ پلاسٹر میں تھا۔

''تم ٹھیک ہونا کیتھی؟'' دوسری طرف سے رابرٹ نے پوچھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔ تم کیسے ہو؟''

''میں ٹھیک ہوں۔ تمہاری طرف سے فکر مند ہو رہا تھا۔''

''تم ہو کہاں؟''

''روم میں۔ ریگل ہوٹل میں۔''

''کوئی گڑبڑ؟ کوئی پریشانی؟''

''نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔''

''تم بیمار ہو؟''

''نہیں۔ کہا نا کہ مجھے بس تمہاری فکر تھی۔''

''رابرٹ......تم واپس آجاؤ۔''

''سوری جان۔ ابھی میری واپسی ممکن نہیں۔''

''سنو رابرٹ، میں خوف زدہ ہوں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔''

''ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔''

''میں گھر فون کیے جا رہی ہوں۔ وہاں سے کوئی جواب نہیں مل رہا ہے۔''

اپنے ہوٹل کے کمرے میں رابرٹ نے حنیف کو دیکھا جو عجلت میں قمیض تبدیل کر رہا تھا، جیسے اس کا باہر جانے کا ارادہ ہو۔

''رابرٹ......میرا خیال ہے، مجھے گھر جانا چاہیے۔'' دوسری طرف سے کیتھی نے کہا۔

رابرٹ ایک دم پریشان ہو گیا۔ ''کیتھی......تم کو کہیں نہیں جانا۔ جہاں ہو، وہیں رہو۔''

''تم سمجھ نہیں رہے ہو۔ میں ڈیمین کی طرف سے فکر مند ہوں۔''

''کیتھی......خبردار۔ تم گھر جانے کا سوچنا بھی نہیں۔''

''یہ ضروری ہے رابرٹ......''

''میری بات سنو کیتھی۔تم گھر مت جانا...... کسی قیمت پر نہیں۔خواہ کچھ بھی ہوجائے۔'' رابرٹ نے تنبیہی لہجے میں کہا۔

کیتھی کو اس کے لہجے کی سنگینی نے چونکا دیا۔ ''تم بلاوجہ پریشان ہو رہے ہو۔'' اس نے تسلی دینے والے لہجے میں کہا۔ میں کوئی گڑبڑ نہیں کروں گی۔ڈاکٹر گریئر سے میری بات ہوتی رہی ہے۔میری سمجھ میں بہت کچھ آ گیا ہے۔مسائل ڈیمین کی وجہ سے نہیں ہیں۔فساد کی جڑ میں خود ہوں۔''

''کیتھی......''

''سنو رابرٹ۔ڈپریشن کے لئے میں ایک دوا لے رہی ہوں، جس کا نام لیتھیم ہے۔مجھے اس سے فائدہ ہے۔میں گھر جانا چاہتی ہوں۔اور ہاں میں یہ بھی چاہتی ہوں، کہ تم جلدی سے واپس آ جاؤ'' وہ کہتے کہتے رکی۔پھر وہ بولی تو اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ ''میں چاہتی ہوں کہ سب ٹھیک ہوجائے۔میں کوشش کروں گی۔''

''یہ دوا کس نے تجویز کی ہے؟''

''ڈاکٹر گریئر نے۔''

''بہر حال کیتھی، جب تک میں واپس نہیں آتا، تمہیں اسپتال میں ہی رکنا ہے۔''

''رابرٹ، میں پریشان ہوں۔مجھے گھر جانا ہے۔''

''خدا کے لئے کیتھی، سمجھنے کی کوشش کرو......''

''میں ٹھیک ہوں رابرٹ۔''

''نہیں، تم ٹھیک نہیں ہو۔کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے۔''

''تم بلاوجہ پریشان ہو رہے ہو۔''

''کیتھی پلیز......''

''میں گھر جا رہی ہوں رابرٹ۔''

''مت جاؤ...... میرے واپس آنے تک۔''

''تم کب واپس آؤ گے؟''

''کل صبح پہنچ جاؤں گا۔''

''لیکن میں پریشان ہوں۔گھر پر کوئی ٹیلی فون نہیں اٹھا رہا ہے۔وہاں کوئی گڑبڑ......''

''ہاں کیتھی۔وہاں کوئی گڑبڑ ہے۔'' رابرٹ نے تیز لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔

کیتھی کے جسم میں سرد لہری دوڑ گئی۔رابرٹ کے لہجے نے اسے دہلا دیا۔ ''رابرٹ...... کیا بات ہے؟ کیا گڑبڑ ہے؟''

''اب میں فون پر تو نہیں بتا سکتا''۔رابرٹ نے گھبرا کر کہا۔

''کیا ہو رہا ہے؟ ہمارے گھر میں کیا ہو رہا ہے؟'' کیتھی کا لہجہ ہذیانی ہو گیا۔

''تم میری بات مانو۔ وہاں ہرگز نہ جانا۔ اسپتال سے ہرگز نہ نکلنا۔ میں صبح واپس آ کر تمہیں سب کچھ سمجھا دوں گا۔''

''پلیز رابرٹ...... میرے ساتھ ایسا نہ کرو۔ میرے اعصاب جواب دے رہے ہیں۔ مجھ میں کوئی بڑی گڑبڑ ہے؟ میرے دماغ میں؟''

''ایسی کوئی بات نہیں کیتھی۔ گڑبڑ تمہارے اندر ہرگز نہیں ہے۔''

''تم کیا کہہ رہے ہو رابرٹ۔ صاف صاف کہو۔''

ہوٹل کے کمرے میں رابرٹ نے حنیف کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ حنیف نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''رابرٹ...... بتاؤ نا، کیا بات ہے۔''

''تو سنو کیتھی، ڈیمین ہماری اولاد نہیں ہے۔ وہ کسی اور کا بچہ ہے......'' رابرٹ نے کہا۔

''کیا......؟ کیا......!''

''تم گھر مت جانا۔ یہیں اسپتال میں میری واپسی کا انتظار کرو۔'' یہ کہہ کر رابرٹ نے ریسیور رکھ دیا۔

✿......✿......✿

رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔ کیتھی اب بھی ریسیور کان سے لگائے ساکت و صامت بیٹھی تھی۔ رابطہ کٹنے کے بعد کی ٹیون اسے سنائی دے رہی تھی۔ لیکن جیسے وہ کچھ نہیں سن رہی تھی۔ چند لمحے بعد وہ چونکی اور اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ پھر وہ دیوار پر متحرک سایوں کو گھورتی رہی۔ اس کا کمرا اسپتال کی چھٹی منزل پر تھا۔ باہر ایک درخت ہوا سے جھوم رہا تھا۔ اس کا سایہ دیوار پر لہرا رہا تھا۔

وہ خوف زدہ تھی۔ لیکن اسے احساس تھا۔ کہ خوف کے ساتھ جو ایک تشویش زدگی کی مستقل کیفیت ہوتی تھی، وہ اب نہیں رہی ہے۔ یہ لیتھیم نامی دوا موثر ثابت ہو رہی تھی۔ اس کا دماغ روشن رہتا تھا اور وہ ٹھیک سے سوچ سکتی تھی۔

اس نے ریسیور اٹھایا اور گھر کا نمبر ڈائل کیا۔ گھنٹی بج رہی تھی۔ مگر گھر میں کسی نے فون ریسیو نہیں کیا۔

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ بیڈ کے سرہانے کی طرف انٹرکام نصب تھا۔ اس نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور کوشش کر کے بٹن دبایا۔

''یس میڈم۔'' دوسری طرف سے کسی نے کہا۔

''مجھے اسپتال سے جانا ہے۔ کسی ذمے دار آدمی سے میری بات کراؤ۔''

''اس کے لئے تو آپ کو ڈاکٹر سے اجازت لینی ہو گی۔''

''تو پلیز، ان سے میری بات کرائیں۔''

''میں کوشش کرتی ہوں۔''

رابطہ منقطع ہو گیا۔ کیتھی خاموش بیٹھی رہی۔ کچھ دیر بعد ایک نرس کھانا لے کر آئی۔ لیکن کیتھی کو بھوک نہیں تھی۔

عین اس وقت وہاں سے کئی سو میل دور سرو یبٹری کے قبرستان میں خاموشی تھی۔ آسمان پر گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ اس سناٹے میں مٹی سے پنجوں کے ٹکرانے کی آواز نے خاموشی کو توڑ دیا۔ دو کھدی ہوئی قبروں کے گرد جمع مٹی کو دو جسیم کتے اپنے پنجوں کی مدد سے دوبارہ سیمنٹ کی سلوں پر گرا رہے تھے۔ وہ میکانیکی انداز میں یہ کام کر رہے تھے۔ گیدڑ اور بچے کی باقیات پر مٹی گر رہی تھی۔ کیونکہ سلیں ٹھیک طرح سے نہیں رکھی گئی تھیں۔

ان کے عقب میں جنگلے کے پاس ایک کتے کی باقیات پڑی تھیں۔ اس کے جسم کا بیشتر حصہ کھایا جا چکا تھا۔ اس کے قریب ایک اور کتا بیٹھا تھا۔ اس کتے نے آسمان کی طرف منہ اٹھایا اور بھیانک آواز میں رونے لگا۔

وہ آواز پورے قبرستان میں گونج رہی تھی۔ اور بہ تدریج اس کا حجم بڑھتا جا رہا تھا۔ پھر قبرستان میں موجود دوسرے کتے بھی اس کی آواز میں آواز ملا کر رونے لگے۔ قبرستان اس منحوس کورس کی آوازوں سے بھر گیا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ کوئی شیطانی پیغام نشر کر رہے ہیں۔

اسپتال میں اپنے کمرے میں کیتھی نے پھر انٹر کام کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس بار اس کی آواز میں بے تابی تھی۔

''کوئی ہے؟''

''جی مادام؟''

''میں نے تم سے ڈاکٹر سے بات کرنے کو کہا تھا۔''

''میں رابطہ نہیں کر سکی۔ وہ اس وقت ایک آپریشن میں مصروف ہیں۔''

کیتھی کے چہرے پر غصے اور جھنجلاہٹ کا تاثر ابھر آیا۔

''تم یہاں آ کر میری مدد کر سکتی ہو؟''

''میں کسی کو بھیجتی ہوں۔''

''پلیز...... جلدی کرو۔''

''جی...... میں کوشش کروں گی کہ جلد از جلد کسی کو بھیج دوں۔''

کیتھی نے انٹر کام رکھا اور خاصی کوشش کے بعد بستر سے اٹھی۔ وہ وارڈ کی طرف گئی اور اس میں اپنے کپڑے ٹٹولنے لگی۔ بالآخر اس نے ایک ڈھیلا ڈھالا لبادہ منتخب کیا، جسے پہننا اس کیلئے نسبتاً آسان تھا۔ لیکن جو نائٹ گاؤن وہ پہنے ہوئے تھی، اس میں اوپر گردن تک بٹن لگے ہوئے تھے۔ اس نے آئینے میں اپنے عکس کو دیکھا اور فکر مندی سے سوچا کہ اس کا ایک ہاتھ پلاسٹر میں ہے۔ ایسے میں وہ اس نائٹ گاؤن کو کیسے اتار سکے گی۔

اس نے بٹن کھولنے کی کوشش کی۔ لیکن ایک ہاتھ سے بٹن کھولنا بے حد دشوار ثابت ہو رہا تھا۔ اس نے گاؤن کو اوپر کر کے اتارنے کی کوشش کی تو گاؤن میں اس کا سر پھنس گیا۔ اب اسے گاؤن کے جامنی رنگ کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

قبرستان میں ہوا کی سنسناہٹ بڑھ رہی تھی۔ چند لمحوں میں وہ آواز کسی مشتعل درندے کی چنگھاڑ سے مشابہ ہو گئی۔

اسپتال میں اپنے کمرے میں کیتھی پھنسے ہوئے نائٹ گاؤن سے چھٹکارا پانے کے لئے سر توڑ کوشش کر رہی تھی۔ لیکن اسے لگ رہا تھا کہ

اس کوشش کے نتیجے میں اس کا سر اور گردن اور زیادہ پھنسی جا رہی ہے۔ اس احساس کے ساتھ اس کے لئے سانس لینا دشوار ہو گیا اور اسے گھبراہٹ ہونے لگی۔ اس کا دم گھٹ رہا تھا۔

دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی تو وہ پرسکون ہو گئی۔ اس کے لئے مدد آ پہنچی تھی۔

''ہیلو......!'' اس نے کہا۔ وہ کچھ دیکھ نہیں سکتی تھی۔

کوئی جواب نہیں ملا تو وہ پلٹی۔ وہ نائٹ گاؤن کے کپڑے کے پار آنے والے کو دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ''کوئی ہے......؟ کون ہے؟'' اس نے پوچھا۔

لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔

پھر کپڑے کے پار اس نے آنے والے کو دیکھ لیا۔ اس کی سانس رکنے لگیں۔

وہ مسز بے لاک تھی۔ اس نے بہت بھدا میک اپ کیا ہوا تھا۔ پاؤڈر کی وجہ سے اس کا چہرہ سفید ہو رہا تھا۔ ہونٹوں پر لپ اسٹک اس طرح لگائی گئی تھی کو وہ خون سے لتھڑے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

بولنا اس کے بس میں نہیں تھا۔ وہ بے بسی سے مسز بے لاک کو دیکھتی رہی۔

مسز بے لاک بڑھی اور اس نے کھڑکی کھول دی۔ پھر وہ چھٹی منزل کی کھڑکی سے نیچے دیکھنے لگی۔

''پلیز میری مدد کرو۔'' کیتھی نے بہ مشکل سرگوشی میں کہا۔ ''یہ نائٹ گاؤن میری گردن میں پھنس گیا ہے۔''

مسز بے لاک دانت نکال کر ہنسنے لگی۔ اس کے انداز میں کوئی بات تھی، جس سے کیتھی کو خوف آنے لگا۔

''بہت خوب صورت دن ہے کیتھی۔'' مسز بے لاک نے کہا۔ ''پرواز کے لئے بہترین دن۔''

وہ آگے بڑھی اور اس نے نائٹ گاؤن کو مٹھی میں دبوچ لیا۔

''پلیز......پلیز......'' کیتھی بچوں کی طرح رو رہی تھی۔

ان دونوں کی نگاہیں ملیں......وہ ایک طویل، مگر آخری لمحہ تھا۔

''تم بہت خوب صورت لگ رہی ہو اس حال میں۔'' مسز بے لاک نے بے رحمی سے کہا۔ ''مجھے ایک پپا تو دو۔''

وہ آگے بڑھی اور کیتھی گھبرا کر لڑکھڑاتے ہوئے پیچھے ہٹی۔ مسز بے لاک اب اسے کھڑکی کی طرف دھکیل رہی تھی۔

اسپتال کے ایمرجنسی والے داخلی دروازے سے ایک ایمبولنس اندر آئی۔ اس کا سائرن چیخ رہا تھا اور گھومنے والی سرخ بتی روشن تھی۔ اس کے پہیے چرچرائے......

اسی لمحے اسپتال کی چھٹی منزل کی کھڑکی میں ایک عورت نمودار ہوئی جو جامنی رنگ کے نائٹ گاؤن میں لپٹی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ بھی نائٹ گاؤن میں لپٹا ہوا تھا۔ اگلے ہی ثانیے وہ کھڑکی سے گرتی نظر آئی۔ اس کا پلاسٹر میں لپٹا ہوا ہاتھ بہت عجیب لگ رہا تھا۔

کسی نے اسے نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ وہ ایمبولنس کی چھت سے ٹکرائی۔ ٹکرا کر اچھلی، پھر اچھلی۔ پھر لڑھکتی ہوئی ڈرائیووے میں گر گئی۔ نیچے گرنے سے پہلے ہی وہ مرچکی تھی۔

سرویٹری کے قبرستان میں اب سکوت تھا۔ قبریں بھر دی گئی تھیں۔ کتے نجانے کہاں غائب ہو گئے تھے:

پاکستان عالمی سازش کے نرغے میں

طارق اسماعیل ساگر کے چشم کشا مضامین کا مجموعہ..... جن میں پاکستان کو لاحق تمام اندرونی و بیرونی خطرات و سازشوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ 4 اگست 2009 کے موقع پر، پاکستانی نوجوانوں کو باشعور کرنے کی کتاب گھر کی ایک خصوصی کاوش..... درج ذیل مضامین اس کتاب میں شامل ہیں: پاکستان پر دہشت گردوں کا حملہ، 20 ستمبر پاکستان کا نائن الیون بن گیا، دھماکے، وطن کی فکر کر ناداں!، پاکستان عالمی سازش کے نرغے میں، حکمتِ عملی یا سازش، طالبان آ رہے ہیں؟، محلاتی سازشوں کے شکار، ابھی تو آغاز ہوا ہے!، بلیک واٹر آرمی، اکتوبر سرپرائز اور ''کشمیری دہشت گرد''، سازشی متحرک ہو گئے ہیں!، وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے!، پاکستان کے خلاف ''گریٹ گیم''، جمیت نام تھا جس کا.....، آئی ایم ایف کا پھندہ اور لائن آف کا مرس، آئی ایس آئی اور ہمارے اربابِ اختیار، ڈاکٹر عافیہ صدیقی کا اغواء، کمانڈو جرنیل بالآخر عوام کے غضب کا شکار ہو گیا، انجامِ گلستاں کیا ہو گا؟، خون آشام بھیڑیے اور بے چارے پاکستانی، عالمی مالیاتی ادارے، چلیے تو کٹ ہی جائے گا سفر!، APDM، سکے جمع کرنے کا شوق، اب کیا ہو گا؟، الیکشن 2008ء اور تلخ زمینی حقائق، کیا ہم واقعی آزاد ہیں؟، آمریت نے پاکستان کو کیا دیا، ہم کس کا ''کھیل'' کھیل رہے ہیں! نئی روایات قائم کیجئے، نیا پنڈورا باکس کھل رہا ہے، قومے فروختند وچہ ارزاں فروختند!، خوراک کا قحط!، 10 جون سے پہلے کچھ بھی ممکن ہے؟، پہنا گئی درویش کو تاجِ سرِ دارا، کالا باغ ڈیم منصوبے کا خاتمہ، بے نظیر کا خون کب رنگ لائے گا؟، صدر کا مواخذہ، صدر کو اہم مسائل کا سامنا ہے، جنابِ صدر! پاکستانیوں پر بھی اعتماد کیجئے!، نیا صدر..... نئے چیلنج اور سازشیں، 23 مارچ کا جذبہ کہاں گیا؟، امریکہ، امریکہ کی عسکری اور بھارت کی آبی جارحیت، امریکی عزائم اور ہماری بے بسی، پاکستانی اقتدارِ اعلیٰ کا احترام کیجئے!، امریکہ کی بڑھتی جارحیت، ہماری آنکھیں کب کھلیں گی؟، وقتِ دعا ہے!، امریکی جارحیت کا تسلسل، جارحانہ امریکی یلغار اور بھارتی مداخلت، وزیرِ اعظم کے دورے، عالمی منظر نامہ بدل رہا ہے، باراک اوباما، ممبئی لرز اٹھا، بھارت خود کو امریکہ سمجھ رہا ہے، بھارت سے ہوشیار، مقبوضہ کشمیر میں آزادی کی نئی لہر

اس کتاب کو **پاکستان کی تاریخ اور حالات حاضرہ** سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

وہ تھکن سے چور ہو کر سوئے تھے۔ فون کی گھنٹی نے انہیں جگا دیا۔ ''یس؟'' رابرٹ نے ریسیور اٹھاتے ہوئے نیند بھری آواز میں کہا۔

دوسری طرف ڈاکٹر بیکر تھا۔ اس کی آواز سنتے ہی احساس ہو گیا کہ وہ کوئی بری خبر سنانے والا ہے۔

''مجھے خوشی ہے کہ میں نے آپ کو تلاش کر لیا۔'' ڈاکٹر بیکر کہہ رہا تھا۔ ''اس ہوٹل کا نام کیتھی کی نائٹ ٹیبل پر لکھا تھا۔ مگر اس ہوٹل کو تلاش کرنا بہت دشوار ثابت ہوا۔ حیرت ہے کہ آپ ایسے معمولی ہوٹل میں......''

''بات کیا ہے؟ مجھے بات بتاؤ۔'' رابرٹ نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

''مجھے افسوس ہے کہ میں پردیس میں فون پر یہ خبر دے رہا ہوں۔''

''کیا ہوا ہے؟'' رابرٹ کے لہجے میں خوف تھا۔

''کیتھی نے اسپتال کی کھڑکی سے چھلانگ لگا دی۔''

''کیا...... کیا کہہ رہے ہو؟''

''مجھے افسوس ہے مسٹر تھورن۔ وہ مر چکی ہیں۔''

رابرٹ کے گلے میں جیسے کوئی گولا سا پھنس گیا۔ وہ کچھ بولنے کے قابل نہیں رہا۔

''ہم درست تفصیل سے تو بے خبر ہیں۔'' ڈاکٹر بیکر نے کہا۔ ''اس نے اسپتال سے رخصت ہونے کی بات کی تھی۔ پھر اچانک وہ اوپر سے گر گئی......''

''وہ...... وہ...... مر چکی ہے!'' رابرٹ سسک رہا تھا۔

''وہ گرتے ہی ختم ہو گئی۔ سر کے بل گری تھی۔''

رابرٹ نے ریسیور سینے سے لگایا اور رونے لگا۔

''مسٹر تھورن۔'' ڈاکٹر اسے پکار رہا تھا۔

اسی لمحے رابطہ منقطع ہو گیا۔

اپنے کمرے کی تاریکی میں رابرٹ رو رہا تھا۔ باہر کاریڈور تک اس کی سسکیوں کی گونج سنائی دے رہی تھی۔ رات کی ڈیوٹی والے پورٹر نے وہ آواز سنی تو آ کر دروازے پر دستک دی۔ اس کے نتیجے میں اندر خاموشی چھا گئی۔

آدھی رات کے بعد حنیف واپس آیا۔ اس کے چہرے پر تھکن تھی اور انداز سے نڈھال نظر آ رہا تھا۔ اس نے رابرٹ تھورن کو دیکھا جو اپنے بستر پر اوندھا لیٹا تھا۔ ''مسٹر تھورن؟'' اس نے پکارا۔

''کیا ہے؟'' رابرٹ نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''میں پہلے لائبریری گیا۔ پھر ایک آٹو کلب گیا۔ جو کبھی رائل جیوگرافک سوسائٹی کہلاتا تھا۔''

رابرٹ نے جواب نہیں دیا تو وہ بیڈ پر بیٹھ گیا۔ اسے احساس ہوا کہ رابرٹ کی قمیص پر خون کے دھبے پہلے سے زیادہ پھیل گئے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ خون مسلسل رستا رہا ہے۔ ''میں نے مگیدو کے بارے میں معلوم کرلیا ہے۔ اس کا ماخذ لفظ آرمیگیدون ہے، جس کا مطلب ہے...... دنیا کا خاتمہ۔'' اس نے کہا۔

''یہ ہے کہاں؟'' رابرٹ نے پوچھا۔

''زمین سے 50 فٹ نیچے...... یروشلم شہر کے باہر۔ وہاں کوئی امریکی یونیورسٹی کھدائی کر رہی ہے۔''

رابرٹ نے پھر کوئی جواب نہیں دیا۔ حنیف نڈھال انداز میں بستر پر لیٹ گیا۔

''میں وہاں جانا چاہتا ہوں۔'' چند لمحے بعد رابرٹ نے کہا۔

حنیف نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ ''اگر آپ کو اس شخص کا نام یاد آ جائے، جس کا ٹیسون نے حوالہ دیا تھا......''

''وہ مجھے یاد آ گیا ہے...... بیوگن ہیگن۔''

حنیف نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ اب بھی اس کی آنکھوں میں دیکھنے سے قاصر تھا۔ ''بیوگن ہیگن؟''

''ہاں...... اور مجھے وہ نظم بھی یاد آ گئی ہے۔''

حنیف کے چہرے پر الجھن تھی۔ ''یعنی تمہیں بیوگن ہیگن نامی شخص سے ملنا ہے؟''

''ہاں۔''

''وہ تو سترھویں صدی کا ایک ایگزارسسٹ تھا۔ جو کتابیں ہمارے پاس ہیں، ان میں سے کسی کتاب میں اس کا تذکرہ ہے۔''

''مجھے سب کچھ یاد آ گیا ہے۔ ٹیسون کی ہر بات یاد آ گئی ہے۔ اس نے یہی نام بتایا تھا۔''

''بالکل اچانک! حیرت ہے۔''

''جب یہودی سرزمین مقدس میں واپس آئیں گے......'' رابرٹ نظم دہرانے لگا۔ ''...... آسمان پر ایک کومٹ نظر آئے گا۔ جب مقدس روم کی سلطنت کو عروج ہوگا۔ تب ہم مرجائیں گے۔''

حنیف غور سے سن رہا تھا۔ رابرٹ کے لہجے کے بے تاثر پن نے اسے چوکنا کر دیا تھا۔ ویسے بھی اسے لگ رہا تھا کہ رابرٹ تھورن میں کوئی بہت بڑی تبدیلی رونما ہوئی ہے۔

''تب وہ بحر ابد سے ابھرے گا......'' رابرٹ کہتا رہا۔ ''دونوں کناروں پر فوجیں ہوں گی۔ وہ بھائی کو بھائی سے لڑائے گا۔ یہاں تک کہ انسان کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا۔''

وہ خاموش ہو گیا۔ حنیف چند لمحے اس کے بولنے کا انتظار کرتا رہا۔ خاموشی نہ ٹوٹی تو اس نے پوچھا۔ ''کوئی خاص بات ہے؟''

''کیتھی مر گئی۔'' رابرٹ نے بے تاثر لہجے میں کہا۔ ''اب میں چاہتا ہوں کہ یہ بچہ بھی مر جائے۔''

وہ دونوں خاموش تھے۔ان سے سویا نہیں گیا۔وہ کروٹیں بدلتے رہے۔یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔

صبح آٹھ بجے حنیف نے فون کیا اور اسرائیل جانے والی دوپہر کی فلائٹ پر سیٹیں بک کرالیں۔

رابرٹ نے بہت سفر کیے تھے۔لیکن وہ اسرائیل کبھی نہیں گیا تھا۔اس ملک کے بارے میں اس کی معلومات محض اخباری تھیں یا پھر بائبل کے حالیہ مطالعے کی مرہون منت تھیں۔ چنانچہ اس کی جدیدیت نے اسے حیران کردیا۔ یہ وہ ملک تھا، جس کی تاریخ فرعون کے عہد سے وابستہ تھی۔ اوراب وہاں جدید عمارتیں تھیں۔بنجر صحرا کے سینے پر ایک نئی دنیا آباد ہوگئی تھی۔ ہر طرف تعمیرات ہورہی تھیں۔ ہر طرف دیو قامت کرینیں متحرک نظر آتی تھیں۔

ائیر پورٹ پر سکیورٹی بہت سخت تھی۔ان کے سامان کی...... خاص طور پر حنیف کے سامان کی بہت باریک بینی سے تلاشی لی گئی۔صاف پتا چل رہا تھا کہ اسرائیلی دہشت گردی سے بری طرح خائف ہیں۔

ان دونوں کو خاصی دیر ائیر پورٹ پر روکا گیا۔ان کے چہروں کی خراشیں انہیں مشتبہ بنانے کے لئے کافی تھیں۔رابرٹ نے ویسے بھی سرکاری پاسپورٹ کی بجائے اپنا نجی پاسپورٹ استعمال کیا تھا۔کسی کو پتا نہیں چلا کہ وہ ایک اہم امریکی کارندہ ہے۔

انہوں نے ٹیکسی لی اور ہلٹن ہوٹل چلے گئے۔لابی کی دکان سے انہوں نے اپنے لئے ہلکے ملبوسات خریدے۔شہر میں گرمی بہت تھی۔اور عمارتوں میں کنکریٹ کے استعمال نے گرمی میں اضافہ کردیا تھا۔رابرٹ کو اتنا پسینہ آیا کہ زخموں کی پٹیاں بھیگ گئیں اور زخموں میں تکلیف ہونے لگی۔ بغل کے نیچے پٹی ہٹائی گئی تو پتا چلا کہ زخم رس رہا ہے۔

''آپ پہلے کسی ڈاکٹر سے رجوع کریں۔'' حنیف نے کہا۔

''نہیں۔اس کی ضرورت نہیں'' رابرٹ بولا۔ ''تمہیں بس بیوگن ہیگن کو تلاش کرنا ہے۔''

ان کے تیار ہوتے ہوتے اندھیرا ہو چلا تھا۔وہ شہر کی سڑکوں پر پھرتے رہے۔اپنی تلاش شروع کرنے سے پہلے انہیں یہ وقت گزاری کرنی تھی۔رابرٹ کمزوری محسوس کررہا تھا۔دوسرے اس کا پسینہ نہیں رک رہا تھا۔وہ کچھ کھانے کے لئے ایک کیفے میں چلے گئے۔رابرٹ کو اپنی توانائی بحال کرنے کی فکر تھی۔ان کے درمیان خاموشی تھی اور وہ خاموشی حنیف کو پریشان کررہی تھی۔وہ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

اچانک اسے دو خوب صورت عورتیں نظر آگئیں۔وہ انہیں دلچسپی سے دیکھ رہی تھیں۔

''آپ کو پتا ہے، ہمیں اپنا دھیان بٹانے کی ضرورت ہے۔'' حنیف نے رابرٹ سے کہا۔

''کیا مطلب؟''

''حسن یہود''

رابرٹ نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔

حنیف کی نگاہوں کی شہ پا کر دونوں عورتیں ان کی میز کی طرف بڑھ آئیں۔

''سرخ تل والی میری۔'' حنیف نے کہا۔

رابرٹ نے بدمزگی سے اسے دیکھا اور کندھے جھٹک دیے۔

حنیف نے اٹھ کر دونوں عورتوں کا خیر مقدم کیا۔ اور انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ''انگلش بولتی ہو؟'' اس نے ان کے بیٹھنے کے بعد پوچھا۔

وہ دونوں مسکرادیں۔ لیکن بولیں کچھ نہیں۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ انگلش سے نابلد ہیں۔

''یہ اور بھی اچھا ہے۔'' حنیف نے کہا۔ ''اب میں جی بھر کے انہیں برا بھلا کہہ سکتا ہوں۔''

رابرٹ کی بدمزگی اور بڑھ گئی۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ''میں ہوٹل واپس جا رہا ہوں۔ تم اپنی تفریح کر کے آجانا۔''

''کم از کم مینو تو چیک کر لیں۔'' حنیف نے آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

''مجھے بھوک ہی نہیں ہے۔ تو مینو دیکھ کر کیا کروں گا۔''

رابرٹ کے جانے کے بعد حنیف عورتوں کی طرف مڑا ''میرا ساتھی بہت بدذوق ہے۔''

باہر سڑک پر رابرٹ نے پلٹ کر دیکھا۔ حنیف دونوں عورتوں کی طرف جھک کر گفتگو کر رہا تھا۔

رابرٹ ادھر ادھر پھرتا رہا۔ دکھ اس کے سینے پر کسی بھاری سل کی طرح رکھا تھا۔ اس کی بغل کے نیچے درد لہریں لیتا، پھڑکتا محسوس ہو رہا تھا۔ اور اس اجنبی شہر میں رات کی آوازیں اس کے لئے اجنبی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اس وقت موت اسے یہاں آلے تو وہ کشادہ باہوں کے ساتھ اسے خوش آمدید کہے گا۔

وہ ایک نائٹ کلب کے سامنے سے گزرا۔ باوردی چوکیدار نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے اندر آنے کی ترغیب دی۔ مگر اس نے بڑی بے رخی سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ وہ آگے بڑھتا رہا۔ نہ وہ کچھ دیکھ رہا تھا، نہ اسے کچھ سنائی دے رہا تھا۔ اس وقت تو وہ اپنے آپ سے بھی بے گانہ تھا۔

آگے اسے ایک سائناگوگ نظر آیا۔ عبادت کرنے والے معبد سے باہر آ رہے تھے۔ وہ خاموشی سے اندر چلا گیا۔ قربان گاہ پر ستارہ داؤد جگمگا رہا تھا۔ اس کے نیچے شیشے کے کیس میں کتاب مقدس کے صفحات نظر آ رہے تھے۔ وہ وہاں جا کھڑا ہوا۔

''میں آپ کی کچھ مدد کر سکتا ہوں؟''

وہ آواز ایک تاریک گوشے سے آئی تھی۔ رابرٹ نے پلٹ کر دیکھا۔ ربی باہر آ رہا تھا۔ وہ سیاہ لباس پہنے ہوئے تھا۔ سر پر سیاہ ہیٹ تھا۔

''یہ اسرائیل میں موجود توریت کا قدیم ترین نسخہ ہے۔'' ربی نے شیشے کے کیس میں رکھے ہوئے صفحات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ بحیرہ احمر کے ساحلی علاقوں سے ملا ہے۔''

رابرٹ نے ربی کو بہت غور سے دیکھا۔ ربی کی نگاہوں میں فخر تھا۔

''اسرائیل کی مٹی کے نیچے تاریخ کے خزانے چھپے ہوئے ہیں۔'' بوڑھے آدمی نے سرگوشی میں کہا۔ ''مجھے تو افسوس ہے کہ اس زمین پر ہم

چلتے ہیں۔‘‘اس نے پلٹ کر رابرٹ کو دیکھا اور مسکرایا۔’’آپ باہر سے آئے ہیں نا؟‘‘

’’جی ہاں۔‘‘

’’کس سلسلے میں؟‘‘

’’مجھے کسی کی تلاش ہے۔‘‘

’’میں بھی کسی کی تلاش میں یہاں آیا تھا......اپنی بہن کی تلاش میں۔مگر وہ مجھے نہیں ملی۔‘‘ربی مسکرایا۔’’کون جانے، جہاں ہم چل رہے ہیں، وہیں کہیں وہ دفن ہو۔‘‘

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر ربی نے اٹھ کر ایک لائٹ آف کر دی۔

’’شاید آپ نے بیوگرہیگن کا نام سنا ہو۔‘‘رابرٹ نے کہا۔

’’پولینڈ کا رہنے والا ہے؟‘‘

’’یہ تو مجھے نہیں معلوم۔‘‘

’’یہاں......اسرائیل میں رہتا ہے؟‘‘

’’میرا خیال تو یہی ہے۔‘‘

’’وہ کرتا کیا ہے؟‘‘

رابرٹ کو اپنی حماقت پر افسوس ہونے لگا۔ وہ ایک ایسے شخص کو ڈھونڈتا پھر رہا ہے، جس کے بارے میں اسے کچھ بھی معلوم نہیں۔اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے، شرمندہ لہجے میں کہا۔’’مجھے معلوم نہیں۔‘‘

’’نام تو جانا پہچانا لگتا ہے۔‘‘

وہ اس اندھیرے میں کچھ دیر کھڑے رہے۔ربی ایسے سوچ رہا تھا، جیسے یادداشت پر زور دے رہا ہو۔

’’آپ جانتے ہیں، ایگزارسسٹ کیا ہوتا ہے؟‘‘

ربی مسکرایا۔’’شیطان کے حوالے......؟‘‘

’’جی ہاں۔‘‘

ربی نے ہنستے ہوئے ہاتھ لہرایا۔

’’آپ ہنسے کیوں؟‘‘رابرٹ نے پوچھا۔

’’ایسا کچھ ہوتا نہیں ہے۔‘‘

’’کیا مطلب؟‘‘

''شیطان کوئی حقیقت نہیں ہے۔'' ربی نے کہا اور جس طرف سے آیا تھا، ادھر واپس چل دیا۔

رابرٹ نے توریت کے نسخے پر ایک نظر ڈالی، پھر پلٹا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

☼..........☼..........☼

حنیف آدھی رات کے بعد واپس آیا۔ رابرٹ اس کا منتظر تھا۔ ''کر آئے تفریح؟'' اس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔ ''کیسی رہی؟''

''شاندار'' حنیف نے ڈھٹائی سے کہا۔

''تم مسلم ہو۔ پھر بھی......''

''جبھی تو'' حنیف نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''یہ میری قومی غیرت کا معاملہ تھا۔ مجھے یہودیوں سے نفرت ہے۔ تم غلط سمجھ رہے ہو مسٹر تھورن۔ میرا مقصد عیاشی نہیں تھا۔ وہ مجھے ادائیں دکھاتی رہیں۔ انہیں مجھ سے تگڑے مال کی توقع تھی۔ میں نے جی بھر کے ان کا وقت ضائع کیا۔ پھر ان کے ہاتھ پر دس سینٹ کا ایک ایک سکہ رکھ دیا۔ ان کی حیرت میرا انعام تھا۔ پھر انہیں احساس ہوا کہ میں انہیں استعمال کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تو انہیں توہین اور ذلت کا احساس ہوا۔ وہ میرے لیے بونس تھا۔ انہوں نے نفرت سے وہ سکے پھینک دیے۔ مجھے قہقہے لگانے کا موقع مل گیا۔ یہ تھی میری تفریح۔''

رابرٹ نے اسے ہمدردی سے دیکھا ''یہی تو مسئلہ ہے تم لوگوں کے ساتھ۔ تمہیں نفرت کا سلیقہ بھی نہیں۔ جسم فروش عورت تو پہلے ہی اپنی قوم کے لئے ذلت کا نشان ہوتی ہے۔ انہیں ذلیل کرنے کا کیا حاصل؟ اسی لیے تو تمہاری قوم پیچھے ہے۔''

''یہ آگے پیچھے کا فلسفہ بہلاوا ہے مسٹر تھورن؟'' حنیف نے سنجیدگی سے کہا۔ اس کے تیور بدلے ہوئے تھے۔ شاید اسرائیل کی فضا نے اس کی قومی غیرت وحمیت کو جھنجوڑ دیا تھا۔ وہ رابرٹ کو تم کہہ کر مخاطب کر رہا تھا اور برابری کی سطح پر بات کر رہا تھا۔ ''ہم بیک ورڈ سہی۔ لیکن اپنے دشمن کو پہچانتے ہیں۔ ان سے سمجھوتہ نہیں کرتے۔ اور ہم اپنی نفرت میں آزاد ہیں۔ تم ترقی یافتہ ہو۔ جمہوریت کے علم بردار ہو۔ لیکن درحقیقت ایک اقلیت نے تمہیں غلام بنا رکھا ہے۔ تم تو اپنے دشمن کو پہچانتے بھی نہیں۔ آنکھیں بند کر کے اپنے چھپے دشمن کی مدد کر رہے ہو۔ اسے خود مضبوط کر رہے ہو۔ اور جب یہ بات تمہاری سمجھ میں آئے گی تو بہت دیر ہو چکی ہوگی۔ بلکہ شاید تم یہ کبھی سمجھ ہی نہ پاؤ۔''

رابرٹ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''کہاں کی ہانک رہے ہو؟ نشے میں تو نہیں ہو تم؟''

''تم نہیں سمجھ سکتے مسٹر تھورن۔ تمہاری منزل امریکی صدارت ہے۔ یہودیوں کو نہیں نوازو گے تو اپنی منزل پر پہنچ نہیں سکو گے۔ تمہیں یاد ہے، لندن میں تمہاری تقریر کے دوران ایک لڑکے نے مداخلت کی تھی۔ یاد ہے نا؟ میں تمہیں بتاؤں، اس نے تمہارے اور امریکہ کے بارے میں جو کچھ کہا تھا، وہ بالکل سچ تھا۔ تم مسلمانوں سے ڈرتے ہو۔ تمہارا خیال ہے کہ وہی تمہاری تباہی کا سبب بنیں گے۔ اور تم یہودیوں کو پال رہے ہو۔ انہیں تم دوست سمجھتے ہو۔ حالانکہ مسلمان تمہارے قدرتی حلیف ہیں۔ اور تم پر تباہی یہودیوں کی وجہ سے آئے گی۔ جو تمہارے حقیقی دشمن ہیں۔''

''تمہارے اندر کتنی سیاست بھری ہوئی ہے۔'' رابرٹ نے بدمزگی سے اسے دیکھا۔ ''اور وہ بھی کتنی غلط۔ امریکہ اسرائیل کو نہیں پال رہا

ہے۔"

"تم نے اسرائیل کا ساتھ نہ دیا ہوتا تو اسرائیل پنپ ہی نہیں پاتا۔ مگر تمہیں نہیں معلوم کہ تم نے آستین میں سانپ پالا ہے۔"

"اچھا بھائی، سو جاؤ۔" رابرٹ نے بےزاری سے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔

حنیف چند لمحے اسے گھورتا رہا۔ پھر بیڈ پر ڈھیر ہو گیا۔

صبح حنیف نے رابرٹ کو اٹھا دیا۔ "اٹھ جاؤ مسٹر رابرٹ۔ آج تمہیں وہاں جانا ہے، جہاں امریکی یونیورسٹی والے کھدائی کر رہے ہیں۔"

رابرٹ اٹھا اور تیار ہونے لگا۔

یروشلم کا وہ سیاحتی ٹور ایک منی بس میں ہو رہا تھا۔ ان دونوں کے علاوہ دس پسنجر اور تھے۔ منی بس کا رخ پرانے یروشلم کی طرف تھا۔

دیوار گریہ کے پاس گاڑی رکی۔ تمام لوگ منی بس سے اترے اور تصویریں بنانے لگے۔ کمرشل ازم وہاں بھی موجود تھا اور بے حد واضح تھا۔ روتے، آہ و زاری کرتے یہودیوں کے درمیان پھیری والے اپنا سودا بیچنے کے لیے حلق کے بل آوازیں لگاتے پھر رہے تھے۔ وہاں ہاٹ ڈاگ والے بھی تھے اور کولڈ ڈرنک والے بھی۔ آرائشی اشیاء اور نوادرات کی نقلیں بھی کثرت سے بک رہی تھیں۔

اس کے بعد صحرا کا سفر شروع ہوا۔ اس میں دلچسپی کا کوئی سامان نہیں تھا۔ ان کا گائیڈ اس علاقے کے تاریخی پس منظر کے متعلق بے حد تفصیل سے بتا رہا تھا۔ اس نے گولان کی پہاڑیوں کی طرف اشارہ کیا، جہاں عربوں اور یہودیوں کے درمیان بڑے معرکے ہوئے۔ گائیڈ عربوں اور یہودیوں کی دشمنی کے متعلق بتا رہا تھا۔

پھر گائیڈ بھی خاموش ہو گیا۔ ان کا سفر جاری تھا۔

بالآخر وہ منزل پر پہنچ گئے۔ وہاں تک پہنچتے پہنچتے وہ گرمی اور تھکن سے نڈھال ہو چکے تھے۔ جس علاقے میں کھدائی ہو رہی تھی، اسے اس کی رکاوٹوں کے ذریعے الگ تھلگ کر دیا گیا تھا۔

گائیڈ نے انہیں بتایا کہ جہاں کھدائی ہو رہی ہے، وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت تھی۔ یہیں نہروں کا وہ جال تھا، جس کے ذریعے 60 میل دور یروشلم تک پانی پہنچایا جاتا تھا۔ یہیں کہیں وہ قدیم شہر بھی دفن ہے، جس کے بارے میں بہت لوگوں کا خیال ہے کہ وہیں پر بائبل تخلیق کی گئی تھی۔ اس کا نفس مضمون تو پہلے ہی پا لیا گیا تھا اور محفوظ کر دیا گیا تھا۔ کھدائی کرنے والوں کو اندازہ نہیں تھا۔ کہ وہ شہر کہاں ملے گا۔ اس لیے یہاں مشینوں سے بڑے پیمانے پر کھدائی کرنے کی بجائے کدال اور پھاوڑوں کی مدد سے ایک ایک انچ کر کے کھدائی کی جا رہی تھی۔

رابرٹ اور حنیف وہاں موجود آثار قدیمہ کے طلبا کی طرف لپکے۔ انہوں نے ان سے بیوگن ہیگن کے بارے میں پوچھا۔

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر نفی میں سر ہلائے۔ "یہ نام تو ہم نے کبھی نہیں سنا۔" ان میں سے ایک بولا۔

"اور میگیدو نامی قصبہ کے بارے میں کچھ جانتے ہو؟"

''ہاں۔اس نام کاایک شہر تھا۔صدیوں پہلے تباہی آئی تو وہ زمین میں دفن ہو گیا۔''

''کس نوعیت کی تباہی؟''

''ممکن ہے، زلزلہ ہو۔ممکن ہے، سیلاب ہو، کیونکہ یہاں ہمیں سیپیاں اور چمکیلے پتھر ملے ہیں، جو یہاں کبھی پانی کی موجودگی کی گواہی دیتے ہیں۔''

وہ دونوں وہاں سے ناکام تل ابیب آئے۔وہاں بازاروں میں گھومتے ہوئے انہوں نے لوگوں سے بیوگن ہیگن کے بارے میں پوچھا۔ اس کے جواب میں ہمیشہ انہیں چہروں پر سپاٹ پن نظر آیا۔اس کے باوجود وہ کریدتے رہے۔لیکن حاصل کچھ نہیں ہوا۔

رابرٹ اب جھنجلا رہا تھا۔اس کی طاقت تیزی سے کم ہو رہی تھی۔اب بھاگ دوڑ کا کام حنیف کے ذمے تھا۔وہ دکانوں اور فیکٹریوں میں گیا۔اس نے ٹیلی فون ڈائریکٹری کھنگال ڈالی۔یہاں تک کہ وہ پولیس اسٹیشن بھی پہنچ گیا۔

''مجھے تو لگتا ہے کہ بیوگن ہیگن نے نام بدل لیا ہے۔اگلی صبح حنیف نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔وہ اس وقت ایک پارک میں، بنچ پر بیٹھے تھے۔'' کون جانے اب وہ جارج ہوگن ہے، جم ہیگن ہے یا ازی ہیگن برگ۔''

اس سے اگلے روز وہ تل ابیب سے یروشلم منتقل ہو گئے۔وہاں انہوں نے ایک چھوٹے سے ہوٹل میں کمرا لے لیا۔پھر وہ سڑکوں پر نکل کھڑے ہوئے۔وہ عام لوگوں سے بیوگن ہیگن کے بارے میں پوچھتے رہے کہ شاید کسی نے یہ نام سنا ہو۔لیکن وہ ناکام رہے۔لگتا تھا، وہ عمر بھر یہ سب کچھ کرتے رہیں تو بھی کچھ نتیجہ نہیں نکلے گا۔

''میں تو ہتھیار ڈالنے کے حق میں ہوں۔''اس شام اپنے کمرے میں حنیف نے کہا۔

گرمی بہت شدید تھی۔رابرٹ بیڈ پر لیٹا تھا اور اس کا جسم پسینہ اگل رہا تھا۔

''اگر بیوگن ہیگن کا وجود ہے بھی تو ہم اسے تلاش نہیں کر سکتے۔''حنیف نے کہا۔''اور کون جانے کہ اس کا وجود ہی نہ ہو۔''

رابرٹ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''دیکھو نا، پادری ٹیسون تمام وقت مارفین کے زیر اثر رہتا تھا۔اور ہم نے اس کے کہے کو اللہ کا حکم سمجھ لیا ہے۔''حنیف کے لہجے میں جھنجلاہٹ تھی۔''وہ تو شکر ہے کہ اس نے تمہیں چاند پر جانے کو نہیں کہا۔ورنہ اس وقت ہم وہاں سردی سے ٹھٹھر رہے ہوتے۔''

رابرٹ اب بھی خاموش تھا۔

حنیف بیڈ پر بیٹھ گیا اور اسے گھورنے لگا۔''مسٹر تھورن'' پہلے تو بات میری سمجھ میں آتی تھی۔مگر اب یہ سب کچھ احمقانہ لگ رہا ہے۔''

رابرٹ نے تائید میں سر ہلایا اور خاصی کوشش کے بعد اٹھ کر بیٹھ گیا۔اس کی پٹی اتر گئی تھی اور قمیص کے نیچے زخم نظر آ رہا تھا۔

''اس زخم کی حالت تو مجھے ٹھیک نہیں لگتی۔''حنیف نے تشویش سے کہا۔

''ٹھیک ہے۔اس کی فکر نہ کرو۔''

''مجھے تو یہ انفیکشن لگتا ہے۔''

''میں نے کہا نا، پریشانی کی کوئی بات نہیں۔'' رابرٹ نے چڑچڑے پن سے کہا۔

''میں کسی ڈاکٹر سے بات کروں؟''

''تم صرف بڈھے بیو گن ہیگن کو تلاش کرو۔ مجھے صرف اس کی ضرورت ہے۔'' رابرٹ نے بھنا کر کہا۔

حنیف جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے جا کر دروازہ کھولا۔ دروازے پر کوئی بھکاری کھڑا تھا۔ حنیف نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ چھوٹے قد کا دبلا پتلا عرب تھا۔ وہ بوڑھا تھا اور اس کے بدن پر قمیص نہیں تھی۔

''کیا بات ہے؟'' حنیف نے اس سے ترش لہجے میں پوچھا۔

''تم بڈھے کے بارے میں پوچھتے پھر رہے ہو؟''

حنیف نے پلٹ کر رابرٹ کو دیکھا۔ رابرٹ کی آنکھوں میں امید کی چمک لہرا گئی۔ ''کس بڈھے کی بات کر رہے ہو؟'' حنیف نے احتیاط سے کام لینے کا فیصلہ کیا۔

''بازار والوں نے بتایا ہے کہ تمہیں بڈھے کی تلاش ہے۔''

''ہاں...... ہم ایک شخص کو ڈھونڈ تو رہے ہیں۔''

''میں تمہیں اس کے پاس لے چلوں گا۔''

رابرٹ کوشش کر کے اٹھا۔ وہ اور حنیف ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

''جلدی کرو۔'' بڈھے عرب نے کہا۔ ''اس نے تمہیں فوراً بلایا ہے۔''

وہ دونوں اس کے پیچھے چل دیے۔

وہ یروشلم کی عقبی گلیوں میں بڑھتے رہے۔ کوئی کسی سے بات نہیں کر رہا تھا۔ عرب آگے آگے تھا۔ بڑھاپے کے ساتھ اس کی رفتار نہایت قابل رشک تھی۔ اس کا ساتھ دینا ان کے لئے، بالخصوص رابرٹ کے لئے دشوار ثابت ہو رہا تھا۔ بازار میں کئی بار وہ اسے کھو بیٹھے۔ لیکن آگے جا کر وہ انہیں مل گیا۔ وہ ان کی تھکن پر حیران ہو رہا تھا اور تفریح بھی لے رہا تھا۔ اس کے اور ان کے درمیان بیس گز کا فاصلہ ضرور رہتا تھا۔

ان گنت گلیوں اور محرابی دروازوں سے گزرنے کے بعد بوڑھا بالآخر رک گیا۔ وہ منزل پر پہنچ گئے تھے۔

لیکن بڈھے کے قریب پہنچ کر وہ حیران رہ گئے۔ سامنے تو ایک دیوار تھی۔ وہ دونوں خوف زدہ ہو گئے۔ کیا بڈھا انہیں کسی سازش کے تحت یہاں لایا ہے۔

''نیچے......!'' بڈھے عرب نے اشارہ کیا۔

ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ ''کیا چاہتے ہو؟'' حنیف غرایا۔

''جلدی کرو۔''

ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔اب بڈھے کی بات پر عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

عرب نے جھک کر پتھر کی ایک سل ہٹائی اور اندر داخل ہو گیا۔ وہ بھی اس کے پیچھے چل دیئے۔

اندر اندھیرا تھا۔عرب نے ایک ٹارچ روشن کر لی تھی۔ اور وہ بہت تیزی سے سیڑھیوں سے اتر رہا تھا۔سیڑیاں پھسلواں تھیں اور وہاں سیلن کی بو رچی ہوئی تھی۔ وہ لڑکھڑاتے سنبھلتے اترتے رہے۔ یہاں تک کہ نیچے مسطح فرش آ گیا۔

وہاں پہنچ کر بڈھا عرب دوڑنے لگا۔ انہوں نے بھی دوڑنے کی کوشش کی۔ لیکن فرش بھی پھسلواں تھا۔عرب کی ٹارچ کی روشنی کا چھوٹا سا دائرہ ان کی رہنمائی کر رہا تھا۔ مگر ہر لمحے وہ دور سے دور تر ہوتا جا رہا تھا۔

اب وہ ایک سرنگ میں تھے اور جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہے تھے، سرنگ تنگ ہوتی جا رہی تھی......اتنی تنگ کہ ان کے کندھے دونوں طرف کی دیواروں کو چھو رہے تھے، ایسا لگتا تھا کہ وہ سرنگ کبھی آبی نہر رہی ہو گی۔

اب اندھیرا اور گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اندھا دھند آگے بڑھ رہے تھے۔ ان کے قدموں کی آہٹ کی بازگشت کے سوا وہاں کوئی آواز نہیں تھی۔ ٹارچ کی روشنی کا دائرہ اب بالکل غائب ہو چکا تھا۔

اس احساس نے کہ اب وہاں ان دونوں کے سوا کوئی نہیں ہے۔ انہیں رفتار کم کرنے پر مجبور کر دیا۔ وہ بس ایک دوسرے کو محسوس کر سکتے تھے اور ایک دوسرے کی اکھڑی ہوئی سانسوں کی آواز سن سکتے تھے۔

''حنیف......'' رابرٹ نے ہانپتے ہوئے پکارا۔

''میں یہاں ہوں۔''

''مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا ہے۔''

''وہ منحوس بڈھا......''

''رک جاؤ۔ میرا انتظار کرو۔''

''اس کی ضرورت نہیں۔ آگے بس ایک ٹھوس دیوار ہے۔''

رابرٹ ٹٹولتا ہوا بڑھا۔ یہاں تک کہ اس کے ہاتھوں نے حنیف کو چھو لیا۔ اور حنیف کے آگے دیوار تھی۔ بڈھا عرب غائب ہو چکا تھا۔

''یہ میں بتا دوں کہ وہ یہاں سے واپس نہیں گیا ہے۔'' حنیف نے کہا۔

حنیف نے جیب سے ماچس نکالی اور ایک دیا سلائی جلائی۔ اس روشنی میں انہوں نے گردوپیش کا جائزہ لیا۔ وہ مقبرہ سا تھا۔ اوپر چھت کی چٹانیں نیچے کو جھکی ہوئی تھیں اور ان میں دراڑیں تھیں جو رس رہی تھیں۔ نیچے بھی نمی تھی اور کئی کاکروچ وہاں رینگ رہے تھے۔

''یہ تو پانی کی لائن لگتی ہے۔'' رابرٹ نے کہا۔

''سوال یہ ہے کہ رس کیوں رہی ہے۔''

دیا سلائی بجھ گئی۔اب اندھیرا نہیں اور گہرا لگ رہا تھا۔

''یہ تو بے آب وگیاہ صحرا ہے۔پھر پانی کہاں سے آ رہا ہے!'' حنیف بولا۔

''کوئی زیرِ زمین چشمہ ہوگا.....'' رابرٹ نے ہانپتے ہوئے کہا۔''اب چلیں.....''

''اس دیوار کے پار!''

''نہیں.....واپس چلو، یہاں سے نکلیں تو۔''

وہ پلٹے اور ٹٹول ٹٹول کر چلنے لگے۔اندھیرے کی وجہ سے ان کی رفتار بہت کم تھی۔لیکن نظر نہ آتے ہوئے ایک ایک قدم انہیں ایک میل کا لگ رہا تھا۔پھر ٹٹول کر چلتے ہوئے حنیف کا ہاتھ ایک خلا سے ٹکرایا۔''مسٹر تھورن.....؟''اس نے رابرٹ کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر اس خلا میں چل دیا۔

''سامنے روشنی نظر آ رہی ہے۔'' رابرٹ نے سرگوشی میں کہا۔

وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتے رہے۔اب وہ سرنگ نہیں تھی۔ بلکہ ایک غار تھا۔راستے میں بڑے بڑے گول پتھر بھی تھے اور غار بہ تدریج چوڑا ہوتا جا رہا تھا۔اور سامنے کی روشنی نمایاں ہوتی جا رہی تھی۔

ذرا آگے بڑھ کر انہیں اندازہ ہوا کہ وہ کسی ٹارچ کی روشنی نہیں تھی۔ بلکہ وہ ایک روشن کمرا تھا۔وہ دو آدمی تھے، جو ان کے منتظر تھے۔ان میں ایک وہی بوڑھا عرب تھا جو انہیں یہاں لایا تھا۔دوسرا ایک بہت بوڑھا آدمی تھا۔اس کے چہرے پر سنجیدگی اور کھنچاؤ تھا۔پسینے میں تر اس کی قمیص بدن سے چپکی ہوئی تھی۔عقب میں ایک میز تھی، جس پر کاغذات اور تختیاں رکھی تھیں۔

رابرٹ اور حنیف اس کمرے میں داخل ہو گئے۔روشنی نے ان کی آنکھیں چندھیا دیں۔وہاں درجنوں لالٹینیں لٹکی ہوئی تھیں۔

وہ دونوں آگے بڑھے۔''دو سو درہا شالا ؤ۔'' عرب نے ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا۔

''تم ادائیگی کر سکتے ہو؟'' دوسرے شخص نے ان سے پوچھا۔

رابرٹ اور حنیف نے حیرت سے اسے دیکھا۔اس نے معذرت خواہانہ انداز میں کندھے جھٹک دیے۔

''کیا تم.....'' حنیف نے کہنا چاہا۔

نیکر پہنے ہوئے شخص نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی اثبات میں سر ہلا دیا۔

''تم بیوگن ہیگن ہو؟''

''ہاں۔''

حنیف اسے شک آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔''بیوگن ہیگن سترھویں صدی کا ایگزارسسٹ تھا۔''

''وہ آغاز تھا۔ میں نواں ہیوگن ہیگن ہوں۔''

''لیکن تم.......۔''

''میں آخری بھی ہوں اور سب سے کمزور بھی۔''

وہ اسے غور سے دیکھ رہے تھے، اس کی جلد بہت پیلی اور شفاف تھی۔ کنپٹیوں کے نیچے نسیں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ اس کے چہرے پر تناؤ اور تلخی تھی۔ انداز ایسا تھا، جیسے کوئی ناپسندیدہ کام انجام دینے والا ہو۔

''یہ جگہ کون سی ہے؟'' رابرٹ نے پوچھا۔

''جیزریل نامی شہر کا مگید و نامی قصبہ۔'' ہیوگن ہیگن نے بے تاثر لہجے میں کہا۔ ''اسے میرا قلعہ سمجھو یا قید خانہ۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں سے عیسائیت کا آغاز ہوا تھا۔''

''قید خانے کا مطلب؟''

''جغرافیائی اعتبار سے یہ عیسائیت کا قلب ہے۔ جب تک میں یہاں ہوں، محفوظ ہوں۔ کوئی مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔'' وہ کہتے کہتے رکا اور اس نے ان کا ردعمل سمجھنے کی کوشش کی۔ ان کے انداز میں بے یقینی اور کھنچاؤ تھا۔

''تم میرے اس معاون کا معاوضہ ادا کر سکتے ہو؟'' ہیوگن ہیگن نے پھر پوچھا۔

رابرٹ نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور کچھ نوٹ نکالے۔ بوڑھا عرب نوٹ لیتے ہی رخصت ہو گیا۔

اب وہ تینوں خاموش بیٹھے تھے۔ کمرے میں سیلن کی بو رچی ہوئی تھی۔ رابرٹ اور حنیف کے جسموں میں کپکپاہٹ تھی۔ وہ اب بھی گرد و پیش کا جائزہ لے رہے تھے۔

''اس چوک میں کبھی رومن فوجوں نے مارچ کیا تھا'' ہیوگن ہیگن نے کہا۔ ''پتھر کی ایک بینچ پر بیٹھے ایک بوڑھے نے سرگوشی میں مسیح علیہ السلام کی پیدائش کی نوید سنائی تھی۔ جو کہانیاں سنائی گئیں۔ وہ یہیں محفوظ کی گئی تھیں۔'' اس نے عمارت کے کھنڈرات کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس عمارت میں ہی بائبل مرتب کی گئی تھی۔''

عقب کی طرف ایک غار تھا۔ حنیف کی نظریں اس پر جم گئیں۔

ہیوگن ہیگن نے بھی اس طرف دیکھا۔ ''شمال سے جنوب تک 35 کلومیٹر پر یہ شہر پھیلا ہوا تھا۔ یہاں ہم چل پھر سکتے تھے۔ لیکن اوپر کھدائی شروع ہوئی تو اس شہر کے حصے بیٹھنے لگے۔ اب وہ کھدائی کرتے ہوئے یہاں تک آ گئے ہیں۔ اس نے چھت کی طرف اشارہ کیا۔ ''اب یہ سب کھنڈر بن جائے گا'' اس کے لہجے میں اداسی در آئی۔ ''اب کیا کیا جائے۔ انسان کی فطرت ہی ایسی ہے۔''

رابرٹ اور حنیف خاموش تھے۔ وہ جو کچھ دیکھ اور سن رہے تھے۔ اسے ہضم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''وہ چھوٹے قد کا پادری......'' ہیوگن ہیگن نے پوچھا۔ ''کیا وہ زندہ ہے؟''

رابرٹ کو ٹیسون کی یاد آئی، اس کی موت یاد آئی۔ وہ ہل کر رہ گیا۔ ''نہیں......وہ مر چکا ہے۔''

''او کے مسٹر تھورن، اب کام کی بات ہو جائے۔'' بیوگن ہیگن نے کہا اور سر گھما کر حنیف کو دیکھا۔ ''میں تم سے معذرت چاہتا ہوں۔ میں جو کچھ بھی کہوں گا، وہ صرف مسٹر تھورن کے لئے ہے۔''

''مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ میں اس معاملے میں پوری طرح شریک ہوں۔'' حنیف نے کہا۔

''میں یہ نہیں مان سکتا۔''

''میں ہی انہیں یہاں لایا ہوں۔''

''اس پر یہ تمہارے شکر گزار ہوں گے۔''

''مسٹر تھورن......'' حنیف رابرٹ کی طرف مڑا۔

''ان کی بات مان لو۔'' رابرٹ نے کہا۔

توہین کے احساس سے حنیف کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ''تو میں کہاں جاؤں؟'' اس نے بھنا کر پوچھا۔

''یہاں سے ایک لیمپ لے لو اور جائزہ لیتے پھرو۔''

حنیف نے ایک لیمپ اٹھایا اور رابرٹ کو خشمگیں نگاہوں سے دیکھتے ہوئے باہر تاریکی میں چلا گیا۔

چند لمحے خاموشی رہی۔ وہ حنیف کے دور جاتے ہوئے قدموں کی چاپ سنتے رہے۔

''تمہیں اس شخص پر اعتبار ہے؟'' بالآخر بیوگن ہیگن نے کہا۔

''ہاں۔''

''میرا مشورہ ہے کہ کسی پر اعتبار مت کرو۔''

بیوگن ہیگن نے چٹانی دیوار میں تراشی ہوئی ایک الماری کھولی اور کپڑے میں لپٹی ہوئی کوئی چیز نکالی۔

''میں تم پر اعتبار کر لوں؟'' رابرٹ نے پوچھا۔

بیوگن ہیگن کرسی پر آ بیٹھا اور کپڑے کی تہیں کھولنے لگا۔ اس میں سے سات خنجر برآمد ہوئے۔ روشنی میں ان سے رنگین شعاعیں خارج ہوتی دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ پتلے خنجر تھے، جن کے دستے ہاتھی دانت کے تھے۔ ہر دستے پر مصلوب مسیح کی شبیہ ابھری ہوئی تھی۔

''مجھ پر نہیں، ان پر بھروسہ کرو۔'' بیوگن ہیگن نے کہا۔ ''صرف یہ خنجر ہی تمہیں بچا سکتے ہیں۔''

عقب کے غاروں میں ہوا ساکت تھی۔ حنیف لیمپ لیے آگے بڑھ رہا تھا۔ اسے دیواروں پر لٹکے نوادرات نظر آئے۔ پھر فرش پر چٹانوں اور مٹی کے درمیان دبے بے شمار انسانی ڈھانچے۔ وہ آگے بڑھتا رہا۔ سرنگ اب تنگ ہوتی جا رہی تھی۔

پیچھے روشن کمرے میں رابرٹ خوف زدہ نگاہوں سے خنجر کو دیکھ رہا تھا۔ ساتوں خنجر ملا کر رکھے گئے تو انکے دستے صلیب کی شکل بنا رہے تھے

''یہ کام کسی مقدس اور متبرک مقام پر کرنا ہوگا۔'' بیوگن بیگن نے سرگوشی میں کہا۔ ''چرچ میں...... اس کا خون قربان گاہ پر بہانا ہوگا۔''

خاموشی چھاگئی۔ بیوگن بیگن رابرٹ کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا کہ اس نے اس کی بات سمجھ بھی لی ہے یا نہیں۔

''ہر خنجر دستے تک اس کے جسم میں اتارا جائے۔ تم دیکھو کہ دستے کے نچلے حصے پر کرائسٹ کے پیر ہیں۔ شیطنت ان پیروں تلے روندی جانی چاہیے۔'' بیوگن بیگن کہہ رہا تھا۔ پھر اس نے ایک خنجر علیحدہ کر کے میز پر رکھا۔ ''یہ پہلا خنجر سب سے اہم ہے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ یہ صلیب کا مرکز ہے۔ یہ جسمانی قوت حیات کو منقطع کرنے والا ہے۔ دوسرا خنجر روحانی قوت کا خاتمہ کرتا ہے......'' اس نے رابرٹ کو دیکھا، جو متوحش دکھائی دے رہا تھا۔ ''تمہارے دل میں اس کے لئے کوئی ہمدردی نہیں ہونی چاہیے۔'' اس نے تہدیدی لہجے میں کہا۔ ''وہ کوئی انسانی بچہ نہیں ہے۔''

رابرٹ کے ہونٹ ہلے۔ لیکن کوئی آواز نہیں نکلی۔ کوشش کے بعد آواز نکلی تو وہ خود اس کے لئے بھی اجنبی تھی۔ ''یہ بھی تو ممکن ہے کہ تم غلطی پر ہو۔'' اس نے کہا۔ ''یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ......''

''یہ ممکن نہیں۔ وہ شیطان کا بیٹا ہے۔''

''کوئی ثبوت بھی تو ہو......''

''اس کے جسم پر برتھ مارک ہوگا...... پیدائشی نشان...... 6 کے تین ہندسے۔''

رابرٹ کی سانسیں تیز ہو گئیں۔ ''میں نے ایسا کوئی نشان نہیں دیکھا۔''

''بائبل بتاتی ہے کہ شیطان کے تمام چیلوں کے جسم پر کہیں نہ کہیں یہ نشان ہوتا ہے۔''

رابرٹ کو ٹیسون کی لاش کی تصویر یاد آئی۔ اس کی ران پر وہ نشان تھا۔ گویا وہ شیطان کا چیلا تھا۔ ''لیکن ڈیمین کے جسم پر ایسا کوئی نشان موجود نہیں ہے۔ میں یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہہ رہا ہوں۔''

''یہ ناممکن ہے۔ نشان ہوگا۔''

''میں نے اسے نہلایا ہے۔ میں اس کے جسم کو پوری طرح دیکھ چکا ہوں۔''

''اگر جسم پر نشان نہیں تو بالوں کے نیچے ملے گا۔ اس کے سر پر تو بہت گھنے بال ہوں گے۔''

رابرٹ کو بچے کی پہلی دید یاد آئی۔ اس کے بال اتنے موٹے۔ اتنے گھنے تھے کہ وہ حیران رہ گیا تھا۔ ''یہ سچ ہے۔''

''اس کا سر صاف کردو۔ نشان تمہیں نظر آ جائے گا۔''

رابرٹ نے آنکھیں بھینچ لیں اور دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔

''ایک بار کھیل شروع کر دو تو پھر ہچکچانا نہیں۔''

رابرٹ نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ اب بھی یقین کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

''تمہیں مجھ پر شک ہے؟'' بیوگن بیگن نے پوچھا۔

''میں یقین سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔''

بیوگن ہیگن نے اسے غور سے دیکھا۔ ''پیش گوئی کے عین مطابق تمہارے بچے کو ماں کے پیٹ میں ختم کر دیا گیا۔ پیش گوئی کے مطابق تمہاری بیوی مرگئی......''

''مگر وہ ایک جیتا جاگتا بچہ ہے۔''

''تمہیں اور ثبوت چاہئیں؟''

''ہاں۔''

''تو پھر جلدی نہ کرو۔ انتظار کرو۔'' بیوگن ہیگن نے کہا۔ پہلے پورا اطمینان کرلو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو، درست ہے۔ بے یقینی کے عالم میں کرو گے تو کچا کام کرو گے......اور وہ تمہیں شکست دے دیں گے۔ یقین کی بڑی اہمیت ہے۔''

''وہ کون......؟''

''شیطان کے چیلے۔ تم نے بتایا کہ ایک عورت ہے جو بچے کی نگہداشت کرتی ہے۔''

''مسز بے لاک......''

بیوگن ہیگن نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ اس کے چہرے پر طمانیت تھی۔ اس کا نام بالوک ہے۔ وہ شیطان کے پیروکاروں میں سے ہے۔ اس کے جیتے جی اس بچے پر کوئی آنچ نہیں آسکے گی۔ وہ تمہیں یہ سب کچھ نہیں کرنے دے گی۔''

وہ خاموش ہوگئے۔ عقبی غار کی طرف قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ پھر حنیف نمودار ہوا۔ اس کے چہرے پر خوف اور گھبراہٹ تھی۔ ''یہاں تو ہزاروں انسانی ڈھانچے ہیں......'' اس نے سرگوشی میں کہا۔

''سات ہزار۔'' بیوگن ہیگن نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''ہوا کیا تھا؟''

''مگید و دراصل آرماگیدون ہے۔ اس کا مطلب ہے......دنیا کا خاتمہ۔''

حنیف آگے بڑھ آیا تھا۔ جو کچھ اس نے دیکھا تھا، اس نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ''اس اعتبار سے تو دنیا کا خاتمہ ہو چکا۔'' اس نے معترضانہ لہجے میں کہا۔

''ہاں ہو چکا۔ اور مزید کئی بار ہوگا۔'' بیوگن ہیگن نے جواب دیا۔ اس نے خنجروں کو پھر کپڑوں میں لپیٹا اور رابرٹ کی طرف بڑھا دیا۔

رابرٹ انکار کرنا چاہتا تھا۔ لیکن بیوگن ہیگن نے زبردستی اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔

''میں بہت جی چکا۔'' بیوگن ہیگن نے لرزتی آواز میں کہا۔ ''میری دعا ہے کہ میری زندگی رائیگاں ثابت نہ ہو۔''

رابرٹ اٹھا اور حنیف کے ساتھ واپس چل دیا۔

واپسی کے سفر میں بھی اندھیرا تھا۔ وہ خاموشی سے چلتے رہے۔ ایک بار انہوں نے پلٹ کر روشن کمرے کی طرف دیکھا۔ اسی وقت وہاں اندھیرا چھا گیا۔

یروشلم کی سڑکوں پر بھی وہ خاموشی سے چلتے رہے۔ رابرٹ کے ہاتھ میں وہ کپڑا تھا جس میں خنجر لپٹے ہوئے تھے۔ اس کا موڈ بہت خراب تھا۔ وہ گرد و پیش سے بے خبر مشینی انداز میں قدم اٹھا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خالی پن تھا۔ حنیف نے اسے ہلانے جلانے، اسے بات کرنے پر اکسانے کی کوشش کی۔ لیکن رابرٹ ٹس سے مس نہیں ہوا۔

اب وہ ایک تنگ سڑک سے گزر رہے تھے۔ جہاں تعمیراتی کام ہو رہا تھا۔

''مجھے یہ بتا دو کہ اس نے کہا کیا۔ یہ تو میرا حق ہے۔'' حنیف نے کہا۔

لیکن رابرٹ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی رفتار اور تیز ہوگئی۔

''مسٹر تھورن، میں جاننا چاہتا ہوں کہ اس نے کیا کہا۔'' حنیف نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''سنو...... میں کوئی تماشائی نہیں ہوں۔ اسے تلاش کرنے میں میں نے اپنا بہت وقت اور توانائی ضائع کی ہے۔ تم میرے ساتھ یہ سلوک نہیں کر سکتے۔''

رابرٹ رک گیا۔ اس نے غصے سے حنیف کو گھورا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اس پورے فساد کی جڑ تم ہی ہو۔ یہ سب تمہارا کیا دھرا ہے۔''

''مطلب کیا ہے تمہارا؟''

''تم نے ہی اس تفتیش پر اصرار کیا تھا۔ تم ہی نے میرے دماغ میں یہ بات ڈالی......''

''ایک منٹ...... بات سنو......''

''وہ تصویریں تم نے ہی کھینچی تھیں......''

''سنو تو......''

تم ہی مجھے یہاں لائے......''

''بات کیا ہے؟ ہوا کیا ہے؟ کچھ بتاؤ تو۔''

''جبکہ میں تمہیں ٹھیک سے جانتا ہی نہیں۔'' اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور جانے کے لئے پلٹا۔

حنیف نے دوبارہ اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ تمہیں میری بات سننی ہوگی۔''

''بہت سن چکا میں تمہاری۔''

''میں تمہاری مدد کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

''بس۔ اب مزید نہیں۔'' رابرٹ نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

دونوں اشتعال انگیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ رابرٹ غصے سے کانپ رہا تھا۔

''حیرت ہے کہ میں نے یہ سب کچھ سنا......اور یقین بھی کر لیا۔''

''مسٹر تھورن''

''مجھے تو لگتا ہے کہ یہ بڈھا کوئی فقیر ہے، جو خنجروں کا کاروبار کرتا ہے۔''

''کیا کہہ رہے ہو تم؟''

رابرٹ نے خنجروں والا ہاتھ اوپر اٹھایا۔ ''یہ خنجر ہیں......ہتھیار! اور وہ چاہتا ہے کہ میں یہ اس معصوم بچے کے سینے میں گھونپ دوں۔ وہ مجھ سے یہ توقع کرتا ہے کہ میں اس ننھے سے بچے کو قتل کر دوں گا۔''

''وہ بچہ نہیں ہے۔''

''وہ بچہ ہے۔''

''خدا کے لئے! تمہیں کتنے ثبوت درکار ہیں......''

''تم مجھے کس طرح کا آدمی سمجھتے ہو......'' رابرٹ غرایا۔ ''کیا میں ایسا ہوں کہ ایک بچے کو قتل کر دوں گا۔''

''غصہ چھوڑو۔ دماغ سے سوچو......''

''نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں۔ میں یہ سب نہیں کروں گا۔ اچھا...... یہ بتاؤ کہ تم اس پر یقین کرتے ہو؟''

''یہ بات سڑک پر نہیں کی جا سکتی۔ ہوٹل چل کر بات کریں گے۔''

❁..........❁..........❁

ہوٹل کے کمرے میں رابرٹ نے اپنا سوال دہرایا۔ ''کیا تم اس پر یقین کرتے ہو کہ ڈیمین شیطان کی اولاد ہے...... کیا ڈیمین اینٹی کرائسٹ ہے؟''

حنیف کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ لگتا تھا کہ وہ اپنے خیالات کو مجتمع کر رہا ہے۔ ''دیکھو مسٹر تھورن، یہ بہت نازک معاملہ ہے۔'' بالآخر اس نے کہا۔ ''میں مسلمان ہوں۔ ایمان گنوانے سے بہت ڈرتا ہوں۔ اللہ نے اپنی تمام کتابوں پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے۔ میں بائبل اور توریت سے انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ بائبل اور توریت میں تحریف ہوئی ہے۔ تو معاملہ مشتبہ ہو گیا نا۔ ہمارے لیے آزمائش بن گیا کہ ہم بائبل اور توریت کے کس حصے پر یقین کریں اور کس پر نہ کریں......''

''وہی پرانا جھگڑا......!'' رابرٹ نے حقارت سے کہا۔

''ہاں، وہی پرانا جھگڑا جو قیامت تک چلے گا۔'' حنیف نے سرد لہجے میں کہا۔ ''میں تمہارے پوچھنے پر بات کر رہا ہوں۔ تم نہیں سننا چاہتے تو مجھے شوق بھی نہیں ہے سنانے کا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ عیسائی اور یہودی علما نے اللہ کی آیات چھپائی نہ ہوتیں تو دونوں امتیں آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آتیں۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ قرآن اللہ کی واحد کتاب ہے، جس میں زبر زیر پیش کی تبدیلی بھی نہیں ہوئی۔ ہم اللہ کے تمام پیغمبروں، اللہ کی تمام کتابوں، تمام فرشتوں اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ جبکہ عیسائی اور یہودی اللہ کے آخری پیغمبر کا انکار کرتے ہیں۔ ذرا ذہن پر زور دو تو سمجھ میں آجائے کہ کیا درست ہے۔ اور کیا غلط۔ مگر مسئلہ تنگ نظری کا ہے۔''

''میں نے تم سے کچھ اور پوچھا تھا۔''

''میں وہی بتا رہا تھا۔ وضاحت نہیں کروں گا تو بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ اور تمہارا طرزِ عمل بتاتا ہے کہ تم کچھ سننا نہیں چاہتے۔''

''اچھا، کہو۔ اب میں مداخلت نہیں کروں گا۔''

''میں یہ کہہ رہا تھا کہ قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے اور اسلامی شریعت کے ذریعے اللہ نے دین مکمل کر دیا۔ ہم تمام الہامی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن خود اللہ نے بتایا ہے کہ ان مذاہب کے علماء نے ان میں تحریف و ترمیم کی ہے۔ میں بائبل اور توریت کی ہر اس بات پر ایمان رکھتا ہوں، جو قرآن سے متصادم نہیں ہے۔ جو قرآن اور حدیث سے متصادم ہے، وہ میرے نزدیک قابلِ غور نہیں۔''

''مقصد کیا ہے۔ تمہارا؟''

''سن لو۔ میں بتا رہا ہوں۔ میں اس بچے کو جسے تم نے پالا ہے، اینٹی کرائسٹ نہیں مانتا۔ وجہ یہ ہے کہ قیامت سے پہلے کے آخری دور کے بارے میں جتنی تفصیل ہمارے پیغمبر ﷺ نے بیان فرمائی ہے، اتنی تفصیل کہیں اور نہیں ملتی، ہمارے حضورؐ نے اینٹی کرائسٹ یعنی دجال کا مکمل حلیہ اور اس کے دور کی نشانیاں بہت تفصیل سے بیان فرمائی ہیں۔ اس کی رو سے وہ کانا ہو گا۔ اس کے دور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو گا اور وہ انہی کے ہاتھوں قتل ہو گا۔''

''تو تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ ڈیمین اینٹی کرائسٹ نہیں ہے؟'' رابرٹ نے اعتراض کیا۔ ''ابھی وہ صرف پانچ سال کا ہے۔ ممکن ہے، بعد میں

کانا ہو جائے اور تمام نشانیوں پر پورا اترے۔ اور کرائسٹ کا نزول بھی ہو جائے۔ ابھی تو وقت ہے، رابرٹ کہتے کہتے چونکا۔ ''ارے...... تمہیں کرائسٹ کے دوبارہ آنے کا یقین ہے؟''

''ہم سے زیادہ کسے ہوگا۔'' حنیف نے کہا۔ ''قرآن سے ہی ان کی حقیقت کا پتا چلتا ہے۔ عیسائی کہتے ہیں، وہ مصلوب کر دیے گئے۔ قرآن بتاتا ہے کہ انہیں زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ تبھی تو وہ دوبارہ آئیں گے۔ ورنہ کوئی اور پیغمبر تو دوسری بار زمین پر نہیں آیا۔ اس لیے کہ سب نے وفات پائی۔ لیکن عیسیٰ علیہ السلام فوت نہیں ہوئے۔ یہ ان کی واپسی کی دلیل ہے۔''

''تمہاری بات دل کو لگتی ہے۔'' رابرٹ نے کہا۔

''یہ میری نہیں، قرآن کی...... اللہ کی بات ہے۔'' حنیف جلدی سے بولا۔

''اینٹی کرائسٹ کے بارے میں تمہارا مذہب اور کیا کہتا ہے۔''

''بنیادی بات یہ ہے کہ اینٹی کرائسٹ کا ساتھ صرف یہودی دیں گے۔ کیونکہ وہ اسے کرائسٹ تسلیم کریں گے۔ وہ صدیوں سے اس کی آمد کے منتظر ہیں ان کے خیال میں وہ انہیں عروج دلوائے گا۔ وہ اس کے لئے کام کر رہے ہیں۔ اسرائیل کا قیام اور اس کی غاصبانہ توسیع اس مقصد کے لئے ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف سازشیں کیں، یہاں تک کہ اپنی دانست میں انہیں قتل کرا دیا۔ اور عیسائی یہودیوں کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔ حالانکہ ان کے فطری حلیف مسلمان ہیں۔''

''واقعی یہ بات تو ٹھیک ہے۔ لیکن عیسائیوں کی سمجھ میں یہ بات کسی بھی وقت آ سکتی ہے۔''

''میرا خیال ہے، جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول نہیں ہوتا، یہ صورت حال نہیں بدلے گی۔ اس وقت تو میرے خیال میں وائٹ ہاؤس شیطان کا دارالحکومت ہے۔ امریکہ کی جو طاقت ہے، اس کے پیش نظر میں سمجھتا ہوں کہ دجال کو امریکہ کی مدد ضرور حاصل ہوگی۔ بلکہ ممکن ہے، امریکہ کا سب سے با اختیار شخص وہی ہو۔ امریکہ کی پوری قوت اس کے ہاتھ میں ہو۔''

''تمہارا مطلب ہے، وہ امریکہ کا صدر بھی ہو سکتا ہے؟''

''ممکن ہے۔'' حنیف نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔ ''دیکھ لو، اس وقت بھی امریکہ ننھے سے بچے اسرائیل کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے۔ امریکہ غلط موقف پر بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ اس کی دہشت گردی کو دہشت گردی نہیں مانتا۔ اسے جدید ترین اسلحے سے لیس کر کے وہ عربوں کے ساتھ زیادتی کر رہا ہے۔''

رابرٹ کسی گہری سوچ میں تھا۔ ''اگلے دس سالوں میں اگر میں زندہ رہا تو امریکہ کا صدر بن سکتا ہوں۔'' اس نے پر خیال لہجے میں کہا۔

''مطلب؟''

''جس بچے کو میں نے اپنا خاندانی نام دیا ہے، وہ بھی تو وائٹ ہاؤس پہنچ سکتا ہے۔ ہماری دولت پر قابض ہو کر وہ بہت کچھ کر سکتا ہے۔ اس کے پاس معاشی قوت بھی ہوگی اور سیاسی بھی۔ اگر وہ اینٹی کرائسٹ ہے تو......''

''میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ وہ اینٹی کرائسٹ نہیں ہے۔''

''تو پھر وہ کیا ہے؟ مجھے اس کو قتل کرنے کو کیوں کہا جا رہا ہے؟''

''دیکھو مسٹر تھورن۔ یہ آخری دور ہے۔ اس میں بے شمار فتنے سر اٹھا چکے ہیں۔ اور بے شمار فتنے سر اٹھائیں گے۔ میرے نزدیک یہ ممکن ہے کہ وہ شیطان کی اولاد ہو۔ آخر بائبل میں اس کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔ اور وہ ان پر پورا اترتا ہے۔'' حنیف نے کہا۔ ''اس لیے میں اس کو قتل کرنے کے حق میں ہوں۔''

''مگر میرا دل نہیں مانتا۔'' رابرٹ نے کہا۔ پھر اچانک بولا۔ ''تم اس معاملے میں دلچسپی کیوں لے رہے ہو؟''

''اب یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ میری اپنی تصویر تمہیں یاد ہے؟ مرنے والوں کی تصویروں پر جو رنگین دھبہ نظر آ تا رہا ہے، وہ میری اپنی تصویر میں نمایاں ہے۔ امکان یہ ہے کہ شیطانی قوتیں مجھے راہ سے ہٹانے کی کوشش کریں گی۔ تو میں ان کا پردہ چاک کرنا چاہتا ہوں۔''

''یعنی تمہیں یقین ہے کہ تم مر جاؤ گے؟''

''ہرگز نہیں۔''

رابرٹ نے اسے حیرت سے دیکھا۔

''مجھے بیوگن ہیگن کی بات سے اختلاف ہے۔ اس نے کہا کہ وہ اس مقام پر بیٹھا ہے، جہاں عیسائیت کا آغاز ہوا، جو عیسائیت کا قلب ہے۔ اور جب تک وہ وہاں ہے، محفوظ ہے۔ یہ ایمان کی کمی کی بات ہے۔ موت اللہ کا حکم ہے۔ مقررہ وقت پر آتی ہے۔ اور جب وقت آئے تو آدمی خود بہ خود اپنی موت کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ موت تو لوگوں کی بیت اللہ شریف میں بھی آ جاتی ہے۔ جو ہمارے نزدیک دنیا کا مقدس ترین، متبرک ترین مقام ہے۔ تو ہم مسلمان اس پر یقین رکھتے ہیں۔ کہ موت آنی ہے۔ تو بے سبب بھی آ جائے گی۔ اور اللہ کا حکم نہ ہو تو بڑی سے بڑی طاقت بھی ہمیں ختم نہیں کر سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم ایمان پر ہوں تو یقینی موت کے سامنے بھی ڈٹ جاتے ہیں اور فتح یاب ہوتے ہیں۔ شیطانی طاقت کتنی ہی زبردست ہو، ہم اس سے مرعوب نہیں ہوتے۔ جبکہ تم لوگ اپنے سے طاقت ور کے سامنے سہم جاتے ہو۔ میں موت سے نہیں ڈرتا۔ جتنی زندگی ہے، اتنی جیوں گا۔ اور جب اللہ کا حکم ہو گا تو کوئی مجھے مرنے سے نہیں بچا سکے گا۔''

رابرٹ کسی گہری سوچ میں تھا۔ چند لمحے بعد بولا۔ ''تمہاری باتوں نے مجھے متاثر کیا ہے۔ میں تمہارے مذہب کو غلط سمجھتا رہا ہوں۔''

''اچھا...... اب یہاں سے چلو، مجھے بھوک لگ رہی ہے۔''

✿............✿............✿

ریسٹورنٹ میں انہوں نے کھانا کھایا۔ کافی پینے کے دوران حنیف کی نظر اس کپڑے پر پڑی، جس میں خنجر لپٹے ہوئے تھے۔ ''ارے...... تم انہیں ساتھ لے آئے؟''

''ہاں...... بے دھیانی میں لے آیا۔''

''ذرا مجھے دکھاؤ۔''

رابرٹ نے کپڑا اس کی طرف بڑھایا۔ حنیف نے کپڑا کھول کر خنجروں کا معائنہ کیا اور ستائشی لہجے میں بولا۔ ''نوادرات میں سے لگتے ہیں۔ میرا خیال ہے، یہ بہت پرانے اور بے حد قیمتی ہیں۔''

''بیوگن ہیگن کے کہنے کے مطابق یہ روحانی اعتبار سے بہت قیمتی ہیں۔''

''وہ چاہتا ہے کہ تم ان کی مدد سے اسے ختم کرو۔''

اچانک ہی رابرٹ ڈپریس نظر آنے لگا۔ ''ہاں...... مگر میں ایک بچے کی جان نہیں لے سکتا۔ میں ایسا آدمی نہیں ہوں۔''

''میرا مشورہ ہے کہ اس بیوگن ہیگن کی بات پر عمل کرو۔''

وہ باہر نکل آئے۔ اب وہ اس سڑک پر تھے، جس پر تعمیرات کا سلسلہ چل رہا تھا۔ وہاں متعدد بڑی بڑی کرینیں حرکت میں تھیں۔

''اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟'' حنیف نے پوچھا۔

''میں یہ کام ہرگز نہیں کروں گا۔'' رابرٹ نے غصے سے کہا۔ اور بالکل اچانک اس نے کپڑے میں لپٹے ہوئے ان خنجروں کو دور اچھال دیا۔ وہ ایک دیوار سے ٹکرائے اور اچھلتے ہوئے ایک گلی میں جا گرے۔

حنیف نے رابرٹ کی شعلے اگلتی آنکھوں میں دیکھا۔ ''تم نہیں کرو گے تو پھر یہ کام میں کروں گا۔'' اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔ یہ کہہ کر وہ گلی کی طرف مڑا۔

''حنیف......'' رابرٹ نے اسے پکارا۔

''یس سر۔''

''میں اب تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔ میں اس پورے معاملے سے اپنا تعلق مکمل طور پر ختم کر رہا ہوں۔''

''تمہاری مرضی۔'' حنیف نے بے پروائی سے کہا۔

اس نے قدم بڑھائے اور گلی میں داخل ہو گیا۔ وہ کپڑے میں لپٹے ہوئے خنجروں کو تلاش کر رہا تھا۔ آواز سے اندازہ ہوا تھا کہ خنجروں کی پیکنگ نہیں کھلی۔ اس نے زمین پر دیکھا، جہاں تعمیراتی کنکروں کا ڈھیر لگا تھا۔ بالآخر اسے کچھ فاصلے پر وہ پیکنگ نظر آ گئی۔ وہ اس کی طرف بڑھا۔

رابرٹ اپنی جگہ رک کر حنیف کو دیکھ رہا تھا۔ حنیف کے سر کے عین اوپر ایک کرین بہت بھاری شیشے کا بہت بڑا پیس اٹھائے حرکت کر رہی تھی۔ اچانک وہ جیسے بے قابو ہو گئی۔ شیشہ ادھر ادھر لہرایا۔ پھر رابرٹ نے کرین کا آہنی ہاتھ خود بہ خود کھلتے دیکھا اور شیشہ حنیف کے سر پر گرنے لگا۔

''حنیف، بچو......اوپر دیکھو، رابرٹ حلق کے بل چلایا۔

حنیف نے پہلے پلٹ کر اسے دیکھا۔ پھر اوپر دیکھا۔ اس دوران بلندی سے دھار کے بل گرتا ہوا شیشہ فاصلہ کافی کم کر چکا تھا۔ اس کے ہوا کو کاٹنے کی وجہ سے خوف ناک سنسناہٹ سنائی دے رہی تھی۔

حنیف بت بن کر رہ گیا۔ بچنے کی مہلت تھی نہ گنجائش۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں، اور بلند آواز میں کلمہ پڑھنے لگا۔ چلو...... مسلمان بن کر جی نہ سکے تو مسلمان بن کر مر تو لیں۔ وہ سوچ رہا تھا۔ اس لمحے اسے جھٹکا سا لگا۔ جھٹکا یا دھکا!

رابرٹ نے حنیف کو آنکھیں موندتے دیکھا اور کلمہ پڑھتے سنا۔ گلوٹین کی طرح گرتے ہوئے شیشے کی رفتار بہت تیز تھی۔ اور اس کا ہدف حنیف کی گردن تھی۔ یہ طے تھا کہ حنیف کا سر کٹ کر علیحدہ ہو جائے گا۔

شیشہ ساکت وصامت حنیف کی گردن سے ٹکرانے ہی والا تھا کہ رابرٹ نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں۔

شیشہ ٹوٹنے کی خوف ناک آواز سنائی دی...... پھر لوگوں کا شور۔ رابرٹ نے آنکھیں کھولیں تو حنیف اسے ایک طرف پڑا نظر آیا اس کا سر تو نہیں کٹا تھا۔ لیکن وہ بے حس وحرکت تھا۔ مر چکا تھا۔

لوگ حنیف پر جھک کر اسے ہلا جلا رہے تھے۔

پھر ایک حیرت انگیز بات ہوئی۔ حنیف اٹھ کر بیٹھ گیا۔ یہ دیکھ کر رابرٹ اس کی طرف لپکا۔ ''کیا ہوا...... تم ٹھیک تو ہو؟''

''پتا نہیں۔ میرا تو خیال ہے کہ میں مر چکا ہوں۔'' حنیف کی آواز اسکے جسم سے زیادہ لرز رہی تھی۔ خنجروں کی پیکنگ اسکے ہاتھ میں تھی۔

''قسمت اچھی تھی کہ بچ گیا۔'' کسی نے تبصرہ کیا۔

''مگر یہ ہوا کیسے؟'' ایک اور تماشائی نے پوچھا۔ ''آنکڑا کیسے کھل گیا؟''

''کرین آپریٹر سے پوچھو۔''

''مگر یہ تو خود کار کرین ہے۔'' ایک اور بولا۔

''تو پھر آنکڑا کیسے کھل گیا؟''

''خود کار مشینوں میں یہ خرابی تو ہوتی ہے۔ کبھی کبھی خود مختار ہو جاتی ہیں۔''

رابرٹ نے سہارا دے کر حنیف کو اٹھایا اور چلتے ہوئے بھی اسے سہارا دیتا رہا۔ ان کا رخ ریسٹورنٹ کی طرف تھا۔

ریسٹورنٹ میں کافی کے چند گھونٹ پینے کے بعد حنیف کے اوسان قدرے بحال ہوئے۔ ''میں حیران ہوں'' تم بچ کیسے گئے؟'' رابرٹ نے کہا۔

''میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ تم نے میری جان بچائی ہے۔''

''میں نے! کیا مطلب ہے؟''

''تم ہی نے مجھے دھکا دیا تھا۔''

''کیا کہہ رہے ہو۔ میں نے تمہیں آواز دے کر خبردار کیا۔ تم نے مجھے دیکھا، پھر اوپر دیکھا اور ساکت ہو گئے۔ شیشہ تمہاری گردن سے ٹکرانے ہی والا تھا کہ میں نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس سے پہلے کا پورا منظر بھی نے دیکھا تھا۔''

حنیف اب اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ ''تو پھر مجھے دھکا کس نے دیا؟''

''دھکا کون دیتا۔ گلی میں کوئی تھا ہی نہیں۔''

''تو پھر؟'' حنیف سوچنے لگا۔ پھر اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ ''میں نے کہا تھا نا کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی کسی کو مار نہیں سکتا۔ مارنے والے سے طاقت ور ہاتھ بچانے والے کا ہے۔''

''ٹھیک کہتے ہو۔'' رابرٹ نے گہری سانس لی۔ ''اور یہ سو فی صد شیطانی قوتوں کا کھیل تھا۔ خود کار کرین کا آنکڑا مال منزل پر پہنچانے سے پہلے خود بہ خود کیسے کھل گیا۔ واقعی بڑی بات ہے کہ ان کا وار بے کار ہو گیا۔''

''کوئی بڑی بات نہیں۔ دیکھو...... شیطان کی طاقت اللہ کے سامنے کچھ بھی نہیں۔ اور شیطان کی جو طاقت ہے، اللہ کی مرضی سے ہے۔ اللہ جب چاہے، اسے عاجز کر دے۔ جب چاہے، اسے ناکام بنا دے۔ انسان کا کام شیطان سے لڑنا ہے۔ اس سے مرعوب ہونا نہیں۔''

''مگر اللہ نے شیطان کو انسان کو نقصان پہنچانے کی طاقت دی ہی کیوں؟''

''اپنی مصلحت وہ آپ جانے۔ میری سمجھ میں بس اتنا آتا ہے کہ اس کا مقصد انسانوں کی آزمائش ہے۔ تبھی تو جنت اور دوزخ کا فیصلہ ہوگا۔ وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون اس پر ایمان رکھتا ہے اور کون شیطان کے آگے سر جھکاتا ہے۔''

''بہر حال، تم اس طرح بچے ہو کہ ممکن نہیں تھا۔ شاید یہ تمہیں تمہارے ایمان کا انعام ملا ہے۔''

''اچھا چھوڑو ان باتوں کو۔ تم کہہ رہے تھے کہ تم اب میری صورت دیکھنا نہیں چاہتے۔''

''میں اب بھی یہی کہہ رہا ہوں۔'' رابرٹ نے کہا۔ ''لاؤ...... میرے خنجر مجھے دے دو۔''

''مگر تم نے تو یہ پھینک دیے تھے۔ اور انہیں لانے کے چکر میں ہی میں مرتے مرتے بچا ہوں۔ اور میں اپنی بات پر قائم ہوں۔ تم یہ کام نہیں کرو گے تو میں کروں گا۔''

''اب جب تک اپنا یہ فرض پورا نہ کر لوں، میں تمہاری صورت نہیں دیکھوں گا۔''

''تم اسے قتل کرو گے؟''

''ہاں۔''

''یہ تبدیلی کیسے آئی؟''

''میں نے شیطان پر تمہارا حملہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ میرا خیال ہے، اس کا اگلا ہدف میں ہوں گا۔ اس سے پہلے میں یہ کام کر لینا چاہتا ہوں۔ لاؤ...... یہ مجھے دے دو۔''

حنیف نے پیکنگ اس کی طرف بڑھا دی۔

۞......۞......۞

لندن واپسی کی فلائٹ آٹھ گھنٹے کی تھی۔ رابرٹ تھورن ساکت بیٹھا تھا۔ اس کا دماغ سن ہورہا تھا۔ ذہن میں کوئی خیال تھا، نہ کوئی خوف، نہ کوئی دکھ اور نہ ہی کوئی الجھن۔ بس یہ غیر شعوری احساس زندہ تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

وہ حنیف کی باتوں کو ذہن میں دہرا رہا تھا۔ موت اللہ کا حکم ہے۔ وقت مقرر ہے جو ٹل نہیں سکتا۔ وقت نہیں آیا ہے تو کوئی مار نہیں سکتا۔ اور یہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ حنیف یقینی موت سے بچ نکلا تھا۔ وہ تو آنکھیں بند کیے شیشہ گرنے کا منتظر تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ کسی نے اسے دھکا دے دیا تھا۔ مگر رابرٹ نے خود دیکھا تھا، گلی سنسان تھی۔ وہاں حنیف کو دھکا دینے والا کوئی نہیں تھا۔ تو وہ دھکا دینے والا ہاتھ بچانے والے کا تھا۔ خدا کا ہاتھ اور وہ شیطان کا ہاتھ تھا، جس نے خود کار کرین کا آنکڑا کھول دیا تھا۔ لیکن خدا کے ہاتھ کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ وہ ناکام ہوگیا تھا۔ تو شیطان سے صرف خدا بچا سکتا ہے...... خدا پر ایمان!

اس کی سوچ کا رخ بدلا۔ وائٹ ہاؤس شیطان کے قبضے میں ہے دنیا کی سب سے بڑی طاقت شیطان کے ہاتھوں میں ہے۔ یہودی عیسائیوں کو استعمال کر رہے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ مگر یہ کام خود نہیں کرتے۔ ان کی افرادی قوت کم ہے اور اس میں اضافہ بھی برائے نام ہوتا ہے۔ وہ اپنا ایک آدمی بھی نہیں گنوانا چاہتے۔ چنانچہ وہ یہ کام عیسائیوں سے لے رہے ہیں۔ انہوں نے مسیحؑ کی نبوت کو قبول نہیں کیا تھا۔ ان کے خلاف سازشیں کیں، انہیں اذیتیں دیں اور ان کی موت کا سامان کیا۔ اور اب وہ اس مسیحؑ کے ماننے والوں کو خدا کے بندوں کے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔ عیسائی بے وقوف بن رہے ہیں۔ اس سلسلے کو روکنا ہوگا۔ مگر کیسے؟

اس نے سوچا، جب وہ صدر کی حیثیت سے وائٹ ہاؤس میں جائے گا تو پالیسیوں میں تبدیلی لائے گا۔ یہ سوچتے ہوئے پہلی بار وہ خوف زدہ ہوا۔ اگر خدا کی مرضی یہی ہے کہ وائٹ ہاؤس شیطان کی طاقت کا مرکز بنے تو وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس ارادے کی وجہ سے شیطانی قوتیں اسے راستے سے ہٹانے کی کوشش کریں گی۔ اور اگر خدا کی مرضی اسے بچانے کی نہ ہوئی تو وہ کامیاب ہوجائیں گی۔

اس نے خوف کو ذہن سے جھٹک دیا۔ جو خدا کی مرضی۔ وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ بس جب تک زندہ ہے، کچھ اچھا کرنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ امریکی عوام کو بے وقوف بنانے کے عمل کو روکنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ کیسا المیہ ہے کہ دنیا کی سب سے مستحکم جمہوریت، سب سے بڑی طاقت ایک کمزور اور سازشی اقلیت کے ہاتھوں کھلونا بنی ہوئی ہے۔ امریکی کتنے مظلوم ہیں!

اس کی سوچوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ جہاز لینڈ کر رہا تھا۔

لندن ایئر پورٹ پر ایئر ہوسٹس نے خنجروں والی پیکنگ اسے واپس کی۔ اینٹی ہائی جیکنگ حفاظتی تدابیر کی وجہ سے وہ پیکنگ پرواز کے دوران اس سے لے لی گئی تھی۔

”یہ بہت خوب صورت خنجر ہیں۔“ ایئر ہوسٹس نے کہا۔ ”کہاں سے خریدے آپ نے؟“

”یہ مجھے کسی نے تحفے میں دیئے ہیں۔“ رابرٹ نے پیکنگ کو جیکٹ کی اندرونی جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ پھر وہ ٹرمینل میں داخل ہوگیا، جو کہ تقریباً خالی تھا۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔ رن ویز پر روشنی کی کمی کی وجہ سے اس کی فلائٹ آخری تھی، جسے لینڈنگ کی اجازت دی گئی تھی۔

باہر پورا شہر دھند کی لپیٹ میں تھا۔ پیری فورڈ جانے کے نام پر ٹیکسی ڈرائیوروں کے منہ اتر گئے۔ رابرٹ کے لیے اس طرح لندن واپس آنا ایک نیا تجربہ تھا۔ ہمیشہ کے برعکس کوئی گاڑی لے کر اسے ریسیو کرنے کے لئے نہیں آیا تھا۔ ورنہ یہ کام ہورٹن کے ذمے تھا۔ اور گھر پر کیتھی ہونٹوں پر خیر مقدمی مسکراہٹ سجائے اس کی منتظر ہوتی تھی۔ اب ایسا کچھ نہیں تھا تو گھر جانے کے خیال سے اسے وحشت ہو رہی تھی۔

ٹیکسی والوں کے انکار پر اس نے پرائیویٹ لیموزین سروس کو فون کر کے گاڑی طلب کی اور کھڑا ہو کر گاڑی کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ تنہائی کا شدید احساس اس کے رگ و پے میں دوڑ رہا تھا اور سردی اس کی ہڈیوں میں اتری جا رہی تھی۔

گاڑی آئی اور وہ اس میں بیٹھ گیا۔ دھند ایسی تھی کہ ایک گز آگے دیکھنا بھی مشکل تھا۔ گاڑی چیونٹی کی رفتار سے چل رہی تھی۔ اور کیونکہ باہر کچھ نظر نہیں آ رہا تھا، اس لیے بار بار یہ احساس ہوتا تھا کہ گاڑی چل نہیں رہی ہے، ساکت ہے۔

ایسے میں آدمی سوچنے کے سوا کیا کر سکتا ہے۔ مگر رابرٹ تھورن سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ مستقبل تو اس لمحے کی طرح دھند میں لپٹا ہوا تھا۔ ماضی ختم ہو چکا تھا۔ بس جو کچھ تھا، یہ لمحہ تھا، جس میں وہ اس وقت زندہ تھا۔

اس وقت اسے پیری فورڈ کے آثار نظر آئے۔ وہاں بھی دھند چھائی ہوئی تھی۔ رابرٹ نے اپنا سامان رہائشی عمارت کے سامنے ڈرائیو وے میں رکھا۔ ہر طرف خاموشی اور اندھیرا تھا۔ کار کے جانے کے بعد بھی چند منٹ تک وہ وہیں کھڑا رہا۔ وہ مکان کو دیکھے جا رہا تھا۔ یہ وہ جگہ تھی، جہاں کبھی اس کے محبت کرنے والے موجود ہوتے تھے...... وہ لوگ جن سے وہ بھی محبت کرتا تھا۔ اس وقت اندر نہ کوئی روشنی تھی نہ آواز۔

رابرٹ کے تصور میں وہ واقعات پھرنے لگے۔ جو یہاں رونما ہو چکے تھے۔ اس نے گارڈن میں کیتھرین کو دیکھا، جو اپنے بچے سے کھیل رہی تھی۔ چیسا انہیں دیکھ کر بے ساختہ ہنس رہی تھی۔ برآمدے میں بہت سارے لوگ تھے اور قہقہوں کی آوازیں تھیں۔ ڈرائیو وے میں دولت مشترکہ کے اہم ترین لوگوں کی لیموزین گاڑیاں کھڑی تھیں۔

پھر ایک دم تصور ٹوٹ گیا۔ وہاں اس کی دھڑکنوں کے سوا کوئی آواز نہیں تھی اور رگوں میں خون کی گردش کے احساس کے سوا کوئی احساس نہیں تھا۔ اب یہ جگہ ایک قبرستان تھی...... یادوں کا قبرستان!

اپنا حوصلہ مجتمع کر کے وہ داخلی دروازے کی طرف بڑھا اور ٹھٹھرے ہوئے ہاتھ میں چابی تھام کر اسے کی ہول میں ڈالا۔ عقب سے اسے آہٹ سی سنائی دی۔ اس آواز میں تحرک تھا، جیسے کوئی تیز رفتاری سے اس کی طرف دوڑ رہا ہو۔ اور وہ آواز پیری فورڈ سے متصل جنگل کی طرف سے آرہی تھی۔

رابرٹ کی سانسیں تیز ہوگئیں۔ اس نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوا۔ اس نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ کوئی اس کے پیچھے آیا ہے۔ مگر جب اس نے کھڑکی کے شیشے سے جھانکا تو اسے دھند کے سوا کچھ نظر نہیں آیا۔ وہ لمحات خوف اس کے تخیل کے پیدا کردہ تھے۔ اس نے سوچا کہ اسے اپنے اس رجحان سے لڑنا ہوگا۔

دروازے کا بولٹ چڑھا کر وہ ایک لمحہ تاریکی میں کھڑا اندر کی سن گن لیتا رہا۔ مکان میں ہیٹنگ سسٹم آن تھا۔ بڑے کلاک کی ٹک ٹک کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

وہ دبے قدموں نشست گاہ میں داخل ہوا۔ اور وہاں سے گزر کر کچن میں گیا۔ وہاں اس نے گیراج کی طرف کھلنے والا دروازہ کھولا۔ وہاں دونوں کاریں پہلو بہ پہلو کھڑی تھیں...... کیتھرین کی اسٹیشن ویگن اور اس کی مرسڈیز۔

وہ مرسڈیز کی طرف بڑھا۔ اس نے دروازہ کھولا اور اگنیشن میں چابی لگائی۔ فیول ٹینک چوتھائی بھرا تھا، یعنی لندن تک پہنچنے کے لئے کافی تھا۔ اس نے دروازہ کھلا چھوڑ دیا اور چابی بھی اگنیشن میں لگی رہنے دی۔ اس نے گیراج سے آٹومیٹک دروازے کو کھولنے کیلئے سوئچ آن کیا۔ دروازہ کھلا۔ سامنے ڈرائیو وے نظر آ رہا تھا۔ دھند گیراج میں گھسنے لگی۔

اس لمحے اس نے پھر وہ تحرک بھری آواز سنی۔ اس نے سوئچ آف کر کے دروازہ بند کیا اور کان لگا کر سننے کی کوشش کی۔ لیکن کوئی آواز نہیں تھی۔ شاید وہ بھی اس کے تخیل کا کمال تھا۔

وہ کچن میں آیا اور اس نے لائٹ آن کی۔ گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ وہاں سب کچھ معمول کے مطابق ہے، جیسے کہیں کوئی غیر معمولی بات ہوئی ہی نہ ہو۔ اسٹوو پر بہت دھیمی آنچ میں دلیہ پکنے کے لئے رکھا گیا تھا...... شاید ڈیمین کے ناشتے کے لئے۔ وہاں سب کچھ اتنا نارمل تھا کہ رابرٹ دہل کر رہ گیا۔ کم از کم اسے وہ سب کچھ بہت غیر حقیقی لگ رہا تھا۔

وہ کاؤنٹر کی طرف بڑھا۔ اس نے جیکٹ کی جیب سے پیکنگ نکالی۔ اسے کھول کر اس نے خنجر کاؤنٹر پر رکھے اور ان کا جائزہ لیا۔ ان ساتوں خنجروں کو دیکھ کر لگتا تھا کہ ان کی دھار حال ہی میں تیز کی گئی ہے۔ ہر خنجر کے پھل میں اسے اپنے چہرے کے ایک حصے کا عکس نظر آ رہا تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں دیکھیں۔ ان میں وحشت اور عجیب سا پھیکا پن تھا۔ وہ زندگی کی معمولی سی رمق سے بھی محروم تھیں۔

مگر ان خنجروں کا معائنہ کرتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ اسے پسینہ آ رہا ہے۔ اچانک اسے اپنی ٹانگوں میں کمزوری محسوس ہونے لگی۔

کمزوری کے اس احساس سے لڑتے ہوئے اس نے کانپتے ہاتھوں سے خنجروں کو دوبارہ کپڑے میں لپیٹ دیا۔ پیکنگ کو اس نے دوبارہ جیکٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔

وہ پینٹری میں داخل ہوا۔ وہاں ایک تنگ چوبی زینہ تھا۔ اوپر ایک بلب روشن تھا۔ وہ جھک کر چڑھنے لگا۔ تاکہ اس کا سر اس بلب سے نہ ٹکرائے۔ وہ زینہ نوکروں کے استعمال کے لئے تھا۔ اس نے اس زینے کو پہلے صرف ایک بار استعمال کیا تھا۔ وہ بھی ڈیمین کے ساتھ چور سپاہی کھیلتے ہوئے۔ اسے یاد تھا کہ اس موقعے پر اسے احساس ہوا تھا کہ وائر سے لٹکا ہوا وہ بلب ڈیمین کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ کہیں وہ ہاتھ اٹھا کر اس تار کو چھو لے تو......! اس نے فیصلہ کیا تھا کہ یہاں باقاعدہ وائرنگ کرائے گا۔

اس پرانے مکان میں ایسی کئی چیزیں اسے خطرناک لگتی تھیں۔ ان میں اوپر کی منزل کی کھڑکیاں بھی تھیں، جو بہت آسانی سے کھل جاتی تھیں۔ کچھ بالکونیاں تھیں، جو جھولتی تھیں۔ ان کی ریلنگ کو مرمت کی ضرورت تھی۔

اس تنگ زینے پر بڑھتے ہوئے اسے ایسا لگ رہا تھا کہ یہ کوئی خواب ہے اور ابھی کسی بھی لمحے ساتھ لیٹی ہوئی کیتھرین اسے جگا دے گی۔ اور پھر وہ اسے بتائے گا کہ اس کا تخیل کیا کیا کمالات دکھا رہا ہے۔ وہ اسے تسلی دے گی اور اپنے لمس سے اس کی پریشانی اور وحشت دور کر دے گی۔ پھر ڈیمین کمرے میں آئے گا۔ اس کے تازہ گلابی چہرے پر خوشی کی چمک ہو گی۔

وہ پہلی منزل کی لینڈنگ پر پہنچ گیا۔ اس نے تاریک ہال میں قدم رکھا۔ اب وہ پھر یروشلم والی بے چینی اور بے یقینی محسوس کر رہا تھا۔ وہ دل میں دعا کرنے لگا کہ وہ ڈیمین کے کمرے میں جائے تو اس کا کمرا خالی ہو۔ وہ وہاں موجود ہی نہ ہو۔ مکان میں ایسی خاموشی اور اندھیرا ہے۔ کاش مسز بے لاک ڈیمین کو لے کر کہیں چلی گئی ہو۔

لیکن نہیں۔ اسے ان کی سانسوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ موجود تھے۔ اس کے دل کی دھڑکنیں بے ربط، اور سانسیں ناہموار ہونے لگیں۔ وہ دونوں سو رہے تھے۔ مسز بے لاک کے خراٹوں کی آواز صاف طور پر سنائی دے رہی تھی۔

وہ دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور وہ آوازیں سنتا رہا۔ پھر وہ دبے قدموں اپنے کمرے میں گیا اور لائٹ آن کر دی۔

اس کا بستر صاف ستھرا اور بے شکن تھا، جیسے یہاں اس کی آمد کی توقع کی جا رہی تھی۔ وہ بستر پر بیٹھ گیا۔ اس کی نظر نائٹ ٹیبل پر رکھی اپنی اور کیتھرین کی فریم شدہ تصویر پر پڑی۔ وہ دونوں کتنے جوان، زندگی سے کتنے لبریز نظر آ رہے تھے۔

وہ بستر پر لیٹا۔ اسے احساس بھی نہیں ہوا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ہیں۔ آنسو اس کے رخساروں پر پھیلتے، بہتے رہے۔ نیچے کلاک نے دو بجائے۔ وہ اٹھا اور باتھ روم میں چلا گیا۔ اس نے لائٹ آن کی اور دہل کر رہ گیا۔

کیتھرین کا باتھ روم تلپٹ تھا۔ اس کے میک اپ کی چیزیں چاروں طرف بکھری ہوئی تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ وہاں چند جنونیوں نے عالم وحشت میں کوئی جشن منایا ہے۔ پاؤڈر کے جار اور فیس کریم کی شیشیاں فرش پر ٹوٹی پڑی تھیں۔ فرش کے ٹائل رنگ رنگ کی لپ اسٹک سے لتھڑے ہوئے تھے۔ ٹوائلٹ میں ہیر برش اور کرلر زیوں پھنسے ہوئے تھے۔ جیسے کسی نے انہیں گٹر میں بہا دینے کی کوشش کی ہو۔ وہ پورا منظر زبردست جنون

آمیز اشتعال کا مظہر تھا۔ رابرٹ کسی بھی طرح اس سے نظر نہیں چرا سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ جس کا بھی کام ہے، اس سے کرنے والے کی کیتھرین سے شدید نفرت ظاہر ہو رہی ہے۔ اور یہ کام کرنے والا کوئی بچہ نہیں ہو سکتا۔ جار جس قوت سے فرش پر ٹپکے گئے تھے، ان کی چیزیں دور دور تک دھبے ڈال گئی تھیں۔ وہ کسی بڑے کی قوت تھی۔ بلکہ درحقیقت کوئی جنونی، کوئی دیوانہ ہی یہ سب کچھ کر سکتا تھا۔ ایسا جنونی، ایسا دیوانہ جو اندر ہی اندر نفرت سے پھنک رہا ہو۔

وہ منظر دیکھ کر رابرٹ سن ہو کر رہ گیا تھا۔ اس نے ٹوٹے ہوئے آئینے میں اپنے ٹوٹے پھوٹے عکس کو دیکھا۔ اس بکھرے ہوئے عکس میں بھی اس کے چہرے پر سختی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر دراز کھولی۔ لیکن اس کی مطلوبہ چیز وہاں موجود نہیں تھی۔ پھر اس نے کیبنٹ کھولی اور اسے ٹٹولنے لگا۔ بالآخر اس کی انگلیاں مطلوبہ چیز سے ٹکرائیں۔ اس نے اسے نکال لیا۔ وہ الیکٹرک ریزر تھا۔ اس نے اس کا ننھا سا سوئچ اے۔ سی پر منتقل کیا اور اسے آن کیا۔ ریزر کی گنگناہٹ سنائی دینے لگی۔ اس نے اسے آف کر دیا۔

اسی لمحے اسے آواز سنائی دی......کوئی آہٹ۔ آہٹ کی وہ آواز اوپری منزل پر محسوس ہو رہی تھی۔ وہ کان لگائے سنتا رہا۔ بالآخر آواز معدوم ہو گئی۔ وہ پھر بھی کان لگائے رہا۔ وہ سانس بھی بہت آہستہ لے رہا تھا۔ لیکن وہ آہٹ دوبارہ نہیں سنائی دی۔

اس کے اوپری ہونٹ پر پسینے کے قطرے ابھر آئے تھے۔ اس نے انہیں پونچھ دیا۔ اسے احساس تھا کہ اس کے ہاتھ میں لرزش ہے۔

وہ باتھ روم سے نکل آیا۔ کمرے سے نکل کر اس نے تاریک ہال میں ادھر ادھر دیکھا۔ وہ آگے بڑھنے لگا۔ چوبی فرش اس کے قدموں تلے چرچرا رہا تھا۔ ڈیمین کے کمرے سے پہلے مسز بے لاک کا کمرا تھا۔ دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا۔ رابرٹ نے اندر دیکھا۔ مسز بے لاک سیدھی لیٹی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ نیچے لٹکا ہوا تھا۔ اس کے ناخن پر خون جیسی سرخ نیل پالش لگی تھی۔ اس کے چہرے پر بہت زیادہ اور بہت بھدا میک اپ تھا۔ ہونٹ لپ اسٹک سے اور چہرہ پاؤڈر سے بری طرح لتھڑا ہوا تھا۔ اس میں روژ اور آئی شیڈز کا اضافہ بھی تھا۔ رابرٹ ایک بار پہلے بھی اسے اسی حال میں سوتے دیکھ چکا تھا۔ اس وقت بھی اسے خیال آیا تھا کہ ایسا میک اپ گھٹیا بازاری عورتیں ہی کرتی ہیں۔

وہ خراٹے لے رہی تھی۔ اس کا پیٹ کسی متحرک پہاڑی کی طرح نظر آ رہا تھا۔

رابرٹ نے دروازے کو بند کر دیا۔ اس کے ہاتھ میں اب بھی لرزش تھی۔ وہ دبے قدموں آگے بڑھا۔ دوسرا دروازہ بھی تھوڑا سا کھلا تھا۔ رابرٹ نے اسے دھکیل کر کھولا۔ اندر داخل ہو کر اس نے دروازہ بند کیا اور اس سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اب وہ اپنے لے پالک بیٹے کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے معصوم چہرے پر سکون تھا۔ رابرٹ نے اپنی نظریں ہٹا لیں۔ وہ اس کے چہرے کو دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ اس بچے کو اس نے اپنے بیٹے کی طرح پالا تھا اور وہ اسے اپنا بیٹا ہی سمجھتا تھا۔

مٹھی میں ریزر دبائے وہ آگے بڑھا اور بچے کے پاس جا کھڑا ہوا۔ اس نے ریزر کو آن کیا۔ سناٹے میں ریزر کی گنگناہٹ بہت بلند آہنگ محسوس ہو رہی تھی۔ بچہ اب بھی بے خبر سو رہا تھا۔ رابرٹ بچے پر جھکا اور اس نے ریزر بچے کی پیشانی پر رکھا۔ بچے کے کچھ بال فوراً ہی صاف ہو کر گر گئے۔ یہ دیکھ کر رابرٹ کو جھٹکا لگا کہ اتنے سے بال کٹنے پر بچہ بدہیئت لگنے لگا ہے۔

اس نے ریزر دوبارہ استعمال کیا۔کھوپڑی کا ایک اور حصہ بالوں سے پاک ہوگیا۔بال تکیے پر بکھر گئے۔بچے کے حلق سے کراہ سی نکلی اور وہ بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔ہیجان سے لرزتے ہوئے رابرٹ نے ریزر کو پھر استعمال کیا۔بچے کی پلکیں تھرتھرائیں اور اس نے کروٹ بدلنے کی کوشش کی۔اس کی نیند اچٹ گئی تھی اور وہ اٹھنے کی کوشش کررہا تھا۔

رابرٹ نے پریشان ہوکر اس کے سر کو تکیے پر دبایا۔بچے نے زور لگا کر اٹھنے کی کوشش کی۔لیکن رابرٹ نے اسے دبائے رکھا اور ریزر پھر استعمال کیا۔کھوپڑی کا ایک اور حصہ صاف ہوگیا۔

بچہ اب بری طرح ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا۔وہ دہشت زدہ تھا اور اس کے حلق سے گھٹی گھٹی چیخیں نکل رہی تھیں۔رابرٹ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے دوبارہ ریزر استعمال کیا۔سامنے کا سر تقریباً صاف ہو چکا تھا۔

اب ریزر کھوپڑی کے عقبی حصے پر چل رہا تھا۔اچانک...... بالکل اچانک وہ برتھ مارک نمایاں ہوگیا۔وہ چھ کے تین ہندسے تھے...... رابرٹ کے منہ سے ہلکی سے چیخ نکلی اور وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔

بچہ آزادی کا احساس ہوتے ہی اچھلا۔اس نے گہری گہری سانسیں لے کر اپنے تنفس کو بحال کیا اور خوف زدہ نظروں سے رابرٹ کو دیکھنے لگا۔پھر اس نے اپنے گنجے سر پر ہاتھ پھیرا۔خراشوں سے رستا ہوا خون اس کی انگلیوں پر لگا۔وہ دہشت بھری نظروں سے اپنی انگلیوں کو دیکھنے لگا۔پھر بالکل اچانک وہ چیخا اور اس نے رابرٹ کی طرف ہاتھ پھیلائے،جیسے اس کی گود میں سما جانا چاہتا ہو۔وہ بلک بلک کر رو رہا تھا۔

بچے کی آنکھوں میں جو خوف تھا،اس نے رابرٹ کو ہلا کر رکھ دیا۔لیکن وہ بچے کو تسلی نہیں دے سکتا تھا۔''ڈیمین......''اس کے منہ سے سسکتی ہوئی آواز نکلی۔

اسی لمحے دروازہ دھماکے سے کھلا اور مسز بے لاک طوفان کی طرح داخل ہوئی۔اس کے حلق سے خوف ناک آوازیں نکل رہی تھیں۔اپنے اس بھدے میک اپ میں اس کیفیت میں وہ بہت بھیانک لگ رہی تھی۔

رابرٹ نے بچے کو تھاما۔اسی وقت مسز بے لاک اس سے ٹکرائی۔رابرٹ فرش پر جا گرا۔ڈیمین بری طرح چلا رہا تھا۔وہ اٹھ کر بیڈ کی طرف بھاگا۔

رابرٹ نے قلابازی کھائی۔مسز بے لاک اس کا چہرہ نوچنے اور آنکھیں پھوڑنے کی کوشش کررہی تھی۔وہ اب بھی اس کے اوپر تھی۔رابرٹ نے اسے کئی گھونسے مارے۔لیکن وہ تو گوشت کا پہاڑ تھی۔اور وہ اس کا گلا گھونٹنے کی کوشش کررہی تھی۔رابرٹ کو اپنی آنکھیں حلقوں سے ابلتی محسوس ہوئیں۔اس نے اسے دھکیل کر ہٹانے کی کوشش کی۔لیکن مسز بے لاک نے اس کے ہاتھ میں دانت گاڑ دیے۔

ان کی اس کشمکش کے نتیجے میں بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھا لیمپ دھماکے سے نیچے آن گرا۔رابرٹ نے تیزی سے لیمپ اٹھایا اور پوری قوت سے مسز بے لاک کے سر پر دے مارا۔مسز بے لاک کی آنکھوں میں دھندلاہٹ نظر آئی۔وہ چکراتے ہوئے پیچھے ہٹی۔رابرٹ نے لیمپ کا ٹوٹا ہوا ٹکڑا اٹھا کر اس پر دوبارہ وار کیا۔مسز بے لاک کے سر سے بہنے والا خون اس کے پاؤڈر تھپے چہرے پر تھوڑی تک لکیریں بنا رہا تھا۔لیکن ابھی اس میں جان

تھی۔ وہ اب بھی رابرٹ کو دبوچنے کے لئے ہاتھ بڑھا رہی تھی۔

رابرٹ نے تیسرا وار کیا تو وہ ڈھیر ہوگئی۔ رابرٹ لڑکھڑاتا ہوا اٹھا اور بچے کی طرف بڑھا، جس کی آنکھیں دہشت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ رابرٹ نے اسے گود میں اٹھایا اور کھلے دروازے سے ہال میں نکل آیا۔

وہ عقبی زینے پر آیا اور دروازہ بند کرلیا۔ ڈیمین نے ایک ہاتھ سے دروازے کی ناب تھام لی تھی اور دوسرے سے دروازے کو بری طرح پیٹ رہا تھا۔ رابرٹ نے جھٹکے سے اس کا ہاتھ ہٹایا اور سیڑھیوں سے اترنے لگا۔ ڈیمین اب اس کا منہ نوچنے کی کوشش کررہا تھا۔ ایک بار تو وہ سیڑھیوں سے گرتے گرتے بچے۔

سیڑھیوں کے درمیان ڈیمین نے جھولتے ہوئے بلب کے تار کو پکڑ لیا۔ رابرٹ نے اس کا ہاتھ جھٹکا۔ مگر اس سے پہلے بجلی کا شاک ان دونوں کو لگ چکا تھا۔ وہ گرے اور سیڑھیوں پر نیچے لڑھکتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ سیڑھیاں ختم ہوگئیں۔

پینٹری کے فرش پر چاروں ہاتھ پاؤں پر چلتے ہوئے رابرٹ نے خود کو بحال کرنے کی کوشش کی۔ ڈیمین اس کے قریب ہی بے ہوش پڑا تھا۔ اس نے اسے اٹھانے کی کوشش کی۔ لیکن شاک نے اس کے جسم کو جام کردیا تھا۔ اس سے بچے کو اٹھایا نہیں گیا۔

اسی وقت کچن کا دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے سر گھما کر دیکھا۔ وہ مسز بے لاک تھی۔ خون میں نہائے ہوئے چہرے کے ساتھ وہ لڑکھڑاتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی۔ رابرٹ نے سنبھل کر اٹھنے کی کوشش کی۔ لیکن اس سے پہلے ہی مسز بے لاک نے اس کے کوٹ کا کالر تھام لیا۔ اب وہ اسے گھما رہی تھی۔ رابرٹ نے ایک دراز کا ہینڈل تھامنے کی کوشش کی۔ مگر اگلے ہی ثانیے دراز کا ہینڈل اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ دراز کھنچ کر باہر آ گری اور اس میں موجود چیزیں ادھر ادھر بکھر گئیں۔

مسز بے لاک نے اسے اچھال دیا۔ وہ چکراتا ہوا گرا۔ مسز بے لاک جھپٹ کر اس پر آئی۔ اس کے خون آلود ہاتھ اس کے حلق پر جم گئے۔ وہ پورا زور لگا رہی تھی اور رابرٹ بے بس تھا۔ وہ ان وحشت بھری آنکھوں میں جھانک رہا تھا اور ہاتھ ادھر ادھر گھما رہا تھا، جو وہاں بکھرے ہوئے برتنوں سے ٹکرا رہے تھے۔ آخر اس کا ہاتھ کھانے کے کانٹوں سے ٹکرایا۔ اس نے مضبوطی سے کانٹوں کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور پوری قوت سے کانٹوں کو تیز رفتاری سے اوپر کی طرف لایا۔ کانٹے مسز بے لاک کی دونوں کنپٹیوں سے ٹکرائے۔ اس نے چیخ ماری، اور الٹ کر پیچھے کی طرف گری۔

رابرٹ لڑکھڑاتا ہوا اٹھا۔ مسز بے لاک بھی اٹھ رہی تھی۔ کانٹے اس کی کنپٹیوں میں دھنسے ہوئے تھے۔ اور وہ انہیں نکالنے کی کوشش کررہی تھی۔ لیکن وہ نکل نہیں رہے تھے۔ رابرٹ نے فرائنگ پین اٹھا کر اس کے سر پر دے مارا۔ وہ ڈھیر ہوگئی۔

رابرٹ نے بے ہوش بچے کو اٹھایا اور گیراج کے دروازے کی طرف لپکا۔ گیراج میں داخل ہوکر اس نے اپنی مرسڈیز کا دروازہ کھولا۔ وہ گاڑی میں بیٹھ ہی رہا تھا کہ خوف ناک غراہٹ سنائی دی۔ وہ سر گھما ہی رہا تھا کہ سیاہ رنگ کی کوئی شے اڑتی ہوئی آئی اور اس کے کندھے سے ٹکرائی۔ وہ جھٹکے سے پہلو کے بل کار میں گرا۔

وہ کتا تھا...... سیاہ کتا، جو اس کے کوٹ کی آستین تھام کر اسے کار سے کھینچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بچہ برابر والی سیٹ پر موجود تھا۔ رابرٹ نے دروازے کا ہینڈل تھام کر اسے پوری قوت سے اپنی طرف کھینچا۔ کتے کی تھوتھنی دروازے میں آئی۔ خون کا فوارہ چھوٹا اور کتے کے حلق سے تکلیف بھری غراہٹیں نکلنے لگیں۔ کتے نے اپنی تھوتھنی باہر کھینچی اور دروازہ بند ہو گیا۔

اندر کار میں رابرٹ کار کی چابی سے الجھا ہوا تھا، اور باہر کتا پاگل ہوا جا رہا تھا۔ وہ کار کے ہڈ پر چڑھ کر ونڈ شیلڈ پر پوری طاقت سے ٹکریں مار رہا تھا۔ اس کی ہر ٹکر پر ونڈ شلیڈ کا شیشہ لرز کر رہ جاتا تھا۔

رابرٹ کا ہاتھ چابی سے ٹکرایا۔ مگر اسی لمحے چابی اگنیشن سے نکل کر نیچے گر گئی۔ وہ جھک کر اسے تلاش کرنے لگا۔ کتا ونڈ شیلڈ کو توڑنے کی کوشش میں لگا تھا۔ ادھر ڈیمین کے حلق سے کراہیں نکلنے لگیں۔ اب وہ کسمسا بھی رہا تھا۔

رابرٹ کو چابی ملی۔ اس نے چابی اگنیشن میں لگائی۔ مگر اسی لمحے اس کی نظر ونڈ شیلڈ پر پڑی اور وہ دہل کر رہ گیا۔ مسز بے لاک اب بھی زندہ تھی۔ اس کے ہاتھ میں ہتھوڑا تھا اور وہ اپنی رہی سہی توانائی کام میں لاتے ہوئے کار کی طرف جھپٹ رہی تھی۔

رابرٹ نے چابی گھمائی۔ کار اسٹارٹ ہوئی۔ مگر اسی لمحے ہتھوڑا حرکت میں آچکا تھا۔

ہتھوڑا ونڈ شیلڈ سے ٹکرایا۔ ونڈ شیلڈ میں خاصا سوراخ نمودار ہو گیا۔ اسی لمحے سوراخ میں سے کتے کی تھوتھنی اندر آئی۔ وہ دانت نکوس رہا تھا اور اس کی رال بہہ رہی تھی۔ رابرٹ نے اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر خنجر نکالا۔ کتے کی تھوتھنی اس کے ہاتھ سے محض دو انچ کے فاصلے پر تھی۔ اس نے پوری قوت سے خنجر کتے کی دونوں آنکھوں کے درمیان گھونپ دیا۔

خنجر دستے تک اتر گیا تھا۔ کتے کا منہ کھلا۔ اس کے حلق سے خوف ناک، اذیت بھری آواز نکلی، جو کتے سے زیادہ کسی گیدڑ کی آواز لگتی تھی۔ پھر وہ پیچھے ہٹا اور ہڈ سے پھسلتا ہوا نیچے جا گرا۔ اب وہ دو پاؤں پر کھڑا ہو کر اگلے دو پیروں سے پیوست خنجر نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی چیخوں نے گیراج کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

رابرٹ نے ریورس گیئر لگایا اور کلچ پر سے پاؤں ہٹا کر ایکسیلیٹر دبایا۔ کار پیچھے ہٹی اور کھڑکی کے ساتھ مسز بے لاک اس کے ساتھ گھسٹتی گئی۔ وہ کھڑکی پر ہاتھ مار مار کر سسک رہی تھی۔ "میرا بچہ...... میرا بچہ......" پھر وہ کھڑکی کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئی۔ وہ ڈرائیووے کی طرف بھاگی۔

اب کار پوری رفتار سے ڈرائیووے کی طرف سیدھی چل رہی تھی۔ مسز بے لاک سامنے تھی۔ رابرٹ اسے بچانے کے لئے کار گھما سکتا تھا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ اس نے پورا ایکسلیٹر دبا دیا۔ کار مسز بے لاک کو روندتی ہوئی باہر نکل گئی۔

ڈرائیووے کے آخری حصے میں رابرٹ نے گاڑی روکی اور عقب نما آئینے میں دیکھا۔ مسز بے لاک بے حس و حرکت تھی۔ جبکہ نیچے گرا ہوا کتا اکھڑی اکھڑی سانسیں لے رہا تھا۔ یہ طے تھا کہ اب وہ بچ نہیں سکے گا۔

رابرٹ نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

اب وہ ہائی وے پر تھا۔ ڈیمین اب بھی بے ہوش تھا۔ گاڑی اپنی انتہائی رفتار کی حد کو چھو رہی تھی۔ رابرٹ جلد از جلد لندن پہنچ جانا چاہتا

تھا۔صبح ہونے والی تھی۔دھند کا پردہ دھیرے دھیرے ہٹ رہا تھا۔کار سنسان سڑک پر کسی جیٹ طیارے کی طرح گویا اڑ رہی تھی۔

پھر بچے کو ہوش آنے لگا۔وہ کراہ رہا تھا اور کسمسا رہا تھا۔رابرٹ نے اپنی توجہ سڑک پر مرکوز کر لی۔وہ اس بچے کی موجودگی تک سے بے خبر ہو جانا چاہتا تھا۔"یہ کوئی انسانی بچہ نہیں۔" وہ حلق کے بل چلایا۔"یہ انسان کا بچہ نہیں۔"

بچہ اب بھی کسمسا رہا تھا۔ابھی تک اس کی بے ہوشی ختم نہیں ہوئی تھی۔

اسے احساس ہی نہیں ہوا کہ ویسٹ 10 کا موڑ آ رہا ہے۔اسپیڈ زیادہ ہونے کی وجہ سے گاڑی نے بڑے خطرناک انداز میں وہ موڑ کاٹا۔وہ کسی حد تک قابو سے باہر بھی ہوئی۔اس کے نتیجے میں ڈیمین سیٹ سے پھسل کر کار کے فرش پر جا گرا۔

کار اب آل سینٹس چرچ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ڈیمین چونک کر اٹھ بیٹھا۔وہ رابرٹ کو دیکھ رہا تھا۔اس کی نگاہوں میں معصومیت تھی۔

"میری طرف مت دیکھو۔" رابرٹ نے کراہتے ہوئے کہا۔

"مجھے تکلیف ہو رہی ہے......" بچے نے تکلیف سے روتے ہوئے کہا۔

"میری طرف مت دیکھو۔"

بچے نے تابع داری سے نظریں جھکا لیں اور کار کے فرش کو دیکھنے لگا۔وہ بہت سہما ہوا تھا۔

کار پوری رفتار سے دوڑ رہی تھی۔چرچ قریب آ رہا تھا۔رابرٹ نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔آسمان پر اندھیرا چھا رہا تھا،جیسے دوبارہ رات ہو رہی ہو۔پھر اسے احساس ہوا کہ وہ ایک بہت بڑا تاریک دھبہ ہے،جو حرکت بھی کر رہا ہے اور اس میں بجلی کے سے جھماکے بھی ہو رہے ہیں۔اور وہ دھبہ زمین کی طرف لپک رہا ہے،جیسے زمین سے ٹکرا کر ہی رکے گا۔

"ڈیڈی......" روتے ہوئے ڈیمین نے پکارا۔

"مت پکارو مجھے۔"

"میرا جی متلا رہا ہے ڈیڈی۔"

اسی وقت اسے قے ہوگئی۔ رابرٹ اس کی اذیت بھری آواز سننا نہیں چاہتا تھا۔

اچانک تیز بارش شروع ہوگئی۔ ہوا اتنی تیز تھی کہ کنکر اڑ کر ونڈ شیلڈ سے ٹکرا رہے تھے۔

اسی لمحے گاڑی چرچ کے سامنے رک گئی!

رابرٹ نے کار کا دروازہ کھولا اور ڈیمین کو اس کے نائٹ سوٹ کے کالر سے تھام کر باہر کھینچا۔ بچہ اب ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا۔ کئی بار اس کی لات رابرٹ کے پیٹ پر لگی۔ بچے کو کار سے اتارنا دشوار ہو رہا تھا۔ وہ چرچ دیکھ کر پاگل ہو گیا تھا۔

رابرٹ نے کالر چھوڑ کر اس کی ٹانگ تھامی اور اسے باہر کھینچا۔ مگر وہ اس کی گرفت سے آزاد ہو کر بھاگنے لگا۔ رابرٹ اس کے پیچھے دوڑا اور کالر سے تھام کر اسے نیچے پٹخ دیا۔ اوپر آسمان پر زبردست کڑاکا ہوا اور بجلی کی لکیر سی نیچے لپکی۔ بجلی کار کے بہت قریب گری تھی۔

ڈیمین اب بھی جدوجہد کر رہا تھا۔ رابرٹ اس پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ پھر اسے قابو میں کرنے کے بعد وہ اسے گھسیٹتا ہوا چرچ کی سیڑھیوں پر لے چلا۔

سڑک کے اس پار ایک کھڑکی کھلی۔ ایک آدمی نے جھانکا اور چلانے لگا۔

لیکن رابرٹ کو کچھ ہوش نہیں تھا۔ تیز بارش میں چہرے پر دہشت اور وحشت کا تاثر لیے وہ ڈیمین کو گھسیٹتا ہوا چرچ کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔

اچانک ہوا کا ایک غراتا ہوا جھکڑ اس کے چہرے سے ٹکرایا۔ اس کی پیش قدمی رک گئی۔ اس نے آگے کی طرف جھکتے ہوئے اپنے قدموں کو اکھڑنے سے بچایا۔ تیز ہوا اس کی راہ میں مزاحم ہو رہی تھی۔ اب وہ رینگنے کے انداز میں بڑھ رہا تھا۔

اچانک ڈیمین اس کی گود میں مچلا اور گھومتے ہوئے اس نے رابرٹ کی گردن پر کاٹ لیا۔ رابرٹ تکلیف سے چلایا۔ لیکن اب اسے سب سے زیادہ فکر چرچ میں داخل ہونے کی تھی۔

تیز ہوا کے شور میں بھی قریب آتی پولیس کار کے سائرن کی آواز واضح طور پر سنائی دی۔ پھر سڑک پار کی کھڑکی سے ایک مردانہ آواز نے چیخ کر کہا۔

''او بے رحم...... خبیث...... بچے کو چھوڑ دے۔''

لیکن رابرٹ کچھ سننے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ دیوانہ وار نوچتے کھسوٹتے بچے اور تیز ہوا سے لڑتے ہوئے وہ چرچ کے گیٹ کی طرف چڑھ رہا تھا۔ بچے کی انگلی اس کی آنکھ کے ڈھیلے سے ٹکرائی۔ رابرٹ گھٹنوں کے بل گر گیا۔ لیکن ہاتھ پاؤں چلانے کے باوجود رابرٹ نے ڈیمین کو نہیں چھوڑا۔ بجلی کا ایک کوندا اس کی طرف لپکا۔ لیکن غائب ہو گیا۔ شاید اس لیے کہ وہ ڈیمین کے ساتھ چرچ کی دہلیز پر قدم رکھ چکا تھا۔

اس نے ڈیمین کو گھسیٹنے کی کوشش کی۔ لیکن ناکام رہا۔ اس کی توانائی تیزی سے ختم ہو رہی تھی۔ جبکہ بچے کی توانائی بڑھتی محسوس ہو رہی تھی۔ بچے نے پھر آنکھ کے قریب نوچا۔ ساتھ ہی اس کا گھٹنا رابرٹ کے پیٹ سے ٹکرایا۔ رابرٹ بس اتنا کر سکا کہ بچے کو دبوچے رہا۔

بیوگن ہیگن نے کہا تھا کہ، اس کا خون کسی مقدس اور متبرک مقام پر گرنا چاہیے...... چرچ میں...... قربان گاہ پر۔ لیکن اب رابرٹ کو لگ رہا تھا کہ وہ قربان گاہ تک نہیں پہنچ سکے گا۔ بہر حال اتنا تو تھا کہ وہ چرچ کی حدود میں ہے۔

اس نے بچے کو گھٹنوں تلے دباتے ہوئے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور خنجروں کی پیکنگ نکالی۔ اسی لمحے رگوں میں خون کو ٹھٹھرا دینے والی ایک چیخ مارتے ہوئے، ڈیمین نے لات چلائی۔ خنجر ادھر ادھر بکھر گئے۔ بچے کو بدستور دبائے اس نے ہاتھ بڑھا کر قریب پڑا ایک خنجر اٹھا لیا۔

پولیس سائرن کی آواز اب بہت تیز تھی۔ پھر وہ اچانک رک گئی۔

ڈیمین حلق کے بل چیخ رہا تھا......

رابرٹ نے خنجر والا ہاتھ فضا میں بلند کیا......

''رک جاؤ۔'' سڑک کی طرف سے آواز سنائی دی۔

رابرٹ نے سر گھما کر دیکھا تو اسے دو باوردی پولیس والے نظر آئے۔ وہ سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔ ان میں سے ایک کا ہاتھ اپنے ہولسٹر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

رابرٹ کا ہاتھ قوسی شکل میں اب نیچے کا سفر شروع کر رہا تھا۔ ڈیمین پاگلوں کی طرح چیخ رہا تھا۔ پھر اس کی چیخ فائر کی آواز میں دب گئی۔

ایک لمحے کو جیسے سب کچھ ساکت ہو گیا۔ پولیس مین بھی ساکت تھا...... اور چرچ کی دہلیز پر آدھا اندر اور آدھا باہر بیٹھا رابرٹ تھورن جیسے پتھر کا بت بن گیا تھا۔ ڈیمین اب بھی اس کے گھٹنے کے نیچے دبا ہوا تھا۔

اسی وقت دروازے پر پادری نمودار ہوا۔ موسلا دھار بارش کے پیش منظر میں وہ منظر اسے غیر حقیقی لگ رہا تھا......!

اس المیے کی خبر تیزی سے لندن میں پھیل گئی۔ پھر وائرسروس کے ذریعے پوری دنیا کو معلوم ہوگیا۔ لیکن کہانی بہت الجھی ہوئی تھی۔ تفصیلات کے بارے میں تضادات سامنے آرہے تھے۔ 48 گھنٹے تک اخباری رپورٹر ٹی ہاسپٹل کے ویٹنگ روم میں چپکے رہے۔ حقیقت جاننے کے لئے وہ ڈاکٹروں سے سوال پر سوال کیے جارہے تھے۔ لیکن ڈاکٹر بھی انہیں نہیں بتاسکے کہ درحقیقت کیا ہوا ہے۔

دودن بعد صبح کے وقت ہاسپٹل کے چندتر جمان ویٹنگ روم میں داخل ہوئے۔ ٹیلی ویژن کیمرے آن ہوتے ہی انہوں نے سرکاری طور پر بیان جاری کیا۔

آخر میں ساؤتھ افریقہ سے بطور خاص آپریشن کے لئے آنے والے سرجن نے حتمی اعلان کیا۔ ''آج صبح ساڑھے آٹھ بجے مسٹر رابرٹ تھورن وفات پاگئے۔'' ڈاکٹر نے کہا۔ ''ان کی جان بچانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ لیکن زخم ایسا تھا کہ وہ اس سے جاں بر نہ ہوسکے۔''

رپورٹرز کے منہ سے تاسف بھری آوازیں نکلیں۔ ڈاکٹر خاموشی کا انتظار کرتا رہا۔ پھر اس نے سلسلہ کلام جوڑا۔ ''اس وقت اور کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ تعزیتی رسومات آل سینٹس چرچ میں ہوں گی، جہاں یہ المناک واقعہ رونما ہوا۔ اس کے بعد لاش تدفین کے لئے امریکہ بھجوادی جائے گی۔''

❁ ❁ ❁

نیویارک شہر کے جے ایف کے ائیرپورٹ پر لیموزین کاروں کی قطار منتظر تھی۔ خصوصی طیارے سے دو تابوت اتارے گئے اور ایک گاڑی میں پہلو بہ پہلو رکھے گئے۔ پھر یہ سوگوار قافلہ قبرستان کی طرف روانہ ہوا۔

جس ہائی وے پر قبرستان واقع تھا، اس پر اس وقت بڑا ہجوم تھا۔ تابوت لے جانے والی گاڑی کے آگے موٹر سائیکل سوار پولیس مین تھے، جو گاڑی کے لئے راستہ بنارہے تھے۔

گاڑی قبرستان پہنچی تو وہاں بھی ہجوم اکٹھا ہو چکا تھا۔ وہاں دوطرح کے لوگ تھے...... ایک وہ جو تجسس سے بے حال تھے۔ دوسرے وہ جو سوگوار تھے۔ سیکورٹی گارڈز انہیں مقام تدفین تک جانے سے روک رہے تھے۔

پھر امریکی پرچم کے زیرسایہ تدفین کی رسومات کا آغاز ہوا۔ سفید چوغہ پہنے ایک پادری تدفین کرارہا تھا۔ دونوں تابوت لحد میں اتار دیے گئے۔ پھر پادری نے الوداعی کلمات ادا کیے

''ہم سب ان دوانسانوں کی بے وقت موت پر دکھی ہیں۔'' پادری کہہ رہا تھا۔ ''ہمارے وجود کا ایک حصہ ان کے ساتھ رخصت ہوگیا، جو اب ابدی سفر کے لئے روانہ ہوچکے ہیں۔ ہمیں دکھ کرنے کے بجائے ان کی روحوں کیلئے سکون کی دعا کرنی چاہیے۔ اور جو پیچھے رہ گئے ہیں۔ ان کے لئے صبر کی دعا کی جائے۔ یادرکھیں، زندگی کتنی ہی مختصر کیوں نہ ہو، درحقیقت مکمل ہوتی ہے۔ ہمیں اس مختصر وقت کے لئے خداوند کا شکر ادا کرنا چاہیے جو انہوں نے ہمارے درمیان گزارا۔''

تدفین کے شرکا خاموش تھے۔ ان میں سے کچھ رو رہے تھے۔

''پس ہم ایک عظیم انسان کے فرزند کو خدا کے سپرد کرتے ہیں، جس نے دولت اور آسائشات کے درمیان آنکھ کھولی ...... جسے ہر وہ

دنیاوی نعمت حاصل تھی، جس کا حصول کسی انسان کے لئے ممکن ہو سکتا ہے۔ لیکن اس موت میں سبق یہ پنہاں ہے کہ صرف دنیاوی آسائشات اور نعمتیں ناکافی ہوتی ہیں۔ اور موت ایک کائناتی حقیقت ہے۔''

قبرستان کے گیٹ کے باہر رپورٹرز یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ فوٹوگرافر ٹیلی فوٹو لینس کی مدد سے تصویریں کھینچ رہے تھے۔ ان میں حنیف ارشد بھی تھا۔ اس کے کندھے پر کیمرا لٹکا ہوا تھا۔ لیکن وہ تصویر نہیں بنا رہا تھا۔

''تم تو خاص خاص تصویریں ہی کھینچتے ہو۔'' ایک رپورٹر نے اسے چھیڑا۔

حنیف نے کندھے جھٹک دیے۔ وہ بہت سوگوار لگ رہا تھا۔

قریب کھڑے رپورٹرز کے گروپ میں کسی نے کہا۔'' کس قدر ناقابل یقین المیہ ہے۔''

''میں نہیں مانتا۔ سڑک پر لوگ پہلے بھی اس طرح قتل ہوتے رہے ہیں۔'' دوسرے نے کہا۔

''اس آدمی کا کیا ہوا، جس نے پولیس کو اطلاع دی تھی۔ جس نے مسٹر تھورن کو بچے پر تشدد کرتے دیکھا تھا؟''

''وہ نشے میں دھت تھا۔ اس کا چیک اپ کیا گیا تو ثابت ہو گیا کہ اس کے معدے میں شراب کی بھاری مقدار موجود ہے۔''

''یہ ہے نا عجیب بات۔ نشے میں دھت آدمی نے وہ منظر دیکھا اور پولیس کو بھی مطلع کر دیا۔ اسے اتنا ہوش کیسے رہا؟''

''واقعی عجیب بات ہے۔''

''میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ باپ بیٹے کا اتنے سویرے چرچ میں آنا اپنی جگہ کچھ کم عجیب نہیں۔''

''مسٹر تھورن کی بیوی کا انتقال ہوا تھا نا۔ ہو سکتا ہے، وہ دونوں اس کے لئے دعا کرنے آئے ہوں۔''

''مگر کوئی چرچ کی دہلیز پر قتل کرے تو اسے کیا کہیں گے......''

''اور وہ بھی اپنے بیٹے کا۔''

''ارے...... دنیا عجیب طرح کے لوگوں سے بھری ہوئی ہے۔''

''میرے حلق سے نہیں اترتی یہ بات۔ مجھے تو لگتا ہے کہ کسی بڑی اور اہم بات پر پردہ ڈال دیا گیا ہے۔''

یہ سن کر حنیف تلخی سے مسکرایا۔ حقیقت سے صرف وہ واقف تھا۔

''اور یہ بھی کوئی پہلا موقع نہیں کہ ایسا ہوا ہو۔ مگر وہ معاملات...... خاص طور پر بڑے لوگوں کے، دبا ہی دیے جاتے ہیں۔''

''اور دبائے جاتے رہیں گے۔''

اندر قبروں پر مٹی ڈالی جا رہی تھی۔ تدفین کے منتخب شرکا میں ایک جوڑا تھا، جو دوسروں سے الگ تھلگ کھڑا تھا۔ انکو کچھ سادہ لباس والے محافظت کے انداز میں گھیرے ہوئے تھے۔ اور چوکنے انداز میں لوگوں کا جائزہ لے رہے تھے۔ مرد باوقار اور خوش لباس تھا۔ عورت سیاہ ماتمی لباس میں تھی اور چہرے پر سیاہ جالی والی نقاب تھی۔ عورت نے ایک پانچ سالہ بچے کا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔ بچے کا دوسرا ہاتھ گردن سے جھولتی ہوئی پٹی میں لٹکا ہوا تھا۔

''ہم رابرٹ اور کیتھرین تھورن کو ابدی زندگی کے سفر کے لئے خدا حافظ کہتے ہیں۔'' پادری نے کہا۔''اب ہماری نگاہوں کا مرکز اس خاندان کا واحد فرد ڈیمین تھورن ہے، جو اب ایک گھر سے دوسرے گھر میں جانے والا ہے۔ خدا اسے نئی محبتیں عطا فرمائے اور ان کے ساتھ وہ پھولے پھلے۔ خدا کرے، وہ اپنے باپ کا لائق جانشین اور انسانیت کا رہنما ثابت ہو۔''

ڈیمین قبروں کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے بہت مضبوطی سے عورت کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔

''اور اب میں آخری بات ڈیمین تھورن سے کہوں گا۔'' پادری نے کہا۔ اس نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور دعا دینے والے انداز میں بولا۔''خداوند تمہیں عزت سے اور اپنی تمام نعمتوں سے نوازے۔ کاش تمہیں کرائسٹ کی ابدی محبت حاصل ہو۔''

آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہیں تھا۔ اس کے باوجود ایک زبردست کڑاکا سنائی دیا۔ شاید خدا ناراضی کا اظہار کر رہا تھا۔

تمام لوگ گیٹ کی طرف چل دیئے۔ سادہ لباس والوں میں گھرا جوڑا وہیں رہا۔ یہاں تک کہ تمام شرکا رخصت ہو گئے۔ تب وہ قبر کی طرف بڑھے۔ ڈیمین دونوں قبروں کے درمیان گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور اس نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔

جاتے ہوئے لوگوں نے پلٹ کر دیکھا۔ ان میں سے بیشتر رونے لگے۔

ڈیمین اٹھا اور اپنے نئے سرپرستوں کے ساتھ قبر سے ذرا دور کھڑی صدارتی لیموزین کی طرف چل دیا۔ سادہ لباس والے اب بھی انہیں گھیرے میں لیے ہوئے تھے

موٹر سائیکل سوار پولیس والوں کے جلو میں امریکی صدر کی لیموزین رپورٹرز کے درمیان سے گزری۔ فوٹوگرافرز نے عقبی کھڑکی سے باہر گھورتے ہوئے بچے کی تصویریں کھینچیں۔ انہیں نہیں معلوم تھا کہ کار کے اوپر نمودار ہونے والے ایک رنگین دھندلے دھبے کی وجہ سے وہ تمام تصویریں خراب ہو جائیں گی۔

اس بار حنیف نے بھی ڈیمین کی تصویر کھینچی تھی!!!!

(دجال اور دجالیت کیلئے راہیں ہموار کرنے والوں کی سازشیں ابھی جاری ہیں۔ اس دلچسپ داستان کا بقیہ حصہ آئندہ ہفتے ملاحظہ فرمائیں)

دجّال...... یہودیوں کی آنکھ کا تارہ جسے عیسائیوں اور مسلمانوں کو تباہ و برباد اور نیست و نابود کرنے کا مشن سونپا جائے گا

انگریزی ادب سے درآمد ایک خوفناک ناول۔ علیم الحق حقی کا شاندار اندازِ بیاں

دجّال

علیم الحق حقی

(ڈیوڈ سیلٹزر)

علم و عرفان پبلشرز

34-اردو بازار لاہور

فون042-7352332-7232336

نوٹ:

انتساب!

اپنے بے حد محبت کرنے والے بھائی احمد انصاری کے
نام ان کا پیہم اصرار ہوتا تو میں نے یہ کہانی نہ لکھی ہوتی

ملنے کے پتے

مشتاق بک کارنر
الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور فون: 7230350

خزینہ علم وادب
اردو بازار لاہور فون 7314169

اشرف بک ایجنسی
کمیٹی چوک، راولپنڈی فون 5531610

کتاب گھر
کمیٹی چوک، راولپنڈی فون 5552929

رحمٰن بک ہاؤس
اردو بازار، کراچی

ویلکم بک پورٹ
اردو بازار، کراچی

پیش لفظ

ھذا من فضل ربی
الحمد اللہ

عشق کا شین کی پسندیدگی کا شکریہ اور تشنگی پر معذرت۔ حالانکہ یہ معذرت میں نے پہلے حصے کے پیش لفظ میں ہی کر لی تھی۔ میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ انشا اللہ آخری حصے کے لیے آپ کو بہت طویل انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ لیکن اللہ کو کچھ اور منظور تھا۔ 27 دسمبر کی صبح مجھے ہارٹ اٹیک ہوا۔ جبکہ پہلا حصہ جنوری کے پہلے ہفتے میں مارکیٹ میں آیا۔ اللہ کی رحمت اور آپ سب کی دعاؤں سے میں دو ہفتے گھر بعد واپس آ گیا۔ لیکن لکھنا ممکن نہیں رہا۔ تین ماہ ضائع ہوگئے۔ میں آپ سے شرمندہ ہوں۔ مگر اب کام شروع کر دیا ہے۔

ڈاکٹر کی ہدایت پر جس دوران میں لکھنے سے گریزاں رہا، اس عرصے میں بھی الحمد اللہ بے کار نہیں رہا۔ اسی عرصے میں عشق کا قاف، کے خدوخال ذہن میں ابھرنے لگے۔ ایک خاکہ سا تیار ہوگیا۔ لکھنا میرا شوق، میری محبت ہے۔ اس کے بغیر میں ادھورا اور نامکمل ہوں۔ اب عشق کا شین کو تکمیل کی طرف بڑھاتے ہوئے زندگی کا بھرپور احساس ہو رہا ہے۔ اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے درازی عمر بالخیر سے نوازے اور اپنی رحمت اور فضل وکرم سے مجھ سے عشق کی یہ Trilogy مکمل کرائے جو عشق کا عین سے شروع ہوئی تھی اور انشا اللہ عشق کا قاف پر ختم ہوگی۔

میں اپنے ان قارئین کا بہت شکر گزار ہوں، جنہوں نے بیت اللہ شریف میں میرے لیے دعائیں کیں۔ جنہوں نے علالت کے دوران فون پر اور خطوط کے ذریعے مجھے حوصلہ عطا کیا۔ اور میں آپ سب سے التجا کرتا ہوں کہ میرے لیے شفائے کاملہ اور درازی عمر کی دعا کرتے رہیں۔ تا کہ میں آپ کے لیے بہتر سے بہتر لکھتا رہوں۔

عشق کا شین کی خوب صورتی کو سراہنے والے خطوط بھی کثرت سے ملے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ کاغذ اور پرنٹنگ سے لے کر بائنڈنگ تک یہ کتاب بہت اعلیٰ معیار کی حامل ہے۔ اس سلسلے میں داد کے حق دار علم وعرفان پبلشرز کے گل فراز احمد ہیں۔ عشق کا شین انہوں نے بڑے کھلے دل سے، بے حد محبت کے ساتھ شائع کی ہے۔ انہیں جتنا بھی سراہا جائے کم ہے۔

میں اب اجازت چاہتا ہوں۔ آپ دجال پڑھیے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ اس کتاب کا بھی بہت بے چینی سے انتظار کرتے رہے ہیں۔ اب یہ تو آپ ہی بتا سکیں گے کہ یہ آپ کی توقعات پر پوری اتری یا نہیں۔ مجھے تو اب آپ کے تبصروں اور آرا کا انتظار رہے گا۔ ایک معذرت اور کرلوں۔ اب ای میل پر آپ مجھ سے رابطہ نہیں کر سکیں گے۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

والسلام
آپ کا اپنا
علیم الحق حقی

دجال (لڑکپن)

ماہرآثارقدیمہ کارل بیوگن ہیگن بے حد فکر مند تھا!

فکر کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ زمین کے نیچے ایک مدفون شہر میں مقیم تھا۔ کیونکہ اسے تو وہ ماحول بہت اچھا لگتا تھا۔ وہاں ٹھنڈک تھی، تاریکی تھی اورگزری ہوئی صدیوں کی خوشبو تھی۔ یہ سب کچھ اسے بہت پسند تھا۔ اوراس سب سے زیادہ اسے وہاں کی تقدس آمیز خاموشی اور سکون اچھا لگتا تھا۔ اس کی فکر مندی کا سبب یہ تھا کہ اب وہ خاموشی مجروح ہو رہی تھی۔

بات یہ تھی کہ اب بیوگن ہیگن کو پراسرار آوازیں سنائی دینے لگی تھیں!

بیوگن ہیگن آسانی سے خوف زدہ ہونے والا آدمی نہیں تھا۔ اس کی عمر ساٹھ کے ہندسے کو چھونے والی تھی۔ اپنی موٹی گردن اور یونانی سورماؤں کے سے چوڑے پر گوشت کندھوں کے ساتھ وہ یقیناً ایک طاقت ور آدمی تھا۔ اس کے سر اور داڑھی کے بال قبل از وقت سفید ہو گئے تھے۔ لیکن اس کی آنکھوں میں درندوں کا شکار کرنے والوں کا سا چوکنا پن تھا۔

ان دنوں وہ اسرائیل کی زمین کے نیچے سے برآمد ہونے والے آثار قدیمہ کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس لیے نہیں کہ وہ دنیا کا ممتاز ترین ماہر آثار قدیمہ تھا۔ درحقیقت وہ دنیا میں شیطان کے وجود کو ثابت کرنا چاہتا تھا۔

جو آوازیں اسے سنائی دیتی تھیں، انہوں نے اسے چوکنا کر دیا تھا۔ اس کے پاس خوف زدہ ہونے کی معقول وجہ تھی کہ اب شیطان سے اس کی کھلی جنگ تھی۔ اس نے شیطان کو اس کے بیٹے کے روپ میں ختم کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اب شیطان اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔

بیوگن ہیگن جو شیطان کے وجود کے لیے ثبوت تلاش کر رہا تھا، وہ اس کے اپنے لیے نہیں تھی۔ اس کے پاس جو ثبوت موجود تھے۔ وہ اس کے اپنے لیے بہت کافی تھے۔ اب تک اس نے جو نتائج اخذ کیے تھے۔، وہ درست ثابت ہوئے تھے۔ بلکہ خوف زدہ کر دینے کی حد تک درست ثابت ہوئے تھے۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ وہ اپنے ساتھی مائیکل مورگن کو قائل نہیں کر سکا تھا۔ اور یہ بہت ضروری تھا۔ بیوگن جانتا تھا کہ جس نے اینٹی کرائسٹ کو قتل کرنے کی کوشش کی ہو، وہ شیطان کے انتقام سے نہیں بچ سکتا۔

اس نے مورگن سے گزشتہ روز پہلی بار اس موضوع پر بات کی تھی۔ اس وقت وہ سی سائیڈ کے اس خوب صورت کیفے میں بیٹھے کافی پی رہے تھے۔ شام کا وقت تھا۔ تپتا ہوا فرش اب ٹھنڈا ہونا شروع ہو گیا تھا۔

شروع میں تو مورگن کو اس کی بات پر یقین نہیں آیا۔ یہ بات بیوگن ہیگن کے لیے ناقابل فہم بھی نہیں تھی۔ وہ سمجھتا تھا کہ ٹھوس شواہد کے بغیر کسی کو قائل نہیں کیا جا سکتا۔

وہ بڑی خوب صورت شام تھی۔ افق پر شفق کے رنگین لہریے تھے۔ شام کی نرم، دم توڑتی دھوپ دیواروں سے چڑھتی اوپر کی طرف جا رہی

تھی۔ وہ ایسا خوبصورت ماحول تھا کہ چند لمحوں کیلئے خود بیوگن ہیگن کو بھی اپنی بات بے وزن لگنے لگی اسے لگا کہ وہ کسی پاگل پن میں مبتلا ہو گیا ہے۔

لیکن اس وقت اس کے وجود میں ایک آواز ابھری۔ وہ اس کے لیے اجنبی اور نامانوس آواز تھی۔ وہ اسے یہ بتا رہی تھی کہ وہ پاگل نہیں۔ بلکہ صاحب علم ہے۔ اور اسے ایسی اہم معلومات عطا کی گئی ہیں، جن کو کسی دوسرے تک پہنچانا اس کے لیے فرض سے بڑھ کر ہے۔ اگر وہ ان معلومات کو خود تک محدود رکھ کر شیطان کا شکار ہو گیا تو سارے کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔ اور اسے جواب دہی کرنی ہوگی۔

بیوگن ہیگن کے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ مورگن تو اس کی بات کو مضحکہ خیز سمجھ رہا ہے۔ جبکہ اس کی دوست اس کی بات کو بڑی توجہ سے سن رہی ہے۔ سچ تو یہ تھا کہ بیوگن ہیگن کو تو اس لڑکی کی وہاں موجودگی بھی خلاف ضابطہ لگ رہی تھی۔ لیکن مورگن عورتوں کے معاملے میں بہت ندیدا تھا۔ ہمیشہ اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی عورت ہوتی تھی۔ اس لیے اس نے بیوگن ہیگن کے تنہائی میں ملاقات کے اصرار کو نظر انداز کر کے اس لڑکی کی موجودگی میں بات کرنے کو ترجیح دی تھی۔

اس لڑکی کا نام جوآن ہارٹ تھا۔ وہ بے حد حسین لڑکی تھی۔ اس کے بال سیاہ تھے اور آنکھیں ایسی چمکیلی کہ ان میں ستارے اترے ہوئے نظر آتے تھے۔ بیوگن ہیگن نے اسے دیکھ کر سوچا تھا کہ جب وہ جوان تھا تو ایسی کوئی لڑکی اسے نظر نہیں آئی تھی۔

وہ فری لانس فوٹو جرنلسٹ تھی بیش قیمت لباس پہنتی تھی۔ پروفیشنل انداز میں گفتگو کرتی تھی۔ بہت بڑے سائز کی جیولری کا شاید اسے خبط تھا۔ گلے میں موٹے دانوں کی کئی مالائیں پڑی رہتی تھیں۔ سگریٹ وہ بہت زیادہ پیتی تھی اور باتونی بھی بہت تھی۔

جو آن ہارٹ کی وہاں موجودگی کا سبب اس کی کوئی پیشہ ورانہ مصروفیت نہیں تھی۔ وہ وہاں موجود تھی تو صرف اور صرف مائیکل مورگن کی خاطر، جو اس وقت اس کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ حالانکہ اس کی توجہ کا مرکز صرف اس کا کام تھا۔

جو آن ابھی کچھ دیر پہلے لندن سے آئی تھی۔ لندن اس کا شہر تھا۔

اس وقت بیوگن ہیگن اخبار کی جو خبر مورگن کو دکھا رہا تھا، وہ اس خبر کو پہلے بھی پڑھ چکی تھی...... امریکی سفیر اور اس کی بیوی کو سپرد خاک کر دیا گیا...... مائیکل مورگن بھی وہ خبر پڑھ چکا تھا۔ ''پڑھتے وقت بھی اس کے انداز میں دلچسپی نہیں تھی تو اب اس وقت کہاں سے آتی۔ ''ہاں......'' اس نے بے حد عدم دلچسپی سے، غیر متجسسانہ انداز میں کہا۔ ''بہت دلچسپ میں متجسس ہو رہا ہوں۔'' اس کا لہجہ اس کے الفاظ کی نفی کر رہا تھا۔

بیوگن ہیگن جانتا تھا کہ مایوس ہونے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اس نے مائیکل مورگن کو دوسرا اخبار دکھایا جو امریکی تھا۔ صدر امریکہ اور ان کی اہلیہ سوگوار بچے سے تعزیت کر رہے ہیں۔

اس کی انگلی تصویر میں موجود چھ سالہ بچے کی طرف اشارہ کر رہی تھی، جس کے بازو پر سیاہ پٹی بندھی ہوئی تھی۔ بچے کا چہرہ دلکش اور چمکدار تھا۔ ''تم اسے پہچانتے ہو؟'' بیوگن ہیگن نے مائیکل سے پوچھا۔

مائیکل نے دوبارہ تصور کو بغور دیکھا اور نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''نہیں۔''

بیوگن ہیگن اس بار خود کو مایوسی اور آزردگی سے نہیں بچا سکا۔ ارے اس بھری دنیا میں ایک میں ہی ہوں، جو اسے پہچانتا ہوں۔ صرف میں ہوں، جو اس کے بارے میں جانتا ہوں۔ میں دوسروں کو کیسے باور کراؤں۔ کیا دنیا اس کی حقیقت سے بے خبر رہے گی۔ ایسا ہو گیا تو یہ کتنا بڑا المیہ ہوگا...... انسانی المیہ! انسانیت خود کو تباہی سے بچانے کے لیے اس فتنے کا سد باب نہیں کر سکے گی۔ وہ بچے کی تصویر کو گھورتے ہوئے آزردگی سے سوچتا رہا۔ پھر وہ بولا تو اس کے لہجے میں تندی تھی۔ حالانکہ اس کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ شاید یہ اندر کی مایوسی کی وجہ سے تھا۔ ''کیا تم نے یگائیل کی دیوار اب تک نہیں دیکھی؟'' اس نے مائیکل مورگن سے پوچھا۔

''ابھی پچھلے ہی ہفتے تو وہ کھدائی کے بعد برآمد ہوئی ہے......'' مائیکل نے کہا۔

لیکن بیوگن ہیگن نے اس کی بات پوری نہیں ہونے دی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس کی بات کتنی ہی غیر منطقی اور غیر حقیقی کیوں نہ لگے، اسے جلد از جلد اپنی آگہی مائیکل کو منتقل کرنی ہے۔ وقت بہت کم ہے۔ اس بات کا اسے رہ رہ کر احساس ہو رہا تھا۔ اس نے تصویر کو انگلی سے تھپتھپایا اور ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔ ''یہ ہو بہو یگائیل کے شیطان کا چہرہ ہے۔ اس میں شک وشبے کی کوئی گنجائش نہیں کہ یہ لڑکا...... یہ ڈیمین تھورن درحقیقت اینٹی کرائسٹ ہے......''

مائیکل کو یہ سن کر شاک لگا۔ ''کارل، یہ تم......'' اس نے احتجاج کرنے کی کوشش کی۔

لیکن بیوگن ہیگن نے پھر اس کی بات کاٹ دی۔ ''میری بات پر یقین کرو مائیکل میں سچ کہہ رہا ہوں۔''

مائیکل مورگن کے ہونٹوں کی مسکراہٹ ہوا ہو گئی۔ بیوگن ہیگن کے چہرے پر جو سنگینی تھی، اس نے اسے خوف زدہ کر دیا۔ وہ جانتا تھا۔ کہ

بوڑھا بیوگن ہیگن کوئی سٹھیایا ہوا آدمی نہیں ہے۔ وہ اس کا استاد ہے۔ آج اس کے پاس جتنا بھی علم ہے، وہ اس بوڑھے شخص ہی کا دیا ہوا ہے۔

''دیکھو کارل......'' اس نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔ ''تم جانتے ہو، میں آثار قدیمہ کا عالم ضرور ہوں۔ لیکن کوئی مذہبی جنونی آدمی نہیں ہوں۔ بلکہ مذہبی جنونی تو میں کبھی بن ہی نہیں سکوں گا۔''

''مگر تمہیں معلوم ہے کہ اینٹی کرائسٹ کی آمد کے بارے میں تم نے کہاں پڑھا ہے۔ میں بتاتا ہوں۔'' مگر یہ کہتے کہتے بیوگن ہیگن کو احساس ہوا کہ جو حوالہ وہ دینا چاہتا تھا، وہ تو اس کے ذہن میں ہے ہی نہیں، محو ہو چکا ہے۔ اسے احساس تھا کہ وہ بہت تھکا ہوا ہے...... خستہ حال ہو رہا ہے۔ کئی دن سے وہ سویا بھی نہیں ہے۔ اس پر مزید ستم اس کا خوف۔ اور اب اس کی یادداشت بھی اس کا ساتھ چھوڑ رہی ہے۔

مائیکل نے جوآن کی طرف دیکھا۔ مگر ایک نظر میں اسے اندازہ ہو گیا کہ جوآن سے اسے کوئی مدد نہیں مل سکے گی۔ وہ تو سحر زدہ نظر آ رہی تھی اور کسی تنویم زدہ معمول کی طرح بیوگن ہیگن کو تک رہی تھی۔ اسنے سر جھٹکا اور بیوگن ہیگن کی طرف متوجہ ہوا۔ ''اہم بات یہ ہے کارل کہ حقائق کیا ہیں؟''

بیوگن ہیگن نے سر اٹھایا۔ ''ایک ہفتہ پہلے اس بچے کے باپ نے آل سینٹس چرچ، لندن میں اسے ختم کرنے کی کوشش کی۔ وہ اس بچے کے دل میں خنجر اتار دینا چاہتا تھا۔''

جوآن کے جسم میں جھرجھری سی دوڑ گئی۔

مائیکل مورگن نے اخباری تراشوں کا جائزہ لیا۔

''ایک بات ایسی ہے جو اخبارات نے نظر انداز کر دی ہے۔'' بیوگن ہیگن نے گہری سانس لے کر کہا۔ ''وہ خنجر اس کے باپ کو میں نے ہی دیے تھے۔ آل سینٹس چرچ میں میرا دوست فادر جیمز اس پورے واقعے کا عینی شاہد ہے۔ اس نے مجھے خاص طور پر فون کر کے واقعے کی تفصیل بتائی۔ وہ ان خنجروں کو پہچانتا تھا۔ اسی نے امریکی سفارت خانے کو قائل کیا کہ وہ یہ خنجر پولیس سے واپس لے کر مجھے بھجوا دیں۔''

دیر تک خاموشی رہی۔ مائیکل مورگن اخباری تراشوں کو بھول کر اسے گھورے جا رہا تھا جوآن بھی اسے تک رہی تھی۔ بیوگن ہیگن کو کم از کم یہ اطمینان ضرور ہو گیا کہ اب دونوں پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہیں۔

اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ اب اس کے لہجے میں زور تھا۔ اور بولنے کی رفتار بڑھ گئی تھی۔ جیسے وہ جلد از جلد یہ بوجھ اتار پھینکنے کا خواہاں ہو۔ اسے یقین تھا کہ اس وقت وہ دونوں شاک میں ہیں اور گفتگو میں مداخلت نہیں کریں گے۔

''امریکی سفیر کا نام رابرٹ تھورن تھا۔'' اس نے کہا۔ ''روم کے ایک ہاسپٹل میں اس کی بیوی زچگی کے سلسلے میں داخل تھی۔ اس کے ہاں مردہ بچہ پیدا ہوا۔ اس نے ایک شخص کے اصرار پر جو خود کو پادری ظاہر کر رہا تھا، لیکن درحقیقت شیطان کا پجاری تھا، ایک نومولود بچے کو گود لیا۔ اس کی بیوی کو علم نہیں تھا کہ اس کا اپنا بچہ مر چکا ہے۔ اس بے چاری نے اس بچے کو اپنا بچہ سمجھ کر پالا۔ دونوں اس بچے سے بے حد محبت کرتے تھے۔ لیکن انہیں علم نہ تھا کہ یہ بچہ مادہ گیدڑ کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔'' بیوگن ہیگن نے ایک گہری سانس لی اور پھر سلسلہ کلام جوڑا۔ ''جلد ہی اس بچے نے ان لوگوں کو تباہ کرنا شروع کر دیا، جو اس کی حقیقت سے باخبر ہو گئے تھے رابرٹ تھورن مدد کے لیے میرے پاس آیا۔ میں نے اس کی کہانی سنی اور سمجھ گیا کہ وہ سچ

بول رہا ہے۔ یہ بھی ہے کہ میں بہت عرصے سے علامتیں دیکھ رہا تھا اور میں نے جان لیا تھا کہ آخر میں مجھے ہی کچھ کرنا ہوگا۔ میں نے رابرٹ تھورن کو وہ سات قدیم خنجر دیے۔ شیطان کا خاتمہ صرف انھی سے ممکن ہے۔ وہ خنجر ہی شیطان کے دل میں اتارے جاسکتے ہیں۔ اس وقت تک رابرٹ تھورن کی بیوی سمیت تین آدمی شیطان کے ہاتھوں مر چکے تھے۔

''رابرٹ تھورن نے وہی کچھ کرنے کی کوشش کی، جو اسے کرنا چاہیے تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ خنجر ابن ابلیس کے دل میں اتارتا، ایک پولیس والے نے اسے شوٹ کر دیا۔ وہ منظر دیکھ کر پولیس والے نے یہی سوچا کہ رابرٹ کو اس کی بیوی کے صدمے نے پاگل کر دیا ہے اور اس پاگل پن کے زیر اثر وہ اپنے بچے کو اپنے ہاتھوں خود قتل کر رہا ہے.....'' اتنا کہہ کر بیوگن بیگن رکا اور اس نے اخبار میں چھپی بچے کی تصویر کی طرف اشارہ کیا۔'' بد قسمتی سے وہ بچہ اب بھی زندہ ہے۔''

دیر تک...... بہت دیر تک خاموشی رہی۔ پھر مائیکل مورگن نے پوچھا۔''اب وہ بچہ کہاں ہے؟''

''امریکا میں...... اپنے چچا کے پاس۔'' بیوگن بیگن نے جواب دیا۔''کتاب مقدس میں لکھا ہے کہ اس کی طاقت بے پناہ ہوگی۔ وہ خوب پھلے پھولے گا۔ وہ زبردستوں کو زیر کرے گا اور تقدس کو پامال کرے گا۔ وہ اینٹی کرائسٹ ہے۔''

''تو مائیکل، ہمیں امریکا چلنا چاہیے۔'' جوآن نے خود کو سنبھالتے ہوئے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

''شٹ اپ۔'' مائیکل نے اسے ڈانٹ دیا۔ اب اس کے نزدیک وہ اخبار کی سنسنی خیز خبر نہیں تھی وہ سوچ رہا تھا کہ اگر بیوگن بیگن کی بات مستند ہے تو یہ معاملہ بے حد سنگین ہے۔

بیوگن بیگن نے جھک کر اپنے اپنے قدموں میں رکھا بیگ اٹھایا۔ وہ بہت شاندار تھا۔ اور اس میں کافی جیبیں تھیں۔ اس نے بیگ میز پر رکھ دیا۔''تمہیں یہ بیگ اس بچے کے نئے سرپرستوں تک پہنچانا ہے۔'' اس نے کہا۔''اس میں خنجر بھی ہیں اور ایک خط بھی، جس میں ہر بات وضاحت سے تحریر کر دی گئی ہے۔''

مائیکل سوچ میں پڑ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ بیوگن بیگن کس طرح کا کام اسے سونپ رہا ہے۔ بیوگن بیگن جیسے حق شناس اور قادر الکلام آدمی سے کہانی سننا اور بات ہے لیکن کسی معقول آدمی کو یہ سب کچھ بتانا کچھ آسان نہیں۔

''مجھے افسوس ہے کارل۔'' بالآخر اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔''تم مجھ سے یہ توقع کیسے کر سکتے ہو کہ......''

''انہیں خبردار کرنا ضروری ہے۔'' بیوگن بیگن نے بلند آواز میں کہا۔ قریب کی میزوں پر بیٹھے ہوئے لوگوں نے چونک کر بدمزگی سے اسے دیکھا۔ بیوگن بیگن کی آواز اب سرگوشی جیسی تھی۔''میں بوڑھا بھی ہوں اور بیمار بھی۔ میں خود نہیں جاسکتا۔ اور کیونکہ میں وہ واحد آدمی ہوں، جو یہ سچائی جانتا ہے، لہٰذا......'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔ جو وہ کہنے والا تھا، وہ اس قدر خوفزدہ کر دینے والا تھا کہ اس کی کہنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

''لہٰذا کیا......؟'' مائیکل نے تیز لہجے میں پوچھا۔

''مجھے وہاں رہنا چاہیے، جہاں میں محفوظ رہ سکوں۔''

مائیکل نے اداسی سے سر ہلایا۔ ''بات یہ ہے میرے دوست......''

بیوگن ہیگن نے پہلے ہی سمجھ لیا تھا کہ وہ کیا کہنے والا ہے۔

''......کہ میری ایک ساکھ ہے۔ میں......''

بیوگن ہیگن نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''اسی لیے تو میں یہ کام تمہیں سونپ رہا ہوں۔ تمہاری بات سنی جائے گی۔ اس کا اثر بھی ہوگا۔''

مائیکل مورگن کو اپنے اعصاب چٹختے محسوس ہوئے۔ بیوگن ہیگن کے انداز میں جو شدت اور دیوانگی نظر آ رہی تھی، وہ خوفزدہ کر دینے والی تھی لیکن جو کام وہ اس سے لینا چاہتا تھا، وہ ممکن ہی نہیں تھا۔ ''کم آن کارل۔'' اس نے فریاد کرنے والے انداز میں کہا۔ ''وہ مجھے پاگل قرار دے کر مینٹل ہاسپٹل بھجوا دیں گے۔ وہ مجھے لٹکا دیں گے۔''

بیوگن ہیگن اٹھ کھڑا ہوا۔ سورج اب تیزی سے مغرب میں جھک رہا تھا۔ ''میں تمہیں ریگائیل کی دیوار دکھا دوں۔'' اس نے کہا۔

وہ کوئی التجا نہیں تھی، حکم تھا۔ حکم وہ پہلے بھی دیتا رہا تھا۔ اس کے لہجے میں تحکم مائیکل نے پہلے بھی سنا تھا۔ لیکن ایسا تحکم نہیں۔ اس بار لہجے میں قطعیت تھی۔ انکار کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ ''ابھی......اس وقت؟'' مائیکل نے پوچھا۔

''اسی وقت۔'' بیوگن ہیگن نے کہا۔ وہ پلٹ کر نکلا اور باہر کھڑی اپنی جیپ کی طرف بڑھ گیا۔

جوآن کو نظر انداز کیے جانے کا احساس ہوا۔ ''میں بھی چل سکتی ہوں۔'' اس نے پوچھا اس کے ہونٹوں پر من موہنی مسکراہٹ تھی۔

مائیکل مورگن نے نفی میں سر ہلایا۔ ''تم ہوٹل واپس جاؤ اور وہاں میرا انتظار کرو۔ مجھے زیادہ دیر نہیں لگے گی۔''

''چلو ٹھیک ہے۔'' جوآن نے دل گرفتگی سے کہا۔ ''لیکن یہ بتا دوں کہ میں زیادہ دیر تک انتظار نہیں کروں گی۔''

''دیکھیں گے۔'' مائیکل نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا اور چلا گیا۔

جوآن اسے دیکھتی رہی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ اسے آخری بار دیکھ رہی ہے......اور اب کبھی نہیں دیکھ سکے گی۔ یہ الگ بات کہ بعد میں بھی اس حقیقت کو قبول کرنے میں اسے بہت وقت لگا۔ اور اس کی وجہ سمجھنے میں اس سے بھی زیادہ......

✡......✡......✡

وادی سیبولان میں بیلوئر کا پرانا قلعہ اپنی بوسیدہ دیواروں سمیت کھڑا سر بلند دکھائی دے رہا تھا۔ وہ بارھویں صدی عیسوی سے وہاں موجود تھا......صلیبی جنگوں کے زمانے سے، جب یورپ سے عیسائی طاقت کے زور پر سرزمین مقدس کو مسلمانوں کے قبضے سے آزاد کرانے آئے تھے۔ یہ قلعہ انہوں نے ہی تعمیر کیا تھا۔ اور بیوگن ہیگن کو وہ ثبوت اس قلعے کے کھنڈرات میں ہی ملا تھا۔ یہ ثبوت کہ اینٹی کرائسٹ اب اس دنیا میں آ چکا ہے......ثبوت کہ اس وقت اینٹی کرائسٹ اس دنیا میں موجود ہے۔

✡......✡......✡

ٹوٹی ہوئی محرابوں اور بوسیدہ دیواروں کے درمیان لمبے بالوں والی بھیڑیں ادھر ادھر چرتی پھر رہی تھیں۔ جیپ سے انجن کی دور سے آتی

آواز سنی تو انہوں نے چوکنے انداز میں سر اٹھائے اور ادھر ادھر دیکھنے لگیں۔ وہ خاموشی اور سکوت کی عادی تھیں۔

صبح ہو رہی تھی۔ سورج کی کرنیں وادی کو منور کرنے لگی تھیں۔ لیکن شفق کی سرخی اب بھی غالب تھی۔ قریبی پہاڑی کی چوٹی پر جیپ نمودار ہوئی اور ڈھلوان کا سفر طے کر کے اس طرف آنے لگی۔ بھیڑیں گھبرا کر ادھر ادھر بھاگنے لگیں۔ انکے گلے میں پڑی ہوئی گھنٹیوں سے فضا گونج اٹھی۔

جیپ قلعے کی دیوار کے پاس رکی۔ بیوگن ہیگن اور مورگن جیپ سے اترے۔ فضا میں اوائل صبح کی خنکی تھی۔ لیکن مورگن اس طرف سے بے نیاز تھا۔ بیوگن ہیگن جیپ کے عقبی حصے میں آلات کے ڈھیر میں کان کنوں والے ہیلمٹ تلاش کر رہا تھا۔ انہیں جہاں جانا تھا، وہاں انہیں ان کی ضرورت محسوس ہوتی۔ وہاں اتنا اندھیرا تھا کہ ایک لیمپ سے کام نہیں چل سکتا تھا۔ اس کے علاوہ سروں کے تحفظ کا کوئی بندوبست کیے بغیر وہاں جانا بھی خطرناک ہی تھا۔ اس لیے وہ ہیلمٹ ضروری تھے کہ ان پر ٹارچ بھی نصب ہوتی ہے۔

اونچی دیوار کے سب سے بلند مقام پر بیٹھے اس جسیم کوے پر کسی نے دھیان نہ دیا، جس کی آنکھوں میں شیطانی چمک تھی۔ وہ ایک ٹک انہیں دیکھے جا رہا تھا۔

بیوگن ہیگن اور مورگن قلعے کے تاریک بینکوئٹ ہال میں داخل ہوئے۔ وہاں ساڑھے چھ سوفٹ اونچے اور بھاری ستون تھے، جو قلعے کی چھت تک قائم تھے۔ ان کے قدموں کی چاپ سے سوئی ہوئی چمگادڑیں جاگ گئیں اور ادھر ادھر اڑنے لگیں۔ بیوگن ہیگن نے چرمی پاؤچ کو یوں اپنے سینے سے لگا لیا، جیسے اس کے چھن جانے کا ڈر ہو۔ دونوں نے اپنے ہیڈ لیمپس آن کر لیے تھے۔ وہ صدیوں پرانے زینے سے نیچے اترنے لگے۔ جہاں حال ہی میں آثار قدیمہ کی ٹیم نے کھدائی کی تھی۔

جہاں کھدائی نامکمل تھی۔ وہاں لکڑی کے تختے بچھا کر کھدائی کو ڈھانپ دیا گیا تھا۔ وہ تختے ہی کیچڑ اور گڑھوں کے درمیان چلنے میں معاون ثابت ہو رہے تھے۔ دیواروں کے ساتھ کھدائی میں استعمال ہونے والے جدید آلات اور کھدائی کے دوران دریافت ہونے والی چیزیں ترتیب سے رکھی تھیں۔ ان کو پلاسٹک کی بڑی شیٹوں سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔

پھر مورگن کی نظر اس چیز پر پڑی، جس نے اسے ہلا کر رکھ دیا۔ وہ ایک مجسمہ تھا۔ بیک وقت فحاشی کا مظہر اور گمراہ کن حد تک خوب صورت۔ وہ ایک عورت تھی، جو سرخ رنگ کے ایک درندے پر سوار تھی۔ اس درندے کے سات مہیب سر تھے اور دس بڑے بڑے سینگ۔ درندے پر ایک ایسی زبان میں کوئی عبارت تحریر تھی، جو ہزاروں سال سے بولی ہی نہیں گئی تھی۔

مورگن ضعیف الاعتقادی سے بہت دور بھاگتا تھا۔ وہ غیر عقلی باتوں کو آسانی سے تسلیم بھی نہیں کرتا تھا۔ لیکن وہ بے وقوف نہیں تھا۔ اسے ایک نظر میں اندازہ ہو گیا کہ وہ کیا چیز ہے۔ ''بابل کی فاحشہ!'' اس نے بلند آواز میں کہا۔

اس کے کہے ہوئے خوفناک الفاظ دیواروں سے ٹکرا کر دیر تک اس گھٹی فضا میں ناچتے رہے۔

اس نے سر گھما کر دیکھا۔ اس وقت بیوگن ہیگن دیوار کے ایک روزن سے نکل کر غائب ہوتا دکھائی دیا۔ اس نے اس کی آواز نہیں سنی تھی۔ مورگن نے بے ساختہ جھرجھری لی اور اس کے پیچھے لپکا۔ وہ یہاں اس پراسرار اور خوفناک ماحول میں بابل کی فاحشہ کے مجسمے کے ساتھ ایک پل بھی

تنہا نہیں رہنا چاہتا تھا۔

وہ بیوگن ہیگن کے پیچھے ایک اور چیمبر میں داخل ہو گیا۔

اور وہ وہاں موجود تھی...... ریگائیل کی دیوار! بیوگن ہیگن کے ہیلمٹ میں نصب ہیڈ لیمپ کی روشنی اس آرٹسٹ کے کام کو اجاگر کر رہی تھی، جو جینیس تھا اور دیوانگی کی حدیں پھلانگ گیا تھا۔ کیونکہ ہررات شیطان کا خوف ناک پل پل بدلتا چہرہ اسے اپنی جھلک دکھاتا رہتا تھا۔

سب سے بڑی تصویر میں شیطان پختہ کار نظر آ رہا تھا۔ اس کے نقش ونگار کو ابھارتے ہوئے بدنظمی اور انتشار کو پوری فنی مہارت کے ساتھ اس نقش دیوار میں سمو دیا گیا تھا۔ اسے ایک عمودی چٹان کو تھامے زور لگاتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ اس کے طاقت ور بازو اور ٹانگیں اس مشقت کی وجہ سے تنے ہوئے تھے۔ اس کے بڑے بڑے چمگادڑ جیسے پر اس کو تحفظ دینے والے انداز میں پھیلے ہوئے تھے۔ اس کا پورا چہرہ سامنے نہیں تھا۔ اس کے نقوش کو دانستہ واضح کر کے نہیں تراشا گیا تھا۔

پھر دوسرا پورٹریٹ تھا! اس میں چہرہ پورا تھا۔ سر سے بالوں کی بجائے فورک جیسی زبانوں والے سانپ باہر نکل کر لہراتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ لیکن اس میں بھی چہرے کے خدوخال بے حد غیر واضح اور مبہم تھے۔

پھر ایک اور پورٹریٹ تھا...... نسبتاً چھوٹا اور اس میں شیطان بچہ تھا۔ اس تصویر میں چہرہ اور اس کے نقوش بے حد واضح تھے۔ اور چہرہ کسی نو دمیدہ کلی جیسا شگفتہ اور خوب صورت تھا۔ لیکن سب سے بڑی بات یہ تھی کہ یہ وہ چہرہ تھا، جسے وہ اخبار کے صفحے پر دیکھ چکا تھا۔ وہ ڈیمین تھورن کا چہرہ تھا!

''میرا خیال ہے، یہ دیکھ کر شاید تم قائل ہو جاؤ گے۔'' بیوگن ہیگن نے کہا۔

لیکن مورگن اس سے پہلے ہی قائل ہو چکا تھا۔

وہ دیوار کی طرف یوں بڑھا جیسے وہ اسے کھینچ رہی ہو۔ اس پورٹریٹ میں کوئی مقناطیسی کشش تھی، جو اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔

اس لمحے ایک زبردست کڑاکے کی آواز سرنگ میں گونجی۔ اس کے فوراً بعد زبردست گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ مورگن لڑکھڑایا اور بیوگن ہیگن سے جا ٹکرایا۔ اب وہ دونوں ساکت وصامت کھڑے تھے۔ لمحے دبے پاؤں گزر رہے تھے۔

پھر ان کی نگاہوں کے سامنے کچھ دور سرنگ کی چھت بیٹھ گئی۔ پتھروں کی برسات ہو رہی تھی۔ اور مٹی اور گرد کا طوفان آیا ہوا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ مٹی اور گرد کے بادلوں میں گھر گئے۔ مورگن کو پھندا لگا اور وہ کھانسنے لگا۔ بیوگن ہیگن البتہ پرسکون تھا۔

مورگن کی کھانسی رکی تو وہ بیوگن ہیگن کی طرف مڑا۔ ''باہر نکلنے کا کوئی اور راستہ ہے'' ۔ اس نے اس سے پوچھا۔

اسی وقت کان پھاڑ دینے والا دوسرا دھماکہ ہوا۔ ان کے عقب میں بھی سرنگ کی چھت بیٹھ گئی تھی۔

اب بیوگن ہیگن کے چہرے پر بھی دہشت کا تاثر تھا۔ مورگن کے سوال کے جواب میں اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں، کوئی راستہ نہیں ۔'' اس نے کہا۔ وہ جانتا تھا کہ اب وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

اب سرنگ میں زیادہ سے زیادہ پانچ فٹ کی جگہ ہی محفوظ تھی، جہاں اس وقت وہ دونوں کھڑے تھے۔ باقی دونوں طرف ملبہ تھا اور بڑے بڑے پتھر برس رہتے تھے۔ وہ سرنگ اب ان کا مقبرہ بننے والی تھی۔

اب وہاں موت کی سی خاموشی تھی۔ مورگن نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے بیوگن ہیگن کو دیکھا۔ بوڑھے بیوگن کی آنکھیں بند تھیں۔ اور ہونٹ ہل رہے تھے۔ شاید وہ آخری دعا کر رہا تھا وہ خود کو موت کے لیے تیار کر رہا تھا۔

پھر انہوں نے ایک نئی آواز سنی۔ وہ دھیمی اور ڈراؤنی آواز تھی، جس میں تسلسل تھا۔ پہلے تو مورگن اسے نہیں پہچان سکا۔ پھر اس نے چھت میں نمودار ہونے والے اس چھوٹے سوراخ کو دیکھا، جس سے مسلسل ریت نیچے گر رہی تھی...... سیٹی جیسی آواز کے ساتھ۔

چند لمحے بعد چھت میں دوسرا سوراخ نمودار ہوا۔ پھر وہ چار ہو گئے...... پھر وہ بارہ۔ اب ان پر ریت برس رہی تھی۔ ریت ان کی آنکھوں میں گر رہی تھی، ان کے دہن میں جا رہی تھی دیکھتے ہی دیکھتے ان کے جوتے ریت میں چھپ گئے۔

بالآخر مورگن کو احساس ہو گیا کہ وہ مرنے والا ہے اس نے نیچے دیکھا۔ بابل کی فاحشہ کا مجسمہ اس کے قدموں میں تھا اور آدھے سے زیادہ ریت میں دفن ہو چکا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ لاحاصل ہے۔ لیکن پھر بھی وہ جھک کر ہاتھوں سے ریت کو ہٹانے لگا۔

کچھ ہی دیر میں اس کی انگلیاں لہولہان ہو گئیں اور وہ بے بسی سے رونے لگا۔

''اینٹی کرائسٹ ہمارے درمیان موجود ہے۔'' برستی سرسراتی ریت کے درمیان بیوگن ہیگن نے چیخ کر کہا۔ ''تمہیں خود کو خدا کے سپرد کرنا ہے مورگن۔ صرف خدا کو یاد کرو۔''

اس کے جواب میں جیسے باہر قلعے کی دیواریں اور دیو قامت ستون لرزنے لگے۔ گڑگڑاہٹ کی زبردست آواز ابھری جو آخر کار مہیب اور خوف ناک چنگھاڑ میں تبدیل ہو گئی۔ روتا ہوا مورگن اب بھی زخمی ہاتھوں سے مٹی ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن ریت اس کی کمر تک پہنچ گئی تھی اور اس کی سطح بہت تیزی سے بلند ہو رہی تھی۔

بیوگن کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ وہ دعا کر رہا تھا۔ ''خداوند ہم پر رحم فرما۔ کرائسٹ جیزز، ہمیں برکتوں سے نواز اور ہماری خطاؤں سے درگزر فرما......''

ریت اب ان کی ٹھوڑیوں تک آ پہنچی تھی۔ مورگن بے حد دردناک آواز میں بچوں کی طرح رو رہا تھا۔ بیوگن ہیگن بدستور مصروف دعا تھا۔ ''خداوند...... بدی کی قوتوں نے ہمیں زیر کر لیا ہے۔ فتح یاب ہو رہی ہیں۔ لیکن آخری فتح سچائی کی ہوگی۔ یہ آپ ہی کا فرمان ہے خداوند......''

ریت اب منہ تک آ گئی تھی۔ پھر ناک...... ان کی آنکھیں...... پھر ان کی پیشانیاں ریت نے ڈھانپ لیں۔ ان کے ہیلمٹس کے ہیڈ لیمپ بجھ گئے۔ ہر طرف خوف ناک اندھیرا چھا گیا...... اور وہاں موت کے سوا کچھ نہیں تھا۔

ایک زبردست دھماکے کے ساتھ پورا قلعہ زمین بوس ہو گیا۔ کہیں ریت اور پتھروں کے سوا کچھ نہیں رہا۔

لیکن دو چیزیں باقی رہ گئیں۔ دیوانے مصور ریگائیل کی وہ دیوار...... واحد ٹھوس ثبوت...... معجزانہ طور پر صحیح وسلامت رہی۔ اور اس دیوار

کے قریب منوں مٹی کے نیچے بیوگن کی چرمی پاؤچ، جس میں خنجر موجود تھے، وہ بھی صحیح سلامت تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ شیطانی قوتوں سے بڑی کوئی قوت روبہ عمل تھی، جس نے وہ ثبوت بچانے کا فیصلہ کیا۔ اور ثبوت کا اس طرح بچ جانا اس سے بڑی نیکی کی قوت کی موجودگی کا ثبوت تھا۔

گردوغبار کے اس طوفان میں وہ بہت بڑا کوا فضا میں بلند ہو رہا تھا۔ اوپر پہنچ کر اس نے ملبے کے گرد کئی چکر لگائے اور فاتحانہ آواز میں کئی بار چلایا۔ پھر وہ اڑتا ہوا دور چلا گیا...... ایک چھوٹا سا سیاہ نقطہ لگنے لگا۔

الاؤ کی لرزتی روشنی میں لڑکے کا چہرہ چمک رہا تھا۔ وہ بہت خوبصورت تھا۔ بس ایک بات تھی۔ اس کے چہرے پر انتہائی سنجیدگی تھی۔ جو ایک ایسے لڑکے پر کبھی اچھی نہیں لگ سکتی، جو ابھی عمر میں 13 سال کا بھی نہیں ہوا۔

اس کی آنکھوں میں عجیب سی اداسی تھی۔ وہ ٹکٹکی باندھے الاؤ میں تھرکتے شعلوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کوئی عجیب سا بنیادی، ازلی دکھ اس کے دل کو گرفت میں لیے ہوئے تھا۔ اپنے وجود کی نامعلوم گہرائیوں میں ایک صدیوں، قرنوں سے بھولی بسری دانش کا احساس اسے ستا رہا تھا۔

''ڈیمین؟''

وہ ویسے ہی ساکت وصامت بیٹھا رہا۔ اس نے وہ آواز نہیں سنی۔ وہ تو زمان ومکاں کی کسی اور مسافت کے کسی لمحے میں الجھا ہوا تھا۔ اس کے اردگرد مالی درختوں کے مردہ، سوکھے پتوں کو سمیٹ کر یک جا کر رہے تھے۔ لیکن وہ اپنے خیالوں میں کھویا ہوا تھا۔ اسے ان کی موجودگی کا احساس بھی نہیں تھا۔

درحقیقت وہ شکاگو کے شمالی ساحل پر ایک بہت بڑے لان کے بیچ میں کھڑا تھا۔ ایک طرف حد نظر تک وہ لان نما تھا اور دوسری طرف دیکھا جائے تو قدیم طرز کی ایک بڑی حویلی تھی سورج غروب ہو رہا تھا۔ شفق کی سرخی الاؤ کے شعلوں کا تاثر دے رہی تھی۔

یہ بہت بڑی جاگیر اس کے چچا کی ملکیت تھی۔ چچا اور چچی ہی اب اس کے لیے والدین کی جگہ تھے۔

تو وہ اس وقت چچا کی جاگیر کی کے وسیع وعریض لان میں کھڑا تھا۔ لیکن اپنے ذہن میں، اپنے تصور میں وہ کہیں اور تھا۔ اور مسلسل بھڑکتی، کبھی نہ بجھنے والی آگ کے شعلوں کو گھور رہا تھا۔ وہ ایسی آگ تھی جو جلاتی تو تھی لیکن مرنے نہیں دیتی تھی۔ اس کی نگاہ ان شعلوں پر تھی اور اس کے کانوں میں چیخوں اور فریادوں کی آواز گونج رہی تھی۔ وہ ان بدبختوں کی چیخیں تھیں، جو اس آگ میں جل جھلس رہے تھے۔ وہ بدترین اذیت جھیل رہے تھے۔ اور اس اذیت کو بڑھانے والی یہ حقیقت تھی کہ وہ جانتے تھے کہ انہیں اس اذیت سے نجات کبھی نہیں مل سکے گی۔ وہ ان کی ابدی سزا تھی۔

اور وہ جگہ جہنم تھی!

''ڈیمین!''

اس بار اس کا تصور ٹوٹ گیا۔ ڈیمین نے سر جھٹکا اور آواز کی سمت دیکھا۔ اس کی نگاہ غروب ہوتے ہوئے سورج پر پڑی۔ وہ پلکیں جھپکنے لگا۔

سمر ہاؤس کی سرخ کھپریل والی چھت سے منعکس ہوتی ڈوبتے سورج کی کرنوں میں بھی کافی تیزی تھی۔ سر اٹھاتے ہوئے اس کی نظر اپنے کزن مارک پر پڑی جو تیسری منزل کی بالکنی میں کھڑا اسے دیکھ کر زور وشور سے ہاتھ ہلا رہا تھا۔

ڈیمین مارک کو پسند کرتا تھا۔ مارک بہت مہربان تھا۔ اس کا دل بہت کشادہ تھا۔ سات سال پہلے اس نے کھلے دل اور کھلی باہوں کے ساتھ ڈیمین کو اپنی فیملی میں خوش آمدید کہا تھا اور اب ان دونوں میں گہری قربت تھی ایسی کہ بہت لوگ تو انہیں جڑواں بھائی سمجھتے تھے۔ اس وقت وہ دونوں ملٹری اکیڈمی کی وردی میں تھے۔ تھینکس گوِنگ کی چھٹیاں منانے کے لیے وہ یہاں آئے تھے۔ تھورن فیملی کا معمول تھا کہ ان تعطیلات کے بعد وہ اپنا سمر ہاؤس چھوڑ کے شہر چلے جاتے تھے۔ سمر ہاؤس جون میں دوبارہ آباد ہوتا تھا۔

ڈیمین نے بھی جواب میں ہاتھ ہلایا۔ ''میں ابھی آیا مارک''۔ اس نے چیخ کر کہا۔

پھر اس نے پلٹ کر ہیڈ مالی سے ہاتھ ملایا۔ ''او کے جم، اب اگلے موسم گرما میں ملاقات ہوگی۔''

بوڑھا جم جواب میں سر بھی نہیں ہلا پایا تھا کہ ڈیمین ایک پیدائشی ایتھلیٹ کی سی پھرتی اور باوقار تحرک سے لان عبور کرتا ہوا حویلی کے داخلی دروازے تک جا پہنچا۔

بالکنی میں کھڑے ہوئے مارک نے جسے اب ملٹری اکیڈمی شدت سے یاد آ رہی تھی، اپنا محبوب بگل نکالا اور ٹیپس کی دھن چھیڑ دی۔

ڈیمین اب 13 سال کا ہونے والا تھا۔ دنیا کی بیشتر تہذیبوں کے خیال میں صدیوں سے یہ تصور چلا آ رہا ہے کہ لڑکا اس عمر میں داخل ہو جائے تو اسے تمام مردانہ قوتیں ودیعت ہو جاتی ہیں۔

شکاگو کے شمال میں جھیل مشی گن کے علاقے میں یہ قطعہ زمین ڈیمین کے دادا ریجنالڈ تھورن نے 1920ء میں دریافت کیا تھا۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران اس نے اسلحے کی تجارت میں جو کمایا تھا، وہ اس حویلی میں لگا دیا۔ اس وقت لوگوں نے اسے اس کا پاگل پن قرار دیا تھا۔ لیکن آنے والے برسوں میں اس علاقے کی ڈیمانڈ کہیں سے کہیں پہنچ گئی۔ شمالی علاقے میں بڑے بڑے مکانات تعمیر ہونے لگے لیکن تعمیر کے اعتبار سے تھورن کی حویلی کا ہم پلہ کوئی نہیں تھا۔

تھورن کا کہنا تھا کہ یہ حویلی اس نے اپنے بیٹوں رابرٹ اور رچرڈ کے لیے بنائی ہے۔ تھورن کے حاسدین کی بھی کمی نہیں تھی۔ ان میں ایسے بھی تھے، جو اس کا مذاق اڑانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اس نے اپنے بیٹوں کے نام رابرٹ اور رچرڈ صرف اس لیے رکھے ہیں کہ ان کے ناموں کا پہلا حرف ایک ہی تھا اور دونوں کے استعمال کی ہر چیز پر R کا مونوگرام لگ جاتا تھا، خواہ وہ ان کے تولیے ہوں یا قمیصیں۔ ریجنالڈ تھورن نے کبھی اس کی تردید بھی نہیں کی۔ یہ بہر حال حقیقت تھی کہ وہ طبعاً کنجوس تھا۔ لیکن ایسے دولت مند جو ٹاپ پر پہنچنے کی کوشش کر رہے ہوں، عام طور پر ابتدا میں کنجوس ہی ہوتے ہیں۔ بعض اوقات وہ اپنے بلوں کی ادائیگی میں سال بھر تک تاخیر کر دیتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اس کی سپلائی روک دے۔ کیونکہ تھورن سے تعلق کاروباری دنیا میں اچھی ساکھ اور عزت کا مظہر تھا۔ تھورن کو بھی یہ بات معلوم تھی، اس لیے وہ بل کی ادائیگی میں جلد بازی کبھی نہیں کرتا تھا۔

ریجنالڈ تھورن اپنے دونوں بیٹوں سے بہت محبت کرتا تھا۔ اور اس کی محبت میں کوئی تفریق نہیں تھی۔ اس کے نزدیک وہ دونوں اس کے نام کو آگے بڑھانے والے، دوام عطا کرنے والے تھے۔ ڈیوڈسن ملٹری اسکول نے اس کے بیٹوں کو اس بنیاد پر داخلہ دینے سے انکار کر دیا کہ ان کا باپ تاجر ہے تو اس نے اسکول والوں کو عطیے میں اتنی خطیر رقم دی، جس سے نیا عالی شان جمنازیم تعمیر کرایا گیا۔ نتیجہ یہ کہ اس کے بچوں کو نہ صرف اسکول میں داخلہ ملا، بلکہ نئے جمنازیم کا نام ان کے باپ کے نام پر رکھا گیا۔ دونوں نے اعلیٰ اعزاز کے ساتھ اپنی تعلیم مکمل کی۔

تھورن کو یہ خیال کبھی بھی پسند نہیں آیا کہ اتنی سہولیات فراہم کرنے کے نتیجے میں اس کے بیٹے سہل پسند ہو جائیں گے۔ وہ صرف اتنا جانتا اور چاہتا تھا کہ انہیں ہمیشہ...... ہمیشہ وہ کچھ ملے جو اعلیٰ ترین ہو۔

بڑے بیٹے رابرٹ کا رجحان انٹرنیشنل ڈپلومیسی کی طرف تھا۔ چھوٹے رچرڈ نے فیملی بزنس سنبھال لیا۔ ریجنالڈ تھورن دونوں سے خوش تھا۔ سب کچھ ٹھیک ٹھاک جا رہا تھا۔ رابرٹ میدان سیاست میں ہلچل مچا رہا تھا...... اہم دوست بنا رہا تھا اور رچرڈ نے تھورن انڈسٹریز سنبھال لی تھی۔ چنانچہ ریجنالڈ کو فرصت تھی کہ وہ جو کرنا چاہتا ہے، کرے۔ اس نے امداد اور وظیفے جاری کرنے کا سسٹم بنایا۔ کئی فاؤنڈیشنز قائم کیں۔ آثار قدیمہ سے اسے عشق تھا۔ اپنی موت سے پہلے وہ شکاگو کے قلب میں ایک نئے عظیم میوزیم کی بنیاد رکھ چکا تھا۔ اس میوزیم کا بنیادی مقصد دین مسیح سے تعلق رکھنے والے قدیم فن پاروں کا حصول اور ان کی نمائش تھا۔

لیکن ریجنالڈ تھورن اپنے اس خواب کی تعبیر نہ دیکھ سکا۔ اس کی زندگی میں میوزیم مکمل نہ ہوا۔ بلکہ وہ تو یہ بھی نہیں دیکھ سکا کہ اس کی تھورن انڈسٹریز دنیا کی طاقت ور ترین مالی قوت بن چکی ہے۔ خوش قسمتی سے وہ یہ بھی نہیں دیکھ سکا کہ اس کا بڑا بیٹا جو کہ سفیر برطانیہ کے منصب تک پہنچ چکا تھا

۔اور جس کا صدر امریکا بننا سامنے کی بات نظر آتی تھی، اپنے ہی بچے کو چرچ کی سیڑھیوں پر قتل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ایک معمولی پولیس والے کے ہاتھوں مارا گیا۔ اچھا ہی ہوا کہ وہ یہ المیہ دیکھنے سے بچ گیا۔

کوئی نہیں جانتا تھا کہ ڈیمین کو سات سال پہلے کا وہ الم ناک واقعہ کس حد تک یاد ہے۔ وہ دن جب وہ لاتیں چلا رہا تھا، مدد کے لیے چلا رہا تھا اور اس کا باپ اسے کالر سے تھام کر گھسیٹ رہا تھا۔ وہ دن جب اس کا باپ چرچ کی سیڑھیوں پر اس کے ننھے سے بری طرح دھڑکتے ہوئے دل میں وہ خنجر اتار دینا چاہتا تھا۔ لیکن ایسا کرنے سے پہلے ہی وہ خود ایک پولیس کانسٹیبل کی گولی کا نشانہ بن گیا تھا۔

لگتا تھا کہ ڈیمین کو وہ سب کچھ یاد نہیں ہے۔ لیکن وہ اتنا خوف ناک اور ڈراؤنا تجربہ تھا کہ خدشہ تھا، وہ اس کے باطن کی گہرائیوں میں اتر گیا ہوگا۔ چنانچہ رچرڈ تھورن نے اس موضوع پر گفتگو کو بہت سختی سے ممنوعہ قرار دے رکھا تھا۔ اس کی دوسری بیوی این بچوں کی نفسیات کی ماہر تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس واقعے کی خوف ناک یاد ڈیمین کے تحت الشعور میں دبی ہوئی ہے اور کسی نہ کسی وقت شعوری سطح پر ابھر آئے گی۔ اور جب ایسا ہوگا تو ڈیمین کے رویہ میں کوئی نہ کوئی ایب نارملٹی رونما ہوگی۔ وہ کس نوعیت کی ہوگی، اس کے بارے میں اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔

وہ رچرڈ سے یہ سب کچھ کہتی۔ لیکن رچرڈ ایسا کچھ سننا نہیں چاہتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اس نے ڈیمین کی ہر خواہش پوری کی ہے، اسے خوشیاں دی ہیں ۔وہ اب بے سکونی میں کبھی مبتلا نہیں ہوگا۔

مارک کو کچھ معلوم نہیں تھا۔ اسے بس اتنا بتایا گیا تھا کہ ڈیمین کے والدین ایک خوف ناک حادثے میں ایک ساتھ ہلاک ہو گئے تھے۔ اسے یہ بھی کہہ دیا گیا تھا کہ یہ تذکرہ ڈیمین کے لیے بے حد اذیت ناک ہے لہٰذا وہ کبھی اس موضوع پر ڈیمین سے بات نہ کرے۔

فیملی میں ایک فرد ایسا تھا، جسے یقین تھا کہ ڈیمین کو اس روز کی ہر بات ایسے جزئیات سمیت یاد ہے، جیسے کل کی بات ہو۔ وہ ماریان تھورن تھی، جسے سب آنٹی ماریان کہتے تھے۔ وہ رینجنالڈ کی بہن اور رابرٹ اور رچرڈ کی پھوپھی تھی۔ اس میں ایک برائی یہ بھی تھی کہ دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اڑانا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ ماریان نے شادی نہیں کی تھی۔ بے شمار لوگوں نے اس کی طرف بڑھنے کی کوشش کی لیکن اس نے یہ کہہ کر سب کو مسترد کر دیا کہ وہ سب اس کی دولت کے لالچ میں اس کے قریب آنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اب اس کی توجہ کا مرکز اس کے بھتیجے تھے۔ رابرٹ کو وہ بہت زیادہ چاہتی تھی۔ شاید اس لیے کہ اس نے خاندان کے کاروبار اور دولت کو نظر انداز کر کے اپنے طور پر کچھ الگ سا کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کی الم ناک اچانک موت کا اسے بہت صدمہ ہوا تھا۔ اور اس کی وجہ سے وہ ڈیمین سے نفرت کرتی تھی۔ اس نے ڈیمین کو اس واقعے کا ذمہ دار سمجھا اور اسے کبھی اس پر معاف نہیں کیا۔ اپنے اندر وہ جانتی تھی کہ کسی نہ کسی طور پر ڈیمین ہی اس المیے کا ذمے دار ہے۔ کیوں اور کیسے؟ اس کا اس کے پاس جواب نہیں تھا۔

لوگ ماریان کو برداشت کرتے تھے تو صرف اس لیے کہ تھورن انڈسٹریز کے حصص بہت بھاری تعداد میں اس کے پاس موجود تھے۔ جو کسی کمزور لمحے میں رینجنالڈ نے اسے دے دیے تھے۔ اس کے نتیجے میں وہ کسی رشتے دار پر بوجھ بننے سے محفوظ رہی۔ بلکہ عیش کی زندگی گزار رہی تھی۔ اس کے پاس جو اسٹاک تھا، وہ اس کی زندگی میں کوئی مسئلہ نہیں تھا کیونکہ کہ وہ اسے نہ کاروبار میں دلچسپی تھی نہ اس میں کہ کمپنی کو کس انداز میں چلایا

جا رہا ہے۔ لیکن اس کی موت کی صورت میں یہ خطرہ ضرور تھا کہ وہ کوئی غیر ذمہ دارانہ اقدام نہ اٹھائے۔ اس کی عمر بہت زیادہ تھی اور وہ بڑی آسانی سے کمپنی میں طاقت کا توازن تباہ کر سکتی تھی۔

آنٹی ماریان جانتی تھی کہ اسے ناپسند کیا جاتا ہے۔ ایسا نہیں کہ اسے اس بات کی کوئی پروا ہو۔ مقبول تو وہ کبھی بھی نہیں رہی تھی۔ ایسا کم ہی ہوتا کوئی اسے اپنے ہاں ڈنر پر مدعو کرے۔ اس کے اپنے رشتے دار تک اسے نظرانداز کرتے تھے۔ چنانچہ وہ خود بھی ملنے کی کوشش نہیں کرتی تھی۔

لیکن اس سال معاملہ مختلف تھا۔ آنٹی ماریان کو ایک خاص اور اہم بات کہنی تھی۔ چنانچہ اس اپنے وقار اور اپنی عزت نفس کو بالائے طاق رکھ دیا۔ وہ تھینکس گوئنگ کے ویک اینڈ پر رچرڈ تھورن کے گھر بن بلایا مہمان بن گئی۔

✡ ✡ ✡

اتوار کی اس رات آنٹی ماریان نے ہال میں دونوں لڑکوں کو گڈ نائٹ کہہ کر رخصت ہوتے ہوئے دیکھا۔ دروازہ چوپٹ کھلا تھا تاکہ شوفر مرے لڑکوں کا سامان اٹھا کر لیموزین تک لے جا سکے۔ یہ ہمیشہ کا معمول تھا۔ لڑکے دو بیگ لے کر آئے اور واپس جاتے تو ان کے پاس چھ بیگ ہوتے۔

کھلے دروازے سے ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اندر آیا۔ رچرڈ تھورن نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لیے۔ وہ 55 سال کا ایک خوبرو آدمی تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کی بیوی کو دونوں لڑکوں سے الوداعی گفتگو کے لیے مناسب وقت مل جائے۔ این نے ایک ایسی فیملی میں شادی کی تھی، جہاں دولت بھی تھی اور روایات کی زنجیریں بھی اور یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ دولت سمیت ہر چیز کی زیادتی اپنے ساتھ پیچیدگیاں بھی لاتی ہے۔ وہاں دو لڑکے بھی تھے، جو اس کے اپنے نہیں تھے۔

رچرڈ کی پہلی بیوی، مارک کی ماں بہت پیاری عورت تھی۔ اس کی موت کے بعد کئی ماہ تک رچرڈ کو تنہا مارک کی نگہداشت کرنی پڑی۔ مارک اس وقت چھ سال کا تھا۔ اس کے کچھ عرصے بعد ڈیمین بھی اس کے پاس آ گیا۔

رچرڈ کے دوستوں اور رشتے داروں کو اس کی این سے شادی کی خبر ملی تو انہوں نے سکون کی سانس لی۔ انہیں اطمینان ہو گیا کہ اب دو لڑکوں کی پرورش اور تربیت کا بوجھ بانٹنے والا کوئی اور اس کے ساتھ ہے۔

این بہت عقل مند، ذہین اور پرکشش عورت تھی۔ وہ توانائی سے بھرپور تھی۔ اور اسے زندگی سے لطف کشید کرنا بھی آتا تھا۔ اور وہ المیوں سے متاثرہ اس فیملی کے لیے ہمدردی کا جذبہ بھی رکھتی تھی۔ ڈیمین تو فوراً ہی اس سے مانوس ہو گیا تھا۔ البتہ مارک کو سمجھوتہ کرنے میں کافی وقت لگا تھا۔ فطری بات تھی کہ وہ اس کا موازنہ اپنی ماں سے کرتا، جسے وہ پرستش کی حد تک چاہتا تھا۔

اب سات سال بعد این بیک وقت دونوں لڑکوں کو سینے سے لگائے کھڑی تھی۔ ''وعدہ کرو اچھی طرح رہو گے اور مجھے خط لکھتے رہا کرو گے۔'' وہ دونوں کی پیشانی چومتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اور کوشش کر رہی تھی کہ آنسو نہ نکلیں۔

انہیں دیکھتے ہوئے رچرڈ کو اس خوب صورت عورت پر بہت پیار آیا، جو اس کی زندگی کے کٹھن اور دشوار وقت میں تازہ ہوا کے جھونکے کی

طرح اچانک چلی آئی تھی۔

مارک این کی آغوش سے نکل کر باپ کی طرف لپکا اور اس سے لپٹ گیا۔ ''ہمارے برتھ ڈے تک کے لیے خدا حافظ ڈیڈ ٹھیک ہے نا؟''

''بالکل ٹھیک۔'' رچرڈ نے اسے تھپکا۔ پھر ڈیمین کو پکارا۔ ''یہاں آؤ ڈیمین...... اپنے اولڈ مین سے بھی لپٹ جاؤ آ کر۔''

ڈیمین بھی اس کی طرف لپکا۔ لیکن اس کے انداز میں وہ گرم جوشی نہیں تھی۔

اسی وقت انہیں متوجہ کرنے کی غرض سے شوفر مرے کھنکارا۔

''ہم تمہارا اشارہ سمجھ رہے ہیں مرے۔'' این نے ہنستے ہو کہا۔ پھر وہ رچرڈ اور دونوں لڑکوں کی طرف بڑھ گئی۔

بالآخر دونوں لڑکے لیموزین کی عقبی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ دروازے بند ہوئے اور کار روانہ ہو گئی۔

رچرڈ اور این اس وقت تک وہاں کھڑے رہے جب تک کار نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی پھر وہ اندر جانے کے لیے پلٹے۔ اس وقت این نے آنٹی ماریان کو دوسری منزل پر اپنے بیڈ روم سے جھانکتے دیکھا۔ وہ شاید لڑکوں کو جاتے دیکھ رہی تھی۔ لیکن جیسے ہی این نے اسے دیکھا، اس نے جلدی سے پیچھے ہٹتے ہوئے پردے برابر کر دیے۔

❁..........❁..........❁

ڈیمین نے پچھلی سیٹ پر پشت گاہ سے سر ٹکاتے ہوئے کہا۔ ''اوبوائے۔''

''واقعی، کیا ویک اینڈ گزارا ہے ہم نے۔ لگتا تھا۔ میں اب چیخا اور جب چیخا

''تو آؤ اب چلائیں۔''

وہ دونوں کان پھاڑ دینے والے انداز میں چیخیں مارنے لگے پھر ڈیمین نے شوفر سے کہا ''مرے...... ہمیں سگریٹ تو دو''۔

مرے نے عقب نما آئینے سے ان کے عکس کو گھورتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ ''میرا جواب معلوم ہے نا ڈیمین۔''

ڈیمین نے کندھے جھٹک دیے۔ ''جب تک میں پوچھوں گا نہیں، مجھے معلوم بھی نہیں ہوگا۔'' اس نے بے پروائی سے کہا۔ پھر اس نے ناک چھنکنے کے انداز ناک کو انگوٹھے اور انگلی سے دبایا اور خیالی غلاظت کو پلٹ کر حویلی کی طرف اچھال دیا۔ ''آنٹی ماریان...... یہ تمہارے لیے ہے ......بطور خاص۔'' اس نے حلق کے بل چیختے ہوئے کہا۔

مارک نے اپنے بگل کو اس کی آواز سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی۔ ''او گاڈ کس قدر خوف ناک عورت ہے۔'' اس نے تند لہجے میں کہا ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے سمر ہاؤس میں آنے کی اجازت ہی کیوں دی گئی ہے۔''

''تا کہ وہ اپنی انگلی ہماری طرف لہرا لہرا کر ہمیں برا بھلا کہے اور ہم پر تنقید کرے۔ تا کہ ہمارا ویک اینڈ تباہ ہو جائے۔ ناخوش گوار گزرے۔ اور تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔'' ڈیمین نے عالمانہ انداز میں کہا۔

''چلو جلدی جان چھوٹی۔ اب کم از کم اس کے ساتھ ڈنر تو نہیں کرنا پڑے گا۔'' مارک بے حد خوش ہو کر بولا۔ ''ارے وہ کم از کم سو سال کی تو ہو

گی...... بڈھی پھونس کہیں کی۔"

"ارے...... بوکیسی ہے۔"

"یہ لیونڈر ہے احمق۔" ڈیمین نے شوخی سے کہا۔ "بڈھی عورتیں اس میں نہاتی ہیں۔"

"لڑکو...... بہت ہوگئی۔ اس بے چاری کی بس اتنی خطا ہے نا کہ......" مرے نے کہنا چاہا۔

"کہ وہ ہمارے اعصاب پر سوار ہو جاتی ہے۔" مارک نے اس کا جملہ پورا کیا۔ پھر وہ ہنسنے لگا۔

ڈیمین اچانک سنجیدہ ہو گیا۔ "مرے ٹھیک کہہ رہا ہے۔" اپنے انداز پر اسے خود بھی حیرت ہونے لگی۔

مارک نے چونک کر اسے دیکھا کہ کہیں وہ مذاق تو نہیں کر رہا ہے۔ لیکن وہ سنجیدہ تھا۔

"بے چاری بڑھیا کا وقت پورا ہو گیا ہے۔" ڈیمین نے خود کو کہتے سنا۔ وہ بلا ارادہ بول رہا تھا۔ جیسے کوئی اس سے کہلوا رہا ہو۔ اس نے دانت پر دانت جما کر خود کو مزید بولنے سے روکنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کی زبان نہیں رکی۔ "ایسے میں تمہیں اس کا مذاق اڑانا نہیں چاہیے۔"

ڈیمین کا انداز اتنا عجیب تھا کہ مارک خاموش ہو گیا۔ مرے بھی کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر اس نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ "تم لوگ اپنے نئے پلاٹون لیڈر سے بھی ملے ہو؟"

دونوں لڑکوں نے نفی میں سر ہلائے۔

"میرا تو خیال تھا۔ اب انہیں دوسرا نہیں ملے گا" مرے نے کہا۔

ڈیمین نے کندھے جھٹک دیے۔

تمہیں کسی نے بتایا کہ سارجنٹ گڈرچ پر کیا گزری؟" مرے نے پوچھا۔

"نہیں" ڈیمین نے کھلنڈرے پن سے مارک کے پہلو میں کہنی مارتے ہوئے کہا۔

"کہتے ہیں کہ اس نے خودکشی کر لی۔" مرے نے کہا اور عقب نما میں لڑکوں کا ردعمل چیک کیا۔ لیکن وہاں کوئی ردعمل نہیں تھا۔ خودکشی کی خبر نے انہیں اپ سیٹ نہیں کیا تھا۔

"بات یہ ہے کہ پلاٹون لیڈر ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔" ڈیمین بولا پھر وہ پلاٹون لیڈر کے انداز میں چیخ کر احکامات جاری کرنے لگا۔

"اٹین شن" "آنکھیں سامنے، کان پیچھے، پیٹ اندر، کولہے باہر۔"

اب دونوں لڑکے کھلکھلا کر ہنس رہے تھے۔ دیر تک وہ ہنستے رہے۔ پھر مارک نے ستائشی لہجے میں کہا۔ "تم پاگل ہو۔ تمہیں یہ بات معلوم ہے......؟"

"ہاں۔ اس کے لیے میں ریاضت کرتا ہوں۔"

مارک پھر ہنسنے لگا۔ "اب میں بھی ریاضت کروں گا" اس نے اپنا بگل سنبھالا۔

''ایک سوگوار دھن...... آنٹی ماریان کے نام۔'' ڈیمین نے فرمائش کی۔

مارک نے اپنے محبوب بھائی کی فرمائش پوری کی۔ لیکن بگل سے نکلنے والی آواز رگوں میں خون سرد کر دینے والی تھی۔ اور ایسا لگتا تھا کہ وہ آواز فضا میں معلق ہوگئی ہے۔

اس ڈائننگ ٹیبل پر گنجائش بارہ افراد کی تھی۔ لیکن آج رات وہاں صرف چار افراد بیٹھے تھے۔ رچرڈ تھورن میز کے آخری سرے پر اپنی بیوی این کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اس کے داہنے ہاتھ پر آنٹی ماریان تھی۔ اور آنٹی ماریان کے برابر ایک ادھیڑ عمر شخص بیٹھا تھا۔ اس کا نام ڈاکٹر چارلس وارن تھا۔ وہ قدیم دینی فن پاروں پر دنیا بھر میں اتھارٹی کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ تھورن میوزیم کا کیوریٹر تھا۔

بٹلر ڈائننگ روم میں داخل ہوا۔ وہ پوچھنے کے لیے آیا تھا کہ کسی کو اور کافی تو درکار نہیں لیکن رچرڈ کے چہرے کے تاثرات سمجھتے ہوئے اس نے یہ بات پوچھے بغیر کھسک لینے ہی میں عافیت جانی۔ آنٹی ماریان کچھ کہنے کی تیاری کر رہی تھی۔ رچرڈ جانتا تھا کہ وہ بہت زور سے بولتی ہے اس لیے وہ نہیں چاہتا تھا کہ بٹلر کچھ سنے۔

''رات کافی ہوگئی ہے اور میں تھکی ہوئی ہوں۔'' آنٹی ماریان نے کہا۔ اس نے ان تینوں کو بغور دیکھا کہ وہ اس کی طرف متوجہ ہیں یا نہیں۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر اس نے سلسلہ کلام جوڑا۔ ''میں گھماؤ پھراؤ کے بغیر سیدھی بات کروں گی۔ میں اب بوڑھی ہو رہی ہوں اور عنقریب مجھے مرجانا ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے براہ راست این کو دیکھا۔ ''اپنی سکون کی سانس کو بعد کے لیے بچا رکھو......''

این نے احتجاج کرنے کی کوشش کی۔ لیکن آنٹی ماریان نے اسے نظر انداز کر دیا۔

''میں تھورن انڈسٹریز کے 27 فیصد کی مالک ہوں۔'' آنٹی ماریان نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''اپنے حصص کے معاملے میں پوری طرح آزاد ہوں کہ ان کا جو چاہے کروں

''یہ بات ہم بھی جانتے ہیں۔'' رچرڈ نے کہا۔ جب بھی آنٹی ماریان اس موضوع پر بات کرتی تھیں، وہ یہی جواب دیتا تھا۔

''اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ اس وقت تک میں نے سب کچھ تمہارے نام کر رکھا ہے اپنی وصیت میں۔''

''جی ہاں۔ آپ آگے کہیں۔'' رچرڈ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''میں آج تمہیں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ اگر تم نے میرے کہنے پر عمل نہ کیا تو......

رچرڈ نے اپنا نیپکن اتار پھینکا۔ انتہائی معمولی درجہ کی بلیک میلنگ بھی اس کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ اس کا مزاج ہی ایسا تھا۔ ''آپ مجھے دھمکی نہ دیں آنٹی ماریان۔ مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کہ......''

''یہ ممکن نہیں کہ تمہیں پروا نہ ہو۔'' آنٹی ماریان نے اس کی بات کاٹی۔ ''یہ تین بلین ڈالر کا معاملہ ہے۔''

ڈاکٹر وارن اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے اس ڈسکشن سے شرمندگی ہو رہی تھی۔ ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہاں میری موجودگی کا کیا جواز ہے۔''

اس نے کہا اور جانے کے لیے مڑا۔

''تم یہاں تھورن میرزیم کے کیوریٹر کی حیثیت سے موجود ہو ڈاکٹر وارن۔'' آنٹی ماریان نے تیز لہجے میں کہا۔ ''اور میوزیم کے 27 فیصد کی بھی میں مالک ہوں۔''

ڈاکٹر وارن دوبارہ بیٹھ گیا۔ مگر اس کے چہرے سے اکراہ صاف ظاہر تھا۔

آنٹی ماریان اب صورت حال سے پوری طرح لطف اندوز ہو رہی تھی۔ سب کی توجہ اس پر مرکوز تھی۔ این کی چبھتی ہوئی نگاہیں اسے احساس دلا رہی تھیں۔ مگر وہ پہلے ہی سے واقف تھی۔ کہ وہ اسے پسند نہیں کرتی۔ بلکہ نفرت کرتی ہے۔ لیکن اسے اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی۔ اسے یہ احساس بھی تھا کہ این کا رچرڈ کی زندگی میں داخل ہونا ٹائمنگ کے اعتبار سے ضرورت سے زیادہ پرفیکٹ تھا۔ وہ یہ بھی سمجھتی تھی کہ این کی نگاہ دراصل رچرڈ کی دولت پر ہے۔ جس طرح سے میری کی موت کے بعد این نے رچرڈ کو گھیرا تھا، وہ ایسا ہی تھا۔ جیسے کوئی گدھ کسی دم توڑتے ہوئے جاندار کے گرد چکر لگاتا ہے۔

لیکن اس وقت آنٹی ماریان نے ان تمام خیالات کو ذہن سے جھٹک دیا۔ وہ اپنی توجہ اصل بات پر مرکوز رکھنا چاہتی تھی، جو اسے کرنی تھی۔ اس نے آگے کی طرف جھکتے ہوئے بہت صاف اور واضح آواز میں اور دوٹوک انداز میں کہا۔ ''میں چاہتی ہوں کہ تم دونوں لڑکوں کو ملٹری اکیڈمی سے نکالو اور الگ الگ اسکولوں میں داخل کراؤ۔''

دیر تک خاموشی رہی۔ پھر این نے بھی بے حد مستحکم اور باوقار لہجے میں کہا۔ ''دونوں لڑکوں کا جہاں تک تعلق ہے تو مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ تم کیا چاہتی ہو۔ وہ ہمارے بیٹے ہیں، تمہارے نہیں۔''

وہ جواب آنٹی ماریان کی توقع کے عین مطابق تھا۔ وہ زہریلے انداز میں مسکرائی۔ ''میں تمہیں یاد دلا دوں کہ دونوں میں ایک بھی تمہارا بیٹا نہیں ہے۔ مارک رچرڈ کا بیٹا ہے...... اس کی پہلی بیوی میری سے۔ اور ڈیمین آنجہانی تھورن کا بیٹا ہے۔''

این غصے سے لرز رہی تھی۔ بڑی مشکل سے وہ بس اس میں کامیاب ہوئی کہ اس نے اپنے آنسو روک لیے۔ اس نے کرسی پیچھے ہٹائی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''شکریہ آنٹی ماریان، بہت بہت شکریہ۔''

رچرڈ نے بڑی نرمی اور محبت سے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے دوبارہ بٹھا دیا۔ پھر وہ آنٹی ماریان کی طرف مڑا۔ ''آپ یہ تو بتائیں کہ سب کس لیے؟''

''مارک کو ڈیمین سے دور کر دو۔'' ماریان نے کہا۔ اس کی آنکھیں دہک رہی تھیں۔ ''ان کے لیے ایک دوسرے کی قربت مناسب نہیں۔ ڈیمین مارک پر بہت برا اثر ڈالے گا۔ اتنی سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔ تم مارک کو تباہ کرنا چاہتے ہو۔ وہ برباد ہو جائے گا۔ سمجھنے کی کوشش کرو۔''

اس بار رچرڈ اٹھ کھڑا ہوا۔ ''بس بہت ہوگئی۔ آپ نے کہا، میں نے سن لیا۔ چلیں میں آپ کو کمرے تک چھوڑ آؤں۔''

ماریان بھی اس کے سامنے تن کر کھڑی ہوگئی۔ ''تم اندھے ہو گئے ہو رچرڈ...... دانستہ آنکھیں بند کر رہے ہو۔'' اس نے رچرڈ کے دونوں

ہاتھ تھام لیے۔ ''تم جانتے ہو کہ تمہارے بھائی نے ڈیمین کے قتل کی کوشش......''

ڈاکٹر وارن کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اس کے لیے وہ نئی خبر تھی۔ یہ بات اسے معلوم نہیں تھی۔

این اچھل کر اٹھی اور اس نے چیخ کر رچرڈ سے کہا۔ ''اسے یہاں سے نکال دو رچرڈ۔ اس عورت کو دھکے دے کر نکال دو۔''

آنٹی ماریان جانتی تھی کہ یہ ابھی نہیں یا کبھی نہیں والی صورت حال ہے۔ ''مجھے بتاؤ کہ رابرٹ نے ڈیمین کو قتل کرنے کی کوشش کیوں کی تھی؟'' اس نے پرزور لہجے میں کہا ''بتاؤ مجھے۔ جواب دو۔ سچائی کا سامنا کرو...... بولو۔''

رچرڈ نے بڑی دشواری سے غصے پر قابو پایا۔ ''رابرٹ بیمار تھا...... ذہنی طور پر بیمار۔'' اس نے دانت پر دانت جماتے ہوئے کہا۔

''بس کرو...... اس عورت سے بات مت کرو'' این چلائی۔

ڈاکٹر وارن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اسے خفت کا احساس بھی ہو رہا تھا۔ اور اس انکشاف نے اسے سنسنی سے دوچار کر دیا تھا۔ وہ ساکت و صامت بیٹھا اپنے نیپکن کو بل دے رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کاش وہ غیر مرئی ہو جائے۔

آنٹی ماریان نے ایک گہری سانس لی اور آخری کوشش کے لیے تیار ہو گئی۔ لیکن اب وہ بولی تو اس کے لہجے میں التجا تھی۔ ''اگر تم ڈیمین کو مارک سے دور نہیں کرو گے تو میں اپنا سب کچھ کسی فلاحی ادارے کو دے دوں گی...... کسی بھی فلاحی ادارے کو......''

''آپ جو چاہیں کریں۔'' رچرڈ چلایا۔ ''آگ لگا دیں اپنی دولت کو۔ جہاں چاہیں، پھینک دیں۔ بس یہ کوشش نہ کریں......''

''رچرڈ پلیز، میری بات سنو۔'' آنٹی ماریان رونے لگی۔ ''تم جانتے ہو کہ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں، سچ ہے۔ میں بوڑھی ضرور ہوں مگر پاگل ہرگز نہیں۔ تمہارے بھائی نے ڈیمین کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ کیوں؟''

''نکل جاؤ یہاں سے۔'' این دہاڑی۔ وہ جارحانہ انداز میں بڑھی، جیسے بوڑھی عورت پر ہاتھ اٹھانے کا ارادہ ہو۔ رچرڈ نے اسے روکا۔ لیکن اس نے خود کو چھڑا لیا اور لرزتی انگلی ماریان کی طرف اٹھائی۔ ''اس عورت سے کہو کہ یہاں سے دفع ہو جائے۔''

''میں جا رہی ہوں۔'' ماریان نے بے حد وقار سے کہا۔ اس نے سر خم کرتے ہوئے ڈاکٹر وارن کو گڈ نائٹ کہا اور کمرے سے نکل گئی۔ رچرڈ بھی اس کے پیچھے نکلا۔

ان کے قدموں کی دور ہوتی چاپیں معدوم ہوئیں تو این وارن کی طرف مڑی۔ اس نے گہری سانس لی اور معذرت خواہانہ لہجے میں بولی۔ ''مجھے افسوس ہے چارلس۔ دراصل مجھے اندازہ نہیں تھا کہ......''

''نہیں...... کوئی بات نہیں۔'' ڈاکٹر چارلس نے جلدی سے کہا۔ پھر وہ اٹھ کر کھڑا ہوا۔ ''کیوں نہ ہم چل کر سلائیڈز سیٹ کر لیں۔'' اس نے موضوع بدلا۔ ''میں تمہیں اور رچرڈ کو کچھ بے حد شاندار چیزیں دکھانا چاہتا ہوں۔''

حالانکہ وہ بس اس کمرے سے نکل بھاگنا چاہتا تھا!

دوسری منزل کی لینڈنگ پر پہنچتے پہنچتے ماریان رچرڈ سے اپنا ہاتھ چھڑانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ ''میں خود بھی چل سکتی ہوں۔'' اس نے خفگی سے کہا۔

وہ دبیز قالین سے ڈھکے کاریڈور میں خاموشی سے بڑھتے رہے۔

اپنے بیڈروم کے دروازے پر پہنچ کر ماریان رچرڈ کی طرف مڑی۔ ''تمہارے بھائی نے ڈیمین کو مارنے کی کوشش کی تھی۔ اور اسی کی وجہ سے وہ مرا۔ یہ حقیقت ہے......''

''ہم اس پر بات کر چکے ہیں آنٹی۔''

''رابرٹ کے پاس اس کی کوئی وجہ رہی ہوگی۔''

''میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔ میں اس موضوع پر بات کرنا پسند نہیں کرتا...... خاص طور پر مہمانوں کے سامنے۔''

''مگر کوئی تو وجہ تو رہی ہوگی۔''

''وہ بیمار تھا آنٹی ماریان۔ ذہنی اور جذباتی طور پر شدید بیمار۔''

''اور ڈیمین کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ وہ ذہنی اور جذباتی طور پر بیمار نہیں ہے؟''

''ڈیمین میں ایسی کوئی بات نہیں۔'' رچرڈ بے اختیار چیخنے لگا۔ اسے یہ تکلیف دہ احساس ستا رہا تھا کہ آنٹی ماریان اسے بے حد آسانی سے غصہ دلا دیتی ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ تحمل سے کام لے تو آنٹی اپنے موقف سے شاید دست بردار بھی ہو جائیں۔ اس نے خود کو پرسکون کرنے کی معقول رویہ اختیار کرنے کی کوشش کی۔ ''دیکھیں آنٹی آپ کی ڈیمین سے نفرت بے بنیاد ہے...... غیر معقول ہے۔''

''تم سمجھنے کی کوشش کرو۔''

رچرڈ کو یقین ہو گیا کہ آنٹی ذہنی توازن کھو رہی ہیں۔ ''آپ سو جائیں پلیز۔'' اس نے خشک لہجے میں کہا۔ ''آپ اس وقت اپنے آپ میں نہیں ہیں۔''

آنٹی ماریان نے بھویں اچکا کر اسے دیکھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کو تکلیف پہنچانے کے لیے کیا کیا جائے۔ وہ اسے یاد دلائے گی کہ وہ پوری طرح اپنے آپ میں ہے۔ ''ڈیمین کو ترکے میں کچھ نہیں ملے گا۔ کل میں اس کا پورا بندوبست کر لوں گی۔'' یہ کہہ کر اس نے دروازے کے لٹو کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

رچرڈ نے اس کا ہاتھ تھام لیا ''جو آپ کا دل چاہے کریں۔'' اس نے نرم لہجے میں کہا کمپنی کے شیئرز آپ کے ہیں ان پر آپ کا اختیار ہے۔'' وہ جانتا تھا کہ اس کا لہجہ تڑپ کا اظہار کر رہا ہے۔ اسے اپنے دونوں بیٹوں کے مفادات کا تحفظ کرنا تھا۔ اس کے لیے اسے ان شیئرز کی ضرورت تھی۔ ''لیکن میرے گھر میں آپ''

''میں تمہاری مہمان ہوں۔ یہی نا'' ماریان نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''میں بھی جانتی ہوں۔ لیکن مہمان کی حیثیت سے بھی یہ میرا گھر

ہے۔اور میں تم سے کہہ رہی ہوں کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ ابھی......اس وقت۔''

رچرڈ نے سرد آہ بھر کر اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرا۔ عام طور پر وہ مشکل ترین صورت حال میں بھی پر سکون رہتا تھا۔ لیکن بوڑھی ماریان اسے مشتعل کرنے میں ہمیشہ کامیاب رہتی تھی۔ اس نے آگے جھکتے ہوئے اپنی پھوپھی کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ ''صبح مرے آپ کے لیے گاڑی تیار رکھے گا۔''

اس نے کہا اور واپس پلٹ گیا۔

آنٹی ماریان اسے جاتا دیکھتی رہی۔ اس کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ پھر وہ پلٹی اور اپنے کمرے میں داخل ہوگئی۔ اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

رچرڈ نیچے اپنے پرائیویٹ روم میں پہنچا تو وارن اور این پروجیکٹر کو سیٹ کر چکے تھے۔ سلائیڈیں تیار تھیں۔ ڈاکٹر وارن تھورن میوزیم میں شروع ہونے والی تازہ ترین نمائش کے آئیٹم رچرڈ کو دکھانا چاہتا تھا۔

آثار قدیمہ کی محبت رچرڈ کو اپنے باپ سے ورثے میں ملی تھی۔ اس میدان میں ریجنالڈ تھورن نے جو کچھ کیا تھا، رچرڈ بڑے خلوص اور لگن سے اسے آگے بڑھا رہا تھا۔ اس کی مالی امداد اور تعاون سے اسرائیل کے ایک چھوٹے سے قصبے کے باہر جو کھدائی ہو رہی تھی، وہاں چند بہت سنسنی خیز چیزیں دریافت ہوئی تھیں۔ وہ گزشتہ بیس سال میں اہم ترین دریافت تھی۔ اس کھدائی کا آغاز ریجنالڈ نے کرایا تھا۔ اور اس کے ثمرات رچرڈ کے حصے میں آ رہے تھے۔

رچرڈ نے روشنی مدھم کر دی۔ ڈاکٹر وارن نے پروجیکٹر آن کر دیا۔ ''ان میں سے بہت سی چیزیں پیک کی جا چکی ہیں اور امریکا بھیجی جا چکی ہیں۔'' چارلس وارن نے وضاحت کی۔ ''پہلا شپ مینٹ کچھ ہی دونوں میں پہنچنے والا ہے۔''

پہلی چند سلائیڈز کچھ قدیم برتنوں اور چھوٹے مجسموں کی تھیں۔ انہیں دیکھتے ہوئے رچرڈ آنٹی ماریان کی سونپی ہوئی تلخی اور کشیدگی کو یکسر بھول بیٹھا تھا۔ این اسے دیکھتے ہوئے مسکرائی۔ اس کا جوش، اس کا عزم، تھوڑے لوگوں سے تعلقات...... مگر گہرے تعلقات اور پرانی چیزوں میں اس کی دلچسپی ایسی خصوصیات تھیں، جن کی وجہ سے وہ اس پر ملتفت ہوئی تھی۔

''یہ دیکھیں...... یہ وہ چیز ہے، جس میں آپ بہت دلچسپی لیں گے۔'' چارلس وارن کی آواز نے این کی سوچوں کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

این نے اسکرین کی طرف دیکھا۔ اس کی سانسیں رکنے لگیں۔ وہ ایک نسبتاً بڑے مجسمے کی سلائیڈ تھی۔ اس کی جزئیات بے حد واضح اور رنگ بے حد جان دار تھے۔ وہ ایک بے حد حسین عورت کا مجسمہ تھا، جس کے چہرے کے نقوش اس کی گمراہی اور بے راہ روی کے غماز تھے۔ اس کا لباس اودا، سرخ اور سنہری رنگ کا تھا۔ وہ زیورات سے لدی پھندی تھی اور فاتحانہ انداز میں سات سروں والے ایک عفریت پر سوار تھی۔ ہر سر سے ایک پتلی سی گردن منسلک تھی۔ ہر سر پر سینگ تھے اور بڑے بڑے نکیلے دانت اور باہر نکلی ہوئی دوشاخہ زبان۔ عورت نے اپنا سر پیچھے کیا ہوا تھا۔ اور اس

کے بڑے بڑے گھونگھریالے بال لہرا رہے تھے۔ اس کے ہاتھ میں مشروب کا پیالہ تھا...... اور لگتا تھا کہ وہ نشے میں ہے۔

''ڈیر۔'' این بڑبڑائی۔

''یہ بابل کی فاحشہ ہے نا۔'' رچرڈ نے پوچھا۔

چارلس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''تم اس کے بارے میں جانتے ہو؟'' این نے رقابت کا بناوٹی اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

اس پر سب ہنسنے لگے۔

چارلس وارن نے ایک پنسل پکڑی اور اسکرین کی طرف بڑھ گیا۔ ''یہ روم کی نمائندگی کرتی ہے۔'' اس نے کہا۔ ''اور یہ جو عفریت کے دس نکیلے سینگ ہیں، یہ وہ دس بادشاہ ہیں، جنہیں ابھی تک سلطنت نہیں مل سکی ہے۔ لیکن شیطان نے ان سے عارضی قوت دینے کا وعدہ کیا ہوا ہے ...... اپنے بیٹے کی دنیا میں آمد کے موقع پر!''

''یہ اس عفریت پر کیوں سوار ہے۔'' این نے اس سے پوچھا۔

''اس کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتا'' چارلس وارن نے کہا۔ ''لیکن یہ طے ہے کہ یہ زیادہ عرصہ عفریت پر سواری نہیں کر سکی تھی۔ کتاب پیش گوئی کے مطابق وہ دس بادشاہ اس سے نفرت کریں گے۔ اسے بے لباس کر کے، اسے تباہ کریں گے۔ وہ اسکا گوشت کھا جائیں گے اور اسے جلا دیں گے۔''

''زبردست۔'' این نے جھرجھری لیتے ہوئے کہا۔ ''ویسے کیا تم ان باتوں پر یقین کرتے ہو؟''

''میں سمجھتا ہوں کہ بائبل میں بہت گہرے اشاروں سے کام لیا گیا ہے۔'' چارلس وارن نے کہا۔ ''اب ان کو سمجھنا، ان کی تعبیر و تشریح کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔''

''مثلاً...... کوئی مثال دے کر سمجھاؤ۔'' این سحرزدہ سی لگ رہی تھی۔

چارلس وارن کے انداز میں ہچکچاہٹ تھی۔ وہ کوئی مذہبی آدمی نہیں تھا۔ بلکہ کچھ عرصہ پہلے تک تو وہ مذہب پر یقین ہی نہیں رکھتا تھا۔ مذہب سے متعلق چیزوں کے بارے میں اس کی دلچسپی محض عالمانہ تھی۔ لیکن آہستہ آہستہ اس کا نظریہ بدلنے لگا۔ اسے احساس ہوا کہ خدا موجود ہے۔ اسے ہر بات کے پیچھے اسباب نظر آنے لگے۔ اس نے سمجھ لیا کہ غور کیا جائے تو ہر چیز کی عقلی دلیل موجود ہے۔ ایک ماہر آثار قدیمہ کی حیثیت سے جو فن پارے اس نے دریافت کیے تھے، ان کے درمیان تسلسل تھا۔ ایسا تسلسل جسے اتفاق قرار دے کر مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ اور جب ایک بار اس نے خدا کے وجود کو تسلیم کر لیا تو سب کچھ بدل گیا۔ اس کا کام، اس کی قوت تجزیہ، اس کے دوسروں سے تعلقات ...... غرض ہر چیز کی نوعیت تبدیل ہو گئی۔ اور اس کے اندر یہ باطنی انقلاب کچھ ہی عرصہ پہلے آیا تھا۔

کچھ لمحوں کی ہچکچاہٹ کے بعد چارلس وارن نے بالآخر این کے سوال کا جواب پوری سچائی کے ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ ''بات یہ ہے کہ

اس سلسلے میں بہت کافی شواہد موجود ہیں کہ دنیا کا خاتمہ قریب ہے۔'' اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''کیا؟ کیا کہہ رہے ہو؟'' این کو لگا کہ وہ مذاق کر رہا ہے۔

''گزشتہ دس برسوں میں بہت کچھ ایسا ہوا ہے، جس کے بارے میں کتاب پیش گوئی میں درج تھا۔'' چارلس وارن نے کہا۔ ''زلزلے ،طوفان، سیلاب، قحط کی کثرت، فضائی اور آبی آلودگی، موسموں کی حیران کن تبدیلی......''

''مگر یہ سب تو بہت پہلے سے ہو رہا ہے۔'' این کے لہجے میں احتجاج تھا۔

''یہ عام باتیں ہیں۔ مگر خاص پیش گوئیاں بھی ہیں۔ کتاب مقدس میں لکھا ہے کہ جب بائبل کا ترجمہ ہر لکھی جانے والی زبان میں ہوگا تو اس کے بعد دنیا کا خاتمہ قریب ہوگا۔ اس صدی کی چھٹی دہائی میں یہ ہوگیا۔ پھر کتاب میں مشرق وسطیٰ میں آخری تباہی کا تذکرہ ہے......''

''لیکن......'' این نے کہنا چاہا۔

مگر رچرڈ نے بات کاٹ دی۔ ''اگر تم مائنڈ نہ کرو تو ہم دوبارہ سلائیڈ پر بات کریں۔ اگر دنیا کا خاتمہ اتنا ہی قریب ہے تو میں کم از کم وہ چیزیں تو دیکھ لوں، جن کے لیے میں نے کافی دولت صرف کی ہے۔''

ماحول کی سنگینی یک لخت ختم ہوگئی۔ یہاں تک کہ چارلس کو بھی ہنسی آ گئی۔ اس نے ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبایا۔

اگلی سلائیڈ بھی بابل کی فاحشہ کی تھی۔ لیکن یہ تصویر زیادہ فاصلے سے لی گئی تھی۔ اور مجسمے کے پاس ایک نوجوان عورت کھڑی ہوئی تھی۔

''یہ لڑکی کون ہے۔'' رچرڈ نے پوچھا۔

''ارے...... میں تو سمجھی تھی کہ تم اسے بھی پہچان لو گے۔'' این نے مزاحیہ انداز میں کہا۔

''یہ میری دوست ہے...... جوآن ہارٹ۔ پیشے کے اعتبار سے جرنلسٹ ہے۔ آپ نے اس کا نام سنا ہوگا۔ یہ مشہور ماہر آثار قدیمہ بیوگن ہیگن کی سوانح پر کام کر رہی ہے۔''

اگلی سلائیڈ میں جوآن ہارٹ کا کلوز اپ تھا۔ وہ بے حد روشن اور چمک دار آنکھوں والی بے حد حسین عورت تھی۔

''کیا بات ہے چارلس، کوئی چکر تو نہیں؟'' این نے چارلس سے پوچھا۔ ''لگتا ہے یہ لڑکی تمہیں بہت متاثر کر چکی ہے۔''

چارلس وارن نے سر جھٹکتے ہوئے قہقہہ لگایا۔ ''نہیں ایسا نہیں۔ لیکن یہ اپنے کام میں بہت ماہر ہے۔ دوسری بات یہ کہ یہ عنقریب شکاگو آنے والی ہے۔ یہ تمہارا انٹرویو کرنا چاہتی ہے رچرڈ۔''

''میرا انٹرویو؟ مگر کیوں؟''

''کھدائی کے سلسلے میں...... اور نمائش کے سلسلے میں۔''

''تم جانتے ہو کہ مجھے انٹرویو دینا بالکل پسند نہیں۔''

''میں جانتا ہوں۔''

''کسی بھی طرح کا انٹرویو۔''

''مجھے معلوم ہے لیکن میں نے سوچا......۔''

''بس تو یہ بات اس لڑکی کو بتادو۔''

''آل رائٹ......آل رائٹ۔'' چارلس وارن نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ وہ جانتا تھا کہ رچرڈ اپنی نجی زندگی کو نجی رکھنا چاہتا ہے۔ وہ اسے عام لوگوں کی مداخلت سے دور رکھنا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ انٹرویو سے بچتا رہا ہے۔ سچ یہ تھا کہ چارلس وارن رچرڈ کے اس اصول کا احترام کرتا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ تینوں ہال میں کھڑے ایک دوسرے کو گڈ نائٹ کہہ رہے تھے۔

''کل میں شہر جاؤں گا۔'' رچرڈ چارلس وارن کو کوٹ پہننے میں مدد دیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''این یہاں رکے گی اور سمر ہاؤس بند کرا کے آئے گی۔''

چارلس وارن نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ ''مہمان نوازی کا شکریہ۔''

''میں پرسوں تم سے ملوں گی۔'' این نے چارلس کے لیے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ ''احتیاط کے ساتھ ڈرائیو کرنا۔ شب بخیر۔''

رچرڈ چارلس کے ساتھ اس کی کار تک گیا۔ ''آنٹی ماریان کے......۔''

''وہ تو مجھے یاد بھی نہیں۔'' چارلس مسکرایا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ رچرڈ نے کار کا دروازہ بند کیا اور ہاتھ لہراتے ہوئے گڈ بائی کہا۔ چارلس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

رچرڈ واپس پلٹا۔ اس نے گہری سانس لی۔ باہر نکلی ہوئی سانس بادل جیسی بن گئی۔ وہ کہر والی رات تھی۔

۞..........۞..........۞

نیچے والوں کو پتا ہی نہیں تھا کہ آنٹی ماریان نے اس الوداعی گفتگو کا ایک ایک لفظ سنا تھا۔ اس نے اپنے رویے کے سلسلے میں ڈاکٹر وارن سے رچرڈ کی معذرت بھی سنی تھی۔ بستر پر لیٹنے سے پہلے اس نے معمول کے مطابق کھڑکی کھول دی تھی۔ وہ ہمیشہ کہتی تھی کہ تازہ اور ٹھنڈی ہوا اس کی صحت کے لیے بہت بڑی نعمت ہے۔

لیکن اس رات کھلی ہوئی وہ کھڑکی اس گفتگو کو سننے میں بھی معاون ثابت ہوئی تھی۔ اسے رچرڈ کی معذرت پر افسوس ہوا۔ کیونکہ اس خیال میں وہ قطعاً غیر ضروری تھی۔

''ناشکرے کہیں کے۔'' وہ بڑبڑائی۔ پھر وہ بائبل کے اس بوسیدہ نسخے کی طرف متوجہ ہوگئی۔ ہر رات سونے سے پہلے وہ لازمی اس کا مطالعہ کرتی تھی۔ اس رات اس نے Genesis کا باب کھولا 1:28

ثمردار بنو، زمین کو آباد کرو اور تسخیر کرو۔ سمندر کی مچھلیوں پر اور فضا میں اڑتے ہوئے پرندوں پر اور زمین میں بسنے والی ہر مخلوق

پر غلبہ حاصل کرو

''یہ تو بہت اچھی فال ہے.....صاف اور واضح۔'' آنٹی ماریان بڑبڑائی۔ وہ اس آیت کا تعلق تھورن انڈسٹریز سے جوڑ رہی تھی، جس کے 27 فیصد کی وہ مالک تھی۔ اس کے خیال میں یہ بشارت تھی کہ تھورن انڈسٹریز کو دنیا میں ایسا عروج حاصل ہوگا کہ کسی نے تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کا عزم اور پختہ ہوگیا کہ وہ اپنے شیئرز اس شیطان کی گود میں پکے ہوئے پھل کی طرح نہیں گرنے دے گی۔ اس نے فیصلہ کرلیا کہ اپنے گھر پہنچتے ہی وہ پہلا کام اپنی وصیت تبدیل کرنے کا کرے گی۔ وہ اپنے شیئرز کا مختار کسی مذہبی فلاحی ادارے کو بنائے گی، جو عام لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرتا ہو۔ ان ناشکروں کا یہی علاج ہے......

وہ اپنے خیالات میں اتنی محو تھی کہ اسے وہ بڑا سیاہ کوا نظر ہی نہیں آیا جو کھڑکی کی چوکھٹ پر آ بیٹھا تھا اور اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے اسے گھور رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں شیطنت تھی۔

رچرڈ تھورن قریب کی نظر کا پرانی طرز کا چشمہ لگائے اپنے بستر پر نیم دراز کمپنی کی رپورٹس کا جائزہ لے رہا تھا۔ ان رپورٹس کا کافی بھاری پلندہ اس کے سامنے رکھا تھا۔ رات کے وقت وہ اکثر دیر تک یہ کام کرتا تھا۔ لیکن کمپنی کے معاملات اتنے پھیلے ہوئے تھے کہ وہ انتہائی کوشش کے باوجود اپنی معلومات اپ ٹو ڈیٹ نہیں کر پایا تھا۔ کمپنی کی وسعت کی رفتار بھی بہت تیز تھی اور اس کے معاملات میں تبدیلیاں بھی بہت تیزی سے اور جلد جلد رونما ہوتی رہتی تھیں۔

مگر آج رات ارتکاز بھی اس کے لیے مسئلہ بن گیا تھا۔ آنٹی ماریان نے جس بے دردی اور غیر ذمہ داری سے اس کے بھائی کی موت کا تذکرہ کیا تھا۔ اس نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ اذیت ناک یادوں میں گھر گیا تھا۔ وہ یادیں اس کے ذہن میں چکرا رہی تھیں......ایسی یادیں جن کے بارے میں وہ یہی بہتر سمجھتا تھا کہ وہ ذہن کے نہاں خانوں میں دفن رہیں۔ اس سلسلے میں تو بس قیاس آرائی ہی کی جاسکتی تھی کہ اس الم ناک واقعے کے دوران، اپنی زندگی کے آخری لمحوں میں رابرٹ کی ذہنی کیفیت کیسی تھی۔ اور یہ بھی کوئی نہیں بتا سکتا کہ رابرٹ زندہ رہتا تو کس مقام تک پہنچتا۔ اس کا صدر امریکا بننا بھی غیر ممکن نہیں تھا۔ لیکن اپنی زندگی کے اہم ترین حصے میں ایک عام مجرم کی طرح ایک کانسٹیبل کی گولی سے اس کا ہلاک ہونا درحقیقت ایک بہت بڑا المیہ تھا۔ وہ انجام رابرٹ کی زندگی اور اس کے امکانات کے کسی بھی طرح شایان شان نہیں تھا۔

''رچرڈ'' ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر اپنے بال سنوارتی ہوئی این نے اسے پکارا وہ خاصی دیر سے اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کررہی تھی۔ اس نے چشمہ پیشانی پر چڑھایا اور این کی طرف دیکھا۔

''میں نے تم سے کہا تھا کہ مجھ سے وعدہ کرو......'' این نے کہا۔

''کیسا وعدہ ہنی؟''

این نے سرد آہ بھری۔ اسے اندازہ ہوگیا کہ رچرڈ نے اس کی کہی ہوئی کوئی بات بھی نہیں سنی۔ ''یہی کہ آئندہ آنٹی ماریان کبھی ہمارے

گھر نہیں آئیں گی...... کبھی نہیں؟''

''اوہ این وہ......''

تمہیں مجھ سے وعدہ کرنا ہوگا۔''

''دیکھو وہ بہت بوڑھی ہیں۔ ان کی عمر 84 سال ہے اور وہ میری سگی پھوپھی ہیں۔''

'مجھے کوئی پروا نہیں۔ میں بس انہیں برداشت نہیں کر سکتی۔ وہ مجھ سے نفرت کرتی ہیں اور لڑکوں کو خوف زدہ کرنے کی کوشش......''

''کیسی باتیں کرتی ہو۔ لڑکوں کو تو وہ کوئی مزاحیہ کردار لگتی ہیں۔''

''حالانکہ وہ بے حد شیطانی دماغ کی مالک ہیں۔''

''وہ بوڑھی ہیں اور زیادہ عمر کی وجہ سے سنک گئی ہیں۔''

''بہر حال، لڑکے چاہے بظاہر انہیں کوئی مزاحیہ کردار سمجھتے ہوں۔ لیکن در حقیقت وہ ان کے ساتھ تنہا رہنا پسند نہیں کرتے۔ خاص طور پر ڈیمین۔''

رچرڈ نے اپنا چشمہ اتارا اور اسے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ یہ بات طے تھی کہ اب وہ کام نہیں کر سکے گا۔ اس نے رپورٹس یکجا کر کے پلندے کی شکل میں انہیں زمین پر رکھ دیا۔ ''دیکھو...... کئی سال میں ایک بار ہی تو وہ آتی ہیں۔'' اس نے معاملے کی سنگینی کو کم کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''ان کی زبان کی دھار کا تجربہ ہمیں ہر روز تو نہیں ہوتا۔''

''یہ کوئی مزاحیہ بات نہیں۔'' این نے کہا۔ پھر اس نے کنگھا ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا اور لائٹ آف کر کے بیڈ کی طرف بڑھی۔

رچرڈ ہمیشہ کی طرح اسے سحر زدہ سا، اور متعجب سا دیکھتا رہا۔ وہ اتنی حسین تھی کہ وہ ہر بار مبہوت ہو کر رہ جاتا تھا۔ ہر بار اسے اپنی خوش بختی پر رشک آتا تھا۔ کیسے ٹوٹ پھوٹ والے عرصے میں وہ اچانک...... کسی نعمت عظمٰی کی طرح اسے مل گئی تھی۔ میری کی اچانک اور الم ناک موت کے بعد اسے یقین ہو گیا تھا کہ اب وہ کبھی کسی سے محبت نہیں کر سکے گا۔ پھر اچانک این صبح کی ہوا کے نرم جھونکے کی طرح، خدا کی عطا کی ہوئی کسی نعمت کی طرح اس کی زندگی میں چلی آئی۔

وہ پہلی بار واشنگٹن میں ملے تھے۔ وہ کاروبار کے سلسلے میں گیا تھا اور این اپنے کیریر کا آغاز کر رہی تھی۔ ابتدا میں این کا انداز فلرٹ کرنے والا تھا۔ پھر رچرڈ نے اسے میری کی موت کے بارے میں بتایا۔ اس کے بعد این کا رویہ بہت ہمدردانہ اور محبت آمیز ہو گیا۔

شاید اس کے باوجود بھی کچھ نہ ہوتا اور وہ اسے بھول گیا ہوتا۔ لیکن شکاگو واپسی کی فلائیٹ میں وہ اسے اپنے برابر والی سیٹ پر بیٹھی ملی۔ اس نے اس وقت بھی یہی کہا اور اب بھی کہتی تھی کہ وہ اتفاق تھا۔ مگر اس کے بعد رچرڈ کے لیے اس کی بے پناہ کشش سے بچنا مشکل ہو گیا۔ اسے اپنی اور این کی عمروں کے فرق کا احساس تھا۔ وہ اس پر ملتفت تھی تو یہ بلاشبہ اس کے لیے ایک بڑا اعزاز تھا۔

وہ بے حد مختصر، تیز رفتار اور کسی پہاڑی دریا کا سا تند لو افیئر تھا۔ ان کی منگنی کے اعلان نے دنیا کو حیران کر دیا۔ اس وقت تک رچرڈ اس کی

محبت میں اتنا سرشار ہو چکا تھا کہ اسے کسی بات کی پروا نہیں رہی تھی۔ نہ اس بات کی کہ لوگ کیا کہیں گے۔ اور نہ اس کی کہ کاروباری اعتبار سے کس طرح کے اثرات مرتب ہوں گے۔ نہ اسے افواہوں کی فکر تھی اور نہ ہی بچوں کی وہ تو بس دیوانہ ہو چکا تھا۔

اور اب سات سال بعد بھی اس کی قربت اسے ویسے ہی دیوانہ بنا دیتی تھی۔ اس سے انکار ممکن نہیں تھا کہ ان کی محبت اور ان کے تعلق کی بنیاد جسم ہے۔ این کو اسے ہوش و حواس سے بیگانہ کرنے کا ہنر خوب آتا تھا۔ اسے یاد تھا میری بہت زیادہ شرمیلی تھی۔ اس کے برعکس این کے مزاج میں جارحیت اور بے باکی تھی۔

''کیا سوچ رہے ہو؟'' این کی آواز نے چونکا دیا۔

''تمہارے بارے میں سوچ رہا ہوں۔''

''میرے بارے میں! کیا؟''

''ہم کس طرح ملے۔ اور یہ کہ میں تمہیں کتنا چاہتا ہوں۔''

''اوہ ہو......وہی پرانی بات۔''

رچرڈ ہنس دیا۔ ایک اور خوبی تھی۔ این اسے ہنسانا جانتی تھی۔ وہ اپنی باتوں سے گدگدی کرنا جانتی تھی۔ میری کے ساتھ وہ کبھی ایسے نہیں ہنسا تھا۔ لیکن وہ ان دونوں کا موازنہ کرنے سے بچتا تھا۔ اس کے نتیجے میں اسے احساس جرم ستانے لگتا تھا۔

''پھر وہی احساس جرم؟''

یہ ایک اور بات تھی۔ این اس کا ذہن ایسے پڑھ لیتی تھی، جیسے وہ اس کے لیے کھلی کتاب ہو۔ ''نہیں۔'' اس نے جھوٹ بولا۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ وہ این کو قائل نہیں کر سکے گا۔

''تم نے آنٹی ماریان سے کیا کہا؟'' این نے اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے پوچھا۔

''ارے کچھ......نہیں۔''

''بتاؤ نا۔تم ان کے ساتھ اوپر گئے تھے نا۔''

''میں نے ان سے کہا کہ انہیں رویہ درست رکھنا چاہیے۔معقولیت سے کام لینا چاہیے۔''

''بس؟''اب وہ اس کے پیروں کے تلوے سہلا رہی تھی۔اور اس کے جسم میں ہیجان لہریں لے رہا تھا۔

''سچ تو یہ ہے کہ میرا لہجہ بہت سخت تھا۔''

وہ اس کے تلوے سہلاتی رہی۔

رچرڈ اداس ہوگیا۔یہ وہ عورت تھی، جسے وہ کھونا نہیں چاہتا تھا......کبھی نہیں، کسی قیمت پر نہیں۔ویسے بھی موت اس کے چاہنے والوں پر کئی وار کر چکی تھی۔باپ، بیوی، چہیتا بھائی......اتنا کچھ تو وہ پہلے ہی کھو چکا ہے۔اب تو شاید موت میرا پیچھا چھوڑ دے گی۔اس نے سوچا۔خدا تو انصاف والا ہے۔میں اپنے حصے سے زیادہ دکھ اٹھا چکا ہوں۔

اب تو وہ خوش تھا۔درحقیقت وہ اتنا خوش تھا کہ اس کا جی چاہتا تھا کہ ہمیشہ ایسا ہی رہے۔این، مارک اور ڈیمین۔اس کی خوشی کے یہ تین مرکز تھے۔این سے اسے پہلی نظر میں محبت ہوئی تھی۔مارک سے بھی اس کی پہلی نظر کی محبت تھی۔جب اس نے نوزائیدہ مارک کو پہلی بار دیکھا تھا تو اس ننھے بچے کی نزاکت کو بھول کر اس نے بے ساختہ اسے سینے سے لگا کر بھینچ لیا تھا۔پھر آنے والے برسوں میں اس کی محبت میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا تھا۔بلکہ اس میں فخر کا عنصر بھی شامل ہو گیا تھا۔

ڈیمین کا معاملہ البتہ مختلف تھا......مختلف بھی اور دشوار بھی۔ڈیمین کو دیکھ کر اسے اپنے بھائی کی یاد آتی تھی۔اس کی وجہ سے وہ اس معصوم بچے سے چڑتا تھا۔لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اسے ڈیمین سے بھی بیٹے جیسی محبت ہوگئی۔وہ اس کی کامیابیوں پر، اس کے قد کاٹھ، اس کی شکل و صورت پر فخر کرنے لگا۔وہ اس کے لیے بھی شفیق باپ بن گیا۔

''ڈیمین بہت پیارا لڑکا ہے۔''این نے سرگوشی میں کہا۔اس نے پھر جیسے اس کی سوچیں پڑھ لی تھیں۔''میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ آنٹی ماریان اس سے اتنی نفرت کیوں کرتی ہیں؟''

''یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم ہنی۔''

''انہوں نے تمہیں بھی پریشان کر دیا نا؟''

''ہاں۔آج کا ڈنر کسی اعتبار سے بھی خوش گوار نہیں تھا۔''

''وہ تمہارے بھائی کی پرانی یادوں کو تازہ کر دیتی ہیں نا۔وہ تمہارے زخم کرید دیتی ہیں نا؟''

رچرڈ کا جسم تن گیا۔کچھ باتیں ایسی تھیں، جو وہ کسی پر بھی ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا......اپنی محبوب بیوی این پر بھی نہیں۔''میں اس سلسلے میں بات نہیں کرنا چاہتا۔''اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

این پسپا ہوگئی۔وہ تفتیش اس لیے کرتی تھی کہ اسے اس کی پرواہ تھی۔لیکن وہ جانتی تھی کہ کب رک جانا بہتر ہے۔پھر اس کی آنکھوں میں

شرارت چمکنے لگی۔

''اگر ان کی شادی ہوگئی ہوتی تو وہ ایسی چڑیل نہ بنتیں۔'' اس نے رچرڈ کے پہلو میں دراز ہوتے ہوئے کہا۔

''واقعی......اچھا مرد صورت حال کو کیسا تبدیل کر دیتا ہے۔''

''اچھا......میں نے تم سے وعدہ کرنے کو کہا تھا'' این اب اس کا سر سہلا رہی تھی۔ ''وعدہ کرو رچرڈ''

''ٹھیک ہے۔ وعدہ رہا۔ اب آنٹی ماریان ہمارے گھر کبھی نہیں آئیں گی'' ۔رچرڈ نے کہا اور لائٹ آف کر دی۔

✡............✡............✡

عین اسی لمحے دو اور لائٹس بھی آف ہوئی تھیں۔ آنٹی ماریان کے کمرے کی لائٹ اور آنٹی ماریان کی آنکھوں کی لائٹ!

بوڑھی ماریان مر چکی تھی۔ بوسیدہ بائبل اس کے ہاتھ سے پھسل کر فرش پر گر گئی تھی

یہ بات کسی کو بھی نہیں معلوم تھی......کسی کو بھی نہیں۔ سوائے اس جسیم سیاہ کوے کے جو آنٹی ماریان کے بیڈ روم کی کھڑکی سے باہر پرواز کر رہا تھا اور سیاہ آسمان پر چکرا رہا تھا

✡............✡............✡

اگلی صبح سویرے پوری ڈیوڈسن ملٹری اکیڈمی پریڈ گراؤنڈ میں پوری شان و شوکت کے ساتھ موجود تھی۔ اسکول کا بینڈ مارچ کی دھن بجا رہا تھا۔ اور اس کی لے پر پریڈ ہو رہی تھی۔

بیشتر کیڈٹ آنکھیں کھلی رکھنے کے لیے زبردست جدوجہد کر رہے تھے۔ ان کا بس چلتا تو وہیں سو جاتے۔ اس وقت ان کی تربیت ان کے کام آ رہی تھی۔ وہ روبوٹ کی طرح طے شدہ پروگرام کے تحت اشاروں پر عمل کر رہے تھے۔

بالآخر پلاٹون کے اعتبار سے اسمبلی میں کھڑے ہو گئے۔ بینڈ خاموش ہو چکا تھا۔

کرنل اسکول کی عمارت کے صدر دروازے کی سیڑھیوں پر کھڑا تھا۔ نوجوان کیڈٹ اپنی خاص ترتیب میں کھڑے تھے۔ ان کے نظم وضبط کو دیکھ کر کرنل مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ میں فخر تھا۔ ملٹری میں ہونے کے ناتے وہ ضرورت سے زیادہ موٹا تھا۔ لیکن اسے فکر نہیں تھی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اب اسے اپنے ملک کی خاطر لڑنے کی کوئی زحمت کبھی نہیں دی جائے گی، چنانچہ اس نے خود کو اپنی زندگی کی ایک اہم خوشی فراوانی کے ساتھ دینے کا فیصلہ کرتے ہوئے اپنے جسم کو آزاد چھوڑ دیا تھا۔

اس کے ساتھ ایک خوب رو، چست و توانا اور سنجیدہ جوان کھڑا تھا۔ وردی میں اس کے جسم کے مسلز بے حد نمایاں تھے۔ اس کا جسم ایسا تھا کہ اب کرنل اس پر رشک ہی کر سکتا تھا۔

کرنل نے سب سے پہلے تو کیڈٹوں کو تھینکس گونگ کی تعطیلات سے واپسی پر خیر مقدمی کلمات سے نوازا۔ پھر اس نے انہیں آئندہ چند ہفتوں کے عمومی شیڈول سے متعلق معلومات فراہم کیں۔

نیچے پریڈ گراؤنڈ میں مارک نے سرگوشی میں ڈیمین سے کہا۔ ''یہ میرے خیال میں وہی ہے۔'' اس کا اشارہ کرنل کے ساتھ کھڑے ہوئے فوجی کی طرف تھا۔

''دیکھنے میں تو ٹھیک ٹھاک لگتا ہے۔'' ڈیمین نے جوابی سرگوشی کی۔

''شرط یہ ہے کہ آپ کو گوریلے اچھے لگتے ہوں۔''

''صرف بریڈلے پلاٹون رکی رہے۔'' کرنل کہہ رہا تھا۔ ''دوسری پلاٹونیں کینٹین کی طرف جائیں......لیس، مارچ......''

بینڈ پھر شروع ہو گیا۔ تمام پلاٹون کے رخصت ہونے کے بعد بینڈ پھر خاموش ہوا۔ اب وہاں مارک اور ڈیمین کی پلاٹون کے دو درجن کیڈٹس کے سوا کوئی موجود نہیں تھا۔

''ایٹ ایز۔'' کرنل نے چیخ کر کہا۔

تمام لڑکے قدرے پرسکون ہو گئے۔

کرنل نے سر ہلا کر اپنے ساتھ کھڑے فوجی کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ سارجنٹ ڈینیل نیف ہے۔ یہ سارجنٹ گڈرچ کی جگہ پلاٹون آفیسر کا چارج لے رہا ہے۔'' اس نے کہا۔

کافی عرصہ کے بعد کسی نے سارجنٹ گڈرچ کا تذکرہ کیا تھا۔ وہاں کا اصول تھا کہ کیڈٹس کے سامنے حتی الامکان موت کا تذکرہ کرنے سے گریز کیا جاتا تھا۔ حالانکہ فوج کا موت سے گہرا تعلق ہے۔ اور خودکشی کے متعلق بات کرنیکا تو کوئی سوال نہیں تھا۔ کیونکہ یہ وہ موت تھی، جسے فوج میں نامردوں کے بزدلانہ فعل کی حیثیت دی جاتی تھی۔ چنانچہ یہ طے تھا کہ سارجنٹ گڈرچ کا نام بھی کسی زبان پر نہیں آئے گا۔ جیسے وہ کبھی تھا ہی نہیں

۔

''سارجنٹ نیف ایک بے حد تجربہ کار فوجی ہے۔'' کرنل کہہ رہا تھا۔ ''مجھے یقین ہے کہ اس کی کمان میں محض چند ہفتوں کے اندر یہ پلاٹون اکیڈمی کی سب سے اسمارٹ پلاٹون کہلائے گی۔'' کرنل دوستانہ انداز میں مسکرایا۔ پھر وہ نیف کی طرف مڑا۔ ''اب مزید تعارف تمہاری ذمہ داری ہے سارجنٹ۔'' اس نے کہا۔ ''اب یہ سب تمہارے ہوئے۔''

سارجنٹ نے شاندار طریقے سے کرنل کو سلیوٹ کیا اور پھر اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ کرنل اپنے بے ڈول جسم کو فوجیوں کے سے انداز میں موو کرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

پلاٹون کی آخری قطار میں بھی ایک بہت بھاری بھرکم لڑکا تھا۔ وہ دوسرے لڑکوں کے مقابلے میں کم از کم چھ انچ لمبا تھا۔ اپنی عمر کے اعتبار سے اس کا قد و قامت اور جثہ غیر معمولی ہی کہا جا سکتا تھا۔ اس کی گردن بہت موٹی اور کلائیاں بہت چوڑی اور پر گوشت تھیں۔ جو قمیض وہ پہنے ہوئے تھا، اس کے ناپ کی ہونے کے باوجود تنگ لگ رہی تھی۔ اس کا نام ٹیڈی تھا۔ اپنے بھدے پن کا بدلہ وہ کیڈٹ ساتھیوں پر دھونس جما کر، ان کے ساتھ زور زبردستی کر کے لیتا تھا۔ مذاق مذاق میں وہ کسی کے کندھے پر ہتھوڑے جیسا گھونسہ رسید کرتا......ایسا گھونسہ کہ مضروب کو لگتا کہ اس پر فالج کا

حملہ ہوا ہے۔ بیس منٹ تک تو وہ بے چارہ اپنا متاثرہ بازو ہلا بھی نہیں پاتا تھا۔

اس وقت ٹیڈی نے نئے پلاٹون آفیسر پر طبع آزمائی کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ اس پر بہترین تاثر چھوڑنے کے موڈ میں تھا۔ تاکہ سارجنٹ ہمیشہ اسے اہمیت دیتا رہے۔

اس نے سارجنٹ نیف کے سینے پر لگے چمک دار بلوں کو دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولا ''سارجنٹ یہ تمہارے میڈل.....''

''تم مجھ سے صرف اس صورت میں بات کروگے، جب میں تم سے کچھ پوچھوں۔'' سارجنٹ نیف نے گرج کر کہا۔ ''اور تم میرا کہا ہوا ہر لفظ غور سے سنو گے۔ کیونکہ میں اس نئی جاب میں چاند کی طرح چمکنے اور نمایاں ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اور میں صرف اسی صورت میں چاند کی طرح چمک سکتا ہوں کہ میں تم سب کو روشن اور چمک دار ستارہ بنادوں۔ تم وہ یونٹ ہو، جس سے میں یہ امید کرتا ہوں کہ اس کی کارگردگی کی چمک اس پریڈ گراؤنڈ میں دیکھنے والوں کی آنکھوں کو چوندھیا دے گی۔''

سب خاموش تھے۔

نیف نے چند لمحے توقف کیا۔ پھر زور دے کر پوچھا۔ ''سمجھ گئے تم لوگ؟''۔

پلاٹون کے کیڈٹوں کے چہرے پھیکے پڑ گئے تھے۔ تاہم انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیے۔ سچ یہ ہے کہ وہ اپنے نئے لیڈر سے بری طرح مرعوب ہوگئے تھے۔

ٹیڈی نے سر جھکا لیا۔ اس کا حلق حرکت کر رہا تھا، جیسے وہ تھوک نگل رہا ہو...... یا کوئی کڑوی دوا۔ اپنے مرعوبین اور متاثرین کے سامنے یوں شرمندہ کیا جانا اسے اچھا نہیں لگا تھا۔ کسی نہ کسی طور اس کو اس کا بدلہ لینا تھا۔

''ناشتے کے بعد میں تم سب سے باری باری اپنے آفس میں ملنا چاہوں گا۔'' نیف نے کہا ''مگر فی الحال تم لوگوں سے نام ضرور پوچھوں گا۔''

نیف مارک کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ وہ اسے استفسار طلب نظروں سے گھور رہا تھا

''مارک تھورن۔'' مارک تھورن نے کہا۔ وہ نیف کی نگاہ اپنے جسم کے آر پار ہوتی محسوس کر رہا تھا۔

''مارک تھورن، مجھے اپنے رینک سے بہت محبت ہے۔''

''مارک تھورن سارجنٹ۔'' مارک نے اضافہ کیا۔

''اوہ...... تو تم تھورن ہو'' سارجنٹ نیف مسکرایا۔ ''اس انسٹی ٹیوٹ سے تمہاری فیملی کا گہرا تعلق ہے۔ ہے نا؟''

مارک تھورن نے دولت اور طاقت کے ماحول میں آنکھ کھولی تھی۔ اسے سکھایا گیا تھا۔ کہ دوسروں کو اپنی دولت اور طاقت کا احساس دلانا بدتمیزی ہے۔ اسے خودنمائی کی ضرورت نہیں۔ اس وقت سارجنٹ کی بات سن کر اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ جواب میں کیا کہے۔ چنانچہ خاموش رہا۔

لیکن نیف جواب چاہتا تھا۔ ''جواب دو میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟''۔

مارک نے ڈپلومیسی سے کام لینے کا فیصلہ کیا۔ ''میرے والد اور تایا کیڈٹ رہ چکے ہیں'' اس نے سادگی سے کہا۔

''گڈ'' نیف کو اس کی حاضر دماغی اور شائستگی اچھی لگی۔ ''لیکن ایک بات سمجھ لو'' وہ بولا۔ ''اس بنیاد پر رعایتوں کی امید نہ رکھنا۔ یہاں موجود تمام لوگ ایک جیسے ہیں...... برابر ہیں۔''

مارک نے تیزی سے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ ''یس سارجنٹ۔''

ٹیڈی کو اس میں اپنی عزت کی بحالی کا موقع نظر آیا۔ ''یہ مکالمے ہم پہلے بھی سن چکے ہیں۔'' اس نے ایسی سرگوشی میں کہا، جو سب کو صاف سنائی دی۔

تمام کیڈٹ اپنی جگہ ٹھٹھر کے رہ گئے۔

نیف ایڑیوں کے بل گھوما۔ اس کی انگلی ٹیڈی کی طرف اٹھی۔ ''لیکن میری موجودگی میں یہ مکالمے تم نے پہلی بار سنے ہیں۔'' اس نے برہمی سے کہا۔

ٹیڈی ایک بار پھر سارجنٹ نیف کی تیز نگاہ کے سامنے آنکھیں نیچی کرنے پر مجبور ہو گیا اس نے سمجھ لیا کہ یہ نیا آدمی اور طرح کا ہے۔ اور ایک بار پھر اسے سب کے سامنے شرمندہ ہونا پڑا۔

نیف قطار میں آگے بڑھا۔ ''نام بتاؤ۔''

''میرا نام ڈیمین تھورن ہے سارجنٹ۔''

نیف نے ایک نظر مارک کو دیکھا اور پھر اس کی نظر ڈیمین کی طرف پلٹ آئی۔ ''تم دونوں میں کوئی مشابہت تو نہیں ہے۔''

''ہم کزن ہیں سارجنٹ۔'' ڈیمین خطرہ مول لیتے ہوئے مسکرایا۔

نیف کی آنکھوں میں ایک ثانیے کو چمک سی ابھری۔ مگر اگلے ہی ثانیے معدوم ہو گئی۔ ''ٹھیک ہے۔ لیکن جو میں نے مارک سے کہا، وہ تمہارے لیے بھی ہے۔ رعایت کی امید مت رکھنا۔''

ڈیمین نے اثبات میں سر ہلایا۔

نیف آگے بڑھ گیا۔ ڈیمین کی نظریں اس کا تعاقب کر رہی تھی۔ اس شخص میں کوئی بات تھی۔ اس کی موجودگی ایک طرف اس کے اعصاب پر بوجھ تھی تو دوسری طرف اس کے جسم میں سنسنی دوڑاتی تھی۔ ابھی وہ پوری طرح سے اپنے ردِعمل کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ بیان نہیں کر سکتا تھا۔

✡............✡............✡

ساٹھ میل دور شکاگو کے قلب میں رچرڈ تھورن اس لمحے تھورن انڈسٹریز کی وسیع و عریض عمارت کی لابی میں چل رہا تھا اس کے ساتھ کمپنی کا صدر بل ایتھرٹن تھا۔ لابی میں کچھ لوگ موجود تھے۔ لیکن صبح کی ابتدائی ساعتوں میں وہاں بہت ہجوم نہیں تھا۔ یا تو وہ لوگ تھے، جو رات کی شفٹ کر کے جا رہے تھے یا وہ لوگ تھے، جن کے لیے کام نشے کی حیثیت رکھتا تھا۔

بل ایتھرٹن بے حد مہربان طبع، خود کو پس منظر میں، بے حد غیر نمایاں رکھنے والا شخص تھا وہ چاہتا تو بہت کامیاب جاسوس ثابت ہو سکتا تھا۔ اس کی شخصیت اور رکھ رکھاؤ ایسا تھا کہ دوسروں کو اس کے وجود کا احساس ہی نہیں ہوتا تھا۔ اس کی عمر 64 سال تھی۔ زندگی بے حد ہموار تھی۔ وہ کوئی جدو جہد کرتا دکھائی نہیں دیتا تھا۔ لیکن مناسب رفتار سے، پورے یقین کے ساتھ اپنی منزل کی طرف بڑھتا نظر آتا تھا۔

تعلیم مکمل کرنے کے فوراً بعد بل نے تھورن انڈسٹریز میں قدم رکھا تھا۔ ابتدا میں اس نے پلاننگ اینڈ ڈیولپمنٹ کے شعبے میں کام کیا تھا۔ بہ تدریج ترقی کرتے ہوئے وہ ایگزیکٹیو کے زینے تک پہنچا تھا۔ اور اب اس سے اوپر صرف رچرڈ تھورن تھا، جو اس کمپنی کا چیف ایگزیکٹیو آفیسر اور چیرمین تھا

بل کو کالج کے دنوں میں محبت ہوئی۔ اسی لڑکی سے اس نے شادی کی۔ اور اس شادی کے موقعے پر اس نے جو مکان خریدا، وہ آج بھی اسی مکان میں رہتا تھا۔ اس کی بیوی اب بھی وہی تھی۔ وہ اس سے پہلے جیسی محبت کرتا تھا۔ بیوی سے زیادہ وہ اس کی محبوبہ تھی۔ وہ اس کی زندگی میں آنے والی پہلی اور آخری عورت تھی۔ وہ کبھی بے وفائی کا مرتکب نہیں ہوا تھا۔ اس کی زندگی ایک خاص رفتار سے بہنے والی ندی کی طرح پرسکون تھی۔ اس کی زندگی میں اچانک پن کی، کسی حیرت کی کوئی گنجائش نہیں تھی بلکہ وہ اس پر حیران ہوتا تھا کہ اس کے جاننے والوں کی زندگی میں تبدیلیاں کیسے آتی ہیں ۔ وہ اتنے متلون مزاج کیوں ہیں۔

بل لگی بندھی زندگی گزار رہا تھا۔ مگر کوڑھ مغز تھا، نہ بے وقوف۔ ہوتا تو تھورن انڈسٹریز کی صدارت کیسے ملتی۔ یہ عہدہ اس نے اپنی ذہانت اور محنت کے زور پر حاصل کیا تھا

اس وقت بل کے ذہن پر ایک بوجھ تھا، جو پچھلے کچھ عرصے سے اسے ستا رہا تھا۔ اس الجھن کا تعلق پال بوہر سے تھا، جو اسپیشل پراجیکٹس کا ڈائریکٹر تھا۔ اور براہ راست اس کا ماتحت تھا۔

پال بوہر عمر میں بل سے تیس سال چھوٹا تھا۔ اس نے کبھی اپنی اس خواہش کو چھپا کر نہیں رکھا تھا کہ وہ بل ایتھرٹن کی جگہ لینا چاہتا ہے۔ لیکن بل کو اس سے کوئی پریشانی نہیں تھی۔ کمپنی کی اندرونی سیاست سے وہ بے نیاز تھا۔ وہ اپنے کام سے کام رکھتا تھا اور صرف اپنے کام کی فکر کرتا تھا۔ وہ یوں بھی مطمئن تھا کہ اپنا کام وہ پوری دیانت داری اور لگن سے کرتا تھا۔ اور رچرڈ تھورن اس کا سب سے پرانا اور سب سے قریبی دوست تھا۔ اور رچرڈ ایسا آدمی نہیں تھا کہ انقلابی تجاویز اور شعبدہ بازیاں اسے ڈانواڈول کر سکیں۔ بل کو فکر صرف اس بات کی تھی کہ جیسے جیسے وہ پال بوہر کو سمجھ رہا تھا، اس کے جوہر اس پر کھل رہے تھے۔ اور وہ کوئی اچھی تصویر نہیں تھی۔ پال بوہر بے حد سفاک، بے رحم اور نہایت بے اصول آدمی کے روپ میں سامنے آ رہا تھا۔ وہ جس انداز میں کام کرتا تھا اور کرنا چاہتا تھا، وہ کمپنی کے امیج کے لیے تباہ کن تھا۔ اور یہ بات بہت اہم تھی۔ اس بات کا قوی امکان تھا کہ پال بوہر کو اگر مزید ذمے داری سونپی گئی تو وہ تھورن انڈسٹریز کو کسی بھی بہت بڑی مشکل میں پھنسا دے گا

اس وقت لابی میں رچرڈ تھورن کے ساتھ قدم اٹھاتے ہوئے بل ایتھرٹن یہی سب کچھ سوچ رہا تھا۔ وہ دونوں اس وقت پال بوہر سے ملنے جا رہے تھے۔ ایک زراعتی پلانٹ کے بارے میں فیصلہ ہونا تھا، جو پال بوہر چاہتا تھا کہ تھورن انڈسٹریز خرید لے۔

بل نے اس صبح ضروری کام خاص طور پر نپٹا لئے تھے۔ تا کہ پلانٹ پر پہنچنے سے پہلے وہ رابرٹ تھورن کو اس سلسلے میں اپنے خیالات سے آگاہ کر سکے۔ وہ جانتا تھا کہ پلانٹ پر پہنچنے کے بعد معاملات اس کے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔

رچرڈ تھورن ہمیشہ کی طرح ڈپلومیسی سے کام لے رہا تھا۔ ''سب سے پہلے میں نے یہ بات محسوس کی اور کہی تھی کہ پال بوہر کے ساتھ کام کرنا آسان نہیں۔ وہ ایک دشوار آدمی ہے'' اس نے کہا۔ ''لیکن یہ مت بھولو کہ اس جیسا قابل اور لائق آدمی تلاش کرنے میں ہمیں تین سال لگے تھے۔''

دونوں اب ریوالونگ ڈور کے پاس پہنچ رہے تھے۔ ''مجھے اس کی قابلیت اور صلاحیتوں سے انکار نہیں'' بل نے کہا۔ ''بات یہ ہے کہ ......''

''اس کا انداز کار مسئلہ ہے۔'' رچرڈ نے اس کا جملہ پورا کر دیا۔

وہ باہر نکل آئے۔ وہاں رچرڈ کی لیموزین موجود تھی۔

بل نے نفی میں سر ہلا کر اختلاف کا اظہار کیا۔ ''میں اس سے بھی نمٹ سکتا ہوں'' اس نے کہا۔ ''میں بہت مختلف اور مشکل لوگوں کے ساتھ کام کر چکا ہوں۔ نہیں رچرڈ۔ اس کی تجویز مجھے پسند نہیں۔ وہ میرے حلق سے اترتی ہی نہیں۔ اور میں اس سلسلے میں کھل کر اظہار کر رہا ہوں...... بغیر کسی لحاظ کے۔''

''تمہیں یہ فکر یہ ہے کہ ہم اس معاملے میں محکمہ انصاف کی طرف سے دشواری میں پڑ جائیں گے؟''

''دیکھو...... وہ بڑے نازک معاملات کو چھیڑ رہا ہے۔''

وہ گاڑی کے پاس پہنچے۔ مرے نے باہر نکل کر ان کے لیے دروازہ کھولا۔

''تمہیں اس کی بات تو سننی چاہیے۔'' رچرڈ نے عقبی نشست پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''میں جانتا ہوں کہ تم اعتراض بہت معقول انداز میں کرتے ہو لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس معاملے میں اعتراض معمول سے زیادہ محتاط لفظوں میں کرو۔''

مرے نے دروازہ بند کیا۔ بل نے رچرڈ کی ڈپلومیسی پر ستائشی قہقہہ لگایا۔

❁ .... ❁ .... ❁

اکیڈمی میں بریڈلے پلاٹون اپنے لیڈر سے باری باری ملاقات کے مرحلے میں تھی۔ تمام کیڈٹ سارجنٹ نیف کے دفتر کے باہر راہ داری میں کھڑے تھے۔ نیف ایک ایک کر کے انہیں بلا رہا تھا۔ جو ابھی اندر نہیں گئے تھے۔ وہ پر تشویش انداز میں اپنی باری کے منتظر تھے۔

ٹیڈی دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا کوشش کر رہا تھا کہ سب لوگ سمجھ جائیں کہ اس وقت وہ بوریت کی انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔ اس کے لیے اس بات کی بڑی اہمیت تھی کہ جس شخص نے اس کی کئی بار توہین کی تھی، اس کے بارے میں اس کا انداز جارحانہ ہو۔ اور اسے نڈر سمجھا جائے۔

درحقیقت ٹیڈی سارجنٹ سے بری طرح خوف زدہ تھا۔ کیونکہ نیف زبان درازی اور بدتمیزی کی حد کو پہنچی ہوئی خود اعتمادی سے متاثر

ہونے والا آدمی نہیں لگتا تھا۔اس لحاظ سے پلاٹون میں ٹیڈی کی پوزیشن خطرے میں تھی۔اب وہ اسے بچانے کی ترکیبیں سوچ رہا تھا۔اس نے سمجھ لیا تھا کہ اسے اپنے انداز کو یکسر تبدیل کرنا ہوگا۔لیکن وہ کیا لائحہ عمل اپنائے، یہ ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا

اس وقت بھی کچھ خوشامدی کیڈٹ ٹیڈی کے گرد جمع تھے۔وہ بھی بے زاری اور بوریت ظاہر کرنے میں ٹیڈی کی نقل کر رہے تھے۔

پھر انتظار کی اعصاب شکنی نے ٹیڈی کو کچھ کرنے پر اکسایا۔وہ سامنے والی دیوار کی طرف بڑھا۔اس دیوار پر چالیس کے لگ بھگ فریم میں لگے فوٹو گرافس آویزاں تھے۔وہ اکیڈمی کی فٹبال کی ٹیموں کی تصاویر تھیں اور زمانی ترتیب میں آویزاں کی گئی تھیں۔انہیں ترتیب سے دیکھنا بڑا سحر انگیز تھا۔اس سے کھیل کے ارتقا کی مکمل تصویر سامنے آتی تھی۔ان سے نسلی تقابل بھی کیا جا سکتا تھا۔پرانے کیڈٹ کیسے تھے اور موجودہ کیڈٹ کیسے ہیں۔ان تصویروں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ پرانے لوگ اپنی وردی پر فخر کرتے تھے۔جب کہ موجودہ لوگ چڑتے ہیں، اسے پابندی سمجھتے ہیں۔

ٹیڈی کو بالآخر وہ چیز نظر آ گئی جس کی وہ تلاش میں تھا۔''یہ رہا وہ''۔اس نے اپنی موٹی بدنما انگلی سے اشارہ کیا۔

اس کے چمچے لپک کر اس طرف چلے آئے۔''ذرا دیکھو۔یہ رابرٹ تھورن ہے۔کوارٹر بیک کی پوزیشن پر کھیلتا تھا۔'' اس نے کہا۔اس کے لہجے میں تمسخر تھا اور وہ کن انکھیوں سے ڈیمین کو دیکھ رہا تھا۔''پیسے سے ہر چیز خریدی جا سکتی ہے۔ثابت ہو گیا نا۔''

ڈیمین دوسری دیوار سے ٹکا کھڑا تھا۔اس نے آگے کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔''ٹیڈی'' اس کے لہجے میں کھلا انتباہ تھا۔

ٹیڈی نے اپنے چمچوں کو دیکھا۔ان کے چہروں پر اسے صاف نظر آیا کہ وہ اس سے مزید توقع کر رہے ہیں۔یہ دیکھتے ہوئے اس نے اور وار کرنے کا فیصلہ کیا۔''سوال یہ ہے کہ اسے اپنی رقم کا صلہ بھی ملا یا نہیں۔''

چمچے ہنسنے لگے۔ڈیمین ٹیڈی پر جھپٹنے کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ اچانک نیف کے آفس کا دروازہ کھلا اور مارک تھورن باہر آیا۔باہر قدم رکھتے ہی اسے فضا میں کشیدگی اور سنگینی کا احساس ہو گیا۔اس نے یہ بھی سمجھ لیا کہ کشیدگی ڈیمین اور ٹیڈی کے درمیان ہے۔اس نے کھنکھار کر گلا صاف کیا اور ڈیمین سے کہا۔''ڈیمین......اب تمہارا بلاوا ہے۔''

ڈیمین نے پہلے مارک کی طرف دیکھا اور پھر ٹیڈی کو دیکھا۔''تم آئندہ میرے ڈیڈی کا نام بھی اپنی زبان پر نہ لانا۔'' اس کے لہجے میں حیران کن خوفناکی تھی۔''کبھی بھی نہیں یہ میرا مخلصانہ مشورہ ہے۔'' یہ کہہ کر وہ پلٹا اور دروازہ کھول کر نیف کے کمرے میں چلا گیا۔

ٹیڈی نے مارک کو گھور کر دیکھا اور بے حد خراب لہجے میں بولا۔''تمہارا کزن خود کو بہت بڑی چیز سمجھتا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ اپنے چمچوں کی طرف مڑا۔میرے ڈیڈی کہتے تھے کہ تھورن فیملی کے لوگ اپنے ہیٹ آرڈر پر مجبوراً تیار کراتے ہیں۔کیونکہ اسٹورز پر جو ہیٹ ملتے ہیں، وہ ان کے سروں کے سائز سے بہت بڑے ہوتے ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ تمسخرانہ انداز میں ہنسنے لگا۔

دوسرے کیڈٹ بھی ہنسنے لگے۔کچھ تو اس کے چمچے تھے۔دوسرے اس کے خوف کی وجہ سے ہنس رہے تھے۔

مارک بڑے پر سکون انداز میں ٹیڈی کی طرف بڑھا۔''کیا تم کو ڈاک کے ٹکٹ جمع کرنے کا شوق ہے؟'' اس نے چہکتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

ٹیڈی کی سمجھ میں اس کا مطلب نہیں آیا۔ ویسے اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ اس میں اس کے لیے کوئی توہین آمیز بات ہے۔ اس کے باوجود اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ مارک اس سے ٹکرانے کی جرات کر رہا ہے۔ ڈیمین کی بات اور تھی۔ وہ سخت مزاج اور سخت جان تھا۔ لیکن مارک؟ اس کے خیال میں تو مارک میں دم ہی نہیں تھا۔

''کیا...... کیا کہا تم نے؟'' ٹیڈی تن کر کھڑا ہو گیا۔ مارک اس کے سامنے بونا لگ رہا تھا۔

''تمہاری آسانی کے لیے دہرا دیتا ہوں۔'' اس صورت حال میں مارک کا سکون غیر معمولی تھا۔ ''میں نے پوچھا، کیا تمہیں ڈاک ٹکٹ جمع کرنے کا شوق ہے؟''

''نہیں۔'' ٹیڈی نے جواب دیا۔ اس کی سمجھ میں اب بھی نہیں آیا تھا کہ مارک کس چکر میں ہے۔

''بس تو اس لمحے سے یہ مشغلہ شروع کر دو۔'' مارک نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔ اس کے ساتھ ہی وہ اچھلا اور پوری قوت سے ٹیڈی کے بائیں جوتے پر اپنا جوتا مارا۔ آواز بھی بہت زور کی تھی۔

ٹیڈی تو ششدرہ رہ گیا۔ وہ ایسا ساکت ہوا کہ لگتا تھا، سانس لینا بھی بھول گیا ہے۔ اسے یہ صدمہ بھی تھا کہ مارک جیسے مسکین لڑکے نے اسکے ساتھ یہ حرکت کی ہے۔ پہلے تو اس نے بڑی مشکل سے اپنے حلق سے نکلنے والی چیخ کا گلا گھونٹا۔ پھر وہ تکلیف کی شدت سے ایک ٹانگ پر اچھلنے لگا۔ گزرتے لمحوں کے ساتھ اس کا صدمہ اور بڑھ گیا۔ مارک جیسے کم ہمت لڑکے کو یہ جرات کیسے ہوئی۔ آج تک اکیڈمی میں کسی کو اتنی ہمت نہیں ہوئی تھی۔ اسکے مقابل تو زبانی طور پر بھی کبھی کوئی نہیں آیا تھا۔ کجا کہ جسمانی طور پر اس کو تکلیف پہنچائے۔ ٹیڈی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

ٹیڈی ذہنی طور پر تیز لڑکا نہیں رہا تھا۔ اس وقت غصہ اس کے اندر بری طرح ابل رہا تھا اور وہ یہ سوچنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کا اس غیر متوقع جارحیت پر کیا ردعمل ہونا چاہیے۔ اس سے پہلے کہ وہ کسی نتیجہ پر پہنچتا، مارک تمسخرانہ سوگواری سے سر ہلاتے ہوئے دوبارہ اچھلا۔ اس بار اس کا نشانہ ٹیڈی کا داہنا پاؤں تھا۔

اس بار ٹیڈی نہ صرف اپنی اذیت بھری چیخ کا گلا نہ گھونٹ سکا۔ بلکہ اس کے لیے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا بھی ممکن نہیں رہا۔ وہ کبھی ایک پیر پر اچھلتا اور کبھی دوسرے پر۔ وہ اچھی خاصی رقص کی پوزیشن تھی...... لیکن بے حد اذیت ناک!

دوسرے کیڈٹ ٹیڈی کی حالت پر ہنسنا چاہتے تھے۔ ٹیڈی کا ہر لمحہ پھدکنا منظر ہی ایسا تھا۔ لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس جنگ میں فاتح کون ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے سمجھ لیا کہ ہنسنا ان کے لیے نقصان دہ ثابت ہوگا۔ انہوں نے اپنی ہنسی کا گلا گھونٹا اور مارک اور ٹیڈی کے لیے میدان خالی کرنے کے انداز میں پیچھے ہٹنے لگے......

سارجنٹ نیف اپنی ڈیسک کے عقب میں بیٹھا ڈیمین کی فائل کی ورق گردانی کر رہا تھا ڈیمین ڈیسک کے سامنے ایٹ ایز پوزیشن میں کھڑا تھا۔ اس کے انداز میں پختہ کار فوجیوں کا سا وقار تھا۔

نیف کو جس چیز کی تلاش تھی، بالآخر وہ اسے مل گئی۔ گریڈ کی اس لسٹ پر اس نے انگلی پھیری اور بولا۔ ''ریاضی گڈ، سائنس ویری گڈ ملٹری

ہسٹری...... فیئر......‘‘ اس نے بھویں اچکاتے ہوئے ڈیمین کو دیکھا......’’یہاں محنت کی ضرورت اور بہتری کی کافی گنجائش ہے۔‘‘

’’یس سارجنٹ۔‘‘ ڈیمین نے کہا۔لیکن اس کی پوری توجہ سارجنٹ کی طرف نہیں تھی وہ کھڑکی سے باہر اکیڈمی کی سب جونیئر پلاٹون کے لڑکوں کو صبح کے تفریحی وقفے کے دوران ادھر ادھر بھاگتے دیکھ رہا تھا۔

’’فزیکل ٹریننگ......شاندار۔‘‘ نیف کا تبصرہ جاری تھا۔اس نے فائل ایک طرف ہٹائی اور آگے کی طرف جھکا۔اس نے اپنے دونوں ہاتھ باہم رگڑتے ہوئے ڈیمین سے کہا۔’’میں نے سنا ہے کہ تم فٹ بال کے اچھے کھلاڑی ہو۔‘‘

ڈیمین نے کندھے جھٹک دیے۔وہ جانتا تھا کہ یہ درست ہے۔لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ اپنے منہ آپ میاں مٹھو بنے۔وہ اس پر یقین رکھتا تھا کہ لفظوں سے کچھ نہیں ہوتا عمل خود مکمل ثبوت ہوتا ہے۔کارکردگی خود منہ سے بولتی ہے۔

’’جو کچھ حاصل کرو، اس پر فخر کرنا بھی سیکھو۔‘‘ سارجنٹ نے گرج دار آواز میں کہا۔ڈیمین چونکا اور جھولنا بھول کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔’’فخر بے وجہ ہو تو نقصان دہ ہوتا ہے۔لیکن فخر کرنے کی معقول وجہ ہو تو فخر کرنا چاہیے۔‘‘ سارجنٹ نے اپنی بات پر زور دینے کے لیے میز پر گھونسہ مارا۔

’’یس سارجنٹ۔‘‘ ڈیمین کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اور کیا کہے۔

نیف نے پھر کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی۔’’آج سہ پہر کو میں تمہارا کھیل دیکھوں گا‘‘ اس کا انداز ایسا تھا، جیسے وہ ڈیمین کو چیلنج کر رہا ہو۔

ڈیمین نے سر کو بھی جنبش دی۔سارجنٹ اب اسے ڈسٹرب کر رہا تھا۔

کچھ دیر عجیب سی خاموشی رہی۔ایسا لگتا تھا کہ سارجنٹ نیف اپنے منتشر خیالات کو یکجا کر رہا ہے۔چند لمحے بعد اس نے آنکھیں بند کیں۔اب وہ بولا اس کی آواز جذبات سے بوجھل تھی۔’’میں یہاں تمہیں پڑھانے......سکھانے کے لیے ہوں......‘‘ اس نے کہا۔’’لیکن یاد رکھو میں یہاں اس لیے بھی ہوں کہ تمہاری مدد کر سکوں......‘‘ اس کا انداز ایسا تھا، جیسے اپنی بات موثر طور پر کہنے کے لیے اسے مناسب الفاظ کی تلاش میں دشواری ہو رہی ہو۔’’کوئی مسئلہ درپیش ہو تمہیں تو میرے پاس چلے آؤ۔تمہیں کبھی بھی خوف زدہ نہیں ہونا......‘‘

خوف! کیسا خوف! ڈیمین نے چونک کر سوچا۔اب وہ پوری طرح سے نیف کی طرف متوجہ تھا۔

’’دن ہو یا رات، مشورے کی ضرورت ہو تو تم کسی بھی وقت میرے پاس چلے آؤ۔‘‘ نیف نے آنکھیں کھول لیں۔’’تم سمجھ رہے ہو نا؟‘‘

ڈیمین کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔لیکن اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔’’یس سارجنٹ۔‘‘

’’ہم دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ لیں گے۔مجھے یقین ہے کہ ہماری خوب نبھے گی۔‘‘ نیف نے کہا۔اب وہ دوبارہ فائل کی طرف متوجہ ہوا اور ایک خاص پیراگراف تھپتھپانے لگا۔’’’’اوہ تو تم یتیم ہو۔‘‘

ڈیمین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔وہ بے چینی محسوس کر رہا تھا۔

نیف کی مسکراہٹ ہمدردانہ تھی۔’’میں بھی ہوں۔‘‘ اس نے کہا۔’’یہ ہمارے درمیان قدر مشترک ہے۔‘‘

ڈیمین نے نیف کو عجیب سی نظروں سے دیکھا۔اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس ملاقات کے دوران کوئی ایسی بات ہو رہی ہے، جسے وہ سمجھ نہیں پا

رہا ہے۔اور یہ بے خبری اسے اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

نیف کے ہونٹوں سے مسکراہٹ بالکل ہی ہوا ہوگئی۔وہ اٹھا اور تیزی سے کھڑکی کی طرف بڑھا۔اب اس کی آواز پہلے جیسی پر تکلف اور لہجہ پہلے جیسا سرد تھا۔اس نے اپنی بھوؤں کو انگلی سے سہلاتے ہوئے کہا۔''فوسٹر کو اندر بھیج دینا''

وہ اس بات کا اشارہ تھا کہ ملاقات ختم ہوگئی۔

ڈیمین چند لمحے اس کی پیٹھ کو تکتا رہا۔پھر اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

نیف نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی تو سر جھکا کر ٹھوڑی اپنے سینے سے ٹکالی اور یوں سکون کی گہری سانس لی، جیسے کسی بہت اہم اور دشوار ترین مرحلے سے بہ مشکل کامیابی سے گزرا ہو۔

۞..........۞..........۞

ڈیمین نے باہر راہداری میں قدم رکھا تو عجیب منظر اس کے سامنے تھا۔مارک فرش پر گرا ہوا تھا۔اس کا چہرہ لہولہان تھا۔ٹیڈی اسے مار رہا تھا اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کو بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''ٹیڈی!'' وہ ڈیمین کی ایسی آواز تھی، جو اس سے پہلے کسی نے کبھی نہیں سنی تھی۔خود ڈیمین نے بھی نہیں۔اس آواز میں گہرائی تھی۔رگوں میں خون ٹھٹھرا دینے والی نفرت تھی۔غصہ تھا......اور ایسا تحکم تھا، جس کے سامنے سر نہیں اٹھایا جا سکتا۔

ٹیڈی نے پلٹ کر دیکھا۔اس کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔لیکن جیسے ہی اس نے ڈیمین کی سرد نگاہوں کو دیکھا، وہ مسکراہٹ ہوا ہونے لگی۔

تمام کیڈٹ خاموش تھے۔

پھر عجیب طرح کی کھٹ کھٹ کی آواز سنائی دینے لگی۔وہ ایسی آواز تھی جیسے دھات کے دو اسکیلوں کو آپس میں ٹکرایا جا رہا ہو۔ٹیڈی نے سر گھما کر ادھر ادھر دیکھا۔لیکن اس آواز کا کوئی ظاہری سبب کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔یہی نہیں، اسے اندازہ بھی ہوگیا کہ وہ کسی اور کو سنائی نہیں دے رہی ہے۔دوسرے کیڈٹ متوقع اور منتظر نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

آواز بلند ہوتی جا رہی تھی۔چند لمحوں میں یہ واضح ہوگیا کہ وہ کسی بڑے، جسیم پرندے کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ تھی۔اور وہ آواز ٹیڈی کو عین اپنے سر کے اوپر کی طرف سے آتی محسوس ہو رہی تھی

ٹیڈی ایڑیوں پر گھوما اور چلایا۔''اسے روکو''

اگلے ہی لمحے وہ اپنے دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھا کر جیسے کسی غیر مرئی حملہ آور کو دھکیلنے اور خود کو بچانے کی کوشش کر رہا ہو۔اسے دیکھ کر احساس ہوتا تھا کہ کوئی غیر مرئی حملہ آور اس کے سر پر وار کر رہا ہے۔

تمام کیڈٹس کے منہ کھل گئے تھے اور وہ ٹیڈی کو گھور رہے تھے۔ڈیمین کو دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ کسی ٹرانس میں ہے۔مارک لڑکھڑاتا ہوا اپنے

پیروں پر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں تجسس تھا۔

بالآخر ٹیڈی کے پیروں نے زمین چھوڑ دی۔ ایسا لگتا تھا کہ ہوا کے کسی جھکڑ نے اسے تھام کر اٹھایا ہے اور دیوار پر لگا دیا ہے۔

اس لمحے نیف کے آفس کا دروازہ کھلا اور نیف باہر آیا۔ اس اچانک مداخلت کے نتیجے میں ڈیمین کا ارتکاز ٹوٹ گیا۔ اس نے اپنا سر جھٹکا اور بار بار اپنی پلکیں جھپکنے لگا۔ ٹیڈی دھپ سے نیچے گرا اور دیوار سے ٹک کر بیٹھ گیا۔ پھڑ پھڑاہٹ کی آواز معدوم ہو گئی تھی۔ تمام کیڈٹ دم بخود کھڑے تھے۔

''تم یہ فرش پر بیٹھے کیا کر رہے ہو؟'' نیف نے ٹیڈی کو ڈپٹا۔

ٹیڈی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ فرش پر ایسے بیٹھا تھا، جیسے اب کبھی نہیں اٹھے گا۔ پھر وہ اچانک اپنے جبڑے مسلتے ہوئے دردناک آواز میں رونے لگا۔

تمہیں کس نے مارا ہے؟'' نیف نے اس سے پوچھا۔

ٹیڈی اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ ''کسی نے نہیں مارا سر۔'' اس نے کہا۔ اور جزوی طور پر جواب درست تھا۔

نیف نے اس کے جواب کو تسلیم کر لیا۔ ''اوکے''۔ اس نے بلند آواز میں کہا۔ ''اب فوسٹر میرے کمرے میں آ جائے۔'' یہ کہہ کر وہ پلٹا اور اپنے کمرے میں واپس چلا گیا۔ فوسٹر نامی کیڈٹ اس کے پیچھے تھا۔

نیف کے کمرے کا دروازہ بند ہو گیا۔

راہ داری میں بہت بوجھل خاموشی تھی...... ایسی کہ نا قابل برداشت لگنے لگی تھی۔ تمام کیڈٹس ٹیڈی کو گھیرے کھڑے تھے۔

اچانک ڈیمین ان کے درمیان سے راستہ بناتا ہوا باہر جانے کے لیے بڑھا۔ مارک اس کے ساتھ تھا۔

بیرونی دروازے کی سیڑھیوں پر مارک نے ڈیمین کو جا لیا۔ ''تم نے کیا کیا تھا اس کے ساتھ؟'' اس نے تفکر آمیز لہجے میں پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم۔'' ڈیمین نے پوری سچائی سے کہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ کیا ہو رہا تھا۔ اور کون ہے جو یہ سب کر رہا ہے۔ اسے تو ایسا لگ رہا تھا کہ وہ پاگل ہو گیا ہے یا ہونے والا ہے...... اپنے باپ رابرٹ تھورن کی طرح!

مارک نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنے قریب کر لیا۔ دونوں ساتھ ساتھ آگے بڑھتے رہے۔ ''مجھے بینڈ جوائن کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔'' مارک نے کہا۔

ڈیمین مسکرایا۔ موضوع کی تبدیلی اس کے لیے خوش آئند تھی۔ ''واہ...... یہ تو بہت بڑی خبر ہے۔'' اس نے چہک کر کہا۔ اس ایک لمحے میں وہ پھر پہلے جیسا ہو گیا تھا بے پروا، زندہ دل اور پرکشش۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ ''میدان میں پہنچ کر ریس شروع۔ میں تمہیں مناسب لیڈ بھی دوں گا۔'' اس نے چیلنج کیا۔

چند لمحوں بعد وہ خوشی سے چیختے ہوئے، ہنستے ہوئے میدان میں دوڑ رہے تھے۔ ان کا انداز کم عمر لڑکوں جیسا تھا۔

تھورن فیملی کی حویلی معمول کے مطابق موسم سرما کے لیے بند کی جا رہی تھی۔فرنیچر پر بھاری سفید ڈسٹ کور ڈالے جا رہے تھے۔ خادمائیں مصروف تھیں۔گھر اب گھر سے زیادہ میوزیم لگ رہا تھا۔

این طعام گاہ سے نکلی اور ماربل کے زینے پر چڑھ کر دوسری منزل کے بیڈ رومز کی طرف جانے لگی۔حویلی کو موسم سرما کے لیے خیر باد کہنے کا یہ عمل ہمیشہ اسے ایک مشقت لگتا تھا۔اس لیے وہ اسے بہت تیزی سے نمٹانے کی کوشش کرتی تھی۔

وہ دوسری منزل پر پہنچی۔وہاں خادمائیں تمام خواب گاہوں سے میلی چادریں سمیٹ کر اکٹھا کر رہی تھیں۔این کو ایک دروازہ بند نظر آیا۔"جینی......آنٹی ماریان تیار ہوگئی ہیں؟"اس نے ایک خادمہ سے پوچھا۔

جینی نے نفی میں سر ہلایا۔"میرا خیال ہے کہ وہ ابھی سو کر نہیں اٹھی ہیں۔میں نے دروازے پر دستک دی لیکن جواب نہیں ملا۔"

این آنٹی ماریان کے بیڈ روم کی طرف بڑھی۔اس نے دروازے پر دستک دی۔

کوئی جواب نہیں ملا۔

این نے سر ایک طرف جھکا کر اندر کی آوازیں سننے کی کوشش کی۔لیکن وہاں کوئی آواز نہیں تھی۔"آنٹی ماریان۔"اس نے پکارا۔"جلدی کریں۔ورنہ آپ کی فلائیٹ مس ہو جائے گی۔"

اب بھی کوئی جواب نہیں آیا۔

این نے اندر جانے کا فیصلہ کر لیا۔اس نے دروازے کا لٹو گھمایا۔لٹو گھوم گیا۔اس نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوئی۔

اسے فوری طور پر آنٹی ماریان نظر نہیں آئیں۔وجہ یہ تھی کہ بیڈ خالی تھا۔بستر کی چادروں سے اندازہ ہوتا تھا کہ صاحب بستر نے بے چین رات گزاری ہے۔

این کو خیال آیا کہ آنٹی ماریان باتھ روم میں ہوں گی۔وہ باتھ روم کی طرف بڑھی تو اسے قالین پر آنٹی ماریان کا بکھرا ہوا وجود نظر آیا۔ان کا جسم ایسی مڑی تڑی حالت میں پڑا تھا کہ ایک نظر دیکھ کر اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ مر چکی ہیں۔قریب ہی ان کی بوسیدہ بائبل قالین پر الٹی پڑی تھی......آنٹی ماریان کے پھیلے ہوئے ہاتھ سے صرف چند انچ کے فاصلے پر۔

این کا ہاتھ بے اختیار اپنے منہ کی طرف آیا ورنہ وہ اپنی چیخ نہ روک پاتی۔اس نے اپنی آنکھیں سختی سے بھینچ لیں اور پلٹ گئی۔جیسے وہ اس منظر کو اپنی یادداشت اور اپنے تصور سے مٹا دینا چاہتی ہو۔اب وہ سوچ رہی تھی کہ کاش گزشتہ رات آنٹی ماریان سے اتنی تلخ کلامی نہ ہوئی ہوتی۔اب وہ تمام باتیں، سارے اختلافات اسے نہایت بے معنی اور مہمل لگ رہے تھے۔

اس نے آنکھیں کھولیں تو اسے وہ کھلی کھڑکی نظر آئی۔کھڑکی کا زرد پردہ ہوا سے لہرا رہا تھا۔

شکاگو کے جنوب اور سسیرو کے مغرب میں الی نوائس واقع ہے۔ یہاں وہ نیا پلانٹ تھا، جو پال بوہر چاہتا تھا کہ تھورن انڈسٹریز خرید لے۔ پلانٹ کی شیشے کی اونچی دیواریں دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اسے دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ 19 ویں صدی کے کسی لینڈ اسکیپ میں کسی سائنس فکشن فلم کے لیے سیٹ لگایا گیا ہو۔

کھلے میدان میں تھورن انڈسٹریز کا ہیلی کاپٹر اترا تو وہ بھی کسی فلم کا منظر لگ رہا تھا۔ وہیں جدید طرز کی برقی بگھی موجود تھی۔ دیکھنے میں وہ گولف کی گاڑی لگتی تھی۔ فرق یہ تھا کہ اس میں ٹیلی ویژن اور سی بی ریڈیو سسٹم بھی نصب تھا۔

اس کارٹ کو ڈرائیور کرنا ڈیوڈ پیاریان کی ذمہ داری تھی، جو تھورن انڈسٹریز کے ایگری کلچرل ونگ کا چیف تھا۔ پال بوہر نے اس کے لیے سفارش کی تھی کہ اس پلانٹ کو چلانے کے لیے وہ تھورن انڈسٹریز کا اہل ترین ایگزیکٹیو ہے۔ وہ چھوٹے قد کا دبلا پتلا، جھلسی ہوئی رنگت والا انڈین تھا۔ اس کے لڑکپن کے تجربات اتنے تلخ تھے کہ وہ بھوک کی سختی کو بہت اچھی طرح سمجھتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ایگری کلچرل ونگ میں وہ سب سے پرجوش اور فعال کارکن تھا۔ یہ ونگ تیسری دنیا کو غذا فراہم کرنے کے سلسلے میں نئے طریقے وضع کرنے پر غور کرتا تھا۔ ڈیوڈ پیاریان کو اس لفظ...... تیسری دنیا سے چڑ تھی۔ اسے غصہ آتا تھا۔ انسانوں کو رنگ و نسل اور مذہب کی دنیا پر تقسیم کرنے والے اب دنیا کو بھی طبقاتی بنیادوں پر تقسیم کر رہے تھے۔ کیا یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ بھوک سب کے لیے ایک جیسی ہوتی ہے۔ غذا کی ضرورت سب کی ایک جیسی ہوتی ہے۔

ڈیوڈ پیاریان کو بنگلہ دیش یاد تھا۔ اس نے بچوں کو دیکھا تھا، جن کے بازو اور ٹانگیں ماچس کی تیلیوں جیسی تھیں۔ اور مٹکے جیسے بڑے پیٹ تھے۔ وہ غول درغول سڑک پر پھرتے تھے اور ایک نوالہ چھیننے کے لیے کسی کی جان لینے کے لیے بھی تیار رہتے تھے۔

تفریق پسندوں کی یہ اصطلاح تیسری دنیا ڈیوڈ کو احساس کمتری میں مبتلا کر دیتی تھی۔ دوسری طرف اپنے باس پال بوہر کا رویہ بھی اس کے لیے جھنجلاہٹ کا باعث تھا۔ اس کے بارے میں سوچتا تو ڈیوڈ کی سمجھ میں یہی بات آتی تھی کہ پال بوہر نے بھوک سے سسکتے، بلکتے، دم توڑتے بچے کبھی نہیں دیکھے، وہ بھوک کبھی محسوس ہی نہیں کر سکا۔ اسے صرف پرسنٹیج پوائنٹس کا خیال رہتا تھا اور نفع اور نقصان کے گوشواروں میں الجھا رہتا تھا۔ وہ اعداد و شمار کا آدمی تھا۔ اسے یہ خیال نہیں آتا تھا کہ یہ اعداد و شمار بھوک سے لڑنے والے غریب لوگوں کے ہیں۔ وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ بھوک حد سے گزر جائے تو بھوک سے نڈھال، کمزور انسان کتنے خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔ پال بوہر صرف اتنا جانتا تھا کہ اگر دنیا میں بھوکے لوگ موجود ہیں اور آپ کے پاس غذائی اجناس کا کنٹرول ہے تو اس کا مطلب مسلسل ہونے والی معقول آمدنی ہے۔ ڈیوڈ پیاریان کے نزدیک پال بوہر کا رویہ ناجائز حد تک سرد اور سفاکانہ تھا۔ تاہم اس کی تسلی کے لیے یہ بہت تھا کہ دنیا کے بھوکے لوگوں کو کسی بھی طرح پیٹ بھر کر کھانا میسر آ جائے۔

پال بوہر کا اصرار تھا کہ اس جدید طرز کی گولف گاڑی کو ڈیوڈ ہی ڈرائیو کرے گا انسانیت کی خاطر ڈیوڈ نے اسے قبول بھی کر لیا تھا۔ لیکن اسے وہ ہالی وڈ کی کسی فلم کا منظر لگ رہا تھا۔ ایسی فلمیں اس نے اپنے لڑکپن میں دیکھی تھیں۔ ایک بڑا سفید پرندہ آسمان سے ٹپکتا ہے۔ اس میں سے ایک سفید فام نجات دہندہ باہر آتا ہے، جو مقامی لوگوں کی مدد کے لیے آتا ہے۔ وہ لوگوں کی مدد کے لیے آیا تھا۔ وہ لوگوں کو سمجھاتا ہے کہ جو آتش فشاں پھٹنے والا ہے، اس کے پھٹنے کی وجہ ان کی بداعمالیاں اور گناہ نہیں ہیں۔ بلکہ یہ ایک قدرتی عمل ہے۔

یہاں جو بڑا سفید پرندہ اترا تھا، وہ تھورن انڈسٹریز کے چھوٹے ہیلی کاپٹروں میں سے ایک تھا۔ اور اس میں سے جو سفید فام برآمد ہوئے تھے، وہ رچرڈ تھورن اور بل ایتھرٹن تھے۔ اور مقامی لوگوں کو کامن مارکیٹ کی اہمیت سمجھانے کے لیے آئے تھے۔ (یہ کامن مارکیٹ کی اصطلاح بھی ڈیوڈ پیاریان کو سخت ناپسند تھی) اس کے نزدیک ساری سفید فام قوم میں ایشیا اور افریقہ کی رنگ دار قوموں کے خلاف ایک ہوگئی تھیں۔ اور وہ اس دور کی بے شمار قباحتوں کی طرح اس اشتراک کو فطری اور فائدہ مند ماننے پر مجبور تھا۔

ڈیوڈ پیاریان کمپنی کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا۔ اسے کمپنی کے بڑوں کے نظریاتی اختلافات کا بھی علم تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ یہ پال بوہر کے لیے ایک بہت بڑا اور اہم موقع ہے۔ اس کے ذریعے وہ رچرڈ تھورن کو یہ باور کرا سکتا تھا کہ اس کا انداز کار کمپنی کی ترقی کے لیے بہترین ہے۔ پیاریان کا خیال تھا کہ پال بوہر نے یونیورسٹی سے پیہم اصرار اور قائل کر کے رہنے کے مضامین میں ڈگری لی ہے۔ اس نے پال بوہر جیسا مستقل مزاج آدمی پہلے نہیں دیکھا تھا۔ پال میں صحیح وقت صحیح جگہ موجود رہنے کی غیر معمولی صلاحیت تھی۔ وہ جانتا تھا کہ کب اسے اپنی رائے پر ڈٹ جانا چاہیے اور کب پسپائی اختیار کرنی چاہیے۔ ہاں پسپائی اختیار کرنا اور بات تھی۔ لیکن پال بوہر اپنی کسی رائے اور کسی نظریے سے دست بردار ہونے کا قائل ہرگز نہیں تھا۔ اس کے لیے وہ مناسب وقت کا ان تھک انتظار کر سکتا تھا۔ اور اگر اسے لگتا تھا کہ وہ مناسب وقت کبھی نہیں آئے گا، تو وہ کسی بھی طرح وہ کچھ کر گزرتا تھا، جو اس کا کرنے کا ارادہ ہوتا۔ پال بوہر ہر حال میں جیتنے والوں میں تھا۔ اور رچرڈ تھورن کو چھوڑ کر کمپنی کے ہر شخص کے لیے خطرہ تھا۔ رچرڈ تھورن بھی صرف اس لیے محفوظ تھا کہ وہ کمپنی کا مالک تھا۔ اور پال بوہر جانتا تھا کہ جب تک وہ زندہ ہے، تھورن انڈسٹریز اس کی ملکیت رہے گی۔

ہیلی کاپٹر نے لینڈ کیا۔ سب نے ایک دوسرے سے ہاتھ ملائے۔ پھر چاروں افراد گولف گاڑی میں بیٹھ گئے۔ ڈیوڈ ڈرائیونگ سیٹ پر تھا۔ رچرڈ تھورن اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ باقی دونوں پچھلی نشست پر تھے۔

پال بوہر گاڑی میں بیٹھتے ہی شروع ہوگیا۔ اس کا ہدف رچرڈ تھورن تھا۔ اور اس کی کوشش یہ تھی کہ بل ایتھرٹن کے اعتراضات کو زبان پر لانے سے پہلے ہی پوری طرح غیر موثر کر دے۔

''بل اس معاملے میں غلطی پر ہے۔'' پال بلند آواز میں کہہ رہا تھا ''میری رپورٹ واضح کرتی ہے کہ فی الوقت تھورن انڈسٹریز کے مفادات توانائی اور الیکٹرونکس کے شعبوں میں ہیں۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔ جبکہ میرا کہنا یہ ہے کہ ہم اس معاملے میں جانب داری برت کر دوسرے بے حد اہم امکانات کو نظر انداز کرنے کی غلطی کرتے آرہے ہیں۔ لیکن یہاں، اس پلانٹ پر جو کچھ ہو رہا ہے، اسے نظر انداز کرنا تھورن انڈسٹریز کی کاروباری صحت کے لیے بے حد مضر ہے۔ یہ ہمارے منافع کے مستقبل کے لیے اچھا نہیں۔ ہمارا مستقبل کا منافع صرف اور صرف قحط میں ہے۔ دنیا میں جہاں قحط پڑے گا، وہیں سے ہمیں کثیر منافع حاصل ہوگا۔''

ایتھرٹن اکراہ بھرے انداز میں کراہا۔ ''تمہارا یہ جملہ تمہارے مزاج کے عین مطابق ہے پال۔'' اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے بدمزگی سے کہا۔ اس کے لہجے میں حقارت تھی۔ ''یہ بڑی سنگ دلانہ اور سفاکانہ بات ہے......''

''یہ محض ایک سچائی ہے۔ خالص سچائی!'' پال بوہر نے اس کی بات کاٹ دی۔

بل نے آگے کی طرف جھکتے ہوئے اسے نظر انداز کر دیا۔ اب وہ براہ راست رچرڈ سے مخاطب تھا۔ ''رچرڈ۔'' اس کے لہجے میں بے تابی تھی۔......اپیل تھی۔ ''اگلے بیس برس میں مشرق وسطیٰ سے خریدا جانے والا تیل ہمارے ملک کو بیس بلین ڈالر سالانہ کا پڑے گا۔ خوش حالی دشوار تر ہوتی جا رہی ہے۔ وہ راستے میں پڑی نہیں ملے گی۔ ایک گیلن پٹرول کی قیمت ایک ڈالر ہو جائے گی تو خوش حالی کہاں سے آئے گی۔ اپنی قوم کے لیے اور پوری دنیا کے لیے ہماری اہم ترین ذمہ داری کم قیمت پر توانائی کی فراہمی ہے۔ ہمیں اپنا وقت اور اپنی دولت متبادل توانائی کی تلاش میں صرف کرنی ہوگی۔ جو پروگرام ہم شروع کر چکے ہیں، ان سے پیچھے تو نہیں ہٹا جا سکتا۔ ہم شمسی توانائی، نیوکلیر توانائی اور ایسے ہی کئی میدانوں میں کام شروع کر چکے ہیں۔ ان میدانوں میں جو ہم نے ترقی کی ہے، کیا اس سے منہ موڑ لیں؟ کیا یہ کام ادھورا ہی ترک کر دیں؟ یہ تو وقت اور دولت کا بدترین زیاں ہوگا۔''

''جہاں تک وقت کا تعلق ہے بل۔'' پال بولا۔ ''تو جتنی دیر تم نے توانائی کی اہمیت پر اور مستقبل پر شاندار گفتگو کی، اس دوران 8 افراد بھوک سے ختم ہو گئے۔ ہر آٹھ اعشاریہ چھ سیکنڈ میں دنیا میں کہیں نہ کہیں ایک انسان بھوک سے مر جاتا ہے۔ ہر ایک منٹ میں 7، ہر گھنٹے میں 420 افراد اور ہر روز دس ہزار افراد بھوک کا شکار ہو کر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ یہ ہے صورت حال۔''

بل ایتھرٹن نے اپنا غصہ اور ناپسندگی چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ ''تم کہنا کیا چاہتے ہو پال؟''

پال کا انداز ایسا تھا، جیسے وہ کسی ناسمجھ بچے کو سمجھا رہا ہو۔ ''میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ توانائی کے حصول کے نئے ذرائع دریافت کرنے کی کیا اہمیت ہے؟ اگر ان سے استفادے کے لیے روئے زمین پر کوئی انسان نہ رہے۔''

رچرڈ تھورن نے اس موقع پر مداخلت کا فیصلہ کر لیا۔ ''یہ نقشہ کچھ زیادہ ہی ہولناک نہیں ہے۔'' اس نے پوچھا۔

''وہ دن بہت قریب آ چکا ہے رچرڈ جب بھوک روئے زمین سے انسانوں کا نشان بھی مٹا دے گی۔'' پال بوہر نے پرجوش لہجے میں کہا۔ ''وہ دن تمہاری توقع سے بہت پہلے آنے والا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ تم اپنی بات پوری کرو۔'' رچرڈ نے کہا۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ پال بوہر اپنی بات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے۔ لیکن اس کے جبلی اندازے خطرناک حد تک درست ہوتے ہیں۔ اور ویسے بھی، دونوں طرف کی بات پوری طرح سننا سودمند ہی ہوتا ہے۔ خواہ کسی کا نکتہ نظر کیسا ہی کیوں نہ ہو۔

پال بوہر نے ڈرامائی انداز میں سکون کی سانس لی۔ وہ اداکار بہت اچھا تھا۔ ''مجھے امید نہیں تھی کہ تم مجھ سے یہ کہو گے۔''

عقبی سیٹ پر بل ایتھرٹن نے سوگوارانہ انداز میں سینے پر صلیب کا نشان بنایا۔ ڈیوڈ پیاریان نے عقب نما میں یہ منظر دیکھا تو مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ ایک زمانہ تھا کہ سچائی اور خلوص کی اہمیت تھی۔ لیکن یہ دور تھیٹر کے انداز کی پرفارمنس کا تھا۔ اور پال بوہر تو اپنا مقصد پورا کرنے کے لیے ہر حال میں راہ نکال لیتا تھا۔

گولف گاڑی تیزی سے گرین ہاؤس کی طرف بڑھ رہی تھی، جو کہ اس کی منزل تھی۔ اس کے چاروں مسافر گفتگو میں اتنے کھوئے ہوئے تھے کہ انہیں وہ گارڈ نظر ہی نہیں آیا' جو انہیں دیکھ کر بہت تن دہی سے ہاتھ ہلا کر اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کیونکہ رچرڈ تھورن کے لیے ایک ارجنٹ کال آئی تھی۔

گرین ہاؤس کے اندر وہ چاروں ایک طویل روش پر آگے بڑھ رہے تھے۔ ان کی نظروں کے سامنے جو کچھ تھا، اسے ہرے رنگ کا لامتناہی سمندر ہی کہا جاسکتا تھا وہ بالکل خاموش تھے۔ جو کچھ وہ دیکھ رہے تھے، وہ بے حد تعجب خیز تھا۔ وہ گنگ ہو کر رہ گئے تھے۔ وہاں ایک بڑی میز تھی ،جس پر غیر معمولی طور پر بڑی ترکاریاں تھیں...... کدو، لوکی، توری، شلغم، مولی، چقندر وغیرہ۔ ان کا سائز دیکھ کر یقین نہیں آتا تھا کہ وہ اصلی ہیں۔

پال بوہر نے دیکھ لیا تھا کہ بل ایتھرٹن بھی متاثر ہوا ہے۔ اس بات سے اسے دلی خوشی ہوئی تھی۔ لیکن ظاہری طور پر وہ بے پروا نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ دھیمی آواز، ڈرامائی انداز میں اپنی Presentation جاری رکھے ہوئے تھا۔ ''کہتے ہیں، کسی زمانے میں ایک شخص تھا، جو ہر ایک سے پوچھتا پھرتا تھا...... کیا سمندر میں ہل چلایا جاسکتا ہے؟ لوگ سمجھتے تھے کہ وہ پاگل ہے۔ لیکن ایسا نہیں تھا۔ بس وہ اپنے وقت سے آگے تھا۔ ایسے لوگ عام انسانوں کو پاگل ہی لگتے ہیں۔ اس کے سوال کا جواب ہے۔ ہاں...... سمندر میں ہل چلایا جاسکتا ہے، کاشت کاری کی جاسکتی ہے۔ نہ صرف کی جاسکتی ہے۔ بلکہ کی جانی چاہیے۔ ہائیڈروپونکس اس کی کوشش کا محض نکتہ آغاز ہے۔''

وہ اس روش پر آگے بڑھ رہے تھے۔ دونوں اطراف سبزیوں اور ترکاریوں کے قطعے تھے۔ وہاں لگی ہوئی ترکاریوں کے رنگ اپنے قدرتی رنگ سے کہیں زیادہ چمک دار اور سبز تھے۔

آگے بڑھے تو وہ اس حصے میں پہنچے، جہاں مختلف چارٹس اور گرافس آویزاں تھے۔ وہ نباتات کی غیر معمولی نمو سے متعلق تکنیکی معلومات تھیں۔ اس کے علاوہ وہاں نمائشی چیزیں بھی تھیں۔

''یہاں آپ کو یہ اندازہ ہوگا کہ عہد جدید کے کاشت کار کو کیسا ہونا چاہیے۔'' پال بوہر کہہ رہا تھا۔ ''وہ یہاں اپنے سینٹرل ٹاور میں کنٹرول پیڈ کے سامنے بیٹھے گا۔ ٹیلی وژن اور کمپیوٹر کے ذریعے اسے اپنے کھیتوں کے بارے میں معلومات حاصل ہوں گی۔ اس کے لیے ہل چلانے کا کام الٹراسونک لہریں انجام دیں گی، جو ریموٹ کنٹرول کی مدد سے چلنے والے جہاز اس کی زمین پر برسائیں گے۔ اس کے کمپیوٹر کی مشینی انگلیاں کاشت کاری کے تمام مرحلوں میں کام کریں گی۔ وہ انگلیاں ہی پھل اور سبزیاں توڑ کر جمع کریں گی' اور انہیں درجہ بندی کے بعد مختلف کریٹس میں محفوظ کریں گی۔''

حیران اور متاثر بل ایتھرٹن نے پہلی بار زبان کھولی۔ ''اس سے بھوکے بنگالیوں کو کیا فائدہ ہوگا؟''

''انہیں غذا میسر آئے گی۔'' پال بوہر نے تقریباً چیخ کر کہا۔ اس مرحلے پر وہ خود پر جذباتیت طاری کر رہا تھا۔ ''بنگالی اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ صرف ایک پلیٹ ابلے چاول کھا کر وہ دن بھر مشقت کر سکتے ہیں۔ لیکن اس طرح انہیں دنیا بھر کی نعمتیں مل سکیں گی۔ اس کے بعد وہ کتنی محنت کر

سکتے ہیں، اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔'' وہ سانس لینے کے لیے رکا۔ پھر وہ دوبارہ بولا تو اس کا لہجہ اور پر جوش تھا۔'' مگر اس کے لیے ہمیں سمندر میں کاشت کرنی ہوگی...... پہلا قدم بڑھانا ہوگا۔ ہمیں زمین خریدنی ہوگی یا کرائے پر حاصل کرنی ہوگی۔ ہمیں فصلوں پر اور جانوروں پر کنٹرول حاصل کرنا ہوگا۔ ہم ایسی کیمیائی کھاد بنائیں گے، جو غذائی اجناس میں ہر اعتبار سے اضافہ کرے، اسے بڑھائے...... سائز میں بھی اور مقدار میں بھی۔ ہمیں ایسی مشینری بنانی ہوگی، جو بنجر زمینوں کو بھی زرخیز بنادے۔ جو آلودگی کے باوجود سمندر میں کھیت اگادیں۔''

''اور تمہاری کیا حیثیت ہوگی؟'' بل ایتھرٹن نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔'' تم اس انقلاب کے رہنما ہو گے...... زار؟''

پال بوہر کو جیسے توہین کا کوئی احساس نہیں ہوا۔ اس نے خود کلامی کے انداز میں، دھیمی آواز میں کہا۔'' میں آپ کو بتاؤں۔ میکسیکو کے پہاڑی علاقوں میں ایک قبیلہ آباد تھا۔ اس کی زمین بڑی زرخیز تھی۔ مگر وہ آلات کاشت کاری سے محروم تھے۔ ان کے پاس اس زمین سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے لیے ٹیکنالوجی نہیں تھی۔ وہاں ایک امریکی کمپنی بھی تھی، جو وہاں سڑکیں بنا رہی تھی۔ وہ اپنا کام مکمل کر کے وہاں سے رخصت ہونے لگے تو انہوں نے میکسیکن لوگوں کو ایک ٹریکٹر دیا اور اس کے استعمال کا طریقہ انہیں سکھایا۔ اس کے بعد ان مقامی لوگوں کو کاشت کاری کا ہنر آ گیا۔ جانتے ہو ،انہوں نے ٹریکٹر کا کیا کیا۔''

''انہوں نے ٹریکٹر کو کھا لیا۔'' پیاریان بولا۔ وہ پہلا موقع تھا کہ اس نے زبان کھولی تھی۔

یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ پال بوہر اس طنز اور تمسخر کو نہیں سمجھ سکا یا اس نے دانستہ اسے نظر انداز کر دیا۔'' انہوں نے اس ٹریکٹر کے گرد ایک چرچ تعمیر کر دیا۔'' اس نے خود اپنے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔'' انہوں نے ٹریکٹر کو قربان گاہ پر رکھ دیا اور صبح شام اس کے سامنے گھٹنے ٹیکتے تھے، اس کی پرستش کرتے تھے۔''

بل ایتھرٹن کو اس لمحے اپنا جسم سرد ہوتا محسوس ہوا۔ کیا پال بوہر دنیا کی اس طرح کی اکثریت کے لیے خدا بننا چاہتا ہے۔

اس وقت سفید کوٹ والا ایک ٹیکنیشین بھاگتا ہوا ان کی طرف آیا۔'' ایکسکیوزمی مسٹر تھورن۔'' اس نے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان کہا ۔'' لیکن آپ کو فون پر بلایا جا رہا ہے کوئی بہت ارجنٹ بات ہے۔''

رچرڈ نے شکریہ ادا کیا اور اپنے تینوں ساتھیوں سے معذرت کی۔ پھر وہ کال ریسیو کرنے کے لیے چلا گیا۔ اس کی عدم موجودگی میں بھی ڈسکشن جاری رہی۔'' تیل کمانے والے ممالک ہماری شہ رگ پہ خنجر ٹکائے بیٹھے ہیں۔ یہ بات سمجھتے ہونا تم؟'' پال بل ایتھرٹن سے کہہ رہا تھا۔'' تمہیں ان کو کنٹرول کرنا ہے۔ جواب میں ہم ان کے پیٹ پر خنجر رکھ سکتے ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ تم بھوکے مر رہے ہو۔ ہمارے پاس غذائی اجناس ہیں۔ وہ تمہیں تیل کے بدلے مل سکتی ہیں۔ کیا تم میری اس پالیسی کو غیر اخلاقی قرار دو گے؟ میں ایسا نہیں سمجھتا۔ ہمارے سامنے ایک راستہ ہے اور یہ قانون بقا ہے۔''

''میں اسے جانوروں کا قانون بقا قرار دوں گا۔ انسانوں کا نہیں۔'' بل ایتھرٹن نے حقارت سے کہا۔'' اور ہم انہی بھوکے لوگوں کو اپنے لیے کاشت کار بنائیں گے۔ یہ تو غلامی کو فروغ دینا ہوا۔''

''میں انہیں غلام نہیں، خریدار کہوں گا۔ ہر آدمی اپنے پیٹ کا غلام ہے۔''

ڈیوڈ پیاریان پال کو ناپسند کرتا تھا۔ اس کے بے رحمانہ رویے اس کے لیے ناقابل قبول تھے۔ لیکن وہ بھوکے پیٹ بھرنے کو عبادت سمجھتا تھا۔ اور ڈیوڈ بہر حال بھوک مٹانے کی بات کر رہا تھا۔ ''میں پال سے متفق ہوں۔'' وہ بولا ''تمہیں اس نئی جہت میں قدم رکھنا چاہیے۔''

اسی لمحے رچرڈ تھورن واپس آ گیا۔ اسکا چہرہ زرد تھا۔ ''رات آنٹی ماریان کا انتقال ہو گیا'' اسنے کہا۔ ''موت دم گھٹنے کی وجہ سے ہوئی۔''

بل ایتھرٹن کو دیکھ کر لگتا تھا کہ اسے زبردست شاک لگا ہے۔ ''اوہ رچرڈ...... مجھے بہت افسوس ہے۔''

رچرڈ نے اس کے جواب میں سر کو جنبش دی۔ اس وقت وہ اپنے ذہن میں یہ سوچ رہا تھا کہ اسے کیا کیا کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے۔ ''اب مجھے تو یہاں سے فوراً جانا ہو گا۔'' اس نے بل سے کہا ''تم مجھے ہیلی کاپٹر تک چھوڑ دو گے؟''

''کیوں نہیں۔''

''پال، تم فوراً کوئی فون پکڑو اور بورڈ آف ڈائریکٹرز کو مطلع کرو۔ جو ڈائریکٹرز ملک سے باہر ہیں، انہیں پلانٹ منیجر کی تعیناتی کے بارے میں یقینی اطلاع ہونی چاہیے۔''

''اس طرف سے بے فکر رہو رچرڈ۔'' پال بوہر نے کہا۔

''تدفین تین دن کے بعد ہو گی۔ دس دن کے اندر بورڈ آف ڈائریکٹرز کی میٹنگ ہونی ہے۔''

رچرڈ نے سب سے ہاتھ ملائے اور بل ایتھرٹن کے ساتھ چل دیا۔

پال بوہر نے جاتے جاتے اس کے کوٹ کی آستین تھام لی۔ ''رچرڈ...... کیا یہ ممکن نہیں کہ صبح کا ناشتہ میں تمہارے ساتھ کروں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس پروجیکٹ کے بارے میں حتمی گفتگو کر لی جائے۔''

اس کی بات سن کر بل ایتھرٹن کو جھٹکا لگا۔ وہ تدفین کے موقع پر بھی کاروباری معاملات کو اولیت دے رہا تھا۔

لیکن رچرڈ کا ردعمل مختلف تھا۔ ''ضرور...... تم صبح آٹھ بجے میرے اپارٹمنٹ آ جانا۔'' یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔ بل ایتھرٹن اسکے پیچھے تھا۔

ڈیوڈ پیاریان بھی پال بوہر کی بے رحمی پر حیران تھا۔ پال کسی بھی حال میں وقت ضائع کرنے کا قائل نہیں تھا۔ ایک بوڑھی عورت مر گئی تو کیا؟ دنیا کا کوئی کام کسی کی وجہ سے نہیں رکتا ہے۔ پال بوہر تو زندہ ہے۔ وہ اپنے آئیڈیے کو رچرڈ تھورن پر تھوپتا رہے گا۔ یہاں تک کہ تھورن انڈسٹریز اپنی پالیسی کے اعتبار سے اس راہ پر چل پڑے گی، جو اس نے سوچی اور تجویز کی ہے۔

پال بوہر نے ڈیوڈ کی سوچوں کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ ''تھورن فیملی شہر واپس آ چکی ہے نا؟''

ڈیوڈ پیاریان نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''ہاں...... آج واپس آئے ہیں وہ۔''

''موسم سرما پھر نہیں گزرے گا۔'' پال نے کہا اور فون کے لیے چل دیا۔ اسے رچرڈ کی بات پر عمل کرنا تھا۔

مرنے کے بعد بھی ماریان تھورن راستے کا کانٹا ہی ثابت ہوئی ہے۔ پال بوہر سوچ رہا تھا۔

عین اس لمحے بحرِ اوقیانوس سے تیس ہزار فٹ اوپر ایک اسرائیلی مسافر بردار طیارہ مغرب کی طرف پرواز کر رہا تھا۔ اسرائیل ایئر لائیز کا وہ طیارہ تل ابیب ائیر پورٹ سے روانہ ہوا تھا۔

جہاز کے ٹورسٹ سیکشن میں ایک بے حد پرکشش انگریز عورت سفر کر رہی تھی۔ سیاہ بالوں اور نہایت چمکیلی آنکھوں والی اس عورت کا نام جوآن ہارٹ تھا۔ ڈاکٹر وارن نے رچرڈ سے اس کے سلسلے میں بات کی تھی۔ مگر وہ اس گفتگو کے نتائج سے بے خبر تھورن کا انٹرویو لینے کے لیے امریکا جا رہی تھی۔ جبکہ رچرڈ تھورن کو انٹرویو دینا پسند نہیں تھا۔ رچرڈ تھورن کو اس انٹرویو کی صحیح غرض و غایت کا علم بھی نہیں تھا۔ وہ بے چارہ تو یہ سمجھ رہا تھا۔ کہ جوآن ہارٹ اس سے اس کے میوزیم اور آثارِ قدیمہ پر بات کرنا چاہتی ہے۔

سات سال پہلے جوآن کا عزیز دوست مائیکل مورگن پر اسرار انداز میں غائب ہوا تھا۔ اس وقت سے اب تک جوآن اس سلسلے میں تفتیش کرتی رہی تھی۔ اس نے پورا ماضی چھان مارا تھا ڈیمین تھورن سے تعلق رکھنے والے افراد کی اموات کے بارے میں اس نے نہایت باریکی سے چھان بین کی تھی۔ اس کے علاوہ اس عرصے میں وہ بائبل کو گھول کر پی گئی تھی۔

اب جوآن ہارٹ پر حقیقت پوری کھل چکی تھی۔ وہ محسوس کرتی تھی کہ خدا نے اسے ایک بڑی ذمہ داری ایک بڑے کام کے لیے منتخب کر لیا ہے۔ اگرچہ بیوگن ہیگن نے اپنے روحانی پیش رو کی حیثیت سے مائیکل مورگن کو منتخب کیا تھا۔ لیکن خدا کی مرضی اور تھی۔ بیوگن ہیگن کا انتخاب اس کے ساتھ ہی فنا کے گھاٹ اتر گیا تھا۔

بیوگن اور مائیکل کی ملاقات کے دوران وہ بھی موجود تھی۔ اس نے ان کے درمیان ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ سنا تھا۔ وہ اس وقت وہاں اپنی موجودگی کو محض ایک اتفاق ماننے کو تیار نہیں تھی۔ بلکہ اس نے نامکمل چھوڑے ہوئے کام کی تکمیل کو اپنا مشن بنا لیا تھا۔ اس کا مشن یہ تھا کہ اینٹی کرائسٹ اپنی تیرھویں سالگرہ منانے کے لیے زندہ نہ رہے۔ کیونکہ جس دن وہ تیرہ سال کا ہوگا، اسے معلوم ہو جائے گا کہ درحقیقت وہ کون ہے، اور کس کام سے دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ اور جب وہ اپنی حیثیت اور اپنی قوتوں سے آگاہ ہو جائے گا تو اسے ختم کرنا آسان کام نہیں ہوگا۔

لیکن مسئلہ یہ تھا کہ اس کی بات پر کسی کو یقین نہیں تھا، سوائے ایک شخص کے۔ اور اس شخص کو بھی اس سے بنیادی اختلاف تھا۔ اس ایک شخص کے علاوہ سب نے اس کا مذاق اڑایا تھا۔ لوگ اسے توہماتی اور ضعیف الاعتقاد قرار دیتے تھے۔ یہ تو اس کے جاننے والوں کا حال تھا۔ اور جو لوگ اسے ٹھیک سے نہیں جانتے تھے، ان کا کہنا تھا کہ وہ پاگل ہو چکی ہے۔

بیوگن ہیگن اور مائیکل کی پراسرار گمشدگی کے بعد اس نے اس معاملے کی تحقیق کی تھی۔ یوں اسے حنیف کے بارے میں معلوم ہوا۔ حنیف اس کہانی کا بے حد اہم کردار تھا۔ وہ ہر مرحلے میں رابرٹ تھورن کے ساتھ رہا تھا۔

اس نے حنیف کو تلاش کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ناکام رہی۔ ویسے بھی وہ آزاد پنچھی تھا...... فری لانس فوٹو گرافر۔ وہ کسی اخبار یا رسالے سے وابستہ نہیں تھا۔ سب کا یہی کہنا تھا کہ وہ غیر معمولی تصویریں کھینچتا ہے اور مہنگے داموں فروخت کرتا ہے۔ اس کے ایک دوست کے ذریعے اسے

اس کے فلیٹ کا پتا چلا۔

وہ اس پتے پر پہنچی تو وہاں تالا لگا ہوا تھا۔ اس نے سوچا' وہ کہیں گیا ہوگا۔ وہ دوبارہ گئی مگر ہر بار اسے دروازے پر تالا ہی نظر آیا۔ اس نے بلڈنگ کے چوکیدار سے بات کی۔

''تم اس سنکی فوٹو گرافر کے بارے میں پوچھ رہی ہو؟''

''ہاں......وہ فوٹو گرافر ہی ہے؟''

''اور مسلم ہے؟''

''ہاں۔''

''وہ پچھلے مہینے یہاں سے چلا گیا۔''

''کہاں چلا گیا؟''

چوکیدار نے کندھے جھٹکے۔ ''یہ تو مجھے نہیں معلوم''

''اس نے کوئی پتا تو چھوڑا ہوگا۔''

''میں نے کہا نا، مجھے نہیں معلوم۔'' چوکیدار نے بے رخی سے کہا۔

''تو کیسے معلوم ہوگا؟''

''بلڈنگ کے منتظم سے معلوم کرو۔''

''وہ کہاں ملے گا۔''

''ملے گا نہیں ملے گی۔'' چوکیدار نے کہا۔ چوتھی منزل پر اس کا اپارٹمنٹ ہے

اس نے چوکیدار کا شکریہ ادا کیا اور زینوں کی طرف بڑھ گئی۔

اس کی دستک کے جواب میں جس خاتون نے دروازہ کھولا اس کی عمر ساٹھ سے اوپر ہوگی۔ اس کے چہرے سے ہی اس کی بدمزاجی اور چڑ چڑے پن کا اندازہ ہو رہا تھا۔ ''کیا بات ہے؟'' اس نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں پوچھا۔

''مجھے حنیف ارشد سے ملنا ہے۔'' اس نے کہا۔ پھر جلدی سے اضافہ کیا۔ ''مجھے اس کا پتا چاہیے۔''

''وہ پاکستان چلا گیا ہے۔''

خاصی دیر جھک مارنے کے نتیجے میں جو آن کو بالآخر حنیف ارشد کا پتہ مل گیا...... پتا بھی اور فون نمبر بھی۔

پہلے اس نے فون پر حنیف سے بات کی۔ اس نے اپنا تعارف کرایا تو پتا چلا کہ وہ اس کے نام سے واقف ہے۔ اس نے کہا کہ وہ پاکستان آ کر اس سے ملنا چاہتی ہے تو حنیف بھڑک گیا۔ اس نے ڈیمین اور تھورن فیملی کا حوالہ دیا تو وہ حیران ہوا۔ ''جو کہانی ختم ہو گئی، تم اس میں کیوں دلچسپی

لے رہی ہو۔؟“

”کہانی ختم نہیں ہوئی بلکہ اب شروع ہوئی ہے۔“

”بہر حال میں اس سلسلے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتا۔“

”میں صرف وہ تفصیل جاننا چاہتی ہوں، جس سے اس وقت تمہارے سوا کوئی واقف نہیں۔“

خاصی رد وقدح کے بعد حنیف نے ہامی بھرلی۔ ”اب میں اتنا بداخلاق بھی نہیں ہوں کہ تم اتنی دور سے آؤ اور تم سے نہ ملوں۔“

پاکستان جانے سے پہلے جوآن نے حنیف کے بارے میں معلومات جمع کیں۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اس کا کوئی دوست نہیں تھا۔ فیلڈ کے جتنے لوگ اس کے ملنے والے تھے، وہ اس کی زبان سے شاکی تھے۔ سبھی کا کہنا تھا کہ اسے زیادہ دیر برداشت کرنا آسان کام نہیں۔ سب اس بات پر متفق تھے کہ وہ مسلمان بھی بس نام کا ہی ہے۔ وہ ایسا آدمی ہے جو دیکھے، سمجھے بغیر کسی بات، کسی چیز پر یقین نہیں کرتا۔ اور تمیز، تہذیب، ادب آداب سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اس سے بات کرتے ہوئے بدتمیزی کی توقع رکھنا ضروری ہے۔

جوآن پاکستان جا کر اس سے ملی تو حیران رہ گئی۔ جیسا اس نے وہ سنا تھا اس سے بہت مختلف آدمی ثابت ہوا۔

وہ کراچی میں چار کمروں کے ایک فلیٹ میں اکیلا رہتا تھا۔ اس نے بڑے تپاک سے جوآن کا خیر مقدم کیا۔ اس کی وضع قطع بھی جوآن کے تصور سے مختلف تھی۔

”آؤ...... آرام سے بیٹھو۔“ حنیف نے کہا۔

جوآن بیٹھ گئی۔ مگر اس کی حیرت اس کے چہرے سے عیاں تھی۔

”تم اتنی حیران کیوں نظر آ رہی ہو؟“

”تمہارے بارے میں جو کچھ سنا تھا، تم اس سے بالکل مختلف ہو۔“

”ہاں میں تیزی سے بدلا ہوں۔ اسی لیے تو وطن واپس آ گیا ہوں۔“ حنیف نے گہری سانس لے کر کہا۔ ”خیر یہ بتاؤ، کیا لوگی......؟“

جوآن نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ اس نے جلدی سے وضاحت کی۔ ”یہ ذہن میں رکھنا کہ شراب میں سرو نہیں کرسکوں گا۔ اور مجھے اس پر شرمندگی نہیں ہے۔“

جوآن نے دل میں سوچا کہ اکھڑ پن کا تو اب بھی وہی عالم ہے۔ ”کافی پلوا دو۔“ اس نے کہا۔

”میں ابھی بنا کر لاتا ہوں۔ چند منٹ کے لیے معذرت۔“

”اتنی دیر میں اجازت ہو تو میں تمہارا فلیٹ دیکھ لوں۔“

”ضرور۔“

وہ کچن میں چلا گیا۔ جوآن نے فلیٹ کا جائزہ لیا۔ جہاں وہ بیٹھی تھی، وہ ڈرائنگ روم تھا۔ اس کی آرائش میں سادگی تھی۔ پھر ٹی وی لاؤنج

تھا۔ وہاں ٹی وی کے علاوہ کمپیوٹر بھی تھا، ایک بیڈروم تھا، جہاں ڈبل بیڈ تھا۔ دوسرے بیڈروم کو جو زیادہ بڑا تھا، حنیف نے اسٹڈی اور لائبریری بنادیا تھا۔ دو دیواروں پر شیلف تھے، جن میں سلیقے سے کتابیں رکھی تھیں۔ کتابیں انگلش عربی اور اردو زبانوں میں تھیں۔ موضوع مشترک تھا۔ وہاں صرف علوم ادیان پر کتابیں تھیں۔ کھڑکی کے ساتھ ایک رائٹنگ ٹیبل تھی۔ اور ایک ریوالونگ چیئر۔

جوآن کی حیرت دوچند ہوگئی۔ ایک ایسا شخص جو خدا پر یقین نہیں رکھتا، اس کے پاس دینی کتب کا اتنا بڑا ذخیرہ!

''آ جاؤ بھئی کافی تیار ہے'' حنیف کی آواز آئی۔

جوآن ڈرائنگ روم کی طرف چل دی۔ وہاں حنیف کافی لیے بیٹھا تھا۔ ''کیا تمہارے چہرے کی بناوٹ ہی ایسی ہے کہ ہر وقت حیران نظر آتی ہو؟''

''نہیں میں سچ مچ حیران ہوں...... بہت حیران''!

''وجہ۔''

''وجہ نہیں، وجوہات ہیں۔'' جوآن نے گہری سانس لے کر کہا۔ ''ایک وجہ یہ ہے کہ تم پروفیشنل فوٹو گرافر ہو اور چار کمروں کے اس فلیٹ میں ڈارک روم موجود نہیں۔ دوسرے میری معلومات کے مطابق تم مذہب سے بے تعلق ہو۔ مگر اتنی بڑی لائبریری میں صرف دینی کتب ہیں۔ تیسرے مجھے بتایا گیا تھا کہ تم لباس کے معاملے میں بے ڈھنگے ہو۔ مگر میں تمہیں خوش لباس دیکھ رہی ہوں۔ چوتھے میں نے تمہیں اکھڑ اور بدتمیز نہیں پایا۔ اب بتاؤ، کیا میری حیرت بے جا ہے؟''

''نہیں۔ اب میں تمہیں جواب دوں گا۔ فوٹو گرافی میں نے چھوڑ دی۔ اور میں نے سمجھ لیا کہ دین کے علاوہ کوئی پناہ گاہ باقی نہیں رہی ہے۔ باقی تبدیلیاں دین سے تعلق جڑنے کی وجہ سے ہیں۔''

''تم نے فوٹو گرافی چھوڑ دی! تو اب کیا کرتے ہو؟''

''اب میں لکھتا ہوں اب بھی آزاد...... فری لانسر۔ اخبارات میں میرے آرٹیکل شائع ہوتے ہیں۔''

''دین پر؟''

''نہیں۔ حالات حاضرہ پر۔''

''اس تبدیلی کی وجہ؟''

''بہت ہی خاص وجہ ہے لیکن......'' وہ کہتے کہتے رکا۔''اسے بداخلاقی نہ سمجھو تو میں یہ یاد دلا دوں کہ تم یہاں مجھے سمجھنے اور میرے بارے میں جاننے کے لیے نہیں آئی ہو۔ تمہاری یہاں آمد کا مقصد کچھ اور ہے۔''

''مجھے یاد ہے۔ مگر میرے خیال میں تمہاری تبدیلیوں کا تعلق بھی اس سے ہے خیر...... مجھے رابرٹ تھورن اور ڈیمین تھورن کے بارے میں تفصیل بتاؤ۔''

حنیف نے تمام واقعات یوں دہرائے، جیسے کوئی منظر دیکھ کر بیان کر رہا ہو۔ اس کے بیان میں کہیں کوئی بے ترتیبی نہیں تھی۔ تقدیم وتاخیر کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ وہ واضح اور صاف کہانی تھی۔

''تمہاری کیا رائے ہے اس سلسلے میں؟'' جوآن نے پوچھا۔

''جب سے یہ معاملہ سامنے آیا میں نے مطالعہ شروع کیا۔ اس چیز نے مجھے دین کے قریب کر دیا۔ میں صورت حال کو سمجھنا چاہتا تھا۔ جو میں نے سمجھا تھا، رابرٹ تھورن کو بھی بتا دیا تھا۔ میں نہیں مانتا کہ ڈیمین تھورن اینٹی کرائسٹ یعنی دجال ہے۔ ہاں، میں اسے ایک بہت بڑا فتنہ مانتا ہوں۔ میں اسے شیطان کا نمائندہ تسلیم کرتا ہوں۔ اس لیے کہ تمام متعلقہ لوگوں کی اموات پراسرار طور پر ہوئیں۔ حملہ تو مجھ پر بھی ہوا۔ میں معجزانہ طور پر بچ گیا۔ شاید اس لیے کہ اس وقت میرا ایمان قائم ہو چکا تھا کہ اللہ کے حکم کے بغیر مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ ہی سب سے بڑا بچانے والا ہے۔ اور میری زندگی اس بات کا ثبوت ہے۔''

''تم نے پراسرار اموات کی بات کی۔ لیکن رابرٹ تھورن کو تو ایک پولیس مین نے شوٹ کیا......اور وہ بھی فطری حالات میں۔'' جوآن نے اعتراض کیا۔

''بظاہر ایسا لگتا ہے کہ کوئی بھی رابرٹ تھورن کو اس حال میں دیکھتا کہ وہ اپنے بچے کو قتل کرنے والا ہے تو اسے شوٹ کر دیتا۔ مگر میں یہ ثابت کر سکتا ہوں کہ وہ شیطان کی کارروائی تھی شیطان اپنے اہم ترین مہرے کو یوں کیسے کٹنے دیتا۔ اس مہرے کو بچانے کے لیے اس نے رابرٹ تھورن کو ختم کرا دیا۔ اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ ڈیمین کے راستے کا ایک کانٹا صاف ہو گیا۔''

''تم یہ کیسے ثابت کرو گے کہ وہ شیطان کی کارروائی تھی۔''

''یہ تو خود پولیس کی رپورٹ بتاتی ہے۔ جس شخص نے پولیس کو رابرٹ تھورن کی وحشت کے بارے میں اطلاع دی، اس کے معدے میں اس وقت اتنی شراب تھی کہ وہ نہ تو اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکتا تھا اور نہ ہی اسے کچھ سجھائی دینا چاہیے تھا۔ پولیس خود اس بات پر حیران ہے کہ اس نے وہ سب کچھ کیسے دیکھا، سمجھا اور پولیس کو مطلع کیا۔ وہ تو ٹوٹل بلیک آؤٹ کی کنڈیشن میں تھا۔''

''یہ بات معقول ہے۔ مگر رابرٹ تھورن کے وجود سے ڈیمین کو کیا نقصان تھا؟''

''پہلا تو یہی کہ رابرٹ تھورن ڈیمین کی اصلیت جان چکا تھا اور اس کی جان کے درپے تھا۔ دوسرا اس بات پر غور کرو کہ ابن ابلیس کی پرورش کے لیے شیطان کے چیلوں نے رابرٹ تھورن کو ہی کیوں منتخب کیا؟ اس لیے کہ وہ دنیا کے امیر ترین افراد میں سے تھا۔ یہی نہیں، اس نے اپنا ایک سیاسی پس منظر بھی بنا لیا تھا۔ اگر وہ مر نہ جاتا تو اس کا امریکی صدر بننا یقینی تھا۔ اور امریکی صدر ایک ایسی قوت ہے جو پوری دنیا پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی اہمیت بڑھتی جائے گی مستقبل میں ڈیمین کی منزل بھی یہی ہے۔''

''تو تمہارے خیال میں ڈیمین کی راہ میں اور کانٹے بھی ہیں جو ہٹائے جائیں گے؟''

''ہاں رچرڈ تھورن، اس کی بیوی این، اس کا بیٹا مارک ...... یہ سب ڈیمین کی راہ میں کانٹے ہیں۔ وہ نکل جائیں گے تو تھورن فیملی کی کاروباری مملکت کا اکلوتا وارث ڈیمین تھورن، ہوگا۔ اپنی اس دولت اور سیاسی بیک گراونڈ کے ساتھ یہ بات یقینی ہے کہ وہ ایک دن امریکا کا صدر منتخب ہوگا۔ تب شیطان کے لیے پوری دنیا پر غلبہ حاصل کرنا کتنا آسان ہو جائے گا۔ وہ پوری دنیا پر راج کر سکے گا۔''

جو آن جھرجھری لے کر رہ گئی۔ ''تمہارے خیال میں ایسا ہی ہوگا؟''۔

حنیف مسکرایا۔ ''ہرگز نہیں۔ حق و باطل کے ہر معرکے میں آخری فتح حق کی ہوتی ہے باطل کی فتح خواہ کتنی ہی مکمل نظر آئے، درحقیقت نامکمل اور وقتی ہوتی ہے۔ تاریخ بھی ہمیں یہی بتاتی ہے اور مذہب بھی۔''

''تم ڈیمین کو اینٹی کرائسٹ کیوں نہیں مانتے۔ جبکہ بائبل اس کی تصدیق کرتی ہے۔ کیا تم بائبل پر ایمان نہیں رکھتے؟''

''بالکل رکھتا ہوں۔ میں اللہ کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتا ہوں۔ یہ تو ہمارے ایمان کا لازمی حصہ ہے۔'' حنیف نے گہری سانس لے کر کہا ۔''مسئلہ یہ ہے کہ کتابوں میں تحریف، کمی بیشی اور ردو بدل ہوتا رہا ہے۔ علمائے بنی اسرائیل نے تو بڑی شدومد سے یہ کام کیا۔ اپنے مفادات کی خاطر کتاب کے کچھ حصے چھپا لیے اور مفادات ہی کی خاطر کچھ نئے حصے شامل کر دیے۔ قرآن پاک اللہ کی آخری کتاب ہے اور اللہ کا وعدہ ہے کہ اس میں کبھی تحریف نہیں ہوگی۔ اس کی حفاظت اللہ کے ذمے ہے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ بائبل اور توراۃ میں لکھی ہوئی کوئی بات قرآن اور حدیث سے متصادم ہو تو اس کو نظرانداز کرنا ضروری ہے۔''

''یعنی تم قرآن کو دیگر کتابوں پر فوقیت دیتے ہو۔ کیا یہ تعصب نہیں؟''

''ہرگز نہیں۔ دنیاوی اعتبار سے بھی دیکھیں تو کسی بھی کتاب کا تازہ ترین ایڈیشن سب سے معتبر مانا جاتا ہے۔ جب آخری کتاب آ گئی تو پچھلی تمام کتابیں اہمیت کھو بیٹھیں۔ حتمی شریعت آ گئی تو پچھلی شریعتیں منسوخ ہو گئیں۔ اب کوئی نہ مانے تو نقصان اس کا ہے۔''

''تو قرآن اینٹی کرائسٹ کے بارے میں کیا کہتا ہے؟''

''قرآن میں دجال کا تذکرہ ہے۔ مگر تھوڑا ہے۔ لیکن جتنا کچھ ہمارے پیغمبر ﷺ نے اس کے بارے میں تفصیل سے بتایا ہے، کسی پیغمبر نے نہیں بتایا۔ ظاہر ہے، آپ کے بعد کوئی بتانے والا جو نہیں تھا۔ ہمیں خبردار کیا گیا ہے کہ دجال آئے گا تو ایمان کو اتنا بڑا خطرہ لاحق ہوگا کہ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ وہی لوگ ایمان کو بچا سکیں گے، جن پر اللہ کی رحمت ہوگی۔ اسی کے لیے اتنی تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ وہ دورِ آخر ہوگا۔ قیامت نزدیک

ہوگی۔ جب آخری دور کی نشانیاں ظاہر ہوں تو اہل ایمان اللہ کی ڈوری کو مضبوطی سے تھام لیں۔ کیونکہ ادھر سے ادھر پھسلنے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگے گا اور پھسلنے والے کو پتا بھی نہیں چلے گا۔ وہ خوش فہمی میں رہے گا کہ وہ اب بھی ایمان پر ہے۔'' حنیف نے ایک گہری سانس لی۔'' اس لیے میں وطن واپس آ گیا۔ اب لوگوں کو خبردار کر رہا ہوں کہ آخری دور شروع ہو گیا ہے۔ ایمان کی طرف لپکیں اور ان خوش نصیبوں میں شامل ہو جائیں، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کمان میں دجال پر فتح حاصل کریں گے۔ جن کا اس دور آخر میں بھی اللہ کی رحمت پر ایمان پر خاتمہ ہوگا

جوآن چونکی۔'' مسیح کی کمان میں؟'' اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

حنیف مسکرایا۔'' ہاں۔ ہمارے حضور ﷺ نے یہ سب پوری تفصیل سے بتایا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں گمراہ کن روایتیں پھیلائی گئی ہیں۔ ایک تو انہیں نعوذ باللہ اللہ کا بیٹا قرار دے کر بدترین شرک کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ دوسرے یہ بھی غلط روایت ہے کہ انہیں مصلوب کر دیا گیا تھا۔ قرآن مجید میں بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھا لیا اور اس معاملے کو لوگوں کے لیے مشتبہ بنا دیا گیا شاید اس میں لوگوں کی آزمائش ہو۔ بہر حال دجال کے فتنہ کے سد باب کے لیے عیسیٰ علیہ السلام جس عمر میں اٹھائے گئے تھے، اسی عمر میں واپس آئیں گے۔ دجال کو ختم کریں گے۔ صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل......''

'' ایک منٹ تم بہت تیز چل رہے ہو۔'' جوآن نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔'' یہ مسیح کے اٹھائے جانے کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔''

'' اس لیے نہیں آتی کہ یہ گمراہی نسلوں سے چل رہی ہے۔ یہ اس لیے سمجھ میں نہیں آتی کہ جب آخری کتاب آئی تو اسے تسلیم نہیں کیا گیا۔ اور آخری کتاب کو تسلیم نہیں کرنا تھا، اس لیے پچھلی کتابوں میں تحریف کی گئی۔ آخری پیغمبر کی آمد کی خوش خبری حذف کر دی گئی۔ اس کی نشانیوں کا بیان حذف کر دیا گیا۔ اس لیے عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھائے جانے کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ ورنہ بغیر باپ کے عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش تو سمجھ میں آتی ہے نا۔ تو جو اللہ بغیر باپ کے ایک پیغمبر کی ولادت پر قادر ہے، کیا وہ اس پیغمبر کو زندہ آسمان پر نہیں اٹھا سکتا۔''

'' یہ بات تو دل کو لگتی ہے۔'' جوآن نے گہری سانس لے کر کہا۔'' لیکن یہ بتاؤ کہ آخری پیغمبر کے بارے میں جو کچھ کتابوں میں تھا، اسے کتابوں سے خارج کیوں کیا گیا؟ اس پر ایمان کیوں نہ لائے لوگ؟''

'' اس سے پہلے تم مجھے یہ بتاؤ جب عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں مبعوث ہوئے تو یہودی ان پر ایمان کیوں نہیں لائے۔ جبکہ تورات میں ان کی آمد کی خوش خبری دی گئی تھی۔ اور جبکہ ان کی پیدائش بھی معجزہ تھی۔ اور اللہ نے انہیں وہ معجزے بھی عطا فرمائے تھے، جن کے بارے میں تورات میں پہلے سے بتا بھی دیا تھا۔ بلکہ ایمان لانا تو دور کی بات، یہودی ان کے خلاف سازشیں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اپنی دانست میں انہوں نے پیغمبر کو ختم بھی کرا دیا۔

یہ تو تھا تمہارے اعتراض کا جوابی اعتراض۔'' حنیف نے گہری سانس لی۔'' اور اب میں تمہیں تمہارے اعتراض کا جواب دیتا ہوں۔ یہودی علماء میں ایک خرابی شروع میں ہی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ ذرا سے دنیاوی فائدے کے لیے کتاب میں ردوبدل کر دیتے تھے۔ حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دینا ان کا شعار بن گیا تھا۔ اللہ کے جس حکم سے انہیں اپنی دانست میں چند پیسوں کا نقصان نظر آتا، وہ اس حکم کو کتاب میں سے نکال دیتے۔

اور فائدے کے لیے کوئی بھی حکم اپنے پاس سے گھڑ کر کتاب میں شامل کر دیتے۔ یہ عمل ثابت کرتا ہے کہ اللہ پر ان کا ایمان نہیں تھا۔ خوف خدا سے عاری تھے۔ خدا کا نام لیتے تھے۔ مگر اس سے باغی تھے۔ ان اعمال کے نتیجے میں ان کے دل سخت ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اللہ کی شریعت میں نقصان دیکھا تو اس پر اصرار کرنے والے انبیا کو قتل کرنے لگے۔ یہ روئے زمین پر واحد امت ہے، جس نے انبیا کو قتل کیا ہے۔ اس کے نتیجے میں ان پر نحوست اور ذلت وخواری مسلط ہوگئی۔ عیسیٰ علیہ السلام کو انہوں نے پیغمبر مان کر بھی نہیں مانا۔ اس لیے کہ وہ اللہ کے جو احکامات لائے تھے، وہ انہیں قبول نہیں تھے انہوں نے ان کے خلاف بھی سازشیں کیں اور ان کے قتل کا اہتمام کیا لیکن اللہ نے اپنے اس پیغمبر کو ان ظالموں کی دست برد سے بچا کر آسمان پر اٹھا لیا۔

''یہ بھی ذہن میں رکھو کہ یہودیوں میں نسلی تفاخر اور تعصب حد سے زیادہ ہے۔ وہ بنی اسرائیل ہیں اور انہیں اس پر فخر ہے۔ تمام انبیاء بنی اسرائیل میں سے تھے۔ یہودیوں کے مفادات پر ضرب پڑی تو انہوں نے ان انبیاء کو بھی قبول نہیں کیا۔ تو وہ بنی اسماعیل کے پیغمبر کو کیسے قبول کرتے ''

''میں سمجھی نہیں۔''

''حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو فرزند تھے۔ حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے بنی اسرائیل کے پیغمبروں کا سلسلہ چلا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام عرب میں آباد ہو گئے تھے۔ جب بنی اسرائیل کی سرکشی اور غرور حد سے گزر گیا تو اللہ نے ان کا غرور توڑنے کے لیے نبوت بنو اسماعیل میں منتقل کر دی۔ ہمارے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ حضرت اسماعیل کی نسل سے تھے۔ اب نام ونسب پر فخر کرنے والے متکبر یہودی ایک ایسے پیغمبر کو کیسے مان لیتے، جو ان کی نسل سے نہیں تھا

''تو انہوں نے اس پیغمبر کے متعلق خوشخبری کو کتاب میں رہنے کیوں دیا۔ پہلے ہی اسے غائب کر دیتے۔'' جوآن نے اعتراض کیا۔

''اللہ نے انہیں نہیں بتایا تھا کہ پیغمبر آخر الزماںؐ بنی اسماعیل سے ہوگا۔ اس کی ولادت کی اور دیگر تمام نشانیاں کتاب میں موجود تھیں۔ سو وہ اس نجات دہندہ کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ آیا اور انہوں نے اس کی تمام نشانیوں سے اسے پہچان لیا۔ مگر وہ بنی اسرائیل سے نہیں تھا۔ چنانچہ انہوں نے ان نشانیوں سے بھی انکار کر دیا اور کتاب میں اپنی عادت کے مطابق تحریف کر دی۔''

''تو مسیح دوبارہ آئیں گے اور دجال کو قتل کریں گے۔ تم لوگ ان کا ساتھ دو گے؟''

''نصیب والے، سچے مسلمان ان کا ساتھ دیں گے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ عیسائی، یہودی اور مسلمان ایک ہو جائیں گے۔''

''یہ تم کس بنیاد پر کہہ رہی ہو؟''

''دیکھو نا۔ یہودی اور عیسائی اس وقت بھی ایک ہیں اور پھر مسلمان بھی آملیں گے۔''

''ایسا ہرگز نہیں ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کا اشتراک غیر فطری ہے۔ عیسائیوں کے فطری حلیف مسلمان ہیں اور یہودی ان کے دشمن

ہیں ۔ یہودی تعداد میں، طاقت میں ہمیشہ کم رہے ہیں ۔لیکن مکاری میں وہ سب سے آگے ہیں ۔انہوں نے عیسائیوں کو ہمیشہ بے وقوف بنا کر استعمال کیا ہے۔اب بھی کر رہے ہیں ۔عیسائیوں کو مسلمانوں سے لڑا کر وہ دونوں کو کمزور کر رہے ہیں ۔اصل میں وہ اپنے عروج کے خواب دیکھ رہے ہیں۔''

''یہ تم بغیر دلیل کے کہہ رہے ہو؟''

''نہیں۔میں اس لیے کہہ رہا ہو کہ دجال کا خروج ہوگا تو یہودی اس کے ساتھ ہوں گے وہ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں۔''

''کیسے؟''

''عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے ان کے انبیا نے انہیں بشارت دی کہ ایک پیغمبر مسیح آنے والا ہے، جو ان کے لیے نجات دہندہ ہوگا۔ انہیں ذلت اور خواری سے نجات دلانے کا اور انہیں بام عروج پر لے جائے گا۔ جب مسیح تشریف لائے تو ان کی بدنصیبی کہ تمام نشانیوں کے باوجود اپنے مفادات کی خاطر یہودیوں نے ان کا انکار کیا اور محروم رہ گئے ۔عروج کی آس انہیں اب بھی ہے۔اس لیے وہ اب بھی اس پیغمبر مسیح کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں۔اس لیے ہمارے ہاں دجال کو مسیح الدجال کہا گیا ہے۔یعنی جھوٹا مسیح ۔اب دجال آئے گا تو وہ اس جھوٹے مسیح پر ایمان لے آئیں گے۔اس لیے بھی کہ وہ انہیں ان کی برائیوں سے نہیں روکے گا۔ بلکہ ان کی حوصلہ افزائی کرے گا۔انہیں تو ایسا ہی رہنما چاہیے تھا۔تو یہ ہے اصل سینا ریو، جو ہمیں پوری تفصیل سے دکھایا گیا ہے۔''

''لیکن یہودی اس بات کا اعلان نہیں کرتے کہ وہ کسی مسیح کے منتظر ہیں۔'' جوآن نے اعتراض کیا۔

''وہ اعلان کرنے کے قائل نہیں۔ان کے اعمال گواہی دیتے ہیں۔وہ ہیکل سلیمانی کو زندہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔انہوں نے اس سرزمین پر اپنے لیے ایک وطن حاصل کیا جہاں وہ اس کے استقبال کی تیاریاں کر رہے ہیں۔''

''تو یہ ہے تم لوگوں کا دجال کا تصور''!

''یوں کہو کہ یہ ہے اینٹی کرائسٹ کی حقیقت۔آخری کتاب اس لیے آئی تھی کہ سب سے پہلے تمام اہل کتاب اس پر ایمان لائیں۔اب اہل کتاب نے اس سے منہ موڑ لیا تو انہیں حقیقت کا علم کیسے ہوگا۔؟

''تم نے مسیح کے مصلوب ہونے کے بارے میں کہا کہ اس معاملے کو مشتبہ کر دیا گیا

''میں نے نہیں کہا۔یہ قرآن میں خود اللہ نے فرمایا ہے۔''

''اور تم نے کہا کہ کہ شاید اس میں لوگوں کی آزمائش ہو۔اس کی وضاحت کرو۔''

''دیکھو یہ کہہ دینا کسی کے لیے بہت آسان ہے کہ میں اللہ پر ایمان لایا۔لیکن اللہ آدمی کے ایمان کی آزمائش ضرور فرماتا ہے تا کہ دیکھے کہ کون صحیح معنوں میں ایمان لایا اور کون اس معاملے میں کمزور ہے۔ اب اللہ قرآن میں فرماتا ہے کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھا لیا اور معاملے کو لوگوں کے لیے مشتبہ کر دیا۔اللہ قادر مطلق ہے کچھ بھی کر سکتا ہے۔ وہ چاہتا تو اس معاملے کو صریح اور یقینی بنا دیتا۔لیکن اس نے مشتبہ بنایا تو اس میں بھی

کوئی نہ کوئی مصلحت ہوگی۔ آزمائش بھی ہوسکتی ہے...... بلکہ ہے۔ کچھ لوگ یہ آیت پڑھ کر بھی کہتے ہیں، جی نہیں، انہیں مصلوب کر دیا گیا تھا۔ تو وہ صاحب ایمان تو نہ ہوئے۔ ایمان کا تقاضہ ہے کہ اللہ نے جو کہا، آپ نے بغیر کسی بحث کے، بغیر کسی دلیل و جواز کے بغیر کسی توجیہہ کے اسے قبول کر لیا۔ جبکہ اللہ اس سے پہلے بھی اپنی قدرت ثابت کر چکا ہے آپ پر۔ اس کا بنایا ہوا نظام ہے کہ مرد اور عورت ملتے ہیں تو اس کے نتیجے میں وہ جب چاہے، عورت کے رحم میں نطفہ قرار پاتا ہے۔ اس کے بعد بچہ پیدا ہوتا ہے۔ لیکن حضرت بی بی مریم پاک تھیں۔ آپ کو کبھی کسی مرد نے نہیں چھوا۔ اس کے باوجود اللہ نے بغیر کسی حیلے کے عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے پیٹ سے پیدا فرمایا۔ جب اللہ نے یہ بات بتائی تو ایمان والے اس پر ایمان لے آئے۔ گویا اس کی قدرت پر ایمان لے آئے۔ اور ان میں ایسے بھی تھے کہ جنہوں نے حیلے کی تلاش میں اللہ پر مکروہ بہتان لگا دیا۔ ذرا سوچو تو، یہ اللہ کے بارے میں کی جانے والی بدترین بات ہے۔ کیا تم عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتی ہو؟''

جوآن کے جسم میں تھرتھری دوڑ گئی۔ ''نہیں...... نہیں ہرگز نہیں۔ یہ تو واقعی بہت خوفناک بات ہے۔''

''بہرحال، میں یہ کہہ رہا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا معجزہ بھی آزمائش بن گیا اور کمزور ایمان والے لوگ اس کی وجہ سے بدترین گناہ کے مرتکب ہوئے۔ اب جو اہل ایمان اس پر ایمان لے آئے کہ اللہ بغیر حیلے اور سبب کے پیدائش پر قادر ہے، ان کے لیے عیسیٰ علیہ السلام کے معاملے کو مشتبہ بنا کر اٹھایا جانا آزمائش بن گیا۔ بھئی اللہ کہتا ہے کہ عیسیٰ کو مصلوب نہیں کیا گیا۔ بلکہ میں نے واپس بلا لیا، تو اس پر ایمان لے آؤ۔ جبکہ اللہ تنبیہی اشارے کے طور پر آگے فرماتا ہے کہ لوگوں کے لیے معاملے کو مشتبہ بنا دیا گیا۔ گویا اس نے اپنی رحمت سے خبردار کیا ہے کہ تمہارے لیے آزمائش ہے۔ یعنی آزمائش بھی کی اور اس میں سرخرو ہونے کا التزام بھی عطا کر دیا۔ اب کوئی غلط راہ پر چلے تو یہ اس کی بدنصیبی ہے۔''

''اب اصل بات کی طرف آئیں۔ تمہارے خیال میں ڈیمین اینٹی کرائسٹ نہیں ہے۔''

''نہیں۔ البتہ وہ یقینی طور پر ایک فتنہ ہے، جسے شیطان نے کھڑا کیا ہے۔''

''میں اس کے سدباب کے لیے نکل رہی ہوں۔ تم میرے ساتھ چلو۔''

''سوری۔ میں اپنے مشن میں مصروف ہوں۔''

''تمہارا مشن کیا ہے؟''

''اپنی قوم کو، امت مسلمہ کو خبردار کرتے رہنا۔ بتاتے رہنا کہ چھوٹے چھوٹے نیک عمل کرتے رہو۔ اللہ سے رابطہ رکھو۔ کیونکہ یہ فتنوں کا دور ہے۔ کسی بھی وقت بڑی آزمائش کی گھڑی آجائے گی جس میں ایمان والوں کو فتح ہوگی۔ تو تم اس وقت سے ڈرو۔ اللہ سے رابطہ رکھو۔ بڑی نہ سہی۔ چھوٹی نیکیاں کرتے رہو تاکہ اس آزمائش میں وہ تم کو بچالے۔ کیونکہ بچے گا وہی، جسے وہ بچائے گا۔ میں لوگوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ ہم فتنوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ اوپر سے، نیچے سے، دائیں بائیں سے، آگے پیچھے سے فتنے ہم پر برس رہے ہیں۔ اور ان فتنوں کی پہچان آسان نہیں ہے۔ ان کو غور سے دیکھو، پہچاننے کی کوشش کرو اور پہچان کر ان سے بچو۔ اللہ کو خوش کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرتے رہو۔ تاکہ وہ تمہیں ان فتنوں سے بچائے اور ان خوش نصیبوں میں شامل فرمائے، جو فتح یاب ہوں گے اور دنیا پر حکمرانی کریں گے۔ میں انہیں بتانا چاہتا ہوں کہ جو ایسا نہیں کریں گے

غفلت میں پڑے رہیں گے، ان کے ایمان اور سارے اعمال غارت ہو جائیں گے۔''

''تو تم میرا ساتھ نہیں دو گے؟'' جوآن کے لہجے میں مایوسی تھی۔

''میں تمہیں ایک مشورہ دوں گا۔'' حنیف نے بے حد خلوص سے کہا۔ ''تم ڈیمین کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دو۔ وہ جب، جس کے ہاتھوں چاہے گا، اس فتنے کو ختم کر دے گا۔ تم ایک ایسا کام کرو جس کا اجر بڑا ہے...... بہت بڑا۔''

جوآن نے کچھ نہیں کہا۔ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھتی رہی۔

''تم اپنی قوم کو جگانے کی کوشش کرو۔ اس بدترین شرک کے خلاف موثر انداز میں لکھو۔ لوگوں کو بتاؤ کہ اللہ واحد، احد ہے، یکتا ہے۔ اس جیسا کوئی نہیں۔ وہ ہر ضرورت سے پاک اور بے نیاز ہے۔ اس کا کوئی رشتے دار نہیں۔ نہ وہ کسی سے ہے اور نہ کوئی اس سے ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام اس کے بیٹے نہیں، اس کے بندے اور پیغمبر ہیں۔ دوسری بات یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام مصلوب نہیں کیے گئے۔ بلکہ اللہ نے انہیں اٹھالیا۔ وہ اسی عمر میں دوبارہ آئیں گے اور دجال کا خاتمہ کریں گے اور ہمارے پیغمبر ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کو پوری طرح نافذ فرمائیں گے۔ اور تیسری بات یہ کہ یہودی روئے زمین پر سب سے بڑا فتنہ ہیں۔ وہ عیسائیوں کے حلیف نہیں، حریف ہیں۔ ان کی سازشوں سے خبردار رہیں۔ ان کے کہنے پر مسلمانوں کے خلاف کارروائیاں نہ کریں۔ انہیں قوت فراہم نہ کریں ورنہ آخر میں وہ خود ان کے خلاف استعمال ہوگی۔'' حنیف کہتے کہتے رکا۔ اس نے گہری سانس لی اور سلسلہ کلام پھر جوڑا۔ ''یقین کرو مس ہارٹ، اس کا اثر ہو نہ ہو، یہ بہت بڑا کام ہے۔ تم اپنی قوم کی بہت بڑی خدمت کرو گی۔ اور اللہ کے ہاں تمہیں اتنا اجر ملے گا کہ تمہارے تصور میں بھی نہیں آسکتا۔''

جوآن چند لمحے سوچتی رہی۔ پھر اس نے کہا۔ ''مسٹر راشد، میں تم سے بہت متاثر ہوئی ہوں۔ تم نے بہت اندر، بہت گہرائی میں مجھے جھنجوڑا ہے۔ تمہاری تمام باتیں موثر ہیں۔ میں قرآن کا مطالعہ ضرور کروں گی۔ مگر پہلے مجھے ڈیمین کو روکنا ہے۔ یہ کام میں بعد میں کروں گی۔''

''سب سعادتیں اللہ کی طرف سے ہیں۔'' حنیف نے سرد آہ بھر کر کہا۔ ''میں اب بھی کہوں گا کہ ڈیمین کو بھول جاؤ اور یہ کام کرو۔ کون جانے، وہ بات نصیب میں ہی نہ ہو، جس پر تم تکیہ کر رہی ہو۔ کون جانے'' ڈیمین والا کام تمہارے بس کا نہ ہو۔''

''نہیں مسٹر راشد۔ میری پہلی ترجیح ڈیمین ہی ہے۔''

''میں تمہارے لیے دعا ہی کر سکتا ہوں۔''

اور اب جوآن ہارٹ اپنے مشن پر نکلی ہوئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ خدا نے اسے اپنا پیغام رساں بنایا ہے۔ اگرچہ بیوگن ہیگن نے مائیکل مورگن کو اپنا روحانی قائم مقام بنایا تھا۔ لیکن وہ دونوں ختم ہو چکے تھے۔ وہ ان کی میٹنگ میں شریک تھی۔ اس اعتبار سے اسے خدا نے خود منتخب کیا تھا۔ اس کی وہاں موجودگی محض اتفاق نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے سب کچھ سنا تھا اور اس پر یقین بھی کیا تھا۔

یہ بات سات سال پرانی تھی۔ اس نے اس سلسلے میں بہت لوگوں سے بات کی۔ جو اسے جانتے تھے، وہ ہنس کر کہتے کہ اس کے زرخیز تخیل کا کرشمہ ہے۔ اور جو اس سے ناواقف تھے وہ اسے پاگل سمجھتے تھے۔ کسی کو اس کی بات پر یقین نہیں تھا۔

سچ تو یہ ہے کہ خود جوآن کو بھی کبھی کبھی لگتا کہ وہ پاگل ہوگئی ہے۔ اسے خود بھی کامل یقین نہیں تھا۔لیکن تین ہفتے پہلے اسے بیلوار کیسل کے تازہ دریافت شدہ آثار قدیمہ پر ایک خصوصی آرٹیکل لکھنے کو کہا گیا۔ وہ وہاں پہنچی۔ وہاں کھدائی کے دوران بیسویں صدی کے دو انسانوں کی ہڈیاں بھی پائی گئی تھیں۔ دونوں مرد تھے۔ وہ جانتی تھی کہ وہ دونوں کون ہیں۔ برسوں سے وہ سوچتی تھی کہ وہ کہاں غائب ہوگئے۔ اب اسے پتا چل گیا تھا کہ وہ اس دن ختم ہوگئے تھے۔ اور وہ ان کی واحد رازدار ہے۔ اب اس کو ان کا مشن مکمل کرنا ہے۔

وہاں اسے ایک حتمی ثبوت بھی مل گیا...... یگائیل کی دیوار! شیطان کے بچپن کے چہرے کو دیکھ کر اس نے پہچان لیا کہ وہ ڈیمین تھورن ہے ۔اس کے بعد مزید کسی ثبوت کی ضرورت نہیں تھی۔

تب پہلی بار اسے یقین ہوا کہ وہ پوری طرح ہوش مند ہے۔ تب اس نے حنیف کو تلاش کیا اور اس سے ملی۔ لیکن خواہش کے باوجود وہ اس کا مشورہ نہ مان سکی۔ سب سے پہلے تو اسے بیوگن ہیگن اور مائیکل مورگن کا ادھورا مشن مکمل کرنا تھا۔ باقی بعد کی باتیں تھیں۔ اس کا ارادہ تھا کہ عیسائی دنیا کے لیے وہ کچھ ضرور کرے گی‘‘ جو حنیف ارشد نے کہا ہے۔

مگر پہلے یہ مشن تھا۔ اور وہ مشن یہ تھا کہ اینٹی کرائسٹ اپنی تیرھویں سالگرہ تک زندہ نہ رہے۔ اس سے پہلے ہی مر جائے۔ کیونکہ جس روز وہ تیرہ سال کا ہوگیا، اسے معلوم ہو جائے گا کہ وہ کون ہے۔ اس کے بعد اس کو تباہ کرنا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہو جائے گا۔ وہ اس دن سے پہلے ہی رچرڈ تھورن سے مل کر اسے خبردار کر دینا چاہتی تھی کہ اس کے زیر سایہ اینٹی کرائسٹ پرورش پا رہا ہے۔......اور انسانیت کو بچانے کی خاطر اسے ختم کرنا رچرڈ تھورن کی ذمے داری ہے۔

یہ آسان کام نہیں تھا۔ لیکن خدا کا پیغام رساں ہونے کی حیثیت سے وہ اس سلسلے میں بے حد پر جوش تھی۔ وہ رچرڈ تھورن کو خبردار کرنے کے لیے نکلی تھی۔

❁..........❁..........❁

شکاگو میں رچرڈ تھورن کے اپارٹمنٹ میں بوہر ڈائننگ روم میں بیٹھا رچرڈ کے ساتھ ناشتہ کر رہا تھا۔ ناشتہ کے دوران وہ ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ دونوں اصل موضوع پر بات کرنے سے گریز کر رہے تھے۔

’’آپ اس نمائش کا افتتاح کب کریں گے؟‘‘ پال بوہر نے پوچھا۔ وہ رچرڈ کو خوش کرنے کے لیے آثار قدیمہ میں اپنی دلچسپی ظاہر کر رہا تھا۔ ورنہ اسے آثار قدیمہ میں ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔

رچرڈ کے جواب دینے سے پہلے ہی بٹلر ڈائننگ روم میں آیا۔ اسکے ہاتھ میں چاندی کی ٹرے تھی۔ جس پر نیم برشت انڈے رکھے تھے۔

’’اس کا انحصار اس پر ہے کہ باہر سے نوادرات کے کریٹ کب موصول ہوتے ہیں۔‘‘ رچرڈ نے کہا۔ ’’ویسے میرے خیال میں ایسٹر کے قریب ہم نمائش شروع کر سکیں گے۔‘‘

تھوڑی دیر بعد بٹلر برتن سمیٹ کرلے گیا۔

''پال..... تمہاری رپوٹ بڑی شاندار ہے۔ میں حیران ہوں کہ تم نے صرف ایک ماہ میں اتنا کام کیسے کرلیا''۔ رچرڈ نے بات شروع کی پال بوہر کے تجربے نے اسے بتا دیا کہ اگلا جملہ 'لیکن' سے شروع ہونے والا ہے۔ یہ بات اس کے لیے مایوس کن تھی۔ مگر اس نے عقل مندی سے کام لیتے ہوئے رچرڈ تھورن کو اس لفظ کی ادائیگی سے بچالیا۔ اس نے خود ہی اس لفظ کو ادا کر دیا ''لیکن......؟''

رچرڈ مسکرایا۔ ''لیکن میرے خیال میں اپنے ٹاپ کے لوگوں کی مکمل رضامندی کے بغیر اتنے بڑے اور انقلابی پروجیکٹ کو شروع کرنا مناسب نہیں ہوگا۔''

''میں جانتا ہوں۔ بل ایتھرٹن اس کا مخالف ہے۔'' پال نے کہا۔

''ہاں۔ اور وہ میرے لیے بے حد معتبر ہے۔ تمہارے لیے بھی ہونا چاہیے۔ وہ کوئی تیز رفتار نوجوان نہیں ہے۔ لیکن اپنے کام کی مکمل سوجھ بوجھ ہے اسے'' رچرڈ کہتے کہتے رکا اور اس نے کافی کا ایک طویل گھونٹ لیا۔ ''میں چاہتا ہوں کہ تم بل کے ساتھ ہم آہنگ ہونے، اس کے ساتھ چلنے کی کوشش کرو۔ اس کے نتیجے میں تمہارا عمل ارتقا تیز ہو جائے گا۔''

پال جانتا تھا کہ جو کچھ وہ کہنے والا ہے، وہ اس کے لیے خطرناک ہو سکتا ہے۔ لیکن اس نے یہ خطرہ مول لینے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ سمجھتا تھا کہ آدمی بہت محتاط رہے تو پیش قدمی مشکل ہو جاتی ہے۔ اس نے آگے کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔ ''رچرڈ...... اگر میرے معاملے میں ایتھرٹن کی انانیت اسی طرح رہتی ہے، اور اگر میرے کیریر کا ارتقا اس میں مضمر ہے کہ میں ایک ایسے شخص کو خوش رکھنے کی کوشش کروں، جو مجھے سخت ناپسند کرتا ہے...... تو میرے خیال میں کارپوریشن کے لیے...... تمام متعلقہ افراد کے لیے بہتری اس میں ہے کہ میں استعفیٰ دے دوں...... کمپنی چھوڑ دوں۔''

''احمقانہ بات ہے۔'' رچرڈ نے کہا۔ پھر وہ مسکرایا ''دیکھو پال..... تمہارا وقت بھی آئے گا۔''

پال بوہر نے اثبات میں سر ہلایا۔ دل ہی دل میں وہ مسکرایا تھا۔ لیکن اس مسکراہٹ کو ہونٹوں پر لانا مناسب نہیں تھا۔ ''ٹھیک ہے رچرڈ۔ اس وقت کے آنے تک مجھے اپنے اچھوتے خیالات اور آئیڈیاز کو سرد خانے میں رکھنا ہوگا۔'' بشرطیکہ میرا وقت آئے اس نے دل میں سوچا۔

ناشتے کے بعد وہ باہر آئے اور رچرڈ کی لیموزین کی طرف بڑھے۔ یہ گاڑی رچرڈ کو ایئر پورٹ لے جانے والی تھی۔ واشنگٹن میں رچرڈ کو ایک اہم میٹنگ میں شریک ہونا تھا، جسے آنٹی ماریان کی موت بھی نہیں ٹال سکی تھی۔

رچرڈ نے پال سے ہاتھ ملایا اور اس کا منصوبہ قبول نہ کر کے جو اس کی دل شکنی کی تھی، گویا اس کے ازالے کی کوشش کی۔ ''اس ویک اینڈ پر بچوں کی برتھ ڈے پارٹی ہے۔ تم آؤ گے نا؟

''وہیں جھیل والے مکان میں۔''

''یہ پارٹی تو میں کسی قیمت پر مس نہیں کروں گا رچرڈ۔'' پال نے بھی بناوٹی جواب دیا۔ ''ویسے ابھی جھیل منجمد تو نہیں ہوئی ہوگی؟''

''کیوں نہیں ہوئی ہوگی۔'' رچرڈ نے پال کا کندھا تھپتھپایا ''اپنے اسکیٹس لانا نہ بھولنا۔''

پال مسکرایا۔ رچرڈ گاڑی میں بیٹھ گیا۔ گاڑی روانہ ہوگئی۔

پال چند لمحے الوداعی انداز میں ہاتھ ہلاتا رہا۔ پھر ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے بزنس سوٹ ٹائی اور کوٹ اور مفلر میں بل ایتھرٹن کا تصور کیا کہ وہ کیسے رچرڈ تھورن کی ذاتی جھیل کی منجمد سطح پر اسکیٹس پہن کر ڈگ لگ ڈولتا پھرے گا۔ اسے ہنسی آ گئی۔ واقعی......لطف رہے گا! اس نے سوچا۔

۞......۞......۞

لیموزین گیٹ سے نکلی بھی نہیں تھی کہ ایک نہایت پرکشش عورت نے ہاتھ ہلا کر رکنے کا اشارہ کیا۔ رچرڈ کے کہنے پر ڈرائیور مرے نے گاڑی روک دی۔

''مسٹر تھورن۔'' عورت کی آواز بھی بے حد خوبصورت تھی۔ وہ گاڑی کی طرف بڑھ رہی تھی۔

رچرڈ نے گاڑی کا شیشہ اتارا اور اسے بہت غور سے دیکھا۔ وہ سرخ کوٹ پہنے ہوئے تھی، جس کا فر کا کالر بھی چمک دار سرخ رنگ کا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں سرخ دستانے تھے اور پیروں میں اونچی ایڑی والے سیاہ بوٹ۔ کندھے سے ایک بڑا سیاہ بیگ لٹک رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ نگاہوں کو خیرہ کر دینے والی تھی۔ لیکن نجانے کیوں یہ احساس ہوتا تھا کہ وہ زبردستی مسکرا رہی ہے۔

ایک لمحے کو رچرڈ کا ذہن الجھ سا گیا۔ وہ عورت جانی پہچانی لگ رہی تھی۔ جبکہ وہ وثوق سے کہہ سکتا تھا۔ کہ وہ اس سے پہلے کبھی نہیں ملا ہے۔ پھر اچانک اسے یاد آ گیا کہ وہ اس سے ملا تو نہیں ہے۔ لیکن بہر حال اسے دیکھ چکا ہے......وارن کی سلائیڈ میں! ایک سلائیڈ میں وہ بابل کی فاحشہ کے مجسمے کے ساتھ کھڑی تھی۔

وہ جوآن ہارٹ تھی......مشہور صحافی!

اتنی حسین عورت کو دیکھ کر رچرڈ کو جو دلی مسرت ہوئی تھی۔ وہ لمحوں میں ہوا ہو گئی۔ وارن نے اسے بتایا تھا کہ یہ صحافی خاتون اس کا انٹرویو لینا چاہتی ہے۔ اور وہ انٹرویو دینے کا قائل نہیں تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ گاڑی بڑھانے کا حکم دیتا، جوآن دروازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھ چکی تھی۔

''سوری مسٹر تھورن۔ میں خود کو اس طرح آپ پر تھوپنا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن مجھے معلوم ہے کہ آپ واشنگٹن جا رہے ہیں۔ پھر جانے کب موقع ملے۔''

''کوئی بات نہیں۔'' رچرڈ نے خوش اخلاقی سے کہا۔ لیکن لہجہ خشک رکھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ کس غرض سے آئی ہے اور بالآخر اسے مایوس ہی جانا تھا۔

''میرا نام جوآن ہارٹ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ چارلس وارن نے آپ سے میرے بارے میں بات کی ہوگی۔''

''ہاں، کی تھی۔ لیکن میں نے اسے بتا دیا تھا کہ......''

''اس نے مجھے بتا دیا تھا کہ آپ انٹرویو نہیں دینا چاہتے۔'' جوآن ہارٹ نے اس کی بات کاٹ دی۔ پھر وہ جلدی سے لہجہ بدل کر بولی۔ ''آپ مجھے یہ تو بتائیں گے نا کہ انٹرویو دینے میں کیا قباحت ہے۔''

نہ چاہتے ہوئے بھی رچرڈ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ ''آپ بہت مستقل مزاج لگتی ہیں خاتون۔'' اس نے کہا اور مرے کو ڈرائیو کرنے کا اشارہ کیا۔

جوآن ہارٹ اپنے بیگ میں کچھ ٹٹولنے لگی۔ اس نے بیگ میں سے ایک بڑا ریشمی رومال نکالا اور اس میں ناک چھینکی۔ عام طور پر خواتین ایسے رومال اسکارف کے طور پر استعمال کرتی ہیں ''مجھے سردی بہت لگتی ہے اور سردی میں نزلہ ضرور ہو جاتا ہے۔'' اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

''مس ہارٹ، میں......'' رچرڈ نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

''مجھے معلوم ہے۔ آپ نے پہلے کبھی کسی رپورٹر سے بات نہیں کی۔''

''اور اس وقت میں ائیر پورٹ جا رہا ہوں۔''

''دو منٹ......! مجھے دو منٹ چاہئیں آپ سے۔''

''میں یہ پلین مس نہیں کر سکتا۔ اگر آپ چاہیں تو پھر کسی دن......''

''میں نے سنا ہے کہ رچرڈ تھورن کے انتظار کے لیے پروازیں ملتوی ہو جاتی ہیں''

''یہ ایسی پرواز نہیں۔''

تو میں آپ کے ساتھ ائیر پورٹ چل رہی ہوں''۔ جوآن نے اسے بڑی چمکیلی مسکراہٹ سے نوازا۔ ''آپ کہاں جا رہے ہیں۔''

''یہ تو تمہیں معلوم ہے۔'' رچرڈ نے کہا اور ایک بٹن دبایا۔ ہلکی سی سرسراہٹ کے ساتھ ان کے اور ڈرائیور مرے کے درمیان موٹے شیشے کی دیوار حائل ہو گئی۔ اب وہ صرف انٹر کام کے ذریعے مرے سے رابطہ کر سکتا تھا۔ اور مرے ان کی گفتگو نہیں سن سکتا تھا۔

جوآن ہارٹ مسکرائی۔ ''مجھے معلوم ہے۔ صدر امریکا کا خصوصی طیارہ ائیر فورس ون کسی کا انتظار نہیں کرتا۔ ویسے صدر کے لیے آپ کیا خدمات انجام دے رہے ہیں؟ کیا انہیں اس سلسلے میں مشورے دے رہے ہیں کہ ملک کو کامیابی سے کس طرح چلایا جائے۔''

وہ گفتگو طنزیہ نہیں تھی رچرڈ کو اس کی حس مزاح اچھی لگی۔ ''جی نہیں۔ میں سکریٹری آف اسٹیٹ کا مشیر ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

جوآن ہارٹ نے پھر اپنا بیگ کھولا اور اس بار اس میں سے ایک چھوٹی چرمی نوٹ بک اور ایک سنہری پنسل برآمد کی۔ اب اس کا انداز ایک دم بدل گیا تھا۔ لگتا تھا، نوٹ بک میں کوئی جادوئی قوت ہے۔ اسے چھو کر جیسے اسے کوئی خصوصی طاقت مل گئی ہے۔ اب وہ ایک بے حد پروفیشنل رپورٹر میں تبدیل ہو گئی تھی۔ اس کی پنسل گویا بوگن بیگن کا کھدائی والا آلہ تھی۔ فرق صرف اتنا تھا بوگن بیگن زمین میں چھپے ہوئے قدیم نوادرات تلاش کرتا تھا۔ جبکہ وہ سینے میں چھپے بھید ٹٹولنا چاہتی تھی۔

⁂ ⁂ ⁂

ادھا ائیر پورٹ تک کا آدھا سفر طے ہوا تھا کہ رچرڈ تھورن انٹرویو کے اس کھیل سے اکتا گیا۔ ''تم نے اب تک مجھ سے سات سوال کیے ہیں مس ہارٹ، اور ہر سوال کا تعلق دولت سے ہے۔'' اس نے بے زاری سے کہا۔

جوآن مسکرائی۔ ''دولت سے دنیا چلتی ہے...... صرف دولت کے زور پر۔''

''دنیا کا نظام چلانے والی دولت کے علاوہ بھی کچھ چیزیں ہیں۔''

جوآن کو اندازہ تھا کہ رچرڈ بے چین ہو رہا ہے اور جھنجلا بھی رہا ہے۔ مگر وہ جو کچھ اسے بتانے والی تھی، ابھی نہیں بتا سکتی تھی۔ اسے کچھ وقت درکار تھا۔ ''یہ بتائیں کہ آپ کے والد نے یہ میوزیم 40 میں بنایا تھا نا۔ اس پر کتنے اخراجات ہوئے تھے؟''

''کم بیش دس ملین ڈالر۔'' رچرڈ نے جواب دیا۔

''ایک ملین ادھر یا ایک ملین ادھر۔'' جوآن نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''اچھا آپ کے والد پہلی بار شکاگو آئے تو انہوں نے شپ یارڈ میں کام کیا تھا نا؟''

''جی ہاں۔''

''اور وہ آپ اور آپ کے بھائی رابرٹ کو ٹھنڈے پانی سے نہانے اور ٹھنڈے فرش پر سونے پر مجبور کرتے تھے۔ تاکہ آپ کو پتا چلے کہ غریب کیسے جیتے ہیں۔ غربت کیا ہوتی ہے۔''

رچرڈ قہقہے لگانے پر مجبور ہو گیا۔ ''کیا ہمارے بارے میں ایسی باتیں مشہور ہیں؟''

اسی وقت لیموزین رک گئی۔ وہ مشی گن ایونیو کے ڈرابرج تک پہنچے تھے، جو دریائے شکاگو عبور کراتا ہے۔ سرخ روشنیاں جل بجھ رہی تھی اور گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ کسی بحری جہاز کے گزرنے کے لیے برج کو اٹھایا جا رہا ہے۔ رچرڈ تھورن نے کار کی کھڑکی سے جھانکا۔ وہ تھورن انڈسٹریز کا ہی ٹینکر تھا۔ یعنی اس کا اپنا جہاز اس کے لیے تاخیر کا سبب بن رہا تھا۔

جوآن نے اسے تبدیلی موضوع کا قدرتی اشارہ سمجھتے ہوئے موضوع تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے نزدیک یہ مہلت اسے قدرت نے فراہم کی تھی کہ اس دوران وہ رچرڈ کو وہ بات بتا دے، جس کے لیے وہ امریکا آئی تھی۔

''آپ کبھی بیوگن ہیگن سے ملے تھے؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں'' رچرڈ نے جواب دیا۔ اسے احساس ہو گیا کہ جوآن نے بالکل اچانک موضوع بدلا ہے۔

''آپ کو معلوم ہے کہ وہ علوم قدیمہ کے ماہر ہونے کے علاوہ ایگزارسسٹ بھی تھے؟''

''اگر ایسا ہے بھی تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ......''

''آپ نے بیلوار کیسل میں جو کھدائی کروائی ہے، وہیں سے بیوگن ہیگن کا ڈھانچہ بھی ملا ہے۔ یہ بات آپ کے علم میں ہے؟''

''کیسا ڈھانچہ مس ہارٹ۔ ابھی تک ان ہڈیوں کو سرکاری طور پر بیوگن ہیگن کی ہڈیاں قرار نہیں دیا گیا ہے۔''

جوآن ہارٹ کے لہجے میں خون کو ٹھٹھرا دینے والا یقین تھا۔ ''ایک نہیں دو ڈھانچے مسٹر تھورن۔'' وہ بولی۔ ''ایک بیوگن ہیگن کا تھا اور دوسرا ایک جوان ماہر آثار قدیمہ مائیکل مورگن مائیکل مورگن میرا منگیتر تھا مسٹر تھورن۔ جس روز وہ غائب ہوا، میں اس کے ساتھ تھی۔ وہ اور بیوگن ہیگن ایک

ساتھ کہیں گئے تھے اوراس کے بعد کبھی واپس نہیں آئے۔''

اسی وقت پل گرادیا گیا اور مرے نے کار آگے بڑھادی۔

رچرڈ نے غصے سے انٹرکوم کے بٹن پر انگلی ماری۔''مرے...... گاڑی روکو۔ مس ہارٹ کو اتارنا ہے۔''

جوآن ہارٹ جانتی تھی کہ وقت کم ہے۔ وہ جلدی جلدی بولنے لگی۔''اپنی موت سے ایک ہفتہ پہلے آپ کے بھائی رابرٹ نے اسرائیل جا کر یوگن ہیگن سے ملاقات کی تھی۔ اور آپ کے بھائی کی موت کے چندروز بعد یوگن ہیگن بیلوائر کیسل میں زندہ دفن ہوگئے۔ ان کے ڈھانچے اب برآمد ہوئے ہیں۔ کیا یہ حقائق آپ کو کچھ سوچنے پرنہیں اکساتے مسٹرتھورن۔''

کیا مصیبت ہے۔ رچرڈ نے سوچا۔ یہ تو کوئی دماغی کیس ہے...... خوب صورت دماغی کیس! اب یہ مجھے بتائے گی کہ کینیڈی کے قتل کے پس پردہ کون لوگ تھے اور کتنی بڑی سازش تھی۔

گاڑی رک گئی تھی۔ رچرڈ نے اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔''مجھے بداخلاقی پر مجبور نہ کرو مس ہارٹ۔ ورنہ مجھے تم کو دھکے دے کر گاڑی سے اتارنا ہوگا دیکھو...... ہم ٹریفک بلاک کر رہے ہیں۔''

''تمہیں معلوم ہے کہ پولیس نے تمہارے بھائی کو کیوں شوٹ کیا۔ تمہیں معلوم ہے نا مسٹرتھورن؟'' جوآن پاگلوں کے انداز میں چلائی۔ اس کی آنکھوں کی چمک اور بڑھ گئی تھی۔''تمہیں ان خنجروں کے بارے میں علم ہے مسٹرتھورن؟''

مرے گاڑی سے اترا اور اس نے جوآن کی جانب والا دروازہ کھول دیا۔

''میں صرف اتنا جانتا ہوں مس ہارٹ کہ تم اپنا اور میرا دونوں کا وقت ضائع کر رہی ہو۔''

''پلیز...... میری بات سنو۔'' جوآن کے لہجے میں اب التجا تھی۔''میں اس اسٹوری پر برسوں سے کام کر رہی ہوں۔ میرا خیال ہے، میں تمام کڑیاں جوڑ چکی ہوں......۔''

رچرڈ باطنی کرب سے کراہا۔ اس کا خیال تھا کہ اپنے بھائی کی موت سے متعلق ان تمام پراسرار نا قابل فہم جزئیات کو اس نے کامیابی سے چھپادیا ہے، جو مذہبی دیوانوں کو اکسانے والی تھیں۔ لیکن ایسا ہوا نہیں تھا۔ ماضی کا ایک بھوت اب اس کے سامنے تھا۔

مرے نے جوآن سے کہا۔''پلیز مادام آپ باہر آجائیں۔''

''مسٹرتھورن، تمہیں اندازہ نہیں۔ تم بہت سنگین خطرات میں گھرے ہوئے ہو۔''

مرے نے جوآن کا بازو تھاما اور ضرورت سے زیادہ سختی سے، بے دردی سے اسے گھسیٹا۔

''دور ہو جاؤ تم۔ اور آئندہ کبھی میرے قریب نہ پھٹکنا۔'' رچرڈ چلایا۔

''پلیز...... یسوع سے رجوع کرو۔''

''مرے...... خدا کے لیے اس عورت کو نکالو۔''

مرے نے گھسیٹ کر جوآن کو کار سے اتارا اور دروازہ بند کر دیا۔

''کرائسٹ پر اپنا ایمان پختہ کرو۔'' جوآن نے سسکیوں کے درمیان کہا۔ پھر پاگلوں کی طرح چیخنے لگی ''ابھی تم نے مجھے نکالنے کیلئے اپنے ڈرائیور کو جس خدا کا حوالہ دیا، صرف وہی تم کو بچا سکتا ہے۔ مسٹر تھورن، یگائیل کی دیوار کو...... اس کی پینٹنگز کو غور سے دیکھو۔ اس میں شیطان کا چہرہ دیکھو اور پھر مجھ سے بات کرو۔ مجھے بتاؤ کہ وہ چہرہ کس کا ہے۔''

''مرے...... گاڑی بڑھاؤ۔ نکلو یہاں سے۔'' رچرڈ چلایا۔

مرے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور گاڑی اسٹارٹ کی۔

جوآن گاڑی کے ساتھ بھاگی۔ وہ عقبی نشست کے شیشے پر گھونسے برساتے ہوئے چیخ رہی تھی۔ ''میری بات سنو۔ تمہیں میری بات سننی ہو گی۔ اس میں تمہاری بہتری ہے۔''

کار نے رفتار پکڑی اور آگے نکل گئی۔ جوآن پیچھے رہ گئی۔ اب وہ بیچ سڑک پر کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں سے خوف اور مایوسی کے آنسو بہہ رہے تھے۔ سرد ہوا اس کے کوٹ سے ٹکرا رہی تھی۔ اور اس کا جسم تھر تھرا رہا تھا۔

❂..........❂..........❂

ریجنالڈ تھورن اپنی کوئی یادگار قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس کے ذہن میں آئی کہ ایک بہترین میوزیم بہت اچھی یادگار ثابت ہوگا۔ وہ اپنے ایک پرانے دوست کے پاس اس سلسلے میں بات کرنے گیا۔ اس کا دوست ایک زمانے میں شکاگو کے عظیم آرکیٹیکٹ لوئس سلیوان کے ساتھ کام کر چکا تھا۔

ریجنالڈ نے اپنے دوست کو بتایا کہ وہ کلاسیکی اور بے حد جدید طرزِ تعمیر کا امتزاج چاہتا ہے۔ اس کے ذہن میں ایسی عمارت ہے، جو صرف چند برس بعد پرانی اور فرسودہ نہ لگے۔ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ اس کا نقشہ کوئی پرانا آرکیٹیکٹ بنائے۔ بلکہ وہ یہ کام کسی ایسے جوان سے لینا چاہتا ہے، جس کا ذہن آئیڈیاز سے بھرا ہو، جسے اپنے اوپر اعتماد ہو اور جو اپنے میدان میں انقلابی کام کرنے کا خواہاں ہو۔ اس نے اپنے دوست سے کہا کہ اس کام کے لیے موزوں آدمی تلاش کرے۔

اور اس کے دوست نے اس کا حق ادا کر دیا۔ اس نے اسے اپنے آفس میں کام کرنے والے ایک اسسٹنٹ سے ملوایا۔ وہ فرینک لائیڈ رائٹ جیسے استاد کا شاگرد تھا۔ اس نے فوراً ہی تھورن میوزیم پر کام شروع کر دیا۔

اب اپنی تعمیر کے چالیس سال بعد تھورن میوزیم اتنا ہی نیا اور خوب صورت لگتا تھا، جتنا افتتاح والے دن لگا تھا۔ اسے جھیل مشی گن کے کنارے تعمیر کیا گیا تھا۔ وہ مشی گن ایونیو کا سب سے مہنگا علاقہ تھا۔ اردگرد کی تمام عمارتوں میں میوزیم سب سے الگ اور ممتاز نظر آتا تھا۔

جوآن ہارٹ کی ٹیکسی میوزیم کے سامنے رکی۔ ہر طرف ایڈورڈ منچ کی پینٹنگز کے پوسٹر لگے تھے، جن کی اس وقت وہاں نمائش ہو رہی تھی۔ تمام پوسٹرز میں منچ کی خوف ناک ترین اور شاہکار تصویر 'چیخ' کو پروجیکٹ کیا گیا تھا۔

جوآن ہارٹ چند لمحے اس شاہکار کو بغور دیکھتی رہی۔ پھر میوزیم میں لے جانے والے ڈھلواں راستے پر چل دی۔ وہ تصویر 'چیخ' اسے محض

تصویر نہیں لگی۔اس کے لیے وہ تائیدی اشارہ تھی کہ وہ صحیح راستے پر جا رہی ہے۔

اندر ہال کی چھت اتنی اونچی تھی کہ اچھے بھلے انسان بھی بونے لگ رہے تھے۔وہاں اسے اپنا آپ بہت چھوٹا، بہت کمزور لگنے لگا۔لیکن اسے اپنی یہاں آمد کا مقصد بہر حال یاد تھا۔وہ یہاں کسی جستجو میں آئی تھی۔

ایک گائیڈ نے اسے دوسری منزل کی گیلری کی طرف بھیج دیا، جہاں چارلس وارن بیلوائر کیسل سے برآمد ہونے والے نوادرات کی نمائش کی تیاری میں مصروف تھا۔

چارلس وارن فوٹو گرافس اور فلور پلانز کے انبار کے درمیان کھڑا تھا۔وہ این تھورن کو بتا رہا تھا کہ وہ اس نمائش کو کس انداز میں ترتیب دینا چاہتا ہے۔این تھورن اپنے شوہر کے تمام معاملات میں دل چسپی لینے کی کوشش کرتی تھی۔وہ جانتی تھی کہ رچرڈ میوزیم میں خاص دل چسپی رکھتا ہے۔اس لئے وہ میوزیم میں بھی دل چسپی لیتی تھی۔لیکن وارن نے اسے اتنا متجسس پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، جتنی وہ ان نوادرات کے معاملے میں تھی۔

''ہم اس طرح سے کام کریں گے کہ آنے والا ایک گیلری میں کھڑا ہو تو اسے دوسری گیلری کی جھلک بھی نظر آتی رہے''۔چارلس کہہ رہا تھا۔

''یہ تو بہت زبردست آئیڈیا ہے...... بے حد تخیلاتی۔''

چارلس مسکرایا۔''مجھے بتایا گیا ہے کہ میری وہاں سے روانگی کے بعد ایک اور چیز دریافت ہوئی...... یگائیل کی دیوار۔تیار ہوتے ہی وہ اسے بھی روانہ کر دیں گے۔''اس نے فلور پلان میں ایک اور کمرے کی طرف اشارہ کیا۔''اس کے لیے بھی میں نے جگہ محفوظ رکھی ہے۔''

یگائیل کی دیوار کے تذکرے پر این کی دلچسپی میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔''یہ یگائیل کون تھا؟''

''بہت پراسرار کیریکٹر ہے۔''چارلس نے کہا۔''وہ مونک بھی تھا اور ایگزارسسٹ بھی۔خیال کیا جاتا ہے کہ وہ تیرھویں صدی عیسوی میں تھا۔کہا جاتا ہے کہ شیطان اس کے پاس آیا تھا اور ظاہر ہے کہ اس کے نتیجے میں اس کا دماغ الٹ گیا۔''

چارلس کو توقع تھی کہ این اس بات پر ہنسے گی۔زیادہ تر لوگوں کا اس پر یہی ردعمل ہوتا تھا۔لیکن اسے حیرت ہوئی کہ این مسکرائی بھی نہیں۔

چارلس نے اپنی بات جاری رکھی''پھر یگائیل روپوش ہو گیا۔اس کے کام سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیطان کا چہرہ اس کے دل و دماغ پر ایسے مسلط ہو گیا تھا کہ اس کے بعد وہ اینٹی کرائسٹ کے سوا کچھ نہ پینٹ کر سکا۔کیونکہ صرف اس نے اسے دیکھا تھا......اس کی پیدائش سے لے کر اس کے زوال تک۔''چارلس نے کندھے جھٹکے۔''میرا خیال ہے کہ وہ باقی دنیا کے لیے اس کے چہرے کا ریکارڈ چھوڑ جانا چاہتا تھا۔اس کے بعد یگائیل کو کبھی نہیں دیکھا گیا۔بس اب اس کی دیوار ملی ہے۔''

''میرا تو دل چاہ رہا ہے کہ ابھی دیکھ لوں اس دیوار کو''۔این کے لہجے میں سنسنی تھی۔اور تاریخی معلومات پر چارلس کے لیے ستائش۔

''اور اب ہم بات کرتے ہیں آپ کے پسندیدہ آئٹم کی......بابل کی فاحشہ۔''چارلس نے فلور پلان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔''اسے ہم یہاں، درمیان میں رکھیں گے......کمرا نمبر چار میں۔تاکہ کوئی اسے مس نہ کرے۔''

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ جوآن ہارٹ کمرے میں داخل ہوئی۔

چارلس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''جوآن!'' اس کے لہجے میں خوشی بھی تھی۔ اور حیرت بھی ''بڑے موقع سے آئی ہو۔ کب آئیں تم؟''

''گزشتہ رات۔'' جوآن مسکرائی۔ لیکن وہ نروس لگ رہی تھی۔

''این...... یہ جوآن ہارٹ ہے۔ اسے تم نے......'' چارلس نے تعارف کرایا۔

''تمہاری سلائیڈ میں دیکھا تھا'' این نے اس کا جملہ مکمل کر دیا۔

چارلس نے اثبات میں سر ہلایا ''ہاں...... بابل کی فاحشہ کے مجسمے کے ساتھ۔''

این کے ذہن میں اس پر کئی تبصرے تھے۔ لیکن اس نے انہیں رد کر دیا۔ چند لمحے بعد وہ بولی ''میں این تھورن ہوں۔ مجھے پتا چلا ہے کہ تم میرے شوہر کا انٹرویو کرنا چاہتی ہو۔''

''میں ان کا انٹرویو کر چکی ہوں۔'' جوآن نے کہا۔

چارلس کو اچانک غصہ آ گیا۔ وہ سارا اخلاق بھول گیا ''میں نے تمہیں بہت سختی سے منع کیا تھا......''

لیکن جوآن نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''تم سمجھ نہیں سکتے کہ میرے لیے اس کی کتنی اہمیت ہے۔'' وہ بولی۔ ''جواب میں سیدھا صاف انکار میرے لیے قابل قبول نہیں تھا''

''تم بہت ضدی معلوم ہوتی ہو۔'' این کا لہجہ مکمل طور پر دوستانہ ہرگز نہیں تھا۔ ''بہر حال تم رچرڈ تک پہنچیں کیسے؟''

جوآن ضرورت پڑنے پر ایذا رساں بھی بن جاتی تھی۔ اور اس وقت این تھورن اسے اس پر مجبور کر رہی تھی۔ ''میں نے خود کو پوری طرح سے اس پر تھوپ دیا۔'' وہ بولی۔ ''میں اس کی بڑی اور چمک دار کار میں گھس بیٹھی۔''

''اچھا......! تو وہ بہت محظوظ ہوا ہوگا۔'' این نے کہا۔

''نہیں، ابتدا میں تو نہیں۔'' جوآن بولی وہ یہی ظاہر کرنا چاہتی تھی۔ کہ اس کا انٹرویو کامیاب رہا۔ وجہ اسے نہیں معلوم تھی۔ مگر وہ این کو رقابت میں مبتلا کرنا چاہتی تھی۔ این اسے بالکل اچھی نہیں لگی تھی۔ جبکہ رچرڈ تھورن اسے بہت اچھا لگا تھا۔ مگر پھر جب وہ خوف زدہ ہوا تھا تو اس نے اسے کار سے نکلوا پھینکا تھا۔ اس وقت تو وہ اسے پسند نہیں کر سکتی تھی۔ ''لیکن رپورٹرز کے بارے میں اسکی کوئی اچھی رائے نہیں ہے۔'' جوآن نے کہا۔

''اس کا خیال ہے کہ رپورٹر دوسروں کی بدقسمتی پر گزارہ کرتے ہیں۔'' این نے کہا۔ اس نے اخلاقاً بھی یہ بات چھپانے کی کوشش نہیں کی کہ وہ اپنے شوہر کی اس رائے سے متفق ہے۔

لیکن جوآن کی مسکراہٹ اور زیادہ روشن ہوگئی۔ ''گیدڑوں کی طرح؟'' اس نے پوچھا وہ این کو تولنے پرکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ سمجھنا چاہتی تھی کہ این کو کس حد تک معلوم ہے۔

''واہ...... کیا خوب موازنہ کیا ہے تم نے۔'' این نے اپنے چہرے کو بے تاثر رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے داد دی۔

چارلس وارن ان دونوں کے درمیان تصادم سے پریشان تھا۔ وہ اس تصادم کو پوری طرح سمجھ بھی نہیں رہا تھا۔ اور اس تصادم کی وجہ تو اس کی سمجھ سے بالکل باہر تھی۔

اس نے اپنے طور پر معاملات کو درست کرنے کی کوشش کی۔ ''جوآن کا خاص موضوع آثار قدیمہ ہے۔'' اس نے کہا۔ لیکن جملہ ادا کرنے کے دوران ہی اسے احساس ہوگیا کہ اس کا جملہ احمقانہ ہے۔

این نے اس جملے سے فائدہ اٹھایا۔ ''دیکھنے ہی سے لگتا ہے۔'' اس نے تبصرہ کیا۔

اس وقت چارلس کی جیب میں رکھا ہوا بیپر چیخا۔ چارلس کو یہ چھوٹی سی ڈیوائس بہت بری لگتی تھی۔ کیونکہ اس ڈوری کی وجہ سے وہ چوبیس گھنٹے تھورن انڈسٹریز سے جڑا رہتا تھا...... آزادی سے محروم۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ اس ڈور کو کاٹ ڈالے۔

مگر اس وقت اس سرد، کشیدہ ماحول میں اس کی آواز اسے نعمت لگی۔ اسے ماحول سے نکل بھاگنے کا عذر مل گیا تھا۔ ''میں ابھی ایک منٹ میں آیا۔ اس نے کہا اور دونوں خواتین کو آپس میں نمٹنے کے لیے چھوڑ کر چلا گیا۔

''ایک بات بتاؤں۔'' جوآن ہارٹ نے سرسری انداز میں کہا۔ ''تمہارے شوہر کا پریس والوں کے ساتھ رویہ زیادتی پر مبنی ہے۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ پریس والوں کا رویہ ان کے بھائی کے ساتھ کتنا ہمدردانہ تھا۔''

''کیا مطلب؟'' این نے تیز لہجے میں پوچھا۔ وہ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ یہ حسین عورت کس چکر میں ہے۔

''رابرٹ تھورن کی موت کی رپورٹنگ اس بات کا ثبوت ہے۔'' جوآن نے کہا۔ ''دیکھو نا جن حالات میں ان کی موت واقع ہوئی، وہ بے حد غیر معمولی تھے۔''

''اچھا! دراصل میں رچرڈ کے بھائی کو جانتی نہیں تھی۔'' این نے دفاعی انداز اپنایا۔

جوآن نے اسے یوں دیکھا، جیسے بے حد حیران ہوئی ہو۔ پھر اس نے پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ''اوہو......نہ جانے کیوں میں بار بار یہ بات بھول جاتی ہوں کہ تم رچرڈ تھورن کی دوسری بیوی ہو۔''

''مس ہارٹ......!'' این نے کچھ کہنا چاہا۔

''یعنی سیدھی سی بات یہ ہے کہ ڈیمین رچرڈ تھورن کے بھائی کا بیٹا ہے۔ اور مارک پہلی بیوی سے اس کا بیٹا ہے۔ یعنی حقیقت یہ ہے کہ تم ان دونوں میں سے کسی کی بھی ماں نہیں ہو۔''

''تمہیں تو صفحہ خواتین سے منسلک ہونا چاہیے۔'' این نے زہریلے لہجے میں کہا۔ اب وہ خود پر قابو کھو رہی تھی۔

''ارے ہاں تم مجھے ڈیمین کے بارے میں بتاؤ نا۔'' جوآن نے اپنی پیش قدمی جاری رکھی ''مجھے بتاؤ نا، وہ کیسا لڑکا ہے۔ ملٹری اکیڈمی میں وہ اچھا وقت گزار رہا ہے نا۔''

این کے ردعمل سے پہلے ہی چارلس وارن آندھی کی طرح کمرے میں گھس آیا۔ ''این، تم اس عورت سے مزید ایک لفظ بھی نہ کہنا۔'' اس نے چیخ کر کہا۔ پھر اس نے جوآن کو کندھے سے تھاما اور دروازے کی طرف دھکیلا۔ ''تم نے مجھے بے وقوف بنایا۔ رچرڈ غصے سے پاگل ہو رہا ہے۔''

جوآن کو اب کسی نقصان کا ڈر نہیں تھا۔ ''تم خطرے میں ہو۔'' اس نے سرگوشی میں کہا۔ ''تم سب خطرے میں ہو۔''

''تمہیں کیا ہو گیا ہے جوآن۔'' چارلس مزید شرمندگی سے بچنے کے لیے اسے کمرے سے نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''میں نے یگائیل کی دیوار دیکھی ہے۔'' جوآن نے یوں کہا، جیسے اس جملے سے ہر الجھن دور ہو جائے گی۔

لیکن چارلس وارن پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ وہ بدستور اسے دھکیلتا رہا۔ ''مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کہ تم نے کیا دیکھا ہے اور کیا نہیں دیکھا۔''

''تمہیں پروا ہونی چاہیے۔'' جوآن نے اپنا کندھا چھڑانے کی کوشش کی۔ ''ڈیمین۔''

''ڈیمین کے بارے میں کیا کہنا چاہتی ہو تم؟'' این نے تیز لہجے میں پوچھا۔

''وہ......وہ......عین وقت پر جوآن نے ارادہ بدل دیا۔'' ''میں کچھ نہیں کہنا چاہتی۔'' اس نے کہا اور کمرے سے نکل گئی۔

چارلس اور این اسے کاریڈور میں بھاگتے ہوئے دیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

پھر این چارلس کی طرف مڑی۔ ''یہ سب کیا تھا؟''

چارلس نے سوگوارانہ انداز میں سر ہلایا ''مجھے ذرا بھی اندازہ نہیں۔'' وہ بولا۔ ''یسوع مسیح سب سے محبت کرتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف ان سے محبت کرنے والوں میں عجیب لوگ بھی ہیں۔''

چارلس بے حد سنجیدہ تھا۔ لیکن این کو اس کی وہ بات بے حد مزاحیہ لگی۔ وہ ہنسنے لگی

ذرا دیر بعد وہ یہ بھی بھول گئے کہ جوآن ہارٹ اس کمرے میں آئی تھی۔ وہ نمائش کی ترتیب پر گفتگو کرنے لگے۔

چارلس اور این دونوں کو لگا تھا کہ جوآن مخبوط الحواسی میں اندھا دھند میوزیم سے نکلی ہے۔ اسے نہیں معلوم کہ اسے کہاں جانا ہے اور کیا کرنا ہے۔ لیکن وہ دونوں غلطی پر تھے۔

جوآن ہارٹ نے اپنی زندگی میں اتنے نپے تلے قدم پہلے کبھی نہیں اٹھائے تھے۔ وہ جانتی تھی کہ شیاطین اس کے تعاقب میں ہیں۔ اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ وہ خود بھی ایک شیطان کا پیچھا کر رہی ہے۔ وہ جانتی تھی کہ اسے کیا کرنا ہے۔ وہ اتنی دور سے ایسے ہی تو نہیں آئی تھی۔ یہ حقیقت کہ یہاں بھی لوگ اس کو پاگل سمجھ رہے ہیں، اسے اپنے مقصد سے دور نہیں کر سکتی تھی۔

اس نے رینٹ اے کار کے شوروم سے ایک کار کرائے پر حاصل کی۔ پھر بڑے استقلال اور تیز رفتاری کے ساتھ شکاگو کے شمال کی طرف چل دی۔

سہ پہر کے وقت وہ اس ملٹری اسکول جا پہنچی، جہاں ڈیمین اور مارک تعلیم حاصل کر رہے تھے۔

وہ جس وقت وہاں پہنچی، وہاں فٹ بال ٹیم کی پریکٹس کا سیشن چل رہا تھا۔

ڈیوڈسن ملٹری اکیڈمی میں جسمانی فٹنس کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔ ان کا فلسفہ یہ تھا کہ ان کے کیڈٹوں کو سپاہیوں کی حیثیت میں بڑا ہونا ہے اور ایک دن ملک کے دفاع کے لیے دشمن سے جنگ لڑنا ہے۔ اس کے لیے صرف ذہنی مضبوطی سے کام نہیں چل سکتا۔ ایک تندرست اور فعال جسم بھی بہت ضروری ہے۔ سپاہی کو قتل کرنا بھی آنا چاہیے۔ اور اس کے لیے مضبوط جسم بھی ضروری ہے خندقوں میں موٹے اور بھدے فوجیوں کا گزارا نہیں

مگر جوآن ہارٹ کو ڈیوڈسن ملٹری اکیڈمی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کے اپنے کچھ اغراض و مقاصد تھے۔ وہ تو ڈیمین تھورن کا چہرہ دیکھنا چاہتی تھی۔ اس کا موازنہ دیوانے مصور ریگائیل کے بنائے ہوئے چہرے سے کرنا چاہتی تھی، جو دیوار پر نقش تھا۔ وہ دیوار جو اس کے محبوب کے شکستہ ڈھانچے کے قریب ملی تھی۔

اگر فٹ بال کے وہ کھلاڑی عمر میں کسی قدر بڑے ہوتے تو اس وقت یقیناً اس پر آوازے کس رہے ہوتے اور ماحول بڑی حد تک شوخ ہو چکا ہوتا۔ کیونکہ مدتوں سے کوئی ایسی حسین اور پرکشش عورت اکیڈمی میں نہیں آئی تھی۔

لیکن وہاں اسے توجہ سے دیکھنے والا کوئی نہیں تھا۔ تماشائیوں کے نام پر وہاں محض کچھ والدین تھے، جو تالیاں بجا کر اپنے اپنے بیٹوں کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔ وہ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے تھے اور ان کی توجہ پوری طرح سے کھیل پر تھی۔

نیف دنوں ٹیموں کا کھیل ایسے دیکھ رہا تھا، جیسے وہ ہی ان کا کوچ ہو۔

جوآن کی نظر ایک لڑکے پر پڑی، جو یونیفارم سے کیڈٹ لگ رہا تھا۔ وہ کھیلنے کے بجائے کھیل دیکھ رہا تھا۔ جوآن بہر حال پیشہ ور رپورٹر تھی۔ اور تیز نظر رکھتی تھی۔ وہ لڑکا دبلا پتلا تھا اس کے چہرے پر مہاسے تھے۔ اور اس نے جو چشمہ لگا رکھا تھا، اس کے عدسے بہت موٹے تھے اس کی پوری توجہ کھیل کے میدان پر تھی۔ یقینی طور پر کوئی کھلاڑی اس کا ہیرو تھا۔

اگر جوآن کی ذہنی حالت بہتر ہوتی تو اس لڑکے کے ہیرو کو وہ یقینی طور پر پہچان لیتی۔ لیکن اس وقت اس کے تمام حواس صرف ایک نکتے پر مرتکز تھے۔ وہ صرف ایک بات جاننا چاہتی تھی...... ڈیمین تھورن کھیل کے میدان میں موجود ہے یا نہیں۔ اگر موجود ہے تو کون ہے۔ کھلاڑی بھاری حفاظتی ہیلمٹ پہنے ہوئے تھے۔ ان کی وجہ سے ان کے چہرے کے نقوش دیکھنا اس کے لیے ناممکن ہو گیا تھا۔

وہ دبلے پتلے کیڈٹ سے پوچھنے ہی والی تھی کہ نیف کے اشارے پر بریک ہو گیا۔ لیکن اپنی دھن میں لگی جوآن کو اس بات کا اندازہ بھی نہیں ہوا۔ اس نے دبلے پتلے لڑکے کا کندھا تھپ تھپایا لڑکے نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''ڈیمین تھورن بھی کھیل رہا ہے نا؟'' جوآن نے اس سے پوچھا۔ اس کی آواز کافی بلند تھی۔

لڑکا ابھی جواب بھی نہیں دے پایا تھا کہ کھیل کے میدان میں ایک لڑکے نے سر گھما کر جوآن کو دیکھا۔ جوآن کو اپنی پشت میں اس کی نگاہیں چبھتی محسوس ہوئیں۔ اس چبھن نے اسے گھوم کر اس طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا۔ اسے احساس ہوا کہ بلی جیسی وہ آنکھیں پینٹنگ میں دیکھ چکی ہے۔

اس لمحے لڑکے نے ایک جھٹکے سے ہیلمٹ اتارا۔ جوآن نے دیکھا، وہ وہی چہرہ تھا، جو وہ ریگا ئیل کی دیوار پر دیکھ چکی تھی۔

''وہ ہے ڈیمین تھورن۔'' دبلے پتلے لڑکے نے ہیجانی لہجے میں کہا۔ مگر جوآن اس سے پہلے ہی اسے پہچان چکی تھی۔

جوآن دہشت زدہ ہو کر پیچھے ہٹی۔ اس کا خوب صورت چہرہ چٹختے ہوئے آئینے جیسا ہو گیا تھا۔ اس کے چہرے کا تاثر اس شخص کے چہرے جیسا تھا، جو شیطان کے وجود پر یقین رکھتا ہو اور جس نے اپنی آنکھوں سے اس لمحے شیطان کو انسانی روپ میں دیکھ لیا ہو۔

وہ پلٹی اور کھیل کے میدان سے دور جانے لگی۔ اس نے کوشش کی تھی کہ اس کا انداز نارمل رہے۔ وہ کچھ دور ہی گئی ہو گی کہ دہشت نے جیسے اس کے دل کو اپنی مٹھی میں دبوچ لیا۔ وہ بے اختیار پوری قوت سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ وہ اپنے اور کار کے درمیان فاصلہ اڑ کر طے کر لینا چاہتی تھی۔

اسے اپنی پشت پر...... کندھوں سے ذرا نیچے دہکتی ہوئی چبھن کا احساس ہوا۔ اس کی وجہ اسی لمحے اس کی سمجھ میں آ گئی۔ ڈیمین تھورن اسے گھور رہا تھا۔

وہ اپنی کار تک پہنچی۔ اسی لمحے اسے ایک مردانہ آواز...... نیف کی آواز سنائی دی۔ ''اے تھورن ادھر آؤ...... فوراً۔''

جوآن اپنے بیگ میں کار کی چابیاں ٹٹول رہی تھی۔ دو مرتبہ چابی اس کے ہاتھ سے پھسل گئی وجہ اس کے ہاتھوں کی لرزش تھی۔ بالآخر اس نے چابی نکالی، گاڑی میں بیٹھی، چابی اگنیشن میں لگائی اور گھمائی اور انجن غرایا ٹائر سڑک پر تیز رگڑ سے چلائے اور گاڑی بہت تیز رفتاری سے ڈیوڈسن ملٹری اکیڈمی سے، ڈیمن تھورن کے دہشت زدہ کر دینے والے چہرے سے دور جانے لگی۔

جوآن ہارٹ نے جیتے جاگتے ڈیمین تھورن کو پہلی بار دیکھا تھا!

۞......۞......۞

وہ گاڑی کو شمال کی سمت دوڑاتی رہی۔ کیوں؟ یہ اسے معلوم نہیں تھا۔ منطق کے اعتبار سے تو اسے پلٹ کر شکاگو کا رخ کرنا چاہیے تھا۔ لیکن شاید وہ جانتی تھی کہ وہاں اس کے لیے کوئی مددگار نہیں ہے۔ اسے رچرڈ اور این تھورن سے ملاقات کا اب کوئی موقع نہیں ملے گا۔ کیونکہ وہ اسے پاگل

سمجھتے ہیں۔ چارلس وارن سے اسے سب سے زیادہ امید تھی۔ وہ جانتی تھی کہ جیمز پر اسے جتنا یقین ہے، اتنا ہی چارلس کو بھی ہے۔ البتہ اب اس کے یقین کی شدت بڑھ گئی ہے۔ اور اگر وہ جیمز پر یقین رکھتا ہے تو شیطان پر اور اس کی تباہ کن قوتوں پر بھی یقین رکھتا ہوگا۔ لیکن اس کے باوجود وہ جانتی تھی کہ اب چارلس وارن بھی اس کی مدد نہیں کرے گا۔ میوزیم میں جو کچھ ہوا تھا، اس کے بعد تو یہ ممکن نہیں تھا۔

اب وہ سوچ رہی تھی کہ جیمز بھی تو طاقت ہے۔ تو پھر وہ لوگوں کو قائل کرنے، یقین دلانے میں اس کی مدد کیوں نہیں کر رہا ہے۔

لیکن ڈرائنگ روم یا چرچ میں سروس کے دوران کسی سے یہ پوچھنا کہ کیا تم شیطان کے وجود پر یقین رکھتے ہو...... اور جواب میں یہ سننا ...... ہاں کیوں نہیں۔ پیش گوئی کی کتاب میں اس کا حلیہ بیان کیا گیا ہے...... ایک الگ بات ہے، اور چارلس وارن جیسے آدمی کو یہ یقین دلانے کی کوشش کرنا کہ اس کے باس نے جس بچے کو گود لیا ہے، وہ شیطان کا انسانی روپ ہے...... ایک اور بات ہے چارلس وارن اچھا کرسچن بھی تھا۔ اور بے حد عملی آدمی بھی تھا۔ اپنے مذہبی عقائد کی وجہ سے اپنی شان دار ملازمت خطرے میں ڈالنے والا وہ ہرگز نہیں تھا۔

تو اب کون اس کی مدد کرے گا؟ وہ مدد کے لیے کس کی طرف دیکھے؟ اتنے طاقت ور، چالاک اور بھیڑ نظر آنے والے بھیڑیوں کے مقابلے میں کون اس کی مدد کرے گا؟

وہ خود کار انداز میں ڈرائیو کر رہی تھی۔ اس کا ذہن اس مسئلے میں الجھا ہوا تھا۔ اور غیر ارادی طور پر وہ ڈیوڈسن ملٹری اکیڈمی سے دور نکل جانے کی کوشش کر رہی تھی۔

اس عالم میں کچھ دیر گزری۔ اب وہ یہ بھی نہیں بتا سکتی تھی کہ وہ کہاں ہے۔

اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو اسے اندازہ ہوا کہ وہ مضافاتی علاقے میں کافی دور نکل آئی ہے۔ وہ زرعی علاقہ تھا۔ جا بجا کھیت اور فارم نظر آ رہے تھے۔ پھر اچانک اسے بھوک کا احساس ہونے لگا۔

وہ میدانی علاقہ تھا۔ جدھر دیکھتی، اسے لامتناہی افق نظر آتا۔ وہ سرد علاقہ تھا۔ کیونکہ چاروں طرف سے کھلا تھا۔ جس ہائی وے پر وہ ڈرائیو کر رہی تھی، اس کے سوا کوئی سڑک نظر نہیں آ رہی تھی۔

اچانک تیز ہوا چلنے لگی۔ ہوا سے درخت ہلنے لگے۔ ہوا درختوں کے پتوں سے لپٹ کر، شاخوں میں چھپ کر روتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ جوآن کو کسی نامعلوم خوف نے گھیر لیا۔ اس نے سوچا کہ اسے شکاگو واپس جانا چاہیے۔ اور اگر یہ ممکن نہیں تو یہیں کہیں کوئی ٹھکانہ تلاش کرنا ہوگا، جہاں وہ پیٹ بھی بھر سکے اور رات بھی گزار سکے۔

یہی وہ وقت تھا، جب اچانک گاڑی کا انجن کھانسا...... اور پھر اچانک ہی مکمل طور پر بند ہو گیا۔

اس کے ساتھ ہی چلتی ہوئی ہوا بھی یک لخت ساکت ہو گئی!

کار چند لمحے تو اپنی پچھلی رفتار کے زور پر آگے بڑھی۔ مگر اس کی رفتار بہ تدریج کم ہو رہی تھی بالآخر وہ رک گئی۔

اب وہاں مکمل خاموشی تھی۔ کہیں زندگی کے آثار نہیں تھے۔ نہ کوئی جانور نہ انسان، نہ کوئی گھر۔ سڑک پر کوئی دوسری کار بھی نہیں تھی۔

جوآن نے ایکسلیٹر کو پوری قوت سے دبایا اور اگنیشن میں چابی گھمائی مگر بے سود۔ اسنے فیول میٹر کو دیکھا۔ ٹنکی آدھی سے زیادہ فل تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ کار میں کوئی گڑ بڑ ہے۔

اسے کارل ہیوگن ہیگن اور مائیکل مور گن کا خیال آیا۔ اس نے سوچا کہ وہ کیسے مرے تھے۔ اس کے جسم میں سرد لہر سی دوڑ گئی۔ اس سرد لہر کا تعلق باہر کی سردی سے ہرگز نہیں تھا۔

اس نے سوچا، کار میں یہ گڑبڑ کسی اور طرح کی لگتی ہے!

اسے احساس ہوگیا کہ کار سے دوبارہ اسٹارٹ ہونے کی امید رکھنا بے سود ہے۔ کار اب اسٹارٹ نہیں ہوگی۔ لیکن اس نے باقی امیدیں نہیں چھوڑی تھیں۔ اس کے جسم میں تناؤ تھا۔ نبض کی رفتار بہت تیز تھی۔ رگوں میں دوڑنے والے خون کی رفتار بھی معمول سے زیادہ تھی۔ وہ مختلف امکانات پر غور کررہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اسے بہت سنگین خطرہ لاحق ہے۔ مگر اسے بچ نکلنے کی کوشش کرنی ہے۔

اس نے ادھر اُدھر دیکھا کہ شاید کہیں زندگی کی کوئی علامت نظر آجائے...... سڑک پر اس طرف آتی ہوئی کار، کسی چمنی سے اٹھتا ہوا دھواں 'چرتی ہوئی کوئی گائے...... کچھ تو ہو۔

لیکن نہیں۔ وہاں کہیں ایسا کچھ نہیں تھا۔ وہاں ہر طرف موت جیسے سکوت کی حکمرانی تھی!

اس نے دونوں عقب نما آئینوں میں دیکھا۔ پیچھے بھی کوئی حوصلہ افزا صورت حال نہیں تھی کہیں زندگی کے آثار تک نہیں تھے۔ خاموشی ایسی تھی کہ رگوں میں دوڑتا ہوا خون پورے جسم میں دھڑکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ بے حد پر ہول سناٹا تھا۔ اس نے نروس انداز میں کار میں نصب ریڈیو آن کیا۔ وہ ایک کے بعد ایک بٹن دباتی گئی۔ مگر کوئی اسٹیشن نہیں ملا۔ اسٹیشن کیسے ملتا، ریڈیو خاموش تھا۔ اسے سرسراہٹ بھی سنائی نہیں دی تھی۔

اب یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ کار کی بیٹری مکمل طور پر ڈاؤن ہوگئی ہے یا کار ریڈیو میں کوئی خرابی ہے۔

وہ خوف سے بے حال ہوگئی۔ تنہائی کا احساس بہت جان لیوا تھا، اس پر مستزاد یہ احساس ہونا کہ دنیا میں اس کا کوئی بھی نہیں ہے۔ سب نے اسے چھوڑ دیا ہے۔ پھر ریڈیو پر سنسناہٹ ابھری گویا ریڈیو ٹھیک تھا۔ پھر ایک اسٹیشن سے موسیقی سنائی دی۔ گانا چل رہا تھا...... دھنک سے اوپر...... یہ اس کا پسندیدہ گانا تھا۔ اسے وہ جب بھی سنتی، پر امید اور خوش ہو جاتی لیکن اس وقت اس گانے نے اس کا خوف اور بڑھا دیا۔ تنہائی اور اکیلے پن کا احساس اور شدید ہوگیا۔

اس نے سوئی گھمائی۔ اگلے اسٹیشن پر کوئی پر جوش سیاست دان تقریر کر رہا تھا۔ سامعین کے دلوں میں اپنے مخالفین کا خوف پھونکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ اپنے اوصاف بھی بڑھا چڑھا کر بیان کر رہا تھا۔ جوآن کو اچانک ایسا لگا، جیسے وہ کوئی اجنبی زبان بول رہا ہو۔

جوآن نے گھبرا کر ریڈیو آف کر دیا اور نروس انداز میں انگلیوں سے اسٹیئرنگ کو ڈرم کی طرح بجانے لگی۔ وہ زیر لب کچھ بڑبڑا رہی تھی۔ لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ پھر اس کی بڑبڑاہٹ بھی معدوم ہوگئی۔

اس نے پھر سڑک کا، آگے پیچھے سے جائزہ لیا۔ سڑک اب بھی سنسان تھی اور سناٹا بھی ویسا ہی مہیب تھا۔

یہ وہ وقت تھا کہ اسے وہ بورڈ نظر آیا۔ وہ قسم کھا کر کہہ سکتی تھی کہ ایک لمحہ پہلے وہ بورڈ وہاں موجود ہی نہیں تھا۔ وہ بہت پرانا اور موسم زدہ بورڈ تھا اس پر لکھا تھا......نینسی ریسٹورنٹ نیچے......اچھا کھانا نہایت مناسب دام......لکھا تھا۔ اس کے نیچے کی عبارت جو آن کے لیے زیادہ اہم تھی ......فاصلہ تین میل۔

اگر وہ اس علاقے سے واقف ہوتی تو علاقے کے بنجرپن کو دیکھتے ہوئے سمجھ لیتی کہ اب اس ریسٹورنٹ کا وجود نہیں رہا ہوگا۔ لیکن وہ تو کسی امید کی تلاش میں تھی۔ اس نے سوچا کہ وہ تین میل پیدل چل سکتی ہے۔ یہ کوئی بہت زیادہ فاصلہ نہیں۔ اس ریسٹورنٹ کا تصور بہت خوش آئند تھا ، جہاں بہت سارے لوگ کھا پی رہے ہوں گے، ہنس بول رہے ہوں گے۔

وہ ان لوگوں میں شامل ہونا چاہتی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہاں سے اسے کار کے سلسلے میں مدد مل جائے گی۔ بس یہ ہے کہ وہاں تک پہنچنے کے لیے اسے تین میل پیدل چلنا ہوگا۔

اس نے دروازہ کھولا اور کار سے اتر آئی۔ باہر سردی پہلے سے بھی زیادہ تھی۔ وہ پلٹی کہ کار میں سے اپنا کوٹ نکال لے۔

یہ وہ وقت تھا کہ اس نے پر پھڑپھڑانے کی آواز سنی۔ ساتھ ہی اسے اپنی کار کی چھت کی طرف سے کھرچے جانے کی عجیب سی آواز سنائی دی۔

وہ اچھل کر پیچھے ہٹی۔ اس کے چہرے سے بہ مشکل دو انچ دور وہ بہت بڑا سیاہ کوا بیٹھا شیطنت بھری، اندر اتر جانے والی نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا۔

اس کے حلق سے چیخ نکلی اور وہ لڑکھڑاتے ہوئے مزید پیچھے ہٹی۔ کوے کی چبھتی ہوئی نگاہیں اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔ ملٹری اکیڈمی میں ڈیمین کی نگاہوں نے بھی ایسے ہی اس کا تعاقب کیا تھا۔

جو آن ہارٹ نے کوٹ ہلاتے ہوئے، کوے کو ہشکارا۔ لیکن کوے پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ وہ ہلا بھی نہیں، وہیں بیٹھا اسے گھورتا رہا۔

جو آن نے لات مار کر کار کا دروازہ بند کیا اور پیچھے ہٹی۔ اس نے کوٹ پہن لیا تھا۔ مگر اس کے جسم میں اب بھی سردی سے تھرتھری دوڑ رہی تھی۔ اس نے ایک لمحے کے لیے بھی کوے پر سے نگاہیں نہیں ہٹائی تھیں۔ اس کوے میں کوئی ایسی بات تھی کہ وہ اپنے اندر، بہت گہرائی میں اس سے خوف زدہ ہو گئی تھی۔ اور پھر اس کی سمجھ میں اس خوف کا سبب بھی آ گیا۔

اسے یقین تھا کہ اس کوے کو شیطان نے بھیجا ہے۔

کوا اب بھی اسی جگہ ساکت و صامت بیٹھا تھا۔ جیسے وہ مطمئن ہو کہ مختصر سی پرواز کے ایک جھپٹے میں وہ اس تک پہنچ سکتا ہے۔

کوے پر نظر جمائے جمائے وہ الٹے قدموں چلتی رہی......اس طرف جہاں نینسی ریسٹورنٹ کو ہونا چاہیے تھا۔ وہ چلتی رہی، یہاں تک کہ اس کے اور اس جسیم کوے کے درمیان چالیس گز کا فاصلہ ہو گیا۔ تب اس نے نظریں جھکائیں، دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو باہم پھنسایا اور دعا کرنے لگی۔ وہ لوکا کی عبارت تھی......خود جیزز کے الفاظ تھے......میں تمہیں طاقت دیتا ہوں سانپوں اور بچھوؤں کو کچلنے کی......اور دشمن کی تمام قوتوں سے

نمٹنے کی......اور کوئی بھی چیز کسی بھی طرح تمہیں تکلیف نہیں پہنچا سکے گی۔

پھر اس نے سرگوشی میں کہا۔ ''اے خدا میری مدد کر۔''

اب اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ جسیم کوا غائب ہو چکا تھا۔

اس کے حلق سے مسرت بھری، سکون سے لبریز آواز نکلی۔ جو اس نے سوچا، وہ درست تھا کوا یقیناً شیطان کا فرستادہ تھا......اور جیز زکو شیطانی قوتوں پر فوقیت حاصل تھی۔ اس نے اس سے دعا کی اور اس کی دعا باریاب ہوئی۔ وہ شیطانی کوا فرار ہو گیا۔

اسی وقت وہ جسیم کوا عقب سے چیختا ہوا اس پر حملہ آور ہوا۔ اس کے خوف ناک پنجے اس کی کھوپڑی میں اتر گئے۔

جو آن کی چیخ کوے کی چیخ سے کہیں زیادہ بھیانک تھی۔ اس نے دیوانہ وار ہاتھ چلاتے ہوئے کوے کو دھکیلنے کی...... ہٹانے کی کوشش کی لیکن وہ بدستور اس کے سر پر چپکا رہا۔ بلکہ وہ اس کے ہاتھوں پر چونچیں مار رہا تھا۔ اور اس کی چونچ اس کے پنجوں سے کم نکیلی نہیں تھی۔

کوا اڑتا ہوا آگے گیا اور پھر پلٹا۔ اور اس بار اس کا نشانہ آنسوؤں سے تر چہرہ تھا۔ وہ اپنی زرد چونچ کھول کھول کر وار کرتا رہا۔ ہر بار وہ اس کی خوب صورت جلد کا ایک حصہ نوچ لیتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی چونچ جو آن کے خون سے سرخ ہو گئی۔ اب اس کی چونچ سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے۔

اذیت سے چیختی ہوئی جو آن نے آسمان کی طرف چہرہ اٹھایا۔ لیکن اب وہ آسمان کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس کی ڈھیلوں سے محروم، خون سے بھری آنکھیں کسی مددگار کو پکار رہی تھی...... ہے کوئی، جو مجھے اس اذیت سے نجات دلائے! اس کی آنکھوں سے اب بھی آنسو بہہ رہے تھے۔ مگر وہ خون کے آنسو تھے۔ خون جو آنکھوں سے آنسوؤں کی طرح بہہ رہا تھا۔

کوے نے چند بار جھپٹ جھپٹ کر اس کے زخمی سر میں پنجے اور نیچے اتارے اور پھر پھڑ پھڑاتا ہوا دور چلا گیا۔ وہ اوپر کی طرف پرواز کرتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ ایک سیاہ نقطے کی طرح دکھائی دینے لگا۔

ناقابل بیان' ناقابل برداشت اذیت سے دوچار جو آن سڑک پر اندھوں کی طرح ٹٹولتی لڑکھڑاتی بڑھ رہی تھی۔ پھر اس کا پاؤں پھسلا اور وہ سڑک کے کنارے کیچڑ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے میں گر گئی۔ ابتدا میں تو وہ ہاتھ پاؤں مارتی رہی۔ پھر جیسے وہ توانائی کے آخری قطرے سے بھی محروم ہو گئی۔

وہ اس گڑھے میں ساکت ہو کر لیٹ گئی۔

لمحے دبے پاؤں گزرتے رہے!

پھر ایک آواز ابھری......ڈیزل انجن کی آواز! دور سے اٹھارہ پہیوں والا ایک بڑا ٹرالر تیز رفتاری سے آ رہا تھا۔

جو آن نے سر اٹھایا۔ کیا یہ ممکن ہے؟ کیا اسے مدد مل سکتی ہے؟ وہ طاقت مجتمع کر کے اٹھی اور اس نے گڑھے سے نکل کر سڑک پر پہنچنے کی کوشش کی۔ لیکن کیچڑ میں اس کا پاؤں پھسلا اور وہ دوبارہ گڑھے میں گر گئی۔ گرنے سے اس کے گھٹنے چھل گئے تھے۔ اس کے ہاتھ خون اور کیچڑ کے

آمیزے میں لتھڑے ہوئے تھے۔

اس نے پھر کوشش کی اور بالآخر سڑک پر پہنچنے میں کامیاب ہوگئی۔ ٹرالر اب کافی قریب آ گیا تھا۔ وہ سڑک پر آئی اور چیختے ہوئے ہاتھ ہلا ہلا کر اسے رکنے کا اشارہ کرنے لگی

صوت و آہنگ کا کھیل بھی عجیب کھیل ہوتا ہے۔ اگر کوئی آواز براہ راست آپ تک پہنچ رہی ہو تو آپ کے لیے یہ بتانا ممکن نہیں ہوتا کہ آواز عقب سے آرہی ہے یا سامنے سے اور جو آن ہارٹ وہ تو بس ہاتھ ہلائے جا رہی تھی۔

ٹرالر کارنر سے مڑا تو اس کی رفتار اتنی تیز تھی کہ اتنی چھوٹی سڑک پر ہونی نہیں چاہیے تھی ڈرائیور نے ایک تباہ حال کیچڑ میں لتھڑی عورت کو دیکھا، جو بیچ سڑک پر کھڑی مدد کے لیے ہاتھ ہلا رہی تھی اور اس کا رخ مخالف سمت تھا۔

ڈرائیور کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے پاس مہلت ذرا بھی نہیں تھی۔

ٹرالر کی ٹکر نے جو آن ہارٹ کو بیس فٹ اوپر ہوا میں یوں اچھالا، جیسے وہ کانٹے میں پھنسی کوئی مچھلی ہو اور زمین پر آنے سے پہلے وہ مر چکی تھی۔

ٹرالر کے بریک لگے، ٹائر چیخے۔ مگر ٹرالر رکتے رکتے بھی سو گز آگے جا چکا تھا۔

وہ خاموشی مکمل کہلاتی، اگر ٹرالر کی انجن کی آواز نہ ہوتی۔ پھر اوپر آسمان پر چکراتے ہوئے کوے کی مکروہ چیخ فضا میں گونجی۔ وہ ایسی آواز تھی، جیسے شیطان نے فاتحانہ قہقہہ لگایا ہو۔

۞۔۔۔۔۔۔۞۔۔۔۔۔۔۞

امریکا میں وسکونسن میں جھیل کے علاقے جیسی خوب صورت جگہیں دو چار ہی ہوں گی۔اور بہت سے لوگ تمام جھیلوں میں جنیوا جھیل کو خوب صورت ترین جھیل قرار دیتے ہیں۔اس جھیل کا محل وقوع بھی بہت شاندار ہے۔یہ شکا گو کے بہت قریب ہے اور وہاں متمول لوگوں کے لیے موسم سرما کی تفریحات کا مرکز ہے۔مگر اتنی قریب بھی نہیں کہ تفریح کے خواہش مند عام لوگوں کے وہاں ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ جائیں۔

جنیوا جھیل پر رچرڈ تھورن کا مکان پرانے طرز کا والا تھا۔اس سے ملحق قدرتی جنگل تھا، جہاں شکار کھیلا جا سکتا تھا۔پرانے طرز کے اس مکان میں زندگی کی وہ تمام جدید سہولیات میسر تھیں، جو دولت سے خریدی جا سکتی تھیں۔ان میں ہیلی کاپٹر بھی تھا،اور ہیلی پیڈ بھی اور مکان کے اندر کلوز سرکٹ ٹیلی ویژن سسٹم بھی۔دولت مند لوگ جن کے بچے بھی ہوں، عام طور پر اغوا برائے تاوان کی وارداتوں سے بہت خائف رہتے ہیں۔رچرڈ تھورن بھی اس سے مبرا نہیں تھا۔کلوز سرکٹ ٹی وی سسٹم اسی کا نتیجہ تھا۔

جھیل کے علاقے میں مواصلاتی نظام نہایت مربوط اور اعلیٰ معیار کا تھا۔رچرڈ تھورن کے لیے صدر امریکا اور سکریٹری آف اسٹیٹ تک کی کالیں آتی تھیں۔

تھورن فیملی کے دوستوں کا حلقہ بھی بہت وسیع تھا۔اور کاروباری تعلقات تو وسیع تر تھے۔اس ویک اینڈ پر مہمانوں کی بڑی تعداد موجود تھی۔وجہ یہ تھی کہ لڑکوں کی تیرھویں سالگرہ منائی جا رہی تھی۔رچرڈ تھورن کو ویسے بھی بڑی پارٹیاں کرنے کا شوق تھا۔

ڈیمین کی تاریخ پیدائش تو 6 جون تھی۔لیکن جب سے وہ یہاں چچا کے گھر آیا تھا،اس کی سالگرہ مارک کے ساتھ منائی جاتی تھی۔دوسرے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ اس کا سبب کنجوسی ہے لیکن رچرڈ کو یہ یاد تھا کہ اس کے بڑے بھائی نے عالم دیوانگی میں ننھے ڈیمین کو قتل کرنے کی کوشش کی تو اس نے اس کی تاریخ پیدائش کو عجیب اور پراسرار سا جواز بنایا تھا۔اور رچرڈ نہیں چاہتا تھا کہ اب وہ تاریخ کسی کی زبان پر بھی آئے۔

پارٹی سے پہلے والی رات کو ڈیمین اور مارک نشست گاہ میں بیک گیمن کھیل رہے تھے۔ہمیشہ کی طرح ڈیمین کو برتری حاصل تھی۔اگرچہ موجودہ گیم مارک جیت رہا تھا۔

نجانے کیا بات تھی کہ مارک کو ڈیمین سے ہارنا برا نہیں لگتا تھا۔جبکہ عام طور پر اپنے دوسرے ہم عمروں سے ہارنا اسے سخت ناپسند تھا۔مگر ڈیمین کسی سے ہار جائے، یہ بھی اسے گوارہ نہیں تھا۔اور مقابلہ اس کے اور ڈیمین کے درمیان ہو تو فتح وشکست بے معنی ہو جاتی تھی۔شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ مارک کو ڈیمین کا المناک ماضی ہمیشہ یاد رہتا تھا۔وہ سوچتا کہ ڈیمین نے بڑے دکھ اٹھائے ہیں۔اور اپنا سب کچھ کھو کر یہاں آیا ہے۔مارک شروع ہی سے غیر معمولی طور پر حساس بچہ تھا۔وہ ڈیمین کو خوش کرنے اور خوش رکھنے کی کوشش میں لگا رہتا تھا۔اس کے لیے وہ کوئی بھی قربانی دینے کو تیار تھا۔

نشست گاہ کی ایک دیوار پر ایک بڑے بارہ سنگھے کا سر آویزاں تھا۔اس بارہ سنگھے کو رچرڈ نے خود شکار کیا تھا۔وہ ان دنوں کی یادگار تھا، جب اس کی پہلی بیوی میری زندہ تھی۔ان دنوں اس کا محبوب مشغلہ میری کو لے کر جنگل کی طرف نکل جانا تھا۔

این تھورن کمرے میں داخل ہوئی۔لیکن دونوں لڑکے کھیل میں ایسے گم تھے کہ انہیں اس کی آمد کا پتا بھی نہیں چلا۔وہ خاموش کھڑی دونوں

کو دیکھتی رہی۔ ان دونوں کی جوڑی بڑی خوبصورت تھی۔

وہ کچھ دیر انہیں دیکھتی رہی۔ پھر اس نے مداخلت کی۔ ''اب بس کرو۔ رات بہت ہو چکی ہے۔ اور کل تم دونوں کیلیے بڑا اہم دن ہے۔''

مارک نے جو کہ پہلی بار جیتنے والا تھا، سر اٹھا کر اسے دیکھا اور بولا۔ ''موم۔ بس چند منٹ کی بات ہے۔ پلیز موم۔'' یہ کہہ کر اس نے تائید بھری نظروں سے ڈیمین کو دیکھا۔

ڈیمین کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس کے ہونٹوں پر ایک شریر مسکراہٹ مچلی ''اوکم آن مارک۔ اگر موم کہتی ہیں کہ سونے کا وقت ہو گیا تو سونے کا وقت ہو گیا۔'' وہ بولا

این مسکرائی۔ وہ حقیقی صورت حال کو سمجھ چکی تھی۔ ڈیمین کو شکست سے بچنے کا موقع مل رہا تھا۔

مارک مسکرایا۔ اس کی بھی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔ ''سنو...... کھیل کو ایسے ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ کل صبح مکمل کریں گے۔ کیسا آئیڈیا ہے؟''

اس پر ڈیمین اور این بھی ہنسنے لگے۔

انھوں نے ایک دوسرے کو گڈ نائٹ کہا۔ دونوں لڑکے اپنے اپنے کمروں کی طرف جانے والے چوبی زینے کی طرف بڑھ گئے۔ این نے نشست گاہ کے کمرے کی لائٹ آف کی اور کمرے سے نکل آئی۔

''ڈیمین...... میں تم سے کچھ پوچھنا چاہ رہا تھا۔'' زینے پر مارک نے ڈیمین سے کہا۔

''کوئی اہم بات ہے؟'' ڈیمین نے پوچھا۔

مارک ہنسنے لگا۔ ''نہیں بھئی۔ کوئی بات اہم کہاں ہوتی ہے۔''

''یہ بات ہے تو پوچھ لو۔'' ڈیمین نے شاہانہ انداز میں کہا۔

''تمہارے اور نیف کے درمیان کیا چکر ہے؟''

ڈیمین حیرت کے لیے تو تیار تھا۔ لیکن اس سوال کی تو اسے دور دور تک بھی توقع نہیں تھی اس نے مارک کو بہت غور سے دیکھا۔ پھر بڑے محتاط لہجے میں بولا۔ ''مطلب کیا ہے تمہارا؟''

مارک زینے پر پہنچ کر رک گیا۔ ''ایسا لگتا ہے کہ وہ ہر لحہ تمہیں...... صرف تمہیں دیکھتا رہتا ہے۔ مجھے تو یہ بات عجیب لگتی ہے۔''

''ہاں...... یہ ہے تو'' ڈیمین نے کہا اور راہ داری میں بڑھ گیا۔ اس نے کمرے کا دروازہ کھولا، پھر پلٹ کر مارک کو دیکھا، جو اسے دیکھ رہا تھا۔ ''لیکن نیف ایک سارجنٹ ہے۔ اور میرا تجربہ ہے کہ تمام سارجنٹ ہی عجیب ہوتے ہیں۔'' پھر اس نے مسخرے پن سے بڑے ادب سے سر خم کیا۔ ''گڈ نائٹ مارک۔'' یہ کہہ کر وہ اپنے بیڈ روم میں چلا گیا۔

⁂

اگلے روز شام کو تمام مہمان آ گئے۔ ان میں پال بوہر، ڈیوڈ پیساریان، بل ایتھرٹن اور ڈاکٹر وارن بھی تھے۔ ملٹری اکیڈمی کے چند طالب علم

بھی تقریب میں شرکت کے لیے آئے تھے۔

تھورن جیسے متمول گھرانوں میں سالگرہ کی تقریب اور خاص طور پر لڑکوں کی تیرھویں سالگرہ کو ایک طرح کی قبائلی رسم کا درجہ دیا جاتا ہے۔ایک لڑکا لڑکپن کی دہلیز پھلانگ کر جوانی کی حدود میں داخل ہو رہا ہے۔اب وہ مرد کہلائے گا۔اسے اپنی فیملی کی تمام قوتیں حاصل ہوں گی۔اس کے نتیجے میں بے شمار زندگیاں متاثر ہوں گی۔بلکہ کبھی کبھی تو قوموں کی تقدیر بھی بدل جاتی ہے۔تاہم تھورن فیملی نے اس تقریب کے اصل چہرے پر سوشل تقریب کا ماسک چڑھا دیا تھا۔

اونچی چھت والے ڈائننگ روم میں مارک اور ڈیمین مہمانوں میں گھرے تھے۔روشنی بہت مدھم تھی۔فضا خوشبوؤں سے بوجھل تھی۔ڈائننگ روم میں ایک طرف بہت بڑی بوفے ٹیبل تھی۔وہ نوادرات میں سے تھی۔رچرڈ کے ایک دوست نے رچرڈ کی پسندیدگی دیکھنے کے بعد خرید کر اسے تحفے میں دی تھی۔

اس وقت اس میز پر انواع واقسام کے کھانے لگے تھے۔بس میٹھے کی کمی تھی۔اور وہ کسی بھی لمحے آنے والا تھا۔

ڈیمین اور مارک دونوں نے اپنے ہاتھ آنکھوں پر رکھے ہوئے تھے۔''کیا اب ہم دیکھ سکتے ہیں؟'' مارک نے بے صبرے پن سے پوچھا

''ابھی نہیں۔'' این نے محبت سے کہا۔

برابر والے کمرے سے مردانہ آوازیں آرہی تھیں...... ہیپی برتھ ڈے ٹو یو...... ہیپی برتھ ڈے ٹو یو......

''اب؟'' مارک نے پوچھا۔

مردانہ آواز کا آہنگ اور بلند ہو گیا تھا۔ہیپی برتھ ڈے ٹو یو......

''ہاں، اب......'' این نے سنسنی آمیز لہجے میں کہا۔

ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔گانا ختم ہو گیا۔

دونوں لڑکوں نے آنکھوں سے ہاتھ ہٹا لیے۔

وہ بہت بڑا کیک تھا......اتنا بڑا کہ پوری ملٹری اکیڈمی بھی مدعو ہوتی تو اس کے لیے کافی تھا۔وہ تین منزلہ کیک تھا اور اس کی سب سے اوپری منزل کو دیکھیں تو وہ کیک ہرگز نہیں لگتا تھا۔کیونکہ وہ جنیوا جھیل کا منظر تھا۔بلکہ درحقیقت وہ پوری جینوا جھیل کا وہ حصہ تھا......وہ منظر تھا، جو ڈائننگ روم کی کھڑکی سے نظر آتا تھا۔جھیل کے کنارے 13 موم بتیاں لگی تھیں۔کیک کے بالائی حصے پر منجمد جھیل تھی۔جس پر متعدد افراد، جن میں عورتیں بھی تھیں، اسکیٹنگ کرتے نظر آرہے تھے۔

وہ بلاشبہ بہت انوکھا اور دنیا کا سب سے مہنگا کیک تھا۔شکاگو کے ایک فن کار نے جو کرسمس ونڈوز ڈیزائن کرنے میں مہارت رکھتا تھا، اسے ڈیزائن کیا تھا۔اس فن کار کو بڑی مشکل سے اس پر آمادہ کیا گیا تھا کہ وہ ایک نئے میدان میں اپنے فن کو آزمائے۔اور اس فن کار نے بھی اپنے فن کو کمال پر پہنچا دیا تھا۔

مارک بے ساختہ تالیاں بجانے لگا۔ ڈیمین کے ہونٹوں پر بے حد کشادہ مسکراہٹ تھی۔ مہمان بھی تالیاں بجا رہے تھے۔

''بہت شاندار'' مارک نے کہا۔

''ہیپی برتھ ڈے مائی ڈارلنگز'' این نے ان دونوں کو لپٹاتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے ان دونوں کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

مارک نے خود کو این کی گرفت سے آزاد کرایا اور بے تابانہ کیک کی طرف لپکا۔ ڈیمین اس کے پیچھے پیچھے تھا۔

اسی وقت بوہر کمرے میں داخل ہوا۔ سر میں شدید درد کی وجہ سے وہ کچھ دیر کے لیے آرام کی غرض سے دوسرے کمرے میں لیٹ گیا تھا۔ اس کا لباس لیٹنے کی وجہ سے شکن آلود ہو گیا تھا۔

سب سے پہلے این نے اسے دیکھا اور ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔ ''اب کچھ بہتر محسوس کر رہے ہو پال؟''

''بہت بہتر۔ شکریہ۔'' پال بوہر نے کہا۔ دیکھنے میں بھی وہ پہلے سے بہتر لگ رہا تھا۔

''آدھے سر کا درد بہت اذیت دہ ہوتا ہے۔'' این بولی۔ ''میری ایک سہیلی آدھے سر کے درد کی مریض تھی۔ وہ کہتی تھی کہ درد کے دوران مجھے ایسا لگتا ہے' جیسے بے شمار بونے میرے سر میں گھسے ہوئے ہیں، ان کے ہاتھ میں چاقو ہیں اور وہ مجھے چرکے لگا رہے ہیں۔''

پال بوہر مسکرایا۔ وہ تائیدی مسکراہٹ تھی...... اور ایک موذی تکلیف کے مقابلے میں اس کی بہادری کی غماز بھی۔ ''گزشتہ چند روز میرے لیے بے حد اعصاب شکن تھے۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔ یہ کہتے ہوئے اس نے بل ایتھرٹن کو دیکھا جو کیک کے پاس کھڑے دونوں لڑکوں کے برابر کھڑا تھا۔ دونوں لڑکوں کے انکل کی حیثیت میں، اس کے ہونٹوں پر فخریہ مسکراہٹ تھی۔

مارک بڑی دلچسپی سے کیک پر بنے ہوئے اسکیٹرز کو دیکھ رہا تھا۔ ڈیمین نے کیک کی آئسنگ میں انگلی گڑوئی اور چٹخارہ لے کر اپنی انگلی کو چاٹنے لگا۔ رچرڈ تھورن بھی لڑکوں کے برابر کھڑا تھا۔ اس کا انداز بھی فخریہ تھا۔

وہ بڑا جذبات انگیز منظر تھا۔ پال بوہر کا بس چلتا تو وہ بھی اس منظر میں اپنے لیے کوئی کردار منتخب کر لیتا۔

مارک اس کیک کو زیادہ سے زیادہ لوگوں کو دکھانے کا خواہش مند تھا۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا۔ این اور پال بوہر پر نظر پڑی تو وہ چلایا۔ ''موم! مسٹر بوہر! آئیں نا...... دیکھیں تو، کیسا زبردست کیک ہے۔''

این مسکرائی اور مارک کی طرف بڑھی۔ بوہر کا رخ ڈیمین کی طرف تھا۔

ڈیمین نے پال بوہر کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا۔ وہ مسکرایا اور آہستہ سے سر ہلایا۔ لیکن اس کا خیال تھا کہ پال بوہر دوسری طرف جا رہا ہے۔ ویسے بھی سامنے اتنا بڑا کیک ہو تو لڑکوں کو بڑے لوگوں سے بات کرنا اچھا نہیں لگتا۔

''اکیڈمی کی تربیت کیسی جا رہی ہے ڈیمین؟'' پال بوہر نے قریب آ کر اس سے پوچھا۔

ڈیمین نے کندھے جھٹک دیے۔ ''سب ٹھیک ٹھاک ہے مسٹر بوہر۔'' اس کا لہجہ بتا رہا تھا کہ اس وقت اسے اس موضوع میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اور وہ اس گفتگو کو یہیں ختم کر دینا چاہتا ہے۔

''اور سارجنٹ نیف کیسا لگا تمہیں؟'' پال بوہر نے پوچھا۔

اب ڈیمین متوجہ ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ''آپ انہیں جانتے ہیں؟'' اس کے چہرے پر حیرت کا تاثر بے حد واضح تھا۔

بوہر ہنسنے لگا۔ ''میں نے اس کے بارے میں معلومات کی تھیں۔'' اس نے ڈیمین کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری وجہ سے ڈیمین۔ میں تمہارے بارے میں پوری طرح باخبر رہنے کی کوشش کرتا ہوں۔''

ڈیمین کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس بات کا کیا مفہوم لے۔ اس کا چہرہ تمتما اٹھا۔ اس نے اپنی توجہ دوبارہ کیک پر مبذول کر لی۔

لیکن پال بوہر کو اس طرح جھٹکا نہیں جا سکتا تھا۔ ''تمہیں معلوم ہے ڈیمین کہ میں تھورن انڈسٹریز میں کیا خدمات انجام دیتا ہوں؟''

ڈیمین نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں جناب۔'' اس کی آنکھیں بوریت کا اظہار کر رہی تھیں۔ لیکن وہ اظہار کرنا بدتمیزی کی حد تک پہنچا ہوا ہرگز نہیں تھا۔

''تمہیں جاننا چاہیے۔'' پال بوہر کے لہجے میں اصرار تھا۔ ''تمہیں تھورن فیملی کے ہر کاروبار سے باخبر ہونا چاہیے۔ ایک دن یہ سب کچھ تمہارا ہوگا...... صرف تمہارا!''

''میرا اور مارک کا۔'' ڈیمین نے جلدی سے تصحیح کی۔

''میرا مطلب بھی یہی تھا۔ میں نے تمہارا کہا تو جمع کے صیغے میں کہا تھا۔'' پال بوہر نے بھی تیزی سے اس تصحیح کو قبول کیا۔ لڑکا بے وقوف نہیں ہے۔ اس نے دل میں سوچا۔ اسے ڈپلومیسی آتی ہے۔ چنانچہ اس نے گفتگو کا رخ بدلا۔ ''تم کسی دن پلانٹ پر آؤ نا۔ گھومو پھرو۔ دیکھو'' اس نے کہا۔

وہ دعوت ڈیمین کے لیے پرکشش تھی۔ ''میں اپنے دوستوں کو بھی ساتھ لا سکتا ہوں؟'' اس نے پوچھا

''کیوں نہیں۔'' پال نے شاہانہ انداز میں کہا۔

اس وقت رچرڈ تھورن نے چاندی کے چمچے سے ایک بلوری صراحی کو تھپ تھپایا جلترنگ کی اس آواز نے تمام مہمانوں کو اس کی طرف متوجہ کر دیا۔

اگلے ہی لمحے سب کے ہاتھوں میں شمپین کے جام تھے۔ میز کے گرد مہمانوں کے چھوٹے چھوٹے گروپ بن گئے۔ رچرڈ تھورن نے اپنا جام فضا میں بلند کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ ان قیمتی لمحوں میں سے ایک لمحہ ہے، جب مجھ جیسے آدمی کو بھی تقریر کا شوق ہو جاتا ہے۔ تو دوستو، یہ جام خوش قسمتی کے نام...... شکر گزاری کے ساتھ کہ ہمیں بے شمار نعمتیں عطا کی گئیں۔ ہم تھورن فیملی کے لوگوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ جو پوزیشن ہمیں ملی ہے، ہم اس سے عقل مندی کے ساتھ اور بہتری کی سمت استفادہ کریں۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ سب کچھ شروع ہی سے ایسا نہیں ہے۔ اور اگر ہم پیہم کوشش نہیں کریں گے تو یہ سب کچھ ہمیشہ رہے گا بھی نہیں۔ جو کچھ ہمیں ملا ہے ہمیں خود کو اس کا مستحق ثابت کرنا ہوگا۔ بس مجھے یہی کہنا تھا مارک...... خوش ہو جاؤ کہ میں نے باقاعدہ تقریر سے احتراز کیا ہے۔''

''واقعی ڈیڈ۔ میں شکر گزار ہوں۔'' مارک نے کہا۔

اس پر ایک اجتماعی قہقہہ لگا۔

رچرڈ نے ہاتھ لہرا کر لوگوں سے خاموشی اور توجہ کا مطالبہ کیا۔ قہقہے مشینی انداز میں رک گئے، جیسے کوئی سوئچ آف کر دیا گیا ہو۔ ''بہر حال مجھے ایک بات اور کہنی ہے۔'' رچرڈ نے کہا۔ ''اور کوئی لاکھ مجھے روکنے کی کوشش کرے، میں وہ بات کہہ کر رہوں گا۔''

اس کے لہجے میں سنگینی نے تمام مہمانوں کو ٹھٹھرا دیا۔ سسپنس ان کے لیے ناقابل قبول تھا۔ انہیں لگ رہا تھا کہ رچرڈ کوئی سخت بات کرنے والا ہے۔ لیکن رچرڈ نے اچانک انداز بدلا اور چہکتے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''خواتین وحضرات...... آپ سب جلدی سے کھڑکی کی طرف لپکیں۔''

سب کھڑکی کی طرف لپکے۔ بہت سوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ رچرڈ نے یہ کیوں کہا ہے۔

مارک کو پہلے ہی توقع تھی کہ کیک کے بعد کوئی اور حیرت بھی منتظر ہے۔ وہ سب سے پہلے کھڑکی تک پہنچا تھا۔

''پلیز تمام لائٹس آف کر دیں۔'' رچرڈ نے ڈرامائی انداز میں کہا۔

کمرے میں گھپ اندھیرا ہو گیا۔ ڈائننگ روم کی جس کھڑکی کے پاس وہ کھڑے تھے، وہ بہت بڑی تھی۔ اس کھڑکی سے باہر جھیل کا خوب صورت منظر دکھائی دے رہا تھا۔

پھر باہر...... تاریک آسمان پر روشنی کے انار سے پھوٹے۔ اگلے ہی لمحے ان کے سامنے آتش بازی کا اتنا حسین اور عظیم الشان منظر تھا، جو ان میں سے کسی نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ وہاں رنگ ہی رنگ تھے...... سبز، نیلا، زرد اور سرخ...... دھنک سے زیادہ چمک دار رنگ۔ آسمان سے جیسے رنگوں کی اور روشنی کی بارش ہو رہی تھی۔ باہر جیسے دن نکل آیا تھا۔ آتش بازی میں راکٹ بھی تھے، انار بھی اور پھل جھڑیاں بھی۔ جھیل سے کوئی ڈیڑھ سو فٹ اوپر آتش بازی اپنے کلائمکس پر پہنچی اور بہ تدریج مدھم ہونے لگی۔

پھر اچانک، بالکل اچانک فضا میں تیرتے ہوئے روشن اور رنگ برنگ حرف ابھر آئے

پپی برتھ ڈے...... مارک اینڈ ڈیمین

لوگ ایسے مبہوت ہوئے تھے کہ سانس لینا بھی بھول گئے تھے، تالیاں کیا بجاتے۔ مگر پھر اچانک سحر ٹوٹا اور تالیاں اس طرح بجیں کہ لگتا تھا چھت اڑ جائے گی۔

''مجھے یقین نہیں آرہا ہے ڈیڈ۔'' مارک نے وفورِ مسرت سے کہا اور رچرڈ تھورن سے لپٹ گیا۔ ''شکریہ ڈیڈ۔''

ڈیمین نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔ خوشی اسے بھی اتنی ہی ہوئی تھی، جتنی مارک کو۔ لیکن وہ مارک کی طرح اظہار نہیں کرسکتا تھا۔ وہ جذبات کو اندر ہی رکھنے کا قائل تھا...... اور اس پر قادر بھی تھا۔

وہاں ایک شخص ایسا بھی تھا، جو دولت کے اس عظیم الشان مظاہرے سے بالکل متاثر نہیں ہوا تھا۔ وہ تھا پال بوہر۔ اس کی نگاہوں کا مرکز ڈیمین تھا۔ موقع ملتے ہی وہ پھر اس کی طرف بڑھا۔ اس نے ڈیمین کے کان میں سرگوشی کی کہ کوئی اور نہ سن سکے۔ ''بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ تیرھویں سالگرہ کسی لڑکے کے لیے آغاز بلوغت ہوتی ہے...... مردانگی کا آغاز۔''

ڈیمین کچھ نہیں سمجھا۔ تاہم اس نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔ ''کیا واقعی؟'' اس کی نگاہیں اب بھی باہر ہی مرکوز تھیں۔

''تم جان جاؤ گے۔'' پال بوہر نے کہا۔

ڈیمین نے سر گھما کر اسے دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملیں اور الجھ کر رہ گئیں۔

پال بوہر کا لہجہ بے حد نرم تھا...... جیسے وہ عمل تنویم کر رہا ہو۔ ''اس پر مجھے معاف کرنا کہ میں بائبل سے حوالہ دے رہا ہوں۔ لیکن یہ بائبل میں ہے کہ...... جب میں بچہ تھا، بچوں کے انداز میں سوچتا اور عمل کرتا تھا۔ مگر جب میں مرد بنا تو میں نے سب بچکانہ باتیں چھوڑ دیں...... وقت آرہا ہے ڈیمین کہ تم بھی سب بچکانہ باتیں چھوڑ دو گے۔ اس وقت جب تم اس حقیقت کا سامنا کرو گے...... کہ تم درحقیقت کون ہو۔''

''میں کون ہوں؟''

پال بوہر نے سر کو اثباتی جنبش دی۔ ''یہ ایک عظیم لمحہ ہے ڈیمین۔ مجھے یقین ہے کہ تم بھی اسے محسوس کر رہے ہو گے۔''

ڈیمین ڈسٹرب ہوا تھا۔ لیکن مسحور بھی تھا۔ پہلے تو وہ یہ سمجھا تھا کہ بوہر اس کے چچا کی نظروں میں اپنا مقام بنانے کے لیے اس کا دل جیتنے کی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ چند ماہ میں وہ اپنے وجود میں انقلابی تبدیلیوں سے جس طرح ڈسٹرب رہا ہے، پال بوہر وہ واحد آدمی ہے، جس نے اسے زبان دی ہے۔ اسے ایسا لگتا تھا کہ پال بوہر اس کے اندر بہت اندر بہت گہرائی میں جھانکنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ''میرا خیال ہے، آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں'' ۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''مجھے یقین نہیں۔ لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ میرے اندر کچھ ہو رہا ہے...... کچھ بہت اہم ہونے والا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے پال بوہر کی آنکھوں میں جھانکا۔

پال بوہر مسکرایا۔ ''اپنی منزل، اپنے مقدر کے بارے میں شکوک و شبہات! ہے نا؟ اس سے سبھی گزرتے ہیں...... تمہارے ڈیڈی، بل ایتھرٹن...... یہاں تک کہ میں بھی۔'' اس نے ایک لمحہ توقف کیا۔ پھر ڈرامائی انداز میں بولا۔ ''تمہیں پتا ہے، میں بھی یتیم ہوں۔''

ڈیمین نے نفی میں سر ہلایا۔

''یہی وجہ ہے کہ تم جس چیز سے گزر رہے ہو، میں اسے سمجھ سکتا ہوں۔ تمہیں پہلی بار ان تبدیلیوں کا احساس جون کے مہینے میں ہوا ہوگا ۔میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟ کیونکہ تمہارا برتھ ڈے جون میں آتا ہے......''

ڈیمین حیران رہ گیا۔لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا ،بل ایتھرٹن نے انہیں پکارا۔ ''ارے تم دونوں باتوں میں لگے ہوئے ہو ۔چلو......''

ان دونوں نے دیکھا۔کیک کاٹنے کی تیاری ہو رہی تھی۔

''کم آن ڈیمین۔'' مارک نے پکارا۔وہ پھونک مار کر موم بتیاں بجھانے کو بے تاب ہو رہا تھا۔

''ارے ہاں......دل میں کوئی خواہش کرنا نہ بھولنا۔'' این نے دونوں کو یاد دلایا۔

ڈیمین کو پال بوہر سے جان چھڑانے کا موقع مل گیا۔اسے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ قبل از وقت اس پر بوجھ لادنے کی کوشش کر رہا ہے۔وہ مارک کی طرف بڑھ گیا۔

دونوں لڑکوں نے گہری سانس لی اور پوری قوت سے پھونک ماری۔انھوں نے ایک ہی سانس میں پوری تیرہ موم بتیاں بجھا دیں۔سب لوگ تالیاں بجا بجا کر وش کرنے لگے۔

''چلو بھئی، اب کیک کاٹو'' این نے کہا۔''دل للچا رہا ہے اور بھوک بھی لگ رہی ہے۔''

''اس سے پہلے میں مارک کو کچھ دینا چاہتا ہوں'' ۔ڈیمین نے کہا اور اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔

''اوہو'' مارک کے لہجے میں عیاری تھی۔''میں تو تمہارے لیے کچھ لانا بھول ہی گیا۔'' اس نے بھی اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔

دونوں لڑکوں کے تحفے ایک ہی ساخت اور ایک ہی سائز کے تھے۔یہاں تک کہ ریپنگ پیپر بھی ایک جیسا تھا۔مارک ہنسنے لگا۔''اگر تم نے بھی مجھے اس............'' اس نے کہا

''............وہی دیا جو میں نے تمہیں دیا ہے......'' ڈیمین نے بھی کہا۔

ان دونوں نے این کو دیکھا اور بولے۔''موم؟''

دونوں کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ دونوں کے تحفے ان کے لیے این نے خریدے ہیں۔این مسکرائی اور انہیں دیکھتی رہی۔

دونوں لڑکوں نے پر جوش انداز میں اپنے تحفوں کے ریپر ہٹائے۔دونوں کے باکس میں سے خوب صورت اور چمک دار، مگر ایک جیسے سوئس چاقو نکلے......تمام لوازمات سمیت!

سب لوگوں نے تالیاں بجائیں۔

''مجھے تو سچ مچ اس کی ضرورت تھی۔'' مارک نے کہا۔

''مجھے بھی۔'' ڈیمین بولا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو ٹھوکے دیے۔

پھر دونوں لڑکوں نے فیصلہ کیا کہ وہ کیک کاٹنے کے لیے وہی چاقو استعمال کریں گے۔ لیکن کیک کاٹنے سے پہلے ڈیمین نے چاقو کی مدد سے کیک کی منجمد جھیل پر سے ایک اسکیٹر کو کاٹ کر الگ کرلیا۔ پھر دونوں لڑکوں نے کیک میں چاقو گھونپ دیا۔ مہمان تالیاں بجارہے تھے۔

اگلی صبح جھیل کی منجمد سطح پر دھوپ اٹکھیلیاں کر رہی تھی۔ جہاں سورج کی کرنیں جھیل کی سطح پر منعکس ہو رہی تھیں، وہاں دھنک کے رنگ پھوٹتے نظر آ رہے تھے۔ فطرت نے اپنے تمام وسائل بروئے کار لاتے ہوئے دن کے وقت آتش بازی کے ایسے عظیم الشان مظاہرے کا اہتمام کیا تھا، جس کے سامنے رچرڈ تھورن کا دولت کے بل پر پیش کیا گیا شو پھیکا پڑ گیا تھا۔

جھیل سے کئی شاخوں میں تقسیم ہو کر پانی نکل رہا تھا، جو کچھ آگے جا کر دریا کا روپ دھارتا تھا اور بل کھاتا ہوا جنگل کی طرف بہہ رہا تھا۔ وہ دریا بھی اس وقت منجمد تھا۔ یہی وہ جگہ تھی، جہاں آئس ہاکی کا میچ کھیلا جانا تھا۔ دریا کے کنارے قدرتی باؤنڈری کی حیثیت رکھتے تھے۔ یوں کھیل کا میدان بالکل صاف اور واضح تھا۔

سہ پہر کے قریب کھیل کا آغاز ہوا۔ دونوں ٹیمیں بنیادی طور پر تھورن انڈسٹریز کے ایگزیکٹیوز پر مشتمل تھیں۔ ایک ٹیم کی قیادت مارک تھورن کر رہا تھا، جبکہ دوسری ٹیم کا کیپٹن ڈیمین تھورن تھا۔ ان کے اکیڈمی کے ساتھی ان کے لیے تالیاں بجارہے تھے۔

بہ ظاہر تو وہ موسم سرما کا ایک تفریحی کھیل تھا۔ لیکن پال بوہر جانتا تھا کہ داؤ پر کیا کچھ لگا ہوا ہے۔

پال یہ جانتا تھا کہ بڑی کمپنیوں کے بڑے فیصلے بورڈ روم میں نہیں کیے جاتے۔ ہاں وہ وہاں پیش ضرور کیے جاتے ہیں۔ وہاں ان کی نوک پلک ضرور درست کی جاتی ہے۔ فیصلے درحقیقت کاک ٹیل پارٹیوں میں، اسکواش کورٹس میں...... بلکہ آج کل تو خاص طور پر ٹینس کورٹس میں طے پاتے ہیں۔ ایک اچھا بیک ہینڈ اسٹروک ہاورڈ بزنس اسکول میں تین سال کی تعلیم سے زیادہ موثر ثابت ہوتا ہے۔ اہمیت اس بات کی ہے کہ آپ اچھا کھیلیں اور کام کے لوگوں سے کھیلیں۔ اگر آپ پرکشش ہیں، خوشامدی ہونے کے ساتھ مناسب موقعوں پر خود کو قوت فیصلہ رکھنے والا اور ثابت قدم انسان ثابت کرتے ہیں۔ تو آپ کے ٹینس پارٹنر آپ کو اپنا دوست سمجھیں گے۔ ضرورت پڑنے پر وہ کاروباری معاملات میں باہر کے لوگوں کے مقابلے میں آپ کو ترجیح دیں گے۔ کیریئر ایسے ہی بنتے ہیں۔

لیکن تھورن فیملی کا پسندیدہ گیم ان ڈور گیم نہیں ہو سکتا تھا۔ پورے ہفتے ڈیسک کے پیچھے بیٹھ کر کاروباری معاملات نمٹانے کے بعد ان ڈور گیم سے کام نہیں چل سکتا تھا۔ چنانچہ رچرڈ تھورن کا پسندیدہ کھیل آئس ہاکی تھا۔

تھورن انڈسٹریز میں یہ مشہور تھا کہ اگر رچرڈ تھورن کی حمایت چاہتے ہو تو آئس ہاکی کے کھیل میں کمال حاصل کرو۔ رچرڈ کو نہیں معلوم تھا کہ اس کی کمپنی میں اس انداز میں سوچا جاتا تھا۔

بہرحال اس روز رچرڈ بہت خوش تھا۔ اس کے تمام ایگزیکٹیوز وہاں موجود تھے۔ ان میں وہ بھی تھے، جو عمر کی وجہ سے اب کھیل نہیں سکتے

تھے۔ وہاں بیویاں بھی موجود تھیں۔ ان کی وجہ سے ماحول کی رنگینی میں اضافہ ہوگیا تھا۔ رنگین اونی ٹوپیاں، مفلر، کوٹ اور دستانے۔

دونوں کپتانوں...... مارک اور ڈیمین نے ٹاس کیا کہ پہلے کھلاڑی کے انتخاب کا حق کس کو ملے۔ ڈیمین نے ٹاس جیتا اور خوش ہوا کہ اسے چچا کو اپنی ٹیم میں شامل کرنے کا موقع مل گیا۔ رچرڈ نے اظہار مسرت کے طور پر رسی پھاندنے کے انداز میں چند کرتب دکھائے۔ پھر وہ ڈیمین کے ساتھ جا کھڑا ہوا۔

مارک نے بل ایتھرٹن کو منتخب کیا۔ ایتھرٹن نہ تو اچھا کھلاڑی تھا، نہ ہی جسمانی طور پر فٹ تھا۔ لیکن مارک کے نزدیک وہ اس عزت اور احترام کا مستحق تھا۔ ایتھرٹن اسکیٹنگ کرتا ہوا مارک کے برابر پہنچ گیا۔ اس کے ہونٹوں پر تشکر آمیز مسکراہٹ تھی۔

ڈیمین کا دوسرا انتخاب پال بوہر تھا۔ اسے خود بھی نہیں معلوم تھا کہ اس پال بوہر کو کیوں منتخب کیا۔ شاید وہ اس توجہ کا صلہ دے رہا تھا، جو پال نے اسے آج دی تھی۔ یا شاید وہ پال بوہر کو اچھا کھلاڑی سمجھتا تھا۔ اس کے خیال میں پال بوہر ایسا کھلاڑی تھا، جس کا مخالف ٹیم میں ہونا نقصان دہ ثابت ہوتا۔

وجہ کچھ بھی رہی ہو، پال بہت خوش تھا کہ ڈیمین نے اسے منتخب کیا۔ وہ اسکیٹنگ کرتا ہوا ڈیمین اور رچرڈ کے پاس جا پہنچا۔

مارک کا اگلا انتخاب ڈیوڈ پیاریان تھا۔ ڈیوڈ پرجوش انداز میں میدان میں داخل ہوا۔

دونوں ٹیمیں منتخب ہوگئیں۔ پھر میچ شروع ہوگیا۔

پال بوہر ایک ماہر کھلاڑی تھا۔ اس میں خود اعتمادی بھی تھی اور بے رحمی بھی۔ اور وہ پریکٹس بھی کرتا تھا۔ رچرڈ تھورن نے خود کو بیک پوزیشن میں رکھا۔ وہ خود کو توجہ کا مرکز نہیں بنانا چاہتا تھا۔ بہر حال اس وقت پال بوہر کو دیکھتے ہوئے پہلی بار اسے احساس ہوا کہ پال کھیل کو کھیل نہیں، جنگ سمجھنے کا قائل ہے اور وہ ہر قیمت پر جیتنا چاہتا ہے۔ اسے اس پر بھی حیرت ہوئی کہ پال کی اس خصوصیت کا اسے پہلے پتا نہیں چلا۔ حالانکہ انسانوں کو سمجھنے کے معاملے میں وہ کبھی غلطی نہیں کرتا تھا۔

لیکن رچرڈ کی توجہ اس سے ہٹ گئی۔ وہ اپنی توجہ صرف ڈیمین پر مرکوز رکھنا چاہتا تھا۔

ڈیمین حیرت انگیز مہارت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اس کم عمری میں ایسی مہارت حیران کن تھی۔ اس کی تیز رفتاری ایسی تھی۔ کہ وہ رنگین بجلی کی ایک لکیر کی طرح نظر آ رہا تھا، جو ادھر اور اُدھر لپک رہی تھی۔ اس کو دیکھ کر خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ گیند پر سب سے زیادہ وقت اسی کا قبضہ رہتا تھا۔ اس کا اسٹائل، اس کی طاقت اس کی اسٹک کی زبان سے بول رہے تھے۔ کھیل کے رخ کا تعین وہی کر رہا تھا۔

بالآخر ڈیمین نے مخالف ٹیم کے دفاعی حصار کو توڑا اور پہلا گول کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ رچرڈ تھورن کی مسکراہٹ فخر آمیز تھی۔ اس کی خوشی بے حد سچی تھی۔ اور ایسی تھی کہ جیسے وہ اس کا حقیقی بیٹا ہو۔ خواتین اور تماشائیوں کی تالیوں میں ڈیمین کے لیے داد و تحسین تھی۔

چارلس وارن نے کھیل میں حصہ نہیں لیا تھا۔ وہ دریا کے کنارے بیٹھا تھا۔ پھر سردی سے اس کا جسم سن ہوگیا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کپڑوں سے برف کے ذرات جھاڑنے لگا۔ وہ اسکیٹنگ کرتا ہوا این کی طرف بڑھا، جو بڑے توے پر کلیجی اور گردے فرائی کر رہی تھی۔

رات کو جو ملازمین ڈیوٹی پر تھے، انہیں چھٹی دے دی گئی تھی۔ اب این تھورن خود کام کر رہی تھی۔ وہ ہاٹ ڈاگ، برگر اور اسٹیک بڑی مہارت سے تیار کر رہی تھی۔ کوئلوں کی نیلگوں آنچ بہت خوش گوار لگ رہی تھی۔

وارن کو آتے دیکھا تو اس نے پکارا۔ ''کیا لو گے چارلس؟''

''ہاٹ ڈاگ۔'' چارلس وارن نے منہ سے بھاپ نکالتے ہوئے کہا۔

این نے کباب بن میں رکھا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔ ''بس؟''

''فی الحال تو اتنا کافی ہے۔ میں سردی دور کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔'' چارلس نے کہا اور دانتوں سے برگر کو کاٹا۔

''تمہاری رپورٹر دوست کے بارے میں نے اخبار میں پڑھا۔'' این بولی۔ ''مجھے بہت افسوس ہوا چارلس۔''

''مجھے یقین ہی نہیں آیا وہ خبر پڑھ کر۔'' چارلس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''میری سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ ہوا کیسے۔''

لیکن اتنی دیر میں این میچ کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔

وہ بڑا کوا ان دونوں کو نظر نہیں آیا، جو بیس فٹ دور ایک اونچے درخت کی شاخوں میں بیٹھا انہیں سرد تیز نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

اندر میدان میں رچرڈ نے ڈیمین کو بالکل کلیئر پوزیشن میں ایک خوب صورت پاس دیا۔ ڈیمین نے گیند کو روکا اور پھر بہت تیز رفتاری سے اسے اسٹک سے چپکائے ہوئے گول کی طرف جھپٹا۔

بل ایتھرٹن مارک کی ٹیم کا دفاعی کھلاڑی تھا۔ وہ ڈیمین کو روکنے کے لیے حرکت میں آیا۔ لیکن وزن زیادہ ہونے کی وجہ سے اس میں پھرتی کا فقدان تھا اور اس کے قدموں میں لڑکھڑاہٹ بھی تھی۔

ڈیمین بہت پراعتماد انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کی رفتار اور ڈاجنگ قابل دید تھی۔ اسے پورا یقین تھا کہ بوڑھے ایتھرٹن کو ڈاج دینا اس کے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ وہ تیز رفتاری سے ایتھرٹن کی طرف بڑھا۔ انداز ایسا تھا، جیسے اس سے ٹکرانے کا ارادہ رکھتا ہے۔

اسی وقت بل ایتھرٹن کا پاؤں پھسلا۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی۔ تصادم کے خوف سے اس نے ایک لمحے کو آنکھیں بند کر لیں۔

اس آخری لمحے میں جب وہ ایتھرٹن سے ٹکرانے والا تھا، ڈیمین نے تیزی سے رخ بدلا اور ایتھرٹن کے قریب، بہت برابر سے نکلتا ہوا گول کی طرف بڑھا۔ اس کے وزن سے اس کے پیروں کی نیچے کی برف تھوڑی سی دبی۔ برف پر بال جیسی ایک لمبی لکیر پڑ گئی۔

بل ایتھرٹن کی آنکھیں کھلیں۔ اس نے سمجھنے کی کوشش کی کہ ہوا کیا ہے۔ ڈیمین تو غائب ہی ہو گیا تھا۔ اس نے سر گھما کر دیکھا تو ڈیمین گول کی طرف بڑھتا دکھائی دیا۔ بل پلٹا اور اسکیٹنگ کرتے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔ لیکن درمیانی فاصلہ کافی بڑھ چکا تھا۔ جلد بازی کی وجہ سے وہ لڑکھڑایا۔ اس کی وجہ سے بال جیسی وہ لکیر چوڑی ہونے لگی۔ دراڑ بننے لگی۔

پھر جیسے برف کی وہ دراڑ اس سے آگے آگے بھاگنے لگی یہاں تک کہ ڈیمین کے قدموں کے نیچے برف تڑخنے لگی۔

وہ منظر سب سے پہلے پال بوہر نے دیکھا۔ فوری ردعمل کے طور پر وہ ان دونوں کی طرف لپکا۔

اچانک...... بالکل اچانک بہت زوردار آواز میں دو تڑاخے ہوئے اور برف کی سطح دو اطراف سے پھٹ گئی۔ پھر دو اور تڑاخے ہوئے اور بل ایتھرٹن جیسے برف کے ایک چھوٹے سے قطعے پر...... جزیرے پر حرکت کرتا نظر آیا۔

تمام اسکیٹرز اپنی جگہ جم کر رہ گئے تھے۔ تماشائیوں کے درمیان سے چیخوں کی آواز بلند ہونے لگی۔

پال بوہر ڈیمین تک پہنچ گیا تھا۔ اس نے ڈیمین کو کمر سے تھاما، اسے برف سے اٹھایا اور کسی کھلونے کی طرح دراڑ کے دوسری طرف...... محفوظ جگہ پر پہنچا دیا۔ ڈیمین بال بال بچا تھا۔

بل ایتھرٹن اب بری طرح دہشت زدہ ہو چکا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ لیکن وہ کر کچھ بھی نہیں سکتا تھا۔ اب وہ برف کے تیرتے ڈولتے ہوئے جزیرے پر اکیلا تھا

''بل...... ساکت ہو جاؤ۔ رک جاؤ۔'' رچرڈ تھورن چلایا۔

اسی وقت کئی اور تڑاخوں کی سی آوازیں فضا میں ٹھٹھر کر رہ گئیں۔ وہ ہڈیوں کے ٹوٹنے جیسی آوازیں تھیں۔ برف اپنی سطح پر جگہ جگہ سے ٹوٹ رہی تھی۔ بل ایتھرٹن کا جزیرہ اور چھوٹا ہو گیا تھا۔

دوسرے اسکیٹرز وہاں آ کر رک گئے۔ برف کے درمیان سوراخ بڑی تیزی سے بڑا ہو رہا تھا۔ وہ اپنے ہاتھ اور اسٹکس ایتھرٹن کی طرف بڑھا رہے تھے۔

''ایتھرٹن...... تھام لو۔ جلدی کرو۔''

لیکن سب بے سود تھا۔ ایتھرٹن کا وزن برف کے جزیرے کا توازن بگاڑ رہا تھا، اسے ایک طرف جھکا رہا تھا۔ پھر وہ دھیرے دھیرے برف کی پتلی تہ کے نیچے مچلتے پانی کی طرف پھسلنے لگا۔

کنارے پر این نے اپنے منہ پر سختی سے ہاتھ رکھتے ہوئے اپنی چیخ کا گلا گھونٹا۔ وہ جانتی تھی کہ کیا ہونے والا ہے۔ لیکن اسے روکنا اس کے بس میں نہیں تھا۔ بلکہ شاید کسی کے بس میں نہیں تھا۔

ڈیمین خود کو پال بوہر کی گرفت سے آزاد کرانے کی سخت جدوجہد کر رہا تھا۔ وہ بل ایتھرٹن کی مدد کرنا چاہتا تھا۔ لیکن پال بوہر کی طاقت کے سامنے اس کی ایک نہیں چلی۔

''کود جاؤ'' پیاریان نے چیخ کر کہا۔

لیکن بہت دیر ہو گئی تھی۔ آخری تڑاخا بل ایتھرٹن کے قدموں کے نیچے ہوا۔ وہ سر کے بل سیاہ یخ بستہ پانی میں جا گرا۔

بل ایتھرٹن پوری طرح نیچے چلا گیا تھا۔ چند سیکنڈ تو وہ نظر ہی نہیں آیا۔ پھر اچانک وہ سطح پر ابھرا۔ اس کا منہ کھلا ہوا تھا۔ اور وہ اکھڑی اکھڑی سانسیں لے رہا تھا۔ اس نے برف کی گگر تھامنے کے لیے دستانے میں لپٹا ہوا ہاتھ بڑھایا۔

رچرڈ تھورن کی قیادت میں تمام اسکیٹرز ایک زنجیر کی صورت برف پر کی سینے کے بل لیٹے تھے...... اس طرح کہ ہر شخص نے ایک ہاتھ سے دوسرے کا پاؤں تھام رکھا تھا۔ رچرڈ تھورن سب سے آگے تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھایا اور ایتھرٹن کا تیزی سے ٹھٹھرتا ہوا ہاتھ تھامنے کی کوشش کی۔

ایتھرٹن کا سر بہ مشکل پانی سے اوپر تھا۔ اس کی آنکھوں میں چاروں طرف سے گھرے ہوئے جانور کے جیسا خوف تھا۔ اس نے برف پر گرفت حاصل کر کے اوپر آنے کی کوشش میں ہاتھ چلایا۔ برف کی تیز دھار نے اس کے دستانے کو کاٹ ڈالا۔ اس کا ہاتھ اور کلائی زخمی ہو گئی۔ اس کا خون برف کی سطح پر پھیل گیا اس کے حلق سے ایک دردناک چیخ نکلی اور اسی لمحے برف کے نیچے پانی کے تیز بہاؤ نے اسے پھر کھینچ لیا اور وہ دوبارہ پانی میں غائب ہو گیا۔

اسکیٹرز بے یقینی کے عالم میں کھڑے ہو گئے۔ وہ ادھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کہ کیا کریں۔

اچانک رچرڈ کے پاؤں کے عین نیچے، برف کی سطح کے نیچے ایک چہرہ نمودار ہوا۔ وہ بل ایتھرٹن تھا۔ اس کی پھٹی پھٹی آنکھوں میں التجا تھی۔ وہ خون میں لتھڑے ہوئے ہاتھوں سے برف کی سطح پر گھونسے مارنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن اس کے گھونسے طاقت سے محروم تھے۔ پھر اس کا منہ کھلا اور وہ چلایا۔ لیکن اس کی چیخ کوئی نہ سن سکا۔ شیشے جیسی برف کے نیچے وہ نظر تو آ سکتا تھا لیکن اس کی آواز سنائی نہیں دے سکتی تھی۔

اگلے ہی لمحے پانی اسے دور کھینچ کر لے گیا۔ کچھ دیر تو وہ اسے اس کی پیچھے چھوڑی ہوئی خون کی لکیر کی وجہ سے دیکھنے کے قابل رہے۔ وہ اس لکیر کے ساتھ حرکت کرتے رہے۔ لیکن ان کے پاس کرنے کے لیے اب کچھ نہیں تھا۔ وہ اسٹکس سے برف توڑنے کی کوشش کرتے رہے۔ لیکن ناکام رہے اور بل ایتھرٹن کو برف سے نیچے کا پھیلاؤ کھینچ کر دور لے جاتا رہا۔ اب وہ موٹی برف کے نیچے تھا۔ خون کی لکیر بھی اب نظر نہیں آ رہی تھی۔

بالآخر ڈیمین نے خود کو پال بوہر کی گرفت سے آزاد کرالیا۔ وہ دوسری طرف لپکا۔ وہاں رچرڈ تھورن بے قراری کے عالم میں اپنے اسکیٹس کے تیز دھار والے کناروں کی مدد سے برف توڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

برف کے نیچے اب بل ایتھرٹن کے لیے سانس لینا بھی دشوار ہوا جا رہا تھا۔ اوپر...... برف کے اوپر لوگ سایوں کی طرح نظر آ رہے تھے، جو اس کی مدد کرنے کی سرتوڑ کوشش میں مصروف تھے۔ ان کی گھٹی گھٹی موہوم آوازیں بھی اس تک پہنچ رہی تھیں۔ لیکن وہ اپنی آواز ان تک نہیں پہنچا سکتا تھا۔ اپنے پھیپھڑے اسے پھٹتے محسوس ہو رہے تھے۔ اب ان میں برفیلا پانی بھرنے لگا تھا۔

پھر اوپر اسے روشنی سی نظر آئی۔ پانی پیچھے کی نسبت زیادہ صاف ہو گیا تھا۔ اسے دریا کے بالکل کنارے ایک درخت نظر آیا، جو کسی حد تک برف میں دبا ہوا تھا۔ اس کے ہوش وحواس ساتھ چھوڑ رہے تھے۔ مگر اس عالم میں بھی وہ دعا کر رہا تھا۔

پھر ایک معجزہ رونما ہوا۔ وہ اچانک اوپر آ گیا۔

سب سے پہلے ڈیمین نے اسے دیکھا ''وہ دیکھو...... وہ رہے وہ......'' وہ چلایا۔

تمام اسکیٹرز درخت کی طرف لپکے۔ درخت کے پاس ایک گڑھا سا تھا۔ ایتھرٹن کا سر پانی کے اوپر تھا اور وہ سانس لینے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ اسکیٹرز رک گئے تھے۔ ان کے جھٹکے کی وجہ سے برف چٹخنے لگی تھی۔ وہ نہ رکتے تو برف ٹوٹ جاتی اور سب پانی میں چلے جاتے۔

''ہم آ رہے ہیں۔'' رچرڈ تھورن نے چیخ کر کہا۔

وہ اور ڈیمین بڑی احتیاط سے بڑھنے لگے۔ جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہے تھے، برف پتلے کانچ جیسی ہو رہی تھی۔ پھر انھوں نے مدد کے لیے ہاتھ آگے بڑھائے......

ایتھرٹن کا چہرہ صرف ایک لمحہ دکھائی دیا۔ پھر ایسا لگا، جیسے کسی قوی ہیکل دیو نے اس کی ٹانگ تھام کر اسے پانی میں کھینچ لیا ہو۔ اس کا جسم چند لمحے تاریک دھبے کی طرح نظر آتا رہا اور پھر غائب ہو گیا...... جیسے تہ نشیں ہو گیا ہو۔

''سب لوگ پھیل جائیں۔'' رچرڈ نے پکارا۔ ''وہ پھر غائب ہو گیا ہے۔''

لیکن اب کوشش بے کار تھی۔ بل ایتھرٹن اب کبھی واپس نہ آنے کے لیے گیا تھا۔

درخت کی شاخوں کے درمیان بیٹھے ہوئے جسیم کوے نے ایک کریہہ آواز نکالی اور اڑنے لگا۔ اب وہ ابر آلود آسمان پر چکرا رہا تھا!

✿......✿......✿

بل ایتھرٹن کی موت کو ایک ماہ ہو چکا تھا۔ پال بوہر اب بھی اپنے نئے دفتر کی آرائش میں مصروف تھا۔ اس کے دفتر کی آرائش بل ایتھرٹن کے دفتر سے یکسر مختلف تھی۔ وہ اپنے دفتر کو رچرڈ تھورن کے شکاگو والے اپارٹمنٹ کے ڈائننگ روم کے انداز میں آراستہ کرا رہا تھا۔ آخر ان سب چیزوں کا آغاز اسی جگہ سے تو ہوا تھا۔

آفس کے بیرونی حصے میں جہاں اس کی سکریٹری اور اسٹینو بیٹھتی تھیں، بہت خوب صورت فریم میں اپنی تصویر آویزاں کرا کے اسے خاص

طور پر بڑی خوشی ہوئی تھی۔ یہ پورٹریٹ اسی جگہ لگایا گیا تھا، جہاں کبھی بل ایتھرٹن کا پورٹریٹ آویزاں تھا۔

جنوری کی اس صبح جب اس کے شوفر نے لیموزین تھورن انڈسٹریز کے مین آفس کے سامنے روکی تو اس کا ایگزیکٹیو اسسٹنٹ بائرن اس کا منتظر تھا۔ اس نے وہ میگزین اسے تھمایا۔ وہ میگزین درحقیقت اس کے لیے اب تک کی سب سے بڑی خوشی تھا۔

وہ ماہنامہ خوش قسمتی کا تازہ ترین شمارہ تھا اور اس کے سرورق کی زینت وہی تصویر تھی، جو اس کے دفتر کے بیرونی حصے میں آویزاں تھی۔ تصویر کے نیچے کیپشن تھا...... پال بوہر، تھورن انڈسٹریز کے نئے صدر!

بائرن اپنی جگہ ساکت کھڑا اپنے باس کے ردعمل کا منتظر تھا۔

بوہر نے دھیرے سے سر کو جنبش دی۔ ''شکریہ بائرن۔'' پھر وہ آگے بڑھ گیا۔

بائرن کو مایوسی ہوئی۔ ''اوہ...... تو آپ پہلے ہی دیکھ چکے ہیں۔''

پال بوہر نے کھلی بدمزگی سے اپنے اسسٹنٹ کو دیکھا۔ ''تم کہیں یہ تو نہیں سمجھتے کہ ایسی باتیں اتفاقاً ہو جاتی ہیں''۔ اس نے کہا۔ کبھی کبھی بائرن اسے بہت سادہ لوح اور احمق لگتا تھا۔ جبکہ وہ خود دس سال پہلے بائرن کی عمر میں اتنا احمق نہیں تھا۔ کم از کم اپنی یادداشت کے مطابق تو ایسا ہی تھا۔ ویسے عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ بوہر نے اپنی یادوں کے لیے انتخاب کا سسٹم بنا لیا تھا بچپن کی یادوں کو تو وہ پہلے ہی بھلا چکا تھا۔ اس کے لڑکپن کی یادیں بھی تیزی سے مٹتی جا رہی تھیں۔

بائرن نے اسے چونکا دیا۔ ''میرا خیال ہے، یہ بہت خوب صورت ہے۔'' اس کا اشارہ خوش قسمتی کے سرورق کی طرف تھا۔

اس بار پال بوہر نے سر کو جنبش دینے کی زحمت بھی نہیں کی۔

وہ دونوں لفٹ کے انتظار میں کھڑے تھے۔ ''پیاریان کی کوئی خیر خبر؟'' پال بوہر نے پوچھا۔

''نہیں جناب۔'' بائرن نے جواب دیا۔ وہ تو لگتا ہے کہ بالکل ہی غائب ہو گیا ہے۔''

لفٹ کا دروازہ کھلا اور وہ دونوں اندر داخل ہوئے۔ پال بوہر نے لفٹ میں موجود واحد بٹن دبایا۔ لفٹ اسے اس کے وسیع و عریض آفس کے عقبی دروازے پر لے جانے کے لیے تھی۔

بائرن چند لمحے خاموش رہا۔ لفٹ تیسری منزل کراس کرنے لگی تو اس نے دھما کہ کیا۔ ''رچرڈ فوری طور پر آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔''

پال بوہر بری طرح چونکا...... مگر محض ایک لمحے کے لیے۔ وہ اس کھیل کو پہچان گیا تھا۔ کیونکہ کمپنی میں ٹاپ پر پہنچنے کے دوران وہ خود یہ کھیل کھیل چکا تھا۔ اصل میں بائرن جو کہنا چاہ رہا تھا، وہ یہ تھا...... رچرڈ اپنی تعطیلات ختم ہونے سے پہلے ہی لوٹ آیا ہے۔ یہ بات مجھے معلوم ہے۔ جبکہ مسٹر بوہر تم اس سے بے خبر ہو۔ وہ فوری طور پر تم سے ملنا چاہتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ تم اس کی طرف سے پریشانی میں ہو۔ اور میں نے اسے رچرڈ کہہ کر پکارا ہے۔ جبکہ اس سے پہلے میں اسے مسٹر تھورن کہہ کر پکارتا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ میرے اور اس کے درمیان ایک ایسی قربت ارتقا پا رہی ہے، جس کی تمہیں ہوا بھی نہیں لگ سکی۔ جس وقت تم اپنے دفتر کی تزئین و آرائش میں اور خوش قسمتی کے سرورق پر آنے کی کوشش میں الجھے ہوئے تھے، اس

دوران میں نے یہ قربت کمائی ہے۔ اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ رچرڈ...... ہاں مسٹر تھورن نہیں، رچرڈ تم سے فوری طور پر کیوں ملنا چاہتا ہے۔ اور تمہیں یہ بات معلوم نہیں!

پال بوہر سمجھ گیا کہ جو کچھ بارٹن کہنا چاہتا تھا اور اس نے نہیں کہا، وہ یہی ہے۔ لیکن بارٹن یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ کھیل وہ اس میدان کے ماہر ترین کھلاڑی کے ساتھ کھیل رہا ہے' اوہ، تو وہ آ چکے ہیں؟'' اس نے بناوٹی حیرت سے کہا۔ ''مجھے معلوم نہیں تھا۔'' یہ کہتے ہوئے اس کے لہجے میں چیلنج تھا۔

بارٹن بجھ کر رہ گیا۔ ''جی ہاں'' اس نے کہا اور اب وہ مزید کچھ کہنے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ کیا کہے۔ ''اور غسل آفتابی نے اس کی رنگت کو سنولا دیا تھا'' اس نے اضافہ کیا ہے۔

وہ دونوں جانتے تھے کہ یہ جملہ درحقیقت بے بسی کا اظہار ہے!

❁.........❁.........❁

جس وقت پال آفس میں داخل ہوا، رچرڈ تھورن اپنی بہت بڑی میز کے عقب میں بیٹھا کافی کے گھونٹ لے رہا تھا۔ اس نے پال کو ہیلو کہنے کا موقع بھی نہیں دیا۔ اس نے سخت لہجے میں پوچھا۔ ''یہ پساریان انڈیا میں کیوں ہے۔...... اور کیا کر رہا ہے؟''

پال بوہر نے اپنا بریف کیس میز پر رکھا اور اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ یوں اسے موقع مل گیا کہ اسے جواب میں کیا کہنا ہے۔ اور کہنے سے پہلے اسے ظاہری علامات کا جائزہ بھی لینا تھا۔ رچرڈ تھورن کا کالر کھلا تھا۔ اس نے نکٹائی بھی نہیں لگائی تھی۔ اس نے شیو بھی نہیں کیا تھا۔ عام حالات میں وہ اس طرح دفتر میں آنے کا قائل نہیں تھا۔ یہ صورت حال ایمرجنسی کی غماز تھی۔

اور رچرڈ تھورن غصے کا محض اظہار نہیں کر رہا تھا۔ وہ اس وقت بہت غصے میں تھا۔

''مجھے زمین کی چند مجوزہ خریداریوں کے سلسلے میں اس کا مشورہ درکار تھا۔'' پال بوہر نے کہا ''اس سے بہتر کوئی آدمی......''

''تو کیا ہم زمینیں خریدنے کا فیصلہ کر چکے ہیں؟'' رچرڈ تھورن کے لہجے میں شاک تھا۔

''آپ نے میری رپورٹ کے اختتامی نوٹ سے مکمل طور پر اتفاق کیا تھا۔'' پال بوہر نے بے حد مدافعانہ انداز میں کہا۔ ''اور کمپنی کی صدارت میں نے اسی شرط پر قبول کی تھی۔

رچرڈ نے اپنی پیشانی کو انگلیوں سے مسلتے ہوئے ایک گہری سانس لی۔ ''اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم مجھے میری کمپنی سے بے دخل کر دو۔'' اس نے کہا۔

''تم پہلے مجھے بتاؤ گے۔ اس کے بعد معاملات آگے بڑھاؤ گے۔ اگر میں یہ بات پہلے واضح نہیں کر سکا تھا تو اب کر رہا ہوں۔''

''آپ چھٹی پر گئے ہوئے تھے۔'' پال نے احتجاج کیا۔ ''میں نے آپ کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔'' لیکن یہ کہتے ہوئے خود پال کو احساس ہو رہا تھا کہ یہ عذر لنگ ہے۔

''میں کہیں بھی جاؤں، فون پر رابطے میں رہتا ہوں۔'' رچرڈ نے کہا اور تھکے تھکے انداز میں سینے پر ٹھوڑی ٹکادی۔ بل ایتھرٹن مجھے مطلع کیے بغیر اس طرح کے فیصلے کبھی نہیں کرتا تھا۔''

''لیکن میں بل ایتھرٹن نہیں ہوں۔''

''میں تم سے اس کی امید بھی نہیں رکھتا۔'' رچرڈ نے تیز لہجے میں کہا۔ ''لیکن یہ امید رکھتا ہوں کہ تم کمپنی کے اخلاق اور انتظامی ضابطوں کا احترام کرو گے۔''

کچھ دیر خاموشی رہی۔ یہ طے تھا کہ پال بوہر کے پاس اس کا جواب نہیں ہے۔

''پال''۔ رچرڈ تھورن کا لہجہ اب نرم تھا ''تم بہت ذہین آدمی ہو۔ جو پوزیشن تمہیں دی گئی ہے، تم اس کے مستحق ہو۔ لیکن زیادہ تیز چل کر اپنے لیے خرابیاں پیدا کرنے کی کوشش نہ کرو۔ یہ بات کبھی نہ بھولا کرو کہ اس کمپنی کا مالک کون ہے۔''

''آئندہ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔'' پال بوہر نے لہجے میں خلوص سموتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر خاموشی رہی جو پال بوہر کے لیے حوصلہ افزا تھی۔ پھر اس نے موضوع بدلا۔ ''آپ کو پیاریان کی ضرورت تھی۔ کیوں؟''

''اس کے P84 یونٹ کے ڈیزائن میں کچھ گڑبڑ ہے۔'' رچرڈ نے کہا۔ ''اور واکر اس سلسلے میں بہت زیادہ پریشان ہے۔''

اس جملے کے ساتھ ہی، پال بوہر کی توقع کے عین مطابق رچرڈ تھورن کا رویہ اور انداز یکسر تبدیل ہوگیا۔ اختلافی مسئلے پر تبادلہ خیال ہو چکا تھا۔ اور اب وہ قصہ پارینہ تھا۔ رچرڈ نے اپنی بات پوری طرح واضح کر دی تھی اور بوہر نے معذرت کر لی تھی۔ پال بوہر نے سمجھ لیا کہ اب یہ معاملہ زیر بحث نہیں آئے گا۔ بشرطیکہ وہ دوبارہ ایسی حماقت نہ کرے۔ اور اگر اس نے دوبارہ ایسی حماقت کی تو کسی وضاحت کی نوبت نہیں آئے گی۔ بس اسے کمپنی سے فارغ کر دیا جائے گا۔

''میں جانتا ہوں کہ واکر پریشان رہنے کا عادی ہے۔'' رچرڈ نے کہا۔ ''لیکن اس بار اس کی پریشانی بجا ہے۔''

''میں سنبھال لوں گا رچرڈ۔ آپ فکر نہ کریں۔'' پال بوہر نے کہا اور جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

پال بوہر کے جانے کے بعد رچرڈ اٹھا اور کھڑکی کے پاس چلا گیا۔ کھڑکی سے اولڈ واٹر ٹاور کا نظارہ اس کے لیے ہمیشہ سکون بخش ہوتا تھا۔ لیکن اس روز اسے دیکھتے ہوئے اسے سکون کا احساس نہیں ہوا۔ وہ بہت اپ سیٹ تھا۔

بل ایتھرٹن کی المناک موت کے بعد سے کوئی بات اس کے ذہن میں مسلسل چبھ رہی تھی۔ وہ بات کیا ہے، وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ وہ اس کے شعور کی گرفت میں آتے آتے اچانک پھسل جاتی تھی۔

✿ .... ✿ .... ✿

اس کورس کا عنوان تھا...... تاریخ عساکر...... نظریات اور میدان عمل۔ نام سن کر احساس ہوتا تھا کہ یہ بہت دلچسپ مضمون ہوگا۔ لیکن ایسا تھا نہیں۔ اصل میں اس مضمون میں مشہور جنگوں کا تفصیلی جائزہ لیا جاتا تھا...... اور تجزیہ کیا جاتا تھا۔ اس کا مقصد طلبا کے دلوں میں فتح کی اہمیت بٹھانا

تھا۔ بہادری کے جذبات ابھارنا تھا۔ کبھی یہ مقصد پورا ہو جاتا تھا۔ اور کبھی نہیں پورا ہوتا تھا۔ بہر حال وہ سب کے لیے ایک لازمی کورس تھا۔

اس روز تاریخ عساکر کی کلاس میں نیف کی پلاٹون کے بیشتر ممبر موجود تھے۔ اور موضوع تھا ہن جنگ جو اٹیلا۔ کلاس انسٹرکٹر دبلا پتلا دراز قد بڈمین تھا۔

بڈمین کو اٹیلا میں ذاتی دلچسپی تھی۔ ویسے ہی جیسے شائقین موسیقی کسی کمپوزر سے اور پڑھنے والے کسی مصنف سے محبت کرتے ہیں۔ وہ جب بھی اٹیلا کے بارے میں پڑھتا تو اسے لگتا کہ تاریخ کے اوراق کے پار وہ اس شخص کی روح تک میں جھانک سکتا ہے۔ اور اس کا خیال تھا کہ اٹیلا کو کوئی صحیح طور پر نہیں سمجھ سکا۔

''تاریخ بے چارے اٹیلا کے بارے میں جو کچھ بتاتی ہے، وہ سطحی ہے۔'' بڈمین کہہ رہا تھا۔ ''اس کے اقدامات کی غلط تشریح و توضیح پیش کی گئی۔ آپ کو یہ بات عجیب لگے گی کہ اٹیلا کے اپنے لوگ بھی اسے محض حکمران سمجھتے تھے......''

کلاس میں صرف ڈیمین تھا، جو بڑی توجہ سے سن رہا تھا۔ یہ بات اپنی جگہ عجیب تھی۔ کیونکہ تاریخ میں وہ کبھی اچھا نہیں رہا تھا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس کے اندر تاریخ کے لیے ہمیشہ مزاحمت ابھرتی تھی۔ البتہ پچھلے دو تین ماہ میں وہ ان اہم لوگوں کی زندگی کی تفصیل میں بہت زیادہ دل چسپی لینے لگا تھا، جو کبھی اس زمین پر جیئے تھے اور مر گئے تھے۔ اور ان کی زندگی اور موت، دونوں نے بے شمار لوگوں کی زندگیوں کو متاثر کیا تھا۔

''دوسرے فاتحین کے برعکس اسے تباہی سے کوئی غرض نہیں تھی۔ اس سے پہلے کے بھی، اور اس کے بعد کے بھی............''

ان دنوں مارک کا ٹیڈی کے ساتھ بہت اچھا وقت گزر رہا تھا۔ ٹیڈی اب بالکل بدل گیا تھا۔ اب وہ مارک اور ڈیمین تھورن کے ساتھ رہنا پسند کرتا تھا۔

اس وقت مارک اور ٹیڈی ساتھ بیٹھے تھے۔ مارک ایک کاغذ پر کچھ لکھ رہا تھا۔ ٹیڈی اس کاغذ کو دیکھتے ہوئے اپنی ہنسی روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''درحقیقت اٹیلا کو حصول علم کا اتنا شوق تھا کہ اس نے صاحب علم رومیوں کو اپنے دربار میں مقام دیا......'' بڈمین کہہ رہا تھا۔

اسی وقت مارک نے وہ کاغذ ڈیمین کو دکھایا۔ ڈیمین نے کیونکہ وہ کاغذ بالکل اچانک دیکھا تھا۔ وہ اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکا اور بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس دیا۔

بڈمین بولتے بولتے رک گیا۔ ''یہ کون ہنسا......؟'' اس نے پوچھا۔

ڈیمین فوراً ہی کھڑا ہو گیا۔ ''میں ہنسا تھا سر۔''

''یہاں آؤ۔ اور یہ کاغذ اپنے ساتھ لاؤ۔''

ڈیمین نے حکم کی تعمیل کی۔

مارک سیٹ پر بیٹھا پہلو بدلتا رہا۔ اسے احساس جرم ستا رہا تھا۔ ٹیڈی نے اس کے پاؤں پر پاؤں مارتے ہوئے سرگوشی میں کہا ''بزدل''!

تمام طلبا متوقع نظروں سے ڈیمین کو دیکھ رہے تھے۔ان کی نگاہوں میں خوشی بھی تھی اور خوف بھی۔

بڈین نے ڈیمین کے ہاتھ سے کاغذ لیا اور دیکھا۔وہ اس کی تصویر تھی......کافی اچھی تصویر تھی۔تصویر میں اس کے ہاتھوں میں منگولوں کے کٹے ہوئے سر تھے، جنہیں وہ اوپر اٹھا کر دکھا رہا تھا۔

بڈمین کا غصے سے برا حال ہو گیا۔نہ صرف یہ کہ اس کا مذاق اڑایا گیا۔بلکہ اس کی آئیڈیل شخصیت اٹیلا کو بھی تضحیک کا نشانہ بنایا گیا۔اور یہ حرکت بھی اس کے ذہین ترین طالب علم نے کی۔اسے نہیں معلوم تھا کہ یہ حرکت دراصل کسی اور نے کی ہے۔

بڈمین نے کاغذ کا گولا بنایا اور ڈسٹ بن میں اچھال دیا۔''اس کا مطلب ہے کہ ہماری کلاس میں ایک باصلاحیت مصور بھی موجود ہے۔'' اس نے خوف ناک لہجے میں کہا۔''کیا بات ہے؟ کوئی گڑبڑ ہے؟ تھورن......میں تمہیں بور کر رہا ہوں؟''

ڈیمین کو کوئی جواب نہیں سوجھ رہا تھا۔

بڈمین نے اسے زیادہ موقع نہیں دیا۔''تم اس پیریڈ میں تفریح کر رہے ہو۔میرے نزدیک، اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اٹیلا کی جنگوں اور اس کی فتوحات کے بارے میں مکمل معلومات رکھتے ہو۔''

ڈیمین نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔''جی سر......اچھی خاصی معلومات ہیں مجھے۔''اس کے لہجے کے انکسار میں بھی چیلنج تھا۔

اس کے جواب نے نہ صرف پوری کلاس کو حیران کیا۔بلکہ وہ خود بھی اس پر حیران تھا۔

''اچھی خاصی معلومات!'' بڈمین نے تضحیک آمیز لہجے میں دہرایا۔''اگر اٹیلا کو اپنی جنگوں کے بارے میں مکمل معلومات کے بجائے صرف اچھی خاصی معلومات ہوتیں تو آج ہم اس کا نام بھی نہ جانتے۔'' وہ کہتے کہتے رکا اور اس نے آنکھوں کو سکیڑتے ہوئے ڈیمین کو گھورا۔پھر اس نے تیز لہجے میں کہا۔''ڈیمین تھورن، اٹیلا کے نام کے سوا تمہیں کچھ معلوم بھی ہے؟ مثال کے طور پر تم رومیوں سے اس کے تعلق کے بارے میں کیا جانتے ہو؟

ڈیمین نے ایک گہری سانس لی۔''جی سر، میرا خیال ہے، میں جانتا ہوں۔'' اس نے کہا حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔خود اس کی سمجھ میں بھی نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے......اور کیوں کہہ رہا ہے۔

کلاس سرگوشیوں سے بھر گئی۔سب لوگ سوچ رہے تھے کہ ڈیمین خود کو دلدل میں دھنسائے جا رہا ہے۔اور سب جانتے تھے کہ وہ ہمیشہ ٹیچرز سے براہ راست تصادم سے احتراز کرتا ہے۔

''تو تمہارا خیال ہے کہ تم جانتے ہو'' بڈمین نے کہا۔''چلو......چیک کر کے دیکھیں اچھا ڈیمین تھورن، تم مجھے یہ بتاؤ کہ اٹیلا نے گاؤل فتح کیا تو اس کی افواج کی تعداد کیا تھی؟''

''پانچ لاکھ کے لگ بھگ۔'' ڈیمین نے جواب دیا۔اسے احساس بھی نہیں تھا کہ اس نے جواب دیا ہے۔اسے سوچنے کا موقع بھی نہیں ملا۔وہ خودکار انداز میں پھر بول اٹھا۔''لیکن چیلون کی جنگ میں ایٹیئس نے اسے شکست دی۔یہ 451ء کی بات ہے۔شکست کھا کر وہ پلٹا اور اس نے

شمالی اٹلی کو فتح کیا۔لیکن روم نہیں گیا۔''

بڈمین گنگ ہو گیا۔اسے اس جواب کی توقع نہیں تھی۔لیکن اتنے طلبا کی موجودگی میں وہ پیچھے نہیں ہٹ سکتا تھا۔جو کچھ اس نے شروع کیا تھا،اسے اختتام تک پہنچانا بھی ضروری تھا۔

ویسے اسے ایسا لگا کہ یہ جواب انسائیکلو پیڈیا سے لیا گیا ہے۔اور انسائیکلو پیڈیا سے حاصل ہونے والی معلومات نامکمل ہوتی ہیں۔مثلاً انسائیکلو پیڈیا کے کسی کیڑے سے پوچھا جائے تو وہ یہ تو بتا دے گا کہ کولمبس نے امریکا 1492 میں دریافت کیا۔لیکن اسے یہ معلوم نہیں ہوگا کہ کولمبس انڈیز میں کیوں موجود تھا اور یہ کہ اسے جستجو کس چیز کی تھی۔

چنانچہ بڈمین نے دوسرا حملہ کیا۔وہ ایسا سوال تھا،جسکے بارے میں پورا مضمون لکھا جا سکتا تھا۔''اس نے روم کو کیوں نظر انداز کر دیا تھا؟''

اس بار ڈیمین ایک لحہ بھی نہیں جھجکا۔''اس کا کریڈٹ عام طور پر پوپ لیو اول کی سفارتی مہارت کو دیا جاتا ہے۔لیکن اس کا اصل سبب اٹیلا کے پاس رسد کی کمی تھی......'' یہ کہتے کہتے ڈیمین کچھ جھجکا۔

بڈمین مسکرایا۔لڑکا پھنس رہا ہے۔اس نے سوچا۔

مگر ڈیمین کی آنکھوں کے سامنے ایک منظر لہرا رہا تھا۔جنسی اختلاط کا منظر۔اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کس طرح اس کی تشریح وتوضیح کرے۔بالآخر اسی نے کہا۔''اس کے فوجی جنسی محرومی کی وجہ سے طاعون جیسی بیماری میں مبتلا ہو گئے تھے۔''

اس خطرناک جملے پر کئی طلبا نے بدمزگی کے اظہار کے لیے ہنکارے بھرے۔

بڈمین کو جلال آ گیا۔''خاموش۔''اس نے طلبا کو ڈانٹا۔پھر ڈیمین کی طرف مڑا۔''اٹیلا کی تاریخ پیدائش بتاؤ۔''

''وہ کسی کو معلوم نہیں سر۔''

''تخت نشینی کی تاریخ؟''

''445 تا 453۔اپنی آخری شادی کی تقریب میں نکسیر پھوٹنے کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوئی۔''

اس بار پوری کلاس میں ہلچل مچ گئی۔

''شٹ اپ۔'' بڈمین حلق کے بل چلایا۔اس کا اعتماد ہل گیا تھا۔ڈیمین کے نزدیک تر ہوتے ہوئے اس نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔''اس کے بھائی کا کیا نام تھا؟''

''بلیدا''۔ڈیمین نے کہا۔اور اس بار بھی اس نے صرف سیدھے جواب پر اکتفا نہیں کیا۔اس کے اندر معلومات کا ایک ایسا چشمہ ابل رہا تھا،جس کی موجودگی کا اس سے پہلے اسے علم بھی نہیں تھا۔اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔اس کی موجودگی کلاس روم میں دھڑکتی محسوس ہو رہی تھی۔ڈیمین کو یہ معلوم تھا کہ وہ جانتا ہے۔لیکن اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ سب کچھ وہ کیسے جانتا ہے۔وہ اٹیلا کے بارے میں سب کچھ جانتا تھا...... ہر بات! وہ ایسا تھا،جیسے وہ اٹیلا کے دماغ میں جھانکنے کی اہلیت رکھتا ہو۔وہ اس کے خیالات،اس کے خواب،اس کے واہموں کے بارے میں سب کچھ جانتا

تھا......ایسے جیسے وہ اس کے اپنے خیالات، خواب اور واہمے ہوں۔ ایسا تھا، جیسے وہ کسی پچھلی زندگی میں اٹیلا سے واقف رہا ہو۔ بلکہ جیسے وہ خود اٹیلا رہا ہو۔

''اٹیلا اور اس کے بھائی بلیدا کو ہن سلطنت 434 میں ورثے میں ملی تھی''۔ وہ کہہ رہا تھا ''وہ مملکت ایلپس اور بالٹک سے کیسپیئن کے ساحل تک پھیلی ہوئی تھی۔'' اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر گویا اس مملکت کی وسعت کا اظہار کیا۔ ''دونوں بھائی ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے۔ انہیں ایک دوسرے سے جدا کرنا ممکن نہیں تھا۔'' یہ کہتے ہوئے اس کی نظر مارک کے چہرے پر جمی تھی۔

اس کی اس نگاہ نے مارک کے وجود میں سنسنی سی دوڑا دی تھی۔

''اگرچہ اس سلسلے میں تاریخ کچھ نہیں بتاتی۔ لیکن کہا جاتا ہے 435ء تا 439ء کے دوران اٹیلا نے اپنے شمالی اور مشرقی سرحدی علاقوں میں وحشیوں کی شورش فرو کی۔'' اس نے بڈین کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''آگے بڑھوں سر؟''

لیکن بڈمین جانتا تھا کہ ڈیمین رکنے والا نہیں۔ اس کا حال یہ تھا کہ وہ متعجب بھی تھا اور اس لڑکے سے دہشت زدہ بھی۔ لیکن اس کی کوئی باطنی حس اسے تلقین کر رہی تھی کہ اب وہ منظر نامہ تبدیل کرنے کی کوشش نہ کرے۔ چنانچہ اس نے ڈیمین کو دیکھتے ہوئے سر کو اثباتی جنبش دی۔

''441ء میں سلطنت روما نے اٹیلا کو دیا جانے والا خراج روک دیا'' ڈیمین نے بات جاری رکھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اٹیلا نے ڈینیوب کے سرحدی علاقے پر حملہ کر دیا۔ وہ زبردست جنگ جو تھا۔ اس کا راستہ روکنا آسان کام نہیں تھا۔ ایک سال بعد رومیوں نے صلح کر لی......''

اب پوری کلاس سحر زدہ ہو کر ڈیمین کو دیکھ رہی تھی۔

''ایک اچھا جنگ جو ہونے کے ساتھ ساتھ اٹیلا ایک چالاک سیاست دان بھی تھا۔'' ڈیمین نے کہا۔ ''اپنی رعایا کے توہمات اور اعتقاد سے فائدہ اٹھانا اسے خوب آتا تھا۔ مثال کے طور پر اسکائی تھین لوگ ننگی تلوار کو دیوتا کا درجہ دے کر اس کی پرستش کرتے تھے۔ اگرچہ خیال کیا جاتا تھا کہ یہ دیوتا اب دنیا سے اٹھ گیا ہے۔

''ایک دن ایک گڈریا اپنی ایک بھیڑ کی تلاش میں صحرا میں بھٹک رہا تھا کہ اسے ایک تلوار ریت میں اس حد تک دھنسی ہوئی نظر آئی، جیسے کسی نے آسمان سے اسے نوک کے بل زمین پر پھینکا ہو۔ وہ اس تلوار کو نکال کر اٹیلا کے پاس لے آیا۔ اٹیلا نے اس تلوار کو اپنی فوج کے سامنے لہراتے ہوئے دعویٰ کیا کہ اس نے میدان جنگ میں موت پر فتح حاصل کر لی ہے۔''

طلبا اب ڈیمین کے ہر لفظ کو پوری توجہ سے سن رہے تھے۔ لیکن مارک ہر گزرتے لمحے کے ساتھ دہشت زدہ ہو رہا تھا۔

اب ڈیمین نے ایک ایسی بات کہی جو بڈمین نے نہ سنی تھی نہ پڑھی تھی۔ ''ممکن ہے، اٹیلا نے وہ تلوار اس طرح بلند اس لیے کی کہ کبھی اسے بھی یوں اٹھایا جاتا تھا۔ اس کی ماں اسے اس طرح اٹھا کر سورج کے سامنے ہر روز کیا کرتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اگر وہ ہر روز ایک گھنٹے تک اٹیلا کو اپنے ہاتھ میں اٹھا کر سورج کے سامنے رکھے گی تو اس کے بیٹے کو سورج کی تمام طاقت اور توانائی مل جائے گی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس عمل کے نتیجے میں اٹیلا کی جلد جھلس گئی تھی اور اس کی سیاہ رنگت کا سبب یہی تھا۔'' ڈیمین سانس لینے کو رکا۔ اس کا دل سینے میں یوں دھڑ دھڑا رہا تھا، جیسے پسلیوں سے

ٹکرا رہا ہو۔ ''یہ اس وقت کی بات ہے، جب اٹیلا تین برس کا تھا۔'' اس نے بات مکمل کی۔

بڈمین اب حیرت سے منہ کھولے اسے دیکھ رہا تھا۔

لیکن ڈیمین کے پاس ابھی کہنے کو اور کچھ بھی تھا۔ کوئی طاقت اسے بولنے پر مجبور کر رہی تھی ''اٹیلا اپنے بھائی سے بالکل مشابہ نہیں تھا۔ بات صرف رنگ کی نہیں تھی۔ دونوں کے نقوش میں نام کو بھی مشابہت نہیں تھی۔ اس کا سبب شاید یہ تھا کہ دونوں کے باپ الگ الگ تھے یہ حقیقت ہے کہ اٹیلا کی ماں نے کھلے عام متعدد لوگوں سے تعلقات استوار کر رکھے تھے۔

''اٹیلا نے جب پہلی جنگ لڑی تو وہ میری عمر کا تھا۔ اس کی اس عمر کی ایک پینٹنگ موجود ہے۔ جس میں اس کی تلوار بہ یک وقت تین دشمنوں کو نشانہ بنا رہی ہے۔ اس میں وہ نہایت خوب رو تھا اور خواتین بڑی تعداد میں اس کی آرزو کرتی تھیں۔ اس کے بعد فوراً اس نے شیطان کے پجاریوں سے تعلق جوڑ لیا اور شیطان کی پرستش شروع کر دی......''

بڈمین کے نزدیک پانی اب سر سے گزر گیا تھا۔ ''یہ بکواس ہے''۔ اس نے غصے سے کہا۔ ''یہ تمہیں کہاں سے معلوم ہوا؟ مجھے حوالہ دو۔'' یہ حوالے کا حکم بڈمین کا خاص ہتھیار تھا

پہلی بار ڈیمین کی آواز لڑکھڑائی۔ ''میں...... یہ تو مجھے نہیں معلوم سر۔'' اب اس کے چہرے پر الجھن کا تاثر تھا۔ اس کی خود اعتمادی رخصت ہو چکی تھی۔ وہ یوں کھڑا تھا، جیسے کسی اجنبی مقام پر اچانک آ کھڑا ہوا ہو۔ جیسے اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہو۔

بڈمین نے موقع سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہا۔ ''اور اس کا بھائی...... وہ بھی شیطان کا پجاری بن گیا ہو گا۔''

بڈمین کا کھویا ہوا اعتماد ایک دم لوٹ آیا۔ ''نہیں سر، بالکل نہیں'' اس نے پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ نفی میں سر ہلایا۔ ''کیونکہ اس وقت تک اٹیلا اپنے بھائی کو قتل کر چکا تھا

مارک کو اپنی سانسیں رکتی محسوس ہوئیں۔

اب ڈیمین جو کچھ کہہ رہا تھا اس کا مطلب بھی اسے معلوم نہیں تھا۔ اندر جو معلومات امنڈ رہی تھیں، وہ بس انہیں باہر نکال رہا تھا۔ ''اسے اپنے بھائی کو قتل کرنا ہی تھا۔ کیونکہ وہ تنہا حکمرانی کرنا چاہتا تھا۔'' ڈیمین کا لہجہ معذرت خواہانہ تھا، جیسے اٹیلا کے سامنے اس کے سوا کوئی اور چارہ کار نہ رہا ہو...... پھر ...... اس کی آواز دھیمی بہت دھیمی ہو گئی، جیسے وہ کوئی بہت بڑا راز منکشف کر رہا ہو۔ ''...... وہ خود کو نمرود اعظم کہنے لگا...... نمرود، خدا کا مقہور...... شیطان کا بیٹا...... اینٹی کرائسٹ۔''

کلاس روم میں سناٹا چھا گیا۔

اسی وقت دروازہ کھلا اور نیف تیز قدموں سے اندر آیا۔ وہ بڈمین کی طرف بڑھا، جو پسینے میں نہایا ہوا پوری جان سے یوں لرز رہا تھا، جیسے کسی بھی لمحے ڈھیر ہو جائے گا۔

نیف نے بڈمین سے سرگوشی میں کچھ کہا۔ بڈمین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

نیف ڈیمین کی طرف مڑا۔ ''تم میرے ساتھ آؤ'' اس نے ڈیمین سے کہا۔

ڈیمین خاموشی سے اس کے ساتھ چلا گیا۔

''بلیک بورڈ پر جو کچھ لکھا ہے، اسے اپنی کاپیوں پر اتار لو'' بڈمین نے طلبا سے کہا، جواب بھی سکتے کی سی کیفیت میں تھے۔ پھر وہ بھی ڈیمین اور نیف کے پیچھے نکل گیا۔ کلاس میں خوف ناک خاموشی تھی۔ پھر اچانک چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں۔

نیف ڈیمین کو راہ داری میں دور لے گیا۔ تاکہ ان کی گفتگو کسی کو سنائی نہ دے۔ بڈمین واش روم کی طرف چلا گیا۔ اس وقت اسے شدید پیاس لگ رہی تھی۔

''تم کیا کرنے کی کوشش کر رہے تھے ڈیمین؟'' نیف کے لہجے میں برہمی تھی۔ وہ پہلا موقع تھا کہ اس نے ڈیمین کو اس کے پہلے نام سے مخاطب کیا تھا۔

ڈیمین خود ششدر تھا۔ ''میں سوالوں کے جواب دے رہا تھا سارجنٹ۔''

نیف نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں۔ تم خود کو ظاہر کر رہے تھے۔...... اپنی حقیقت کھول رہے تھے۔''

ڈیمین کو اتنا بھی ہوش نہیں تھا کہ سوچ پاتا...... کہ نیف کو یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا۔ وہ جو کچھ کہہ چکا تھا۔ اس میں الجھا ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ جو کچھ وہ کلاس میں کہتا رہا، اسے معلوم کیسے ہوا۔ ''لیکن مجھے ان سوالوں کے جواب معلوم تھے۔'' اس نے وضاحت کی کوشش کی ''کیسے؟ یہ مجھے نہیں معلوم۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مجھے معلوم تھا کہ میں سب کچھ جانتا ہوں۔''

نیف کا لہجہ اب بھی سخت تھا۔ ''کچھ بھی ہو۔ تمہیں خود کو نمایاں نہیں کرنا چاہیے۔ تمہیں دوسروں کی نظروں میں نہیں آنا چاہیے۔''

''میں نے ایسی کوئی کوشش کی بھی نہیں۔'' ڈیمین نے احتجاج کیا۔ ''میں تو بس''

نیف نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''وہ دن آئے گا، جب سب جان لیں گے کہ تم کون ہو۔ لیکن ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے۔''

یہی بات پال بوہر نے بھی کہی تھی۔ ڈیمین اور الجھ گیا۔ ''کون ہوں میں؟'' اب وہ خوف محسوس کر رہا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ یہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ یہ سب لوگ اسے اہمیت کیوں دے رہے ہیں۔ ایسا کیا ہے اس میں؟ اسے لگ رہا تھا کہ وہ پاگل ہو جائے گا۔

''تم بائبل پڑھو۔'' نیف نے کہا۔ ''پیش گوئیوں کا باب پڑھو۔ پڑھو...... دیکھو اس میں تمہارے بارے میں...... ہاں تمہارے متعلق کیا لکھا ہے۔''

ڈیمین پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ضرور پڑھنا۔'' نیف کے لہجے میں اصرار تھا۔ ''پڑھو۔ پڑھو گے تو جانو گے۔ جانو گے تو سمجھو گے۔''

ڈیمین اس وقت چیخ چیخ کر رونا چاہتا تھا۔ ''یہ تو بتائیں کہ مجھے کیا سمجھنا ہے۔'' اس نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ ''پلیز...... مجھے بتائیں۔''

نیف چند لمحے اسے بغور دیکھتا رہا۔ پھر بولا تو اس کے لہجے میں ڈیمین کے لیے ادب اور احترام تھا۔ ''آپ کو یہ سمجھنا ہے کہ درحقیقت آپ کون ہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے ڈیمین کے سامنے احترام سرخم کیا، پلٹا اور چلا گیا۔

ڈیمین وہاں کھڑا رہا۔ بہتے ہوئے آنسو اس کے رخساروں کو بھگو رہے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا بتانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ آخر اس نے فیصلہ کیا اسے بائبل سے مدد لینا ہوگی۔ دیکھا تو جائے کہ کتاب میں اس کے بارے میں کیا لکھا ہے

اصل میں تو یہ دیکھنا تھا کہ کیا واقعی بائبل میں اس کے بارے میں کچھ لکھا ہے!

❁ ❁ ❁

ڈیوڈسن ملٹری اکیڈمی کا بینڈ بڑا زبردست تھا۔ بینڈ کی ضرورت کھیل کے مقابلوں اور دیگر تقریبات کے دوران پڑتی تھی۔ مارک تھورن بگل بجانے والوں کا سربراہ تھا۔

کہتے ہیں کہ بگل کے سر بہت محدود ہوتے ہیں۔ لیکن مارک تھورن نے بگل کے اظہار جذبات کو وسعت اور گہرائی بخشی تھی۔ اس لیے اسے غیر معمولی طور پر سراہا جاتا تھا۔ مارک کے نزدیک یہ بڑا اعزاز تھا کہ اسکول میں ہر بلاوا اس کے بگل کا مرہون منت ہوتا تھا

اس کے لیے اسے دوسرے طلبا کے مقابلے میں آدھا گھنٹہ پہلے بیدار ہونا پڑتا تھا۔ صبح سویرے وہ اسکول کے لاوڈ اسپیکر سسٹم پر 'جاگو' کی دھن بجاتا تو اسے خوشی ہوتی۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اکیڈمی کے لڑکوں کو اس بگل کی آواز سے جاگنا برا نہیں لگتا تھا۔ ورنہ لڑکپن کی نیند تو بہت ضدی ہوتی ہے۔ اور صبح سویرے جگائے جانا کسی کو بھی اچھا نہیں لگتا۔ دوسری طرف رات کو سونے کے وقت مارک اپنے بگل پر......سو جا، رات ہوئی...... کی دھن بجاتا تو سب لڑکوں کے لیے سو جانا جیسے آسان ہو جاتا۔

یہی کیفیت کھانے کے لیے میس کے بلاوے پر ہوتی تھی۔

اس روز کیونکہ بارش کا امکان تھا، اس لیے بینڈ والوں کی پریکٹس ان ڈور ہو رہی تھی۔ ڈورمیٹری اس انداز میں بنائی گئی تھی کہ وہاں ان ڈور سرگرمیوں کی گنجائش تھی۔ تمام کمرے دوسری منزل پر تھے۔ اور یہ دوسری منزل ایک بالکونی کی طرح تھی، اور عمارت کے چاروں طرف موجود تھی۔ ہر کمرے سے نیچے پریڈ گراونڈ کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔

کلاس روم پہلی منزل پر تھے۔ اقامتی کمروں کے عین نیچے۔ اس کے نتیجے میں نچلی منزل اتنی ہی کشادہ تھی، جتنی اوپری منزلیں۔ وہاں تمام ان ڈور سرگرمیاں ممکن تھیں۔

اس وقت وہاں بینڈ کی ریہرسل ہو رہی تھی۔ اور پریڈ کی ریہرسل بھی جاری تھی۔

اس وقت مارچ پریڈ کے لیے 'طوفان' کی دھن بجائی جا رہی تھی، جو مارک کو بہت پسند تھی۔ وہ دھن میں کھویا ہوا تھا۔ اس کا اوپر اٹھتا، نیچے گرتا پاؤں تال دے رہا تھا۔

وہ سہ پہر کا وقت تھا۔ لیکن باہر اندھیرا چھا رہا تھا۔ وہ خالی پیریڈ تھا۔ جو طلبا بینڈ میں شامل نہیں تھے، وہ یا تو اپنے کمروں میں مطالعے میں

مصروف تھے یا جمنازیم میں کسی ورک آؤٹ میں محو تھے

یہی وجہ تھی کہ کسی نے ڈیمین کو نہیں دیکھا، جو اس وقت ایک قبیح حرکت کر گزرا تھا۔ اس نے بڈمین کی بائبل چرا لی تھی۔

لڑکوں کے کمروں میں بائبل نہیں تھی۔ اسکول کی انتظامیہ نے فٹ بال کے کھیل پر کتابیں رکھی تھیں۔ مگر وہ اپنے طلبا کو خوف خدا سے دور رکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے انہوں نے بائبل فراہم کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

ڈیمین نے سب سے پہلے لائبریری کا رخ کیا۔ لیکن بہت تلاش کرنے پر بھی اسے بائبل نہیں ملی۔ اس نے اپنے طور پر پوری لائبریری چھان ماری۔ لیکن ناکام رہا۔ کسی سے مدد لینا مناسب نہیں تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی بائبل میں دلچسپی کا کسی کو علم ہو۔

وہ وقفے کا انتظار کرتا رہا۔ اس میں عام طور پر طلبا کامن روم یا اپنے کمرے کا رخ کرتے اور ٹیچر اسٹاف روم میں چلے جاتے تھے۔ اور آج تو بینڈ بھی ان ڈور ریہرسل کر رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا...... شور!

وہ ذہین لڑکا تھا...... اپنے لیے راہیں بنانے والا۔ اس نے اندازہ لگایا کہ اسٹاف میں صرف بڈمین ہی ایسا ہے، جس کے پاس بائبل کی موجودگی کا امکان ہے۔ بس اس کے کمرے کی تلاشی لینی ہوگی۔ اور اس کام کے لیے وقفہ بہت مناسب تھا۔

وقفے میں وہ بڈمین کے کمرے میں چلا گیا۔ اکیڈمی کا ایک اصول تھا۔ کمروں کے دروازے لاک نہیں کیے جاتے تھے۔ دروازہ لاک کرنے کا مطلب ہوتا کہ طلبا سے چوری کا خدشہ ہے۔ لہٰذا یہ اکیڈمی کے لیے عزت کا مسئلہ تھا۔

بڈمین کے ڈیسک کے عقب میں رکھے کتابوں کے شیلف میں کنگ جیمز بائبل کے کئی ایڈیشن موجود تھے۔ ڈیمین نے ان میں سے بوسیدہ ترین نسخے کا انتخاب کیا۔ اس کے خیال میں بڈمین کو اس کی کمی کا احساس بھی نہیں ہوگا۔ اس نے سوچا تھا کہ شام میں اس کا مطالعہ کرے گا اور رات کو بائبل دوبارہ اس جگہ رکھ جائے گا۔

اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے، خون اسے اپنی کنپٹیوں میں ٹھوکر مارتا محسوس ہوا تھا۔

ان کے کمروں میں دروازے نہیں تھے۔ پردے تھے جو دروازوں کا کام دیتے تھے۔ کسی کو تخلیے کی ضرورت ہوتی تو وہ پردے سرکا کر بند کر دیتا۔

ڈیمین نے کمرے میں داخل ہو کر پردوں کو سمیٹ دیا۔ کرنل کا قول اسے یاد تھا...... لاک کی ضرورت اسے ہوتی ہے، جو کچھ چھپانا چاہتا ہو۔ اور ڈیمین نہیں چاہتا تھا کہ پردے کھنچے دیکھ کر کوئی اس انداز میں سوچے۔

وہ بیٹھ کر خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کا سر چکرا رہا تھا۔ اس نے اسے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ ان لمحات کی سنسنی اور ہیجان نے اسے چکرا کر رکھ دیا تھا۔

اب اسے یہ جاننا تھا کہ وہ درحقیقت کون ہے؟

یہ زاویہ نظر ہی خوف زدہ کر دینے والا تھا۔ دنیا میں کتنے لوگ ایسے ہوں گے جنہیں اگر یہ بتا دیا جائے کہ انہیں اپنے وجود کی حقیقت کا علم

کوئی خاص کتاب پڑھ کر ہوگا، تو وہ اس کتاب کو کھولنے کی ہمت کر سکیں گے۔

لیکن ڈیمین تھورن میں یہ حوصلہ تھا۔ اس نے چرائی ہوئی بائبل جیب سے نکالی اور پیٹ کے بل لیٹتے ہوئے کتاب کو کھولا۔ اس نے وہ صفحات کھولے، جن میں پیش گوئیوں کا باب تھا۔

پوری دنیا درندے کے بارے میں سوچتی تھی۔ وہ ڈریگن کی پرستش کرتے تھے، جو درندے کی طاقت کا منبع تھا۔ اور درندے کی پرستش کرتے تھے۔...... وہ کہتے تھے...... درندے جیسے کوئی نہیں۔ بھلا کون ایسا ہے جو اس سے جنگ کر سکے؟

ڈیمین نے کتاب سے سر اٹھایا اور سوچنے لگا۔ اس عبارت کا مطلب کیا ہے۔ اسے مارک کا خیال آیا جو ابتداء ہی سے اسی سے پرستش کی حد کو پہنچی ہوئی محبت کرتا تھا۔ اور اب ٹیڈی کا بھی یہی حال تھا۔ اسے پال بوہر کا...... سارجنٹ نیف کا خیال آیا۔ وہ کس طرح اسے ایک الگ اور ممتاز مقام دیتے تھے۔ وہ اسے احساس دلاتے تھے کہ اس میں کوئی خاص بات ہے۔ وہ اسے خود سے بڑھ کر اہمیت دیتے تھے۔ اسے اپنی کھیل کی اہلیت کا خیال آیا۔ عجیب بات تھی۔ کسی بھی میدان میں کوئی بھی اسے شکست نہیں دے پاتا تھا۔

اس کے جسم میں سنسنی دوڑ رہی تھی۔ اس نے اگلی عبارت پڑھی......

میں نے اسے دیکھا۔ روئے زمین کے تمام بادشاہ اور ان کی فوجیں اس سے برسر پیکار ہونے کے لیے یک جا ہوگئی تھیں۔

اور وہ گھوڑے پر سوار تھا......

ڈیمین کو یاد آیا کہ وہ اٹیلا کو کس قدر واضح طور پر سمجھ رہا تھا۔ اور اسے کیسے صاف مناظر دکھائی دیے تھے۔ اور کیسے روانی سے وہ باتیں کر رہا تھا...... ایسے جیسے وہ خود ہی اٹیلا ہو...... گھوڑے پر سوار، اپنے جنگ جوؤں میں گھرا، جو اس کے شیطانی حکم کے منتظر تھے۔

وہ تھوک نگل کر رہ گیا۔ اس کے اندر ایسا طوفان اٹھ رہا تھا کہ لگتا تھا، وہ دھماکے سے پھٹ جائے گا۔ وہ بیڈ سے اٹھا اور اضطراب کے عالم میں ٹہلنے لگا۔ اسے حرکت میں آنا تھا۔ اسے کچھ کرنا تھا اگرچہ اس کا خوف بہت بڑا تھا۔ لیکن اپنے بارے میں جاننے کی خواہش اس خوف سے بھی بڑی تھی۔

وہ پھر بیٹھ گیا اور اس نے کتاب اٹھالی۔ پڑھتے ہوئے اس کی آنکھیں جل رہی تھیں۔

اور وہ آتشی درندہ، جسے میں نے دیکھا، وہ دیکھنے میں چیتے جیسا تھا۔ مگر اس کے پاؤں ریچھ کے تھے۔ اور اس کی تھوتھنی شیر کی سی تھی۔ اور ڈریگون اسے اپنی آتشی طاقت دے رہا تھا...... طاقت اور قابو کرنے کی صلاحیت!

ڈیمین سمجھ رہا تھا کہ وہ عبارت علامتی ہے۔ استعاروں میں، اشاروں میں بات کی جا رہی ہے۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ کیسے، بہر حال وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اٹیلا کا بھی اسی طرح کا نقشہ کھینچا جاتا تھا۔ جنگ سے واپس آنے کے بعد اس کے سپاہی اس کے بارے میں کہانیاں سناتے تھے کہ وہ کتنی بے جگری سے لڑا۔ میدان جنگ میں اس کی دہشت کتنی زیادہ تھی۔ اور لڑتے ہوئے وہ کیسا لگ رہا تھا۔ ڈیمین سمجھ سکتا تھا کہ وہ کہانیاں کس انداز میں پھیلتی اور بڑھتی ہوں گی۔ ہر دوسرا آدمی اپنی سنی ہوئی دوسروں کو سناتے ہوئے اس میں کس طرح اضافے کرتا ہوگا۔ داستانیں اسی طرح تو جنم لیتی

ہیں۔اس طرح اٹیلا کو ایسا خوف ناک درندہ بنا دیا گیا ہوگا، جس کا مقابلہ کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں تھی۔

اس نے سوچا، کیا کبھی ایسا ہوگا کہ لوگ اس کے بارے میں ایسی ہی داستانیں سنایا کریں گے......

اس نے بائبل میں آگے پڑھا......

اور اس کی پالیسی ایسی ہوگی کہ ہاتھ کا ہنر پھلے پھولے گا۔ وہ دل میں خود کو بڑا...... بہت بڑا سمجھے گا۔ اس کا امن بھی بہت سوں کی تباہی کا باعث ہوگا۔ اور وہ شہزادوں کے شہزادے کے مقابلے میں سر اٹھائے گا......

ڈیمین کو پال بوہر کی بات یاد آئی...... تمہیں تھورن فیملی کی دولت کا پتا ہونا چاہیے۔ آخر ایک دن وہ تمہاری ہی ہوگی۔

لیکن شہزادوں کے شہزادے کے مقابلے میں سر اٹھانا! یہ کیسے ممکن ہے! ابھی تو میں چھوٹا ہوں۔ لیکن اسے اپنے اندر طاقت...... بے پناہ طاقت کی موجودگی کا احساس ہو رہا تھا۔

اب اسے یہ احساس بھی ہو رہا تھا کہ اس پر بے حد خوف ناک اور بڑی ذمے داری کا بوجھ ہے۔ اور یہ بوجھ اس کی رضا کے بغیر اس پر ڈالا گیا ہے۔ خوف سے اس کی ٹانگیں لرزنے لگیں۔ اب اسے وہ تحفہ برا لگ رہا تھا، جس نے اسے پوری کلاس میں ممتاز کر دیا تھا۔ وہ تو اس کے لیے بوجھ تھا...... بہت بھاری پتھر، جو اس کے کندھے پر رکھ دیا گیا تھا۔ کاش اس میں اتنی طاقت ہوتی کہ وہ اس بوجھ کو اپنے کندھے سے اتار پھینکتا۔

ابھی اسے اور پڑھنا تھا۔ اس نے بائبل پر نظریں جمائیں۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی حروف اسے تیرتے محسوس ہو رہے تھے۔

انسان چھوٹے ہوں یا بڑے، امیر ہوں یا غریب، آزاد ہوں یا غلام، وہ ان سب کو ان کے داہنے ہاتھ پر یا پیشانی پر وہ ایک نشان ڈالے گا۔ سوائے ان لوگوں کے جن کے پاس وہ نشان ہوگا یا عفریت کا نام ہوگا یا اس کا عدد ہوگا' کوئی شخص آزادانہ تجارت نہیں کر سکے گا۔ نہ کچھ خرید سکے گا، نہ فروخت کر سکے گا۔

وہ ولیوں سے، نیکوں سے جنگ کرے گا اور انہیں زیر کرے گا۔ اسے تمام برادریوں، تمام زبانوں اور تمام قوتوں پر بالادستی دی جائے گی۔

ڈیمین کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اس وقت اس کے بس میں ہوتا تو وہ آگے ہرگز نہ پڑھتا۔ جو کچھ اس نے اب تک پڑھا تھا، وہ اسے بھلا دیتا۔ وہ بائبل واپس رکھ آتا، اسے کہیں پھینک دیتا یا جلا ڈالتا۔ لیکن وہ بے بس تھا۔

اس نے بائبل ایک طرف اچھال دی۔ وہ مخالف دیوار سے ٹکرا کر فرش پر گری۔ برابر کے کمرے میں موجود کیڈٹ نے دیوار پر ہاتھ مار کر احتجاج کرتے ہوئے خاموشی کی اپیل کی۔

ڈیمین چند لمحے ساکت وصامت کھڑا فرش پر پڑی بائبل کو گھورتا رہا۔ عجیب بات تھی۔ بائبل اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ ایک طرف اسے لگ رہا تھا کہ وہ اسے چھوئے گا تو یہ اسے جلا دے گی۔ لیکن دوسری طرف وہ اسے بلا رہی تھی...... مجبور کر رہی تھی۔ کہ وہ اسے اٹھائے، اسے پڑھے۔ وہ جانتا تھا کہ اب وہ اس اسرار کے بہت قریب پہنچ گیا ہے۔ اور اسے اس اسرار کو ہر حال میں سمجھنا تھا۔ خواہ اس کے لیے اس کی روح رہن

رکھ دی جائے۔اس نے بڑھ کر بائبل اٹھائی اور وہ صفحہ کھولا، جسے وہ پڑھ رہا تھا۔کتاب کے صفحے مڑ گئے تھے۔

اس کے جسم میں تھرتھری سی دوڑ گئی، جیسے اسے بخار چڑھ رہا ہو۔اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔اسرار سے پردہ اٹھنے ہی والا تھا۔

اس نے دوبارہ پڑھنا شروع کیا......

یہ علم و دانش ہے،ان کے لیے جو سمجھ رکھتے ہیں۔تمہیں عفریت کا عدد بتایا جا رہا ہے۔

شیطان کا عدد۔اور یہ انسانی عدد ہے۔اسے یاد رکھو، یہ عدد ہے چھ سو چھیاسٹھ

......چھ، چھ، چھ،......تین چھکے۔

ڈیمین نے جھٹکے سے کتاب بند کر دی۔گویا ثبوت موجود تھا۔نشان!اور اگر وہ نشان سے پاک ہے تو وہ آزاد اور محفوظ ہوگا..........۔

بائبل کو سینے سے لگائے ہوئے وہ اپنے کمرے سے نکلا۔حالانکہ بائبل سے اسے نفرت سی محسوس ہو رہی تھی۔جی چاہتا تھا کہ اس کے پرزے کر کے پھینک دے۔اب اسے اس کی پروا بھی نہیں تھی کہ کوئی اسے دیکھ لے گا۔وہ تیز قدموں سے واش روم کی طرف لپکا۔

واش روم میں کوئی نہیں تھا۔باہر کے اندھیرے کے مقابلے میں ٹائل کے فرش کی وجہ سے واش روم بہت روشن لگ رہا تھا۔باہر اب ہوا بھی تیز ہو گئی تھی۔اور درختوں کی وجہ سے اس کی آواز پر شور لگ رہی تھی۔

ڈیمین نے لرزتے ہاتھوں سے بائبل سنک پر رکھی اور آئینے کی طرف متوجہ ہوا۔آئینے پر جا بجا ٹوتھ پیسٹ کے داغ تھے اس کے ذہن میں اس معاملے میں کوئی اشتباہ نہیں تھا کہ وہ کس چیز کی تلاش میں ہے۔اس نے ہتھیلی سے رگڑ کر آئینے کو قدرے صاف کیا اور پھر آئینے میں دیکھا۔

یہ تو طے تھا کہ اس کے داہنے ہاتھ پر وہ نشان ہرگز موجود نہیں ہے۔کیونکہ وہ اپنے ہاتھ کو اب تک ہزاروں بار دیکھ چکا تھا۔اس کے باوجود اس نے بہت احتیاط اور غور سے اپنے ہاتھ کا جائزہ لیا

لیکن نہیں۔اس کا ہاتھ ہر اعتبار سے نارمل تھا۔اس کا مطلب ہے اسے دوسرے کسی مقام کو چیک کرنا ہے۔

اس نے لرزتے ہاتھوں سے اپنے بالوں کو اوپر اٹھایا اور غور سے اس جگہ کو دیکھا، جہاں بال تھے۔

مگر وہاں بھی کوئی نشان نہیں تھا!

اس نے لرزتے ہاتھوں سے اپنے بالوں کو ہٹایا متلاشی نگاہوں سے پیشانی کا جائزہ لیا۔

نشان موجود نہیں تھا!

اب وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ پاگل تو نہیں ہو رہا ہے۔اس نے سوچ کیسے لیا کہ اس کے ساتھ یہ خوفناک معاملہ ہو سکتا ہے۔کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ بڑے لوگ اس کے اندر خوف پھونکنے کی کوشش کر رہے ہوں۔اب وہ تیرہ سال کا تھا۔یعنی مرد بن گیا تھا۔ممکن ہے، یہ مردانگی کی ابتدائی مقناطیسی لہر ہو۔ممکن ہے، یہ جنسی خواہش کا آغاز ہو۔ممکن ہے، یہ وہ لہر ہو جو لوگوں کو پاگل کر دیتی ہے۔

کوئی اور لڑکا ہوتا تو یہ سوچ کر کہ جو کچھ دیکھنے کی اسے امید ہے لیکن وہ دیکھنا نہیں چاہتا ہے، آئینے کے سامنے سے ہٹ جاتا۔لیکن ڈیمین کے لیے

یہ ممکن نہیں تھا۔ اسے تو اپنے تھورن ہونے پر فخر تھا۔ اور تھورن لوگ کوئی کام ادھورا نہیں چھوڑتے تھے۔ اسے بھی بچپن سے یہی سکھایا گیا تھا۔

اس بار ڈیمین اپنا ہاتھ سر پر زیادہ اوپر لے گیا...... اور اسکے بعد اس نے اپنے بالوں کے درمیان سے پھاڑ کر دیکھا...... پیشانی کے اوپر! اور وہاں وہ نشان موجود تھا۔

اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں تھی کہ اس نشان کو پہلے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ وہ بہت چھوٹا تھا لیکن اتنا واضح تھا۔ تینوں ہندسے چھوٹے چھوٹے مگر بالکل صاف اور واضح تھے...... 666!

ڈیمین کو اپنی سانس رکتی محسوس ہوئی۔ وہ شاک کی حالت میں تھا۔ لڑکھڑاتا ہوا وہ دیوار سے جا ٹکا۔ تو وہ سب سچ تھا، ہر وہ بات سچ تھی، جس کے سچ ہونے سے وہ ڈر رہا تھا۔ جن باتوں کی طرف پال بوہر اشارے کر رہا تھا۔ جو باتیں نیف نے اسے بتائی تھیں۔ وہ سب سچ تھیں!

ارے...... ابھی تو وہ چھوٹا لڑکا ہے۔

اسے خود پر ترس آنے لگا۔ وہ واش روم سے جھپٹ کر باہر نکلا تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ بائبل اب بھی اس کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے کہاں جائے۔ بس وہ اتنا جانتا تھا کہ اس وقت اسے تنہائی کی ضرورت ہے۔

وہ زینے کی طرف گیا۔ نیچے بینڈ اب بھی پریکٹس کر رہا تھا۔ وہ باہر نکل رہا تھا کہ مارک نے اسے دیکھ لیا۔ ''ڈیمین۔'' اس نے پکارا۔

لیکن ڈیمین بڑھتا رہا۔ بڈمین کے آفس کے سامنے وہ رکا۔ اسے بائبل واپس رکھنی تھی۔ لیکن آفس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ بڈمین اندر موجود ہے۔ اس نے بائبل کچھ دور فرش پر رکھ دی اور پلٹ گیا۔

کچھ دیر بعد وہ بلڈنگ سے باہر تھا۔ کھیل کے میدان سے گزر وہ گیٹ سے باہر نکلا اور سڑک پر آ گیا۔ سڑک پر وہ دوڑتا رہا...... دوڑتا رہا...... ایسے کہ اس سے پہلے کبھی نہیں دوڑا تھا۔ وہ اسکول سے بھاگنے...... دور، بہت دور جانے کے لیے بھاگ رہا تھا...... اور وہ نیف سے، پال بوہر سے، بائبل سے اور اس خوف ناک آگہی سے فرار چاہتا تھا...... یہ آگہی کہ وہ درحقیقت کون ہے۔

بلکہ درحقیقت تو وہ خود سے بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ سڑک پر بھاگتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کے پھیپھڑوں میں دہکتی ہوئی آگ بھر گئی اور اس کی ٹانگیں من من کی بھر کی ہوگئی ہیں اور انہیں اٹھانا اس کے بس میں نہیں رہا ہے

بالآخر ایسا لگنے لگا کہ اب اس نے مزید ایک قدم بھی بڑھایا تو وہ مر جائے گا۔ تب وہ لڑکھڑاتا ہوا ایک درخت کے نیچے بیٹھا اور اس کے تنے سے لپٹ کر، پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

کچھ دیر بعد اس نے سیاہ آسمان کی طرف دیکھا۔ پانی سے بھرے ہوئے بادل جمع ہو رہے تھے۔ پھر بجلی کڑکنے لگی۔ اس نے اپنے ہاتھ پھیلائے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ احتجاج ہے یا سپردگی۔

وہ ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

جس درخت کے نیچے وہ بیٹھا تھا، اس کی اوپر کی شاخوں پر ایک جیسم کوا بیٹھا تھا۔ اس نے اپنا سر ٹیڑھا کیا اور نیچے روتے ہوئے ڈیمین کو دیکھا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں فاتحانہ چمک لہرا گئی۔

❂............❂............❂

اس رات دو کرشمے ہوئے۔ ڈیمین انہیں دیکھتا تو اسے شاک لگتا۔ لیکن وہ انہیں سمجھ بھی جاتا۔

پہلا کرشمہ پال بوہر کے بیڈروم میں ہوا۔ پال بوہر سونے کی تیاری کر رہا تھا۔ اس نے اپنے داہنے ہاتھ کی چوتھی انگلی میں موجود انگوٹھی کو چھوا۔ جب اسے ذمے داری سونپی گئی تھی تو وہ انگوٹھی بھی دی گئی تھی۔

پال بوہر نے اس رات وہ انگوٹھی اتاری تو اسے اپنی انگلی پر وہ نشان بھی نظر آیا، جس کا وہ منتظر تھا۔ وہ ہندسے بہت چھوٹے تھے...... اتنے چھوٹے کہ انہیں آسانی سے دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔

پال کی خوشی کی کوئی حد نہیں تھی۔

اسے 666 کا نشان دے دیا گیا تھا۔ بالآخر اسے قبول کر لیا گیا تھا۔

دوسرا کرشمہ ڈینیل نیف کے بیڈروم میں رونما ہوا۔

نیف نے دانت برش کیے اور منہ دھونے کے بعد اپنے بالوں کو ہاتھوں سے پیچھے دھکیلا اور آئینے کی طرف جھک کر اپنے عکس کو دیکھا۔ ذمے داری سونپے جانے کے بعد سے یہ اس کا ہر رات کا معمول تھا۔

لیکن یہ رات گزری ہوئی تمام راتوں سے مختلف ثابت ہوئی۔ بالآخر اسے وہ نشان دے دیا گیا تھا...... تین ہندسے...... 666 اب دنیا کی کوئی طاقت ان کی پیش قدمی نہیں روک سکتی تھی۔

❂............❂............❂

رات سوا دس بجے کا وقت تھا۔ مارک سوتے میں کسمسایا۔ وہ سوتو رہا تھا لیکن وہ نیند نہیں تھی۔

بینڈ کی ریہرسل سے نمٹ کر وہ اپنے کمرے میں آیا تو بستر کی چادریں فرش پر پڑی نظر آئیں۔ وہ ڈیمین کے بستر کی چادریں تھی۔ اس نے سلیقے سے ڈیمین کا بستر تیار کیا اور پھر اپنے بستر پر لیٹ گیا۔

وہ فکر مند تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا گڑبڑ ہو رہی ہے۔ سب سے پہلے تو ڈیمین نے کلاس میں بے قابو ہو کر بڈ مین کو حیران کر دیا۔ اور بعد میں اس نے ڈیمین کو باہر جاتے دیکھا۔

پورے دن انہیں بات کرنے کا موقع نہیں ملا۔ ڈیمین کو اس نے اکیڈمی سے باہر جاتے دیکھا تھا...... اور وہ ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔

مارک خوفزدہ تھا اور اسی وجہ سے اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ پھر بھی آنکھ تو لگ جاتی ہے۔ وقفے وقفے سے جھپکی تو آ جاتی ہے۔

بالآخر اسے ڈیمین کے دبے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس نے کروٹ بدلی۔ ڈیمین قریب کھڑا اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

''تم کہاں تھے؟'' مارک نے فکر مندی سے پوچھا۔ ''میں بہت پریشان رہا ہوں

ڈیمین نے کچھ نہیں کہا۔ وہ بڑھا اور اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ وہ چھت کو تک رہا تھا۔ اس نے اپنا پھیلاؤ سمیٹنے اور بستر درست کرنے پر مارک کا شکریہ بھی نہیں ادا کیا۔ ورنہ عام حالات میں وہ بہت مہذب لڑکا تھا۔

''ڈیمین۔'' مارک کی سرگوشی میں تڑپ تھی۔

لیکن اسے جواب نہیں ملا۔

''ڈیمین، تم ٹھیک تو ہو نا۔'' مارک نے سرگوشی میں پوچھا۔

مگر ڈیمین بدستور چھت کو تکے جا رہا تھا۔ لمحے دبے پاؤں گزر رہے تھے۔

بالآخر کچھ دیر بعد ڈیمین نے کہا۔ ''اب میں ٹھیک ہوں۔ لائٹ آف کر دو۔ ورنہ جواب طلبی ہو گی۔''

مارک نے لائٹ آف کر دی۔ چند لمحوں کے لیے بغیر دروازے کا کمرہ مکمل طور پر تاریک ہو گیا۔ مگر پھر ان کی نگاہیں اندھیرے سے ہم آہنگ ہو گئیں۔ مارک نے دیکھا کہ ڈیمین اب بھی چھت کو تک رہا ہے۔ ''تم ٹھیک تو ہو نا ڈیمین؟'' اس نے پر تشویش لہجے میں پوچھا۔

''سو جاؤ۔'' ڈیمین کا لہجہ خلاف معمول سخت تھا۔ پھر اس نے کروٹ بدلی اور آنکھیں موند لیں۔ چند ہی لمحوں بعد وہ سو گیا۔

لیکن مارک کو بہت دیر میں نیند آئی۔

۞......۞......۞

پیاریان اپنا بے حد پھولا ہوا بریف کیس لیے جہاز سے اترا۔ وہ بری طرح تھک گیا تھا۔ وہ تھورن انڈسٹریز کا جیٹ طیارہ تھا، جو نان اسٹاپ اسے انڈیا سے واپس لایا تھا۔

پیاریان سب سے پہلے پبلک فون کی طرف لپکا۔ حالانکہ وہ ہفتے کی شام تھی۔ لیکن پیاریان جانتا تھا کہ کال بہت ضروری ہے۔ اسے رچرڈ

تھورن کوفوری طور پر بتانا تھا کہ کیا ہوا ہے۔

پیاریان کے پاس اس وقت ہندوستانی سکوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ خوش قسمتی سے اس کے پاس کمپنی کے ایک کریڈٹ کارڈ کا نمبر موجود تھا۔ اس نے نمبر ڈائل کیا اور رابطہ ہونے کے انتظار میں بوتھ کی دیوار تھپ تھپاتا رہا۔ وہ نروس ہو رہا تھا۔

دوسری طرف سے بٹلر نے فون ریسیو کیا۔ اس نے کہا کہ پیغام صبح سویرے رچرڈ تھورن کو دے دیا جائے گا۔

پیاریان کو مایوسی ہوئی۔ اس نے سوچا، اب وہ کیا کرے۔ اگر صبح تک انتظار کرے گا تو صورت حال بدتر ہو جائے گی۔ یہ بھی تھا کہ صرف رچرڈ تھورن ہی کو اطلاع دی جا سکتی تھی۔ معاملے کی نوعیت ہی ایسی تھی۔

اس کے دماغ میں بحث چلتی رہی۔

کچھ دیر کے غور و فکر کے بعد بالآخر پیاریان نے فیصلہ کر لیا۔ اگرچہ اس کی عقل اور اس کا وجدان اس فیصلے کی مخالفت کر رہے تھے۔ لیکن انہیں نظرانداز کر کے پیاریان نے دوبارہ ریسیور اٹھا لیا۔ اس بار وہ پال بوہر کا نمبر ملا رہا تھا۔

❁..........❁..........❁

پال بوہر کے اپارٹمنٹ کی لوکیشن اور آرائش میں وہ بات نہیں تھی، جو ایک گھر میں ہونی چاہیے۔ ایک تو اپارٹمنٹ بہت چھوٹا تھا۔ دوسرے وہ بے حد غیر ذاتی لگتا تھا۔ ایسا جیسے آفس ہوتے ہیں۔

اپارٹمنٹ میں ایک بڑی خوبی بھی تھی۔...... اور وہ تھا وہاں سے حاصل ہونے والا نظارہ۔ وہاں سے شکاگو کا ایسا خوب صورت منظر نظر آتا تھا کہ دیکھنے والے کی سانسیں رکنے لگتیں باقی اس اپارٹمنٹ کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ اسے صرف مستعدی کے فروغ کے لیے ڈیزائن کیا گیا ہے۔ اور اس مقصد کے لیے ذاتی ٹچ اور گھریلو پن کو بھینٹ چڑھا دیا گیا ہے۔

فون کی گھنٹی بجی تو پال بوہر مطالعہ کر رہا تھا۔ پال نے اپنے اپارٹمنٹ میں فونز کا سسٹم ایسا رکھا تھا کہ وہ کہیں بھی موجود ہو، اسے فون ریسیو کرنے کے لیے اٹھنا نہ پڑے۔ بلکہ وہیں فون ریسیو کر سکے۔

اس نے ہاتھ بڑھایا اور ریسیور اٹھا لیا۔ ''بوہر اسپیکنگ۔''

دوسری طرف ایک لمحے کا توقف تھا۔ پھر ڈیوڈ پیاریان کی جھجکتی ہوئی آواز سنائی دی۔ ''پال...... میں ڈیوڈ بول رہا ہوں۔ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔''

''تم کہاں ہو؟'' پال بوہر کی آواز بھنچنے لگی۔

''یہاں شکاگو میں...... ایرپورٹ پر۔ مجھے جلدی آنا پڑا۔ ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔''

''تم سیدھے میرے پاس آ جاؤ۔'' پال نے تیز لہجے میں کہا۔

❁..........❁..........❁

عین اس وقت رچرڈ تھورن اور این ایک دوسرے سے محظوظ ہو رہے تھے۔ اس وقت وہ ہر فکر سے آزاد تھے۔ بچے اسکول جا چکے تھے۔ مہمان داری کا بھی کوئی امکان نہیں تھا۔ نہ کوئی ضروری فون کرنا تھا۔ چنانچہ انھوں نے آؤٹنگ کا پروگرام بنالیا۔ وہ برف گاڑی کی تفریح کے ارادے سے نکل آئے۔

وہ پرانے طرز کی برف گاڑی تھی۔ وہ اتنی بھاری تھی کہ عام گھوڑے اسے کھینچ ہی نہیں سکتے تھے۔ اتفاق سے ایک سال قبل رچرڈ کے ایک دوست نے اسے اسکاٹ گھوڑوں کی جوڑی تحفے میں دی تھی۔ وہ اس گاڑی میں جوت دیے گئے۔

برف گاڑی پر رنگ اور اس کی آرائش این نے خود کی تھی۔ اس نے اس میں گھنٹیاں بھی لگائی تھیں۔

آج انہوں نے زبردست تفریح کی تھی۔ برف میں پرخطر راستوں پر بے حد تیز رفتاری، سنسنی خیز اور طویل سفر۔ اور اب وہ خوشی سے گھر جا رہے تھے۔ گھنٹیوں کا جل ترنگ، گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز...... گھر پر پہلے ہی خبر پہنچ گئی کہ وہ واپس آ رہے ہیں۔

اور برف گاڑی کے اندر کا ماحول بھی بے حد خوب صورت تھا۔ رچرڈ اور این ایک دوسرے کے بہت قریب، ایک ہی کمبل میں لپٹے بیٹھے تھے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ آخر انہوں نے دنیا میں کیا کیا ہے کہ اتنی خوشی کے حق دار ٹھہرائے گئے......

✲ .... ✲ .... ✲

گھر میں داخل ہوتے ہی رچرڈ کو پیاریان کا چھوڑا ہوا پیغام مل گیا۔ اس نے فوری طور پر اسے فون کیا۔ لیکن وہ اپنے گھر میں موجود نہیں تھا۔ رچرڈ نے کندھے جھٹکے اور ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

''کیا ہوا؟'' این نے پوچھا۔

''وہ موجود نہیں ہے۔ کوئی بات نہیں۔ میں کل اس سے مل لوں گا۔ کوئی بہت اہم بات تو ہو نہیں سکتی۔''

''اس سے زیادہ اہم کوئی چیز نہیں ہو سکتی، جو میرے پاس ہے...... تمہارے لیے محبت!'' این نے مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں اوپر جانے والے زینے کی طرف بڑھ گئے۔

✲ .... ✲ .... ✲

ڈیوڈ پیاریان بے حد تھکا ہوا تھا۔ کافی کے گھونٹ بھی اس کی تھکن کم کرنے میں ناکام رہے تھے۔ اور وہ صرف تھکا ہوا نہیں تھا بلکہ آزردہ بھی تھا۔ پال نے اسے ڈرنک آفر کیا تھا۔ مگر اس نے منع کر دیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ڈرنک لیتے ہی اسے نیند آنے لگے گی۔

پال بوہر اپنا ڈرنک ہاتھ میں لیے کھڑکی کے پاس کھڑا باہر کا منظر دیکھ رہا تھا۔ اصل میں وہ اس بات کو اپنے دماغ میں جذب کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو پیاریان نے ابھی بتائی تھی۔

''تو تمہارے خیال میں وہ شخص صرف اس لیے قتل کر دیا گیا تھا کہ وہ اپنی زمین فروخت کرنے کے لیے رضامند نہیں ہو رہا تھا؟ اور تمہارا خیال ہے کہ اسے ہمارے کسی آدمی نے قتل کیا ہے۔'' پال نے اپنا جام خالی کر دیا۔

پیاریان نے تھکے انداز میں سر کو جنبش دی۔ ''مجھے یقین ہے اس بات کا۔'' وہ بولا۔

''یہ ناممکن ہے۔'' پال نے کہا اور ایک اور ڈرنک بنانے کے لیے کیبنٹ کی طرف بڑھا۔

''میں وہاں زمین کی جستجو میں آٹھ صوبوں میں گیا۔'' پیاریان نے کہا۔ ''اور ان میں سے تین میں......''

''تین کیا؟''

''تین صوبوں میں تین قتل ہوئے۔'' پیاریان نے کہا اور کافی کا گھونٹ لیا۔ پھر اس نے پیالی خالی کر کے رکھ دی۔ ''پال...... ایک کو میں اتفاق سمجھ سکتا تھا۔ لیکن اتفاق تین بار نہیں ہوتا۔''

پال کھڑکی کی طرف بڑھا۔ ''تو وہ کون ہو سکتا ہے؟''

''اس بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

''خیر۔'' پال نے گہری سانس لے کر کہا۔ ''مجھے اس سلسلے میں سوچنا ہوگا۔''

پیاریان اٹھ کھڑا ہوا۔ ''رچرڈ کو بتانا ہے؟'' اس نے کوٹ اٹھایا۔

''بتانا تو ہوگا۔'' پال نے تند لہجے میں کہا۔ ''میں کل صبح ہی اس سے بات کروں گا۔ ارے ہاں......'' اس کا انداز سرسری ہو گیا۔ ''رچرڈ تم سے ملنا چاہتا ہے۔''

''رچرڈ؟ کس لیے؟''

پال بوہر اس کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ''تمہارے P84 میں گڑبڑ ہے۔ رپورٹ تمہیں اپنی میز پر ملے گی۔'' رچرڈ اس کی طرف سے فکرمند ہے۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ تم صبح ہی اسے چیک کر لو۔'' اس نے پیاریان سے ہاتھ ملایا۔ ''میں دیکھ لوں گا۔'' اس نے کہا اور دروازہ کھولا

گڈ نائٹ کہتے ہوئے پال کی آنکھوں میں ایسا تاثر تھا، جیسے وہ کہیں دور دیکھ رہا ہو۔ ''میں نہیں چاہتا کہ فیلڈ میں ضرورت سے زیادہ کوئی پرجوش آدمی کام کرے۔'' یہ کہہ کر اس نے پیاریان کو دیکھا اور مسکرایا۔ ''یہاں آنے کا شکریہ ڈیوڈ۔ تم نے جو اعتماد مجھ پر کیا، اس پر میں شکر گزار ہوں۔''

رخصت ہوتے وقت پیاریان کو رہ رہ کر ایک خلش ستا رہی تھی۔ اسے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ اس نے یہاں آ کر غلطی کی ہے۔

۞......۞......۞

پال بوہر سوچوں میں گھرا ہوا تھا۔

ڈیوڈ پیاریان کی اچانک اور غیر متوقع آمد، اس کی لائی ہوئی بری خبر، اور یہ کہ ابھی وہ خبر رچرڈ تھورن تک پہنچانا ہے اور P84 پر ہونے والی گڑبڑ۔ ان سوچوں میں گھر کر وہ یہ بھی بھول گیا کہ کل اکیڈمی کے طلبا تھورن انڈسٹریز کا نصب کیا ہوا تازہ ترین پلانٹ دیکھنے کے لیے آ رہے ہیں۔

اس نے اپنے نئے آفس کی کھڑکی سے ڈیوڈسن ملٹری اکیڈمی کی بس کو بلڈنگ کے سامنے رکتے دیکھا تو پہلے تو اسے حیرت ہوئی' پھر جیسے ہی بات اس کی سمجھ میں آئی تو اس نے اپنی سکریٹری کو ہدایت کی کہ فی الحال آنے والی تمام کالز روک دے۔ اسے لڑکوں کا خیر مقدم کرنا ہے۔

وہ سوچ رہا تھا کہ یہ لڑکے بہت ہی نامناسب وقت پر آئے ہیں۔ لیکن بہر حال وہ ایک چیلنج تھا۔ اور اگر وہ اس چیلنج سے نہیں نمٹ سکتا تو اسے اس کرسی پر بیٹھنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ وہ اس آفس کا بھی حق دار نہیں ہے۔

باہر پارکنگ لاٹ میں لڑکے گردوپیش کا جائزہ لے رہے تھے اور بہت زیادہ متاثر نظر آ رہے تھے۔ ان کو یہ معلوم تھا کہ تھورن فیملی بے حد امیر وکبیر ہے۔ لیکن خیال میں اور دیکھنے میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ یہ وسیع وعریض عمارتیں اتنے بڑے رقبے پر تعمیر کی گئی تھیں کہ جس پر پورا قصبہ آباد کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے بعض کا تعلق اتنے ہی بڑے قصبوں سے تھا۔ یہ خیال ہی ان کے لیے بے حد سنسنی خیز تھا۔ ان میں سے ایک تو سیٹی بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکیڑ کر رہ گیا۔ اس سے اب سیٹی بھی نہیں بجائی گئی۔

ٹیڈی نے ماحول کو ہلکا پھلکا کرنے کی کوشش کی۔ ''اس ٹوور میں تمہارے ایگزیکٹیو ڈائننگ ہال میں لنچ بھی شامل ہے؟'' اس نے کارٹون کے ایک کردار کے انداز میں ہونٹوں پر زبان اور پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

''بالکل شامل ہے۔'' ڈیمین نے ہمیشہ کی طرح بے حد خوش اخلاقی سے کہا۔

لیکن مارک ٹیڈی کو بخشنے والا نہیں تھا۔ ''ہم تم پر ایک نئی جراثیم کش دوا آزمائیں گے۔'' اس نے کہا۔

اس پر سب ہنس دیے۔

وہ مرکزی عمارت میں داخل ہوئے جہاں پال بوہران کے خیر مقدم کے لیے موجود تھا۔ اس روز ڈیمین کے انداز میں کچھ جھجک تھی۔ اصل میں اسے اپنے بارے میں جو کچھ معلوم ہوا تھا، وہ اس کے ایک فی صد کو بھی ہضم نہیں کر سکا تھا۔ اسے اتنی مہلت بھی نہیں ملی تھی۔ ویسے یہ ضرور تھا کہ اسے اپنی طاقت اور مضبوطی کا ادراک ہو گیا تھا اور اس کے نتیجے میں اس کے اندر دلیری ابھر آئی تھی۔ مگر وہ جانتا تھا کہ ابھی وہ میدان عمل سے بہت دور ہے

اس نے ایک نظر پال بوہر پر ڈالی۔ پھر وہ شیشے کی اس دیوار کی طرف بڑھ گیا، جس پر لکھا تھا.......... جراثیم کش ادویات کا کمرا۔ داخلہ ممنوع ہے۔ صرف متعلقہ افراد کے لیے۔

ڈیمین نے شیشے کی دیوار کے اس طرف جھانکا۔ وہ بہت بڑا کمرا تھا۔ رقبے میں وہ باسکٹ بال کے کورٹ سے بھی بڑا تھا۔ اس میں میلوں لمبے پائپوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ مختلف رنگوں کے والو نظر آ رہے تھے۔ وہاں ایک شخص موجود تھا۔ ڈیمین اسکے نام سے واقف تھا۔ وہ ڈیوڈ پسپاریان تھا۔ وہ رنگ درحقیقت کوڈ تھے۔ ایک تربیت یافتہ ٹیکنیشین ان سے اتنی آسانی سے معلومات حاصل کر سکتا تھا، جیسے ایک عام آدمی اخبار پڑھ کر معلومات حاصل کرتا ہے۔ وہ پسپاریان کا کمرا تھا...... اس کی تخلیق...... ایسے جیسے اس کی اولاد ہو۔ اس وقت وہ اپنے اس چہیتے پلانٹ P84 کو ہر اعتبار سے مکمل اور بے عیب بنانے کی کوشش میں مصروف تھا۔

پیاریان ایک بڑے کمپیوٹر کنسول کے سامنے کھڑا تھا۔ ڈائل پر اہم معلومات جل بجھ رہی تھیں۔ وہ ڈائل کو دیکھ رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ اپنے پہلو میں رکھے پش بٹن کے ہندسوں پر بھی انگلی مار رہا تھا۔

اس نے ریسور کان سے لگایا اور اپنے اسسٹنٹ سے جو اس کے اوپر کیٹ واک پر تھا، چیخ کر کہا۔ ''سو پونڈ اور دو ٹام۔'' پھر اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ''میں پیاریان بول رہا ہوں۔ مسٹر تھورن آ گئے ہیں؟''

''نہیں جناب۔'' دوسری طرف سے جواب ملا۔

پیاریان کی پریشانی بڑھ گئی۔ ''انہوں نے ابھی تک فون بھی نہیں کیا؟''

''نہیں جناب۔''

''جیسے ہی وہ آئیں، مجھے اطلاع دینا۔'' اس نے کہا۔ ''بہت اہم معاملہ ہے۔''

ریسیور رکھنے کے بعد اس نے زیر لب ایک گالی بکی اور دوبارہ ڈائل کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ''پچاس پونڈ اور ڈال دو ٹام۔'' اس نے اپنے اسسٹنٹ کو پکارا۔

✿ .... ✿ .... ✿

پال بوہر نے لڑکوں کو اس شخص سے متعارف کرایا، جسے ان کا گائیڈ مقرر کیا گیا تھا۔ پھر وہ جلدی سے اپنے آفس کی طرف لپکا، جہاں کمپنی کے نئے اور ابھرتے ہوئے ایگزیکٹیوز کے ساتھ اس کی ایک بہت اہم میٹنگ ہونی تھی۔ یہ کانفرنس کئی ہفتے پہلے شیڈول کی گئی تھی۔ پال بوہر کو کمپنی کے لیے 'نیو بلڈ'، سے باتیں کرنا اچھا لگتا تھا۔ وہ اپنے آئیڈیاز ان سے ڈسکس کرتا تھا، جن میں ان کو روبہ عمل لانے کی توانائی بھی تھی اور بھوک بھی۔ ویسے بھی ایسے لوگوں کو اپنا پرستار بنانا سود مند ثابت ہوتا ہے، جو مستقبل میں کبھی آپ کی جگہ لینے والے ہوں۔

پال کو انہیں دیکھ کر ہمیشہ تعجب ہوتا تھا کہ دیکھنے میں وہ سب ایک سے لگتے ہیں۔ جوان، ایک جیسا ہیر کٹ، ایک جیسے تھری پیس سوٹ ان سے بات کرتے ہوئے ایسا لگتا تھا کہ وہ ہاورڈ اسکول کے گریجویٹس سے خطاب کر رہا ہے۔

''لیکن حصول زمین کے پروجیکٹ کے دوران، جیسا کہ اس وقت انڈیا میں ہو رہا ہے...... '' پال بوہر کہہ رہا تھا۔ ''...... ہمیں اس بات کا خاص خیال رکھنا پڑتا ہے کہ شکی لوگ یہ نہ سوچنے لگیں کہ ہم صرف اپنے مفاد کے لیے کام کر رہے ہیں۔ جبکہ واقعتاً ایسا نہیں ہے۔ چنانچہ آپ کو اس بات پر بطور خاص زور دینا ہو گا کہ ہم ان کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ جہاں کہیں بھی آپ جائیں، یہ بات زور دے کر کہیں۔ یہ ذہن میں رکھیں کہ ان کے شکی پن میں ان بے چاروں کا کوئی قصور نہیں۔ دراصل وہ ہماری طرح تعلیم یافتہ ہیں، نہ مہذب۔ وہ ان اوصاف سے محروم ہیں۔ تھورن انڈسٹریز کا رکن ہونے کی حیثیت سے یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی دولت میں سے انہیں کچھ دیں...... ان کی ضروریات پوری کریں۔ کیونکہ ہمارے پاس وسائل ہیں اور وہ وسائل سے محروم ہیں۔ ہم اگر انڈیا اور مشرق وسطیٰ کے ممالک کو غذائی اجناس فراہم کرتے ہیں تو درحقیقت ہم روس کا راستہ روک رہے ہوتے ہیں یہ امریکی ہونے کی حیثیت سے ہم پر فرض ہے۔ اور جب ہم انہیں غذا فراہم کرتے ہیں تو نہ صرف یہ کہ وہ ہمارے شکر گزار ہوتے ہیں۔

بلکہ ان کے وسائل بھی ہمیں مل جاتے ہیں......''

پال بوہرا اپنے اس پسندیدہ موضوع پر بولنے کیلیے وارم اپ ہو رہا تھا۔ مگر اسی وقت اس کی سکریٹری اندر داخل ہوئی۔ اسے دیکھ کر پال نے اپنی گفتگو میں توقف کیا اور اسے اشارے سے اپنی بات کرنے کو کہا۔

''سر..... مسٹر پیاریان نے P84 پر کام شروع کر دیا ہے۔'' سکرٹیری نے کہا۔'' آپ نے کہا تھا کہ وہ کام شروع کریں تو میں آپ کو بتا دوں۔''

''شکریہ۔'' پال نے کہا۔ یہ گویا سکرٹیری کے جانے کا اشارہ تھا۔

وہ ایگزیکٹیوز کی طرف مڑا۔'' جنٹل مین، اب ہم آدھے گھنٹے کا وقفہ کریں گے۔''

وہ اپنے عقب میں دروازہ بند کرتے ہوئے باہر نکل آیا۔ ان رنگروٹوں کو انتظار کرایا جا سکتا ہے، پیاریان کو نہیں۔

گائیڈ کا تعلق پبلک ریلیشنز ڈیپارٹمنٹ کی نچلی کیٹگری کے اسٹاف سے تھا۔ وہ دل و جان سے کام کر رہا تھا۔ اکیڈمی کے کیڈٹوں کو پلانٹ کی سیر کراتے ہوئے اس کی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح وہ رچرڈ تھورن کے بیٹوں پر اچھا تاثر چھوڑے اور ان کی گڈ بک میں آ جائے۔

اب وہ انہیں جراثیم کش ادویات کے سیکشن میں لے آیا تھا۔'' زیادہ جلدی اور بڑی فصل اگانے کے لیے بہت طاقت ور کھاد کے ساتھ ساتھ موثر ترین جراثیم کش ادویہ کی ضرورت ہوتی ہے۔'' وہ لڑکوں کو بتا رہا تھا۔

وہ سب اس بند دروازے کے سامنے رک گئے، جس کے پیچھے ڈیوڈ پیاریان P84 پر کام کر رہا تھا۔ گائیڈ نے گارڈ کو اپنے شناختی کاغذات دکھاتے ہوئے بیس ڈالر کا ایک نوٹ بھی اس کے ہاتھ میں منتقل کر دیا۔ یہ کمرا ٹوور، پروگرام میں شامل نہیں تھا۔ لیکن گائیڈ رچرڈ تھورن کے بیٹوں اور ان کے دوستوں کو خوش کرنا چاہتا تھا۔

دروازہ کھلا۔ وہ لوگ اندر داخل ہوئے۔ دروازہ خود بخود بند ہوا اور لاک بھی ہو گیا۔

اندر کمپیوٹر کی گھوں گھوں کی وجہ سے گائیڈ کو اپنی آواز بلند کرنی پڑی۔'' یہ پیچیدہ اور کمپلیکس نظام صرف تین آدمی چلاتے ہیں..... کمپیوٹر کی مدد سے''۔ اس نے تقریباً چیخ کر کہا'' یہی وجہ ہے کہ یہاں آپ کو اسٹاف نظر نہیں آ رہا ہے۔''

تمام لڑکے بے حد متعجب تھے۔ مگر ٹیڈی کو ہمیشہ انوکھی سوجھتی تھی۔'' کوئی ایسی دوا بھی ہے جو جنسی صلاحیت میں اضافہ کرتی ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''خدا کے لیے ٹیڈی، شرم کرو۔'' ایک نسبتاً بڑی عمر کے کیڈٹ نے کہا۔'' تمہارے دماغ میں گندگی بھری ہے۔''

لیکن گائیڈ ٹیڈی کی حمایت پر کمربستہ ہو گیا۔'' یہ بھی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' وہ بولا۔'' یہ بھی ہوتا ہے۔''

مگر مارک نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔'' ہم ایسی کوئی تفصیل نہیں جاننا چاہتے.........۔''

گائیڈ انہیں آہنی زینے کے ذریعے ایک کیٹ واک پر لے گیا۔ نیچے رنگین پائپوں کی بھول بھلیاں تھی۔

''یہ شٹنگ ڈیوائس ہے...... ہر چیز کی طرح یہ بھی کمپیوٹرائزڈ ہے۔''

نیچے انہیں پساریان نظر آ رہا تھا۔ وہ زرد رنگ کے پائپ کے کنکشن سے منسلک ایک پیچیدہ پریشر گیج پر کام کر رہا تھا۔ کام کرتے ہوئے اس کی نظر اٹھی تو اس نے دونوں لڑکوں کو پہچان لیا۔ ''مارک...... ڈیمین...... تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' اس نے پکارا۔ انہیں اس کمرے میں دیکھ کر وہ پریشان ہو گیا تھا۔ انہیں یہاں نہیں ہونا چاہیے تھا...... اور خاص طور پر ایسے وقت میں جب کہ معاملات بھی ٹھیک نہیں چل رہے تھے۔

دونوں لڑکوں نے بیس فٹ نیچے اسے دیکھا اور مسکرائے۔ ''ہم معائنہ کرنے آئے ہیں۔'' ڈیمین نے چیخ کر کہا۔ پھر دونوں نے اسے دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور آگے بڑھ گئے۔

پساریان کے چہرے پر الجھن بھی تھی اور فکرمندی بھی تھی۔

اسی لمحے کمرے کے دور افتادہ گوشے میں اچانک ایک پائپ ڈھیلا ہوا اور سبز رنگ کے بلبلوں کا اخراج شروع ہو گیا۔ بلبلے پھنکار بھی رہے تھے۔

''لیکیج ہو گیا ہے۔'' کوئی چلایا۔

پساریان نے سر اٹھا کر دیکھا تو زہریلی گیس پھیپھڑوں میں بھر جانے کے نتیجے میں اسے اپنے اسسٹنٹ کے چہرے پر آبلے نظر آئے۔ اگلے ہی لمحہ وہ سر کے بل فرش پر آ گرا۔

جو کچھ ہو رہا تھا، پساریان کے لیے ناقابلِ یقین تھا۔ وہ کنسول کی طرف جھپٹتے ہوئے چلایا۔ ''تمام لوگ باہر نکل جائیں۔ ارے...... ان لڑکوں کو باہر لے جاؤ۔'' اس کی آواز لڑکوں اور ان کے گائیڈ تک پہنچی۔ گائیڈ نے پلٹ کر دیکھا گیس کے بخارات اٹھ رہے تھے اور ان کا اخراج ان کی ہی طرف تھا۔

نیچے پساریان کنسول کا جائزہ لے رہا تھا۔ گیس کے اخراج کی وجہ سے پریشر بہت تیزی سے نیچے گر رہا تھا۔

کنسول پر ایمرجنسی بٹن بھی تھا۔ افراتفری پھیلانے والا بٹن۔ پساریان نے اپنی پوری قوت سے اس بٹن کو دبایا۔

شیشے کی کھڑکی سے اس نے کمپیوٹر روم میں دیکھا۔ سفید لیب کوٹ پہنے دونوں ٹیکنیشین مزے سے ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ ایمرجنسی بٹن کام نہیں کر رہا ہے۔ اب یہ اسے کیسے معلوم ہو سکتا تھا کہ آج ہی اس کے باس پال بوہر نے اس بٹن کے ساتھ چھیڑ خانی کی ہے۔

اس نے بٹن پر پھر ہاتھ مارا لیکن ٹیکنیشین اب بھی بے خبر تھے۔ الارم بجا ہی نہیں تھا۔

اب پساریان کو ایک اور آواز سنائی دی...... وہ لڑکوں کے چیخنے کی آواز تھی۔ وہ کھانس رہے تھے، لڑکھڑاتے ہوئے ایک دوسرے کو دھکیلتے ہوئے وہ کمرے سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان سے سانس نہیں لی جا رہی تھی۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ ان میں سے کچھ کے

چہرے اور ہاتھوں پر آبلے نمودار ہو گئے تھے۔

گائیڈ لفٹ کی طرف لپکا اور جلدی جلدی بٹن دبانے لگا۔

لیکن لفٹ بھی کام نہیں کر رہی تھی!

گائیڈ بٹن دباتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اور کیا کر سکتا ہے۔ اپنی جان سے زیادہ اسے اس بات کی فکر تھی کہ اگر وہ زندہ بچ گیا اور رچرڈ تھورن کے دونوں بیٹوں میں سے ایک کو بھی کچھ ہو گیا تو اس کا کیا بنے گا۔ وہ تو زندہ رہنے پر بس پچھتاتا ہی رہے گا۔ اسے ان کو اس کمرے میں لانے کا کوئی حق نہیں تھا۔ اسے ان کو یہاں نہیں لانا چاہیے تھا۔

اس وقت ڈیمین ہی تھا، جو پریشان اور حواس باختہ نہیں تھا۔ گیس اس پر اثر انداز نہیں ہو رہی تھی۔ وہ ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ اس کے دوست ،اس کے ساتھی ایک ایک کر کے ڈھیر ہوتے جا رہے تھے۔

پہلی بار اسے اپنی قوتوں کا صحیح معنوں میں ادراک ہو رہا تھا۔

وہ یہ بھی سمجھ رہا تھا کہ اس وقت وہ اپنی مرضی کا، اپنی اور دوسروں کی تقدیر کا مالک ہے۔ وہ چاہتا تو یہاں سے نکل جاتا اور بچنے والا واحد آدمی ہوتا۔ اور چاہتا تو دوسروں کی مدد کرتا اور ہیرو بن جاتا۔ فیصلہ اسے کرنا تھا۔

ہیرو بننے کے خیال میں زیادہ کشش تھی۔ اس نے اس کے حق میں فیصلہ کیا۔ اس نے ٹٹولنے والی نظروں سے چھت کا جائزہ لیا۔ اسے دیوار میں بندھی لوہے کی ایک سیڑھی نظر آئی۔ سیڑھی کے اختتام پر ایک دروازہ تھا، جو یقیناً چھت پر پہنچائے گا۔

''اس طرف بھاگو۔'' وہ چلایا اور آہنی سیڑھی کی طرف لپکا۔

مضبوطی سے ہاتھ جما کر وہ آہستہ آہستہ چڑھتا اوپر پہنچا۔ دروازہ تھوڑی سی کوشش کے بعد کھل گیا۔

انہیں دو نعمتیں میسر آئیں۔ لیکن تازہ ہوا روشنی سے بہت بڑی نعمت تھی۔

گائیڈ اور لڑکے لڑکھڑاتے ہوئے، ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہوئے سیڑھی کی طرف بڑھے اور اوپر چڑھنے لگے۔ چھت پر پہنچنے کے بعد وہ سب ڈھیر ہو گئے۔ وہ تازہ ہوا میں گہری گہری سانسیں لے رہے تھے۔

ڈیمین نے اچھی طرح چیک کیا۔ گائیڈ سمیت تمام لڑکے چھت پر پہنچ گئے تھے۔ اچانک اسے پساریان کا خیال آیا۔

وہ دوبارہ نیچے آیا۔ بہت تیزی سے وہ سب سے اونچی کیٹ واک پر چڑھا۔ پھر نچلے لیول پر گیا۔ مگر وہاں سبز بلبلوں کے سوا کچھ نہیں تھا ۔ان کے پار دیکھنا ناممکن تھا۔

اسی لمحے ایک الارم بھیانک آواز میں بجنے لگا۔ ساتھ ہی سرخ روشنیاں چمکنے لگیں

ڈیمین دوسری طرف کے نچلے لیول کی طرف لپکا۔ وہاں اسے پساریان نظر آیا۔ لیکن پساریان نے اسے نہیں دیکھا۔

پساریان ٹوٹے ہوئے والو کے پاس فرش پر مڑا تڑا پڑا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ یوں پھیلا ہوا تھا، جیسے آخری لمحے میں بھی اس نے والو کو بند

کرنے کی کوشش کی ہو۔اس کا آبلوں سے بھرا چہرہ نا قابل شناخت ہو چکا تھا۔

وہ مر چکا تھا!

ڈیمین واپسی کے لیے پلٹا۔

اوپر چھت پر اب بھی لوگ تکلیف میں تھے۔ کچھ اٹک اٹک کر سانس لے رہے تھے۔ کچھ کو پھندے لگ رہے تھے اور کچھ کو کھانسی آ رہی تھی۔

وہ فرش پر پڑے ہوئے لڑکوں سے بچتا بچاتا مارک کی طرف بڑھا۔ تاکہ دیکھے کہ اس کا کیا حال ہے۔ مارک کی طرف بڑھتے ہوئے اسے احساس ہوا، کہ اسے جو مقام دیا گیا ہے، اب وہ مقام اسے اچھا لگنے لگا ہے۔

۞۔۔۔۔۞۔۔۔۔۞

رچرڈ تھورن جاننا چاہتا تھا کہ کیا ہوا ہے اور کیسے ہوا ہے۔

جس وقت انہوں نے یہ خبر سنی تو وہ اور این جھیل کے علاقے میں تھے۔ انہوں نے پہلی فلائٹ پکڑی اور اوبار ا ائر پورٹ پر پہنچے۔ وہاں سے ٹیکسی پکڑ کر بچوں کے اسپتال پہنچے۔ حادثے کے بعد تمام لڑکوں کو وہیں لے جایا گیا تھا۔

رچرڈ نے شیو بھی نہیں کی تھی اس کے چہرے پر زردی کھنڈی ہوئی تھی۔ غصے سے اس کا جسم لرز رہا تھا۔ وہ آرمی کی پرانی جیکٹ پہنے ہوئے تھا۔ جھیل کے علاقے میں جنگل میں چہل قدمی کے لیے جاتے ہوئے وہ یہی جیکٹ پہنا کرتا تھا۔

وہ اس وقت اسپتال کے کاریڈور میں کھڑا فون پر پال بوہر سے گفتگو کر رہا تھا۔

''بظاہر تو وہ سب ٹھیک لگ رہے ہیں۔'' وہ کہہ رہا تھا''لیکن ابھی تک مجھے ڈاکٹر سے براہ راست بات کرنے کا موقع نہیں ملا ہے۔ بہر حال جو کچھ بھی ہوا، مجھے اس کی مکمل رپورٹ چاہیے۔ کل صبح وہ رپورٹ مجھے اپنی میز پر ملے''اس نے ریسیور پٹخ دیا۔ پھر وہ دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بہت تھکا ہوا اور نڈھال دکھائی دے رہا تھا۔

اس نے کن انکھیوں سے ڈاکٹر کو لڑکوں کے کمروں کی طرف جاتے دیکھا۔ وہ دراز قامت خوبرو آدمی تھا...... سیاہ فام!

رچرڈ اس کے پیچھے چلا۔ وہ ابتدائی رپورٹ جاننا چاہتا تھا۔

اندر این دونوں بیڈز کے درمیان کرسی پر بیٹھی تھی۔ مارک کا چہرہ زرد ہو رہا تھا اور اس کے چہرے سے کمزوری ہویدا تھی۔ اس نے این کا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔ ڈیمین البتہ نارمل لگ رہا تھا۔

ڈاکٹر این کی طرف بڑھا اور اس نے اپنا تعارف کرایا۔''میں ڈاکٹر کین ہوں۔''

رچرڈ ڈاکٹر کین کے عین پیچھے کھڑا تھا۔

''سب لوگ ٹھیک ہیں۔'' ڈاکٹر کہہ رہا تھا۔''ہم نے سب کے ٹیسٹ لیے ہیں...... یہ دیکھنے کے لیے کہ پھیپھڑوں کو کس حد تک نقصان پہنچا

ہے۔لیکن پھیپھڑے بالکل محفوظ ہیں۔کچھ عرصے تک انہیں متلی کا احساس ہوتا رہے گا۔لیکن یہ عارضی ......"

"میں چاہتا ہوں کہ ان کو بہترین ٹریٹ مینٹ دیا جائے۔" رچرڈ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر نے سر کو اثباتی جنبش دی۔ "ایسا ہی ہو گا جناب۔"

ڈاکٹر رچرڈ کو الگ لے گیا۔ "میں آپ سے تخلیے میں کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے سرگوشی میں کہا۔

"کیوں نہیں۔"

رچرڈ ڈاکٹر کے ساتھ باہر ہال میں چلا گیا۔

اپنے بستر پر لیٹا ڈیمین بے حد متجسس نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

✿..........✿..........✿

کاریڈور میں ایک وارڈ بوائے ایک طرف جا رہا تھا۔ڈاکٹر نے اس کے دور جانے کا انتظار کیا۔

رچرڈ اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ڈاکٹر کی آنکھوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کسی مسئلے پر کافی پریشان ہے۔

"ہم نے ہر طرح کے ٹیسٹ کیے ہیں۔یہ دیکھنے کے لیے خون اور ٹشوز کو نقصان تو نہیں پہنچا ہے۔تمام لڑکے کسی نہ کسی حد تک متاثر ہوئے ہیں۔اگرچہ خطرے کی کوئی بات نہیں۔" "سوائے ڈیمین کے۔"

رچرڈ کی نس پھڑکنے لگی۔ "کیا مطلب؟ کیا وہ......"

"نہیں نہیں مسٹر تھورن۔پریشانی کی کوئی بات نہیں۔" ڈاکٹر نے اتنا کہہ کر پھر توقف کیا۔ایسا لگ رہا تھا کہ جو کچھ اسے کہنا ہے، اس کو الفاظ میں بیان کرنا اسے مشکل لگ رہا ہے۔ "میں دراصل یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ ڈیمین ہر طرح کے اثرات سے محفوظ رہا ہے......"

✿..........✿..........✿

اپنے کمرے میں ڈیمین مضطرب ہو رہا تھا!

"آپ کے خیال میں یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" اس نے این سے پوچھا۔اس کی آنکھوں میں غصہ دہک رہا تھا۔

این نے اس کی کیفیت دیکھی ہی نہیں۔اس کی تمام توجہ کمرے کے دروازے پر مرکوز تھی۔ "کوئی خاص بات نہیں۔" اس نے بے دھیانی سے کہا۔ "دراصل ڈاکٹروں کو رازداری بہت اچھی لگتی ہے۔"

رچرڈ ڈاکٹر کے ساتھ واپس آیا۔وہ بہت اپ سیٹ لگ رہا تھا۔ "ڈاکٹر ڈیمین کو چند روز یہاں روکنا چاہتا ہے۔" اس نے کہا۔اس نے سرسری انداز میں یہ بات کہنے کی کوشش کی تھی۔ "وہ کچھ مزید ٹیسٹ کرنا چاہتا ہے۔"

ڈیمین اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "لیکن میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔" اس نے احتجاج کیا۔ "پھر مجھے روکنے کی کیا تک......"

"مزید ٹیسٹ کی کیا ضرورت ہے؟" این نے ڈاکٹر سے پوچھا۔

رچرڈ نے این کو نگاہوں سے اشارہ کیا کہ بچوں کے سامنے یہ موضوع نہ چھیڑے

لیکن ڈیمین چپ رہنے والا نہیں تھا۔ ''میں یہاں مزید رکنا نہیں چاہتا۔''

این نے بڑھ کر لاڈ سے اسے اپنی باہوں میں بھر لیا۔

مارک بھی جلدی سے ڈیمین کی مدد کو لپکا۔ ''ڈیمین رکے گا تو میں بھی نہیں جاؤں گا۔''

این نے ڈاکٹر کو دیکھتے ہوئے کندھے جھٹک دیے۔ ''کیوں نہ ہم اس وقت انہیں گھر لے جائیں۔ ایک ہفتے بعد پھر لے آئیں گے۔ آخر یہ لوگ ایک بے حد خوفناک حادثے سے گزرے ہیں۔''

''کیا خیال ہے ڈاکٹر؟ اس میں کیا حرج ہے؟'' رچرڈ نے ڈاکٹر کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

ڈاکٹر کین کو یہ آئیڈیا پسند نہیں آیا تھا۔ لیکن اس نے سمجھ لیا تھا کہ اب وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ وہ اصرار کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

''ٹھیک ہے'' وہ بولا۔

این فاتحانہ انداز میں مسکرائی اور اس نے ڈیمین کو بھینچ لیا۔ ''بس ٹھیک ہے''۔ وہ بولی ''ابھی تم لوگ آرام کرو۔ پھر ہم آئیں گے اور تمہیں جھیل کی پرلے چلیں گے۔ وہاں کی تازہ ہوا تمہیں تازہ دم کر دے گی۔''

دونوں لڑکوں نے پرجوش انداز میں سر ہلائے۔

این اور رچرڈ نے دونوں لڑکوں کو پیار کیا اور ڈاکٹر کے ساتھ کمرے سے نکل آئے

ڈیمین نے باہر جاتے ہوئے ڈاکٹر کین کو ایسے دیکھا، جیسے اس کے چہرے کو حافظے میں نقش کر رہا ہو۔

❁..........❁..........❁

اس رات ڈاکٹر کین دیر تک کام کرتا رہا۔ وہ اپنے مائیکروسکوپ پر جھکا کچھ دیکھ رہا تھا، اور جو کچھ وہ دیکھ رہا تھا، اسے پوری طرح سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس وقت اسپتال کی لیبارٹری میں وہ اکیلا تھا۔ اس نے ڈنر بھی نہیں کیا۔ اس کے تمام ساتھی جا چکے تھے۔ وہ مائیکروسکوپ کے نیچے شیشے کی پلیٹ پر پھیلے ہوئے خون کو بغور دیکھ رہا تھا۔

وہ اب تک سینکڑوں بار اس کا جائزہ لے چکا تھا۔ اس کو کراہت بھی آ رہی تھی اور اس کے جسم میں وہ سنسنی بھی دوڑ رہی تھی، جس سے کوئی سائنس داں اس وقت گزرتا ہے، جب اسے یقین ہو کہ جو کچھ وہ دیکھ رہا ہے، اس سے پہلے کسی انسان نے کبھی نہیں دیکھا۔

قریب ہی نیلی جلد والی ایک کتاب رکھی تھی۔ اس نے ایک بار پھر کتاب کو دیکھا۔ کتاب میں بے حد تفصیلی تصویریں تھیں۔ اس نے تصویر دیکھی اور دوبارہ سلائیڈ کا جائزہ لیا

شک وشبے کی کوئی گنجائش نہیں تھی!

ڈیمین تھورن کا کروموسوم اسٹرکچر انسانوں والا نہیں تھا۔ بلکہ وہ گیڈر کا تھا۔

بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ کبھی تو وہ اسے کوئی مکروہ مذاق لگتا۔ لیکن اس کے سامنے جو ثبوت تھا، وہ ٹھوس تھا...... ناقابل تردید تھا۔ اسے کسی بھی طرح جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا۔

پتا نہیں کیوں، لیکن اس معاملے کو وہ تنہا نہیں نمٹانا چاہتا تھا۔ اب اسے یہ دیکھنا تھا کہ اس وقت اس کا کوئی ہم پیشہ دوست موجود بھی ہے یا نہیں ،وہ کسی سے اس دریافت کو شیئر کرنا چاہتا تھا۔

اس نے فون اٹھایا اور ایکسٹینشن نمبر ملایا، جو اس کے دل پر لکھا تھا۔

چھ سات گھنٹیاں بجیں لیکن جواب نہیں ملا۔ وہ ریسیور رکھنے ہی والا تھا کہ دوسری طرف سے فون ریسیو کر لیا گیا۔ ''یس؟''

''اوہ بین۔'' ڈاکٹر کین خوشی سے چلایا۔ ''شکر ہے تم ابھی موجود ہو۔ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''میں بس نکل ہی رہا تھا۔''

''میں زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ پلیز بین دراصل معاملہ بہت اہم ہے۔''

''چلو۔ ٹھیک ہے۔ آ جاؤ۔''

''شکریہ بین، بس میں ایک منٹ میں آیا۔''

ڈاکٹر کین نے ریسیور رکھا، سلائیڈ کو بڑی احتیاط سے کنٹینر میں ڈالا، کتاب اٹھائی اور لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

✿......✿......✿

جھیل والے مکان میں سب سو چکے تھے۔ لیکن ڈیمین جاگ رہا تھا۔ اس کی کیفیت بہت عجیب تھی۔ جسم تنا ہوا تھا اور پوری طرح سے کھلی ہوئی آنکھیں جیسے کمرے سے دور، بہت دور کوئی غیر مرئی منظر دیکھ رہی تھیں۔ اور جو کچھ وہ دیکھ رہا تھا، اس کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لیے اس کو بے پناہ ارتکاز کرنا پڑ رہا تھا۔ ایسا ارتکاز کہ اس کا جسم لرز رہا تھا اور پیشانی پسینے میں تر ہو رہی تھی۔

✿......✿......✿

کین لفٹ میں داخل ہوا اور اس نے نیچے جانے کے لیے سولہویں منزل کا بٹن دبایا۔

لفٹ کا دروازہ بند ہوا اور لفٹ حرکت میں آئی۔

لیکن لفٹ نیچے جانے کی بجائے اوپر جا رہی تھی۔

کین نے فلور انڈیکیٹر کا جائزہ لیا۔ 21......22......23......

اس نے پھر 16 کا بٹن دبایا۔ لفٹ رک گئی اور اس کا دروازہ کھل گیا۔

لیکن باہر کوئی نہیں تھا۔ کین نے پھر سولہویں منزل کا بٹن دبایا۔

دروازہ بند ہوا اور لفٹ بالآخر نیچے جانے لگی۔19......18......17......پھر سولہویں منزل گزر گئی۔لفٹ نہیں رکی۔وہ اب بھی نیچے جا رہی تھی۔اوراس کی رفتار بہت تیز ہوگئی تھی

کین دہشت زدہ بھی تھا اور الجھن کا شکار بھی۔اس نے کتاب اور کنٹینر ہاتھ سے چھوڑ دیے اور پاگلوں کی طرح مختلف بٹن دبانے لگا۔تمام بٹن بار بار جل بجھ رہے تھے۔لفٹ کی رفتار اور بڑھ گئی تھی اور وہ یوں ہل رہی تھی، جیسے لفٹ میں بھونچال آیا ہوا ہو۔10......9......8......

''مائی گاڈ'' کین چلایا وہ پورے پینل کو تھپتھپا رہا تھا۔

5......4......3

اچانک لفٹ ایک جھٹکے سے رک گئی۔کین فرش پر گر پڑا

بہت خوف ناک خاموشی چھا گئی تھی۔کین فرش پر پڑا تھا۔وہ اتنا خوفزدہ تھا کہ اس میں ہلنے کی بھی ہمت نہیں تھی۔بلکہ وہ تو سانس لیتے ہوئے بھی ڈر رہا تھا۔

پھر آہستگی سے، بڑی احتیاط سے وہ اٹھا۔اس نے اپنا جسم ٹٹولا کہ کوئی ہڈی تو نہیں ٹوٹی لیکن وہ ٹھیک ٹھاک تھا۔اس خوف ناک تجربے نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔لیکن جسمانی طور پر اس کا کچھ نہیں بگڑا تھا۔

اس نے نیچے گرے ہوئے کنٹینرز کو دیکھا۔سلائیڈ ٹوٹ گئی تھی۔لیکن اسے کوئی پروا نہیں تھی۔وہ اس پر خوش تھا کہ وہ بہر حال زندہ ہے۔

اوپر......بہت اوپر لفٹ کے شافٹ میں ایک آہنی تار لفٹ کے اچانک رک جانے کی وجہ سے ٹوٹ گیا تھا۔اور اب وہ کسی بہت بڑے اور خوف ناک کوڑے کی طرح لہراتا ہوا نیچے کی طرف لپک رہا تھا۔

اچانک کین نے وہ آواز سنی۔وہ بے حد خوفناک آہنی سنسناہٹ تھی، جس کا حجم تیزی سے بڑھ رہا تھا۔اس نے گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھا۔اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آواز کہاں سے آ رہی ہے۔

بالآخر اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا......

عین اسی لمحے تار چھت کو پھاڑتا ہوا نیچے لپکا......اور اگلے ہی لمحے کین کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر گیا......

۞......۞......۞

ڈیمین کے جسم کا تناؤ اچانک ہی ختم ہوگیا۔اب وہ پرسکون تھا!

اس کی آنکھیں مندنے لگیں۔چند لمحے بعد اسے ایسی پرسکون نیند آئی۔جس کو 6 جون کے بعد سے وہ ترس گیا تھا۔

۞......۞......۞

رچرڈ اور این بستر پر دراز صبح کا اخبار پڑھ رہے تھے۔ناشتہ کے ساتھ ہی اخباران کو پہنچائے جاتے تھے۔رچرڈ ہمیشہ وال اسٹریٹ جرنل پہلے پڑھتا تھا، جبکہ این شکاگو ٹریبون کو فوقیت دیتی تھی۔

این نے جیسے ہی اخبار کھولا، وہ سانس لینا بھول گئی۔ ''ارے...... دیکھو رچرڈ۔'' اس نے اخبار رچرڈ کی طرف بڑھایا۔

اخبار میں ڈاکٹر کین کی تصویر چھپی تھی۔ ساتھ ہی لفٹ کے حادثے کی خبر بھی تھی۔ اسی صفحے پر تھورن انڈسٹریز میں گیس لیک ہونے کے واقعے کی مختصر خبر بھی تھی۔

رچرڈ کو ڈاکٹر کی موت سے زیادہ اس بات کی فکر تھی کہ پلانٹ کے حادثے کی خبر کیا اثرات مرتب کرے گی۔

''ارے...... ابھی کل ہی تو ہم ڈاکٹر سے ملے تھے۔'' این نے کہا۔ ''تمھیں یہ بات عجیب نہیں لگی؟''

''ہوں اوں......''

این نے کافی کا گھونٹ لیا اور رچرڈ کو دیکھا۔ ''یہ تو بتاؤ، ڈاکٹر کین کس نوعیت کے ٹیسٹ کرنا چاہ رہا تھا؟''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ اس نے کچھ بتایا ہی نہیں تھا۔'' رچرڈ نے کہا۔ پھر چونک کر بولا ہوں لڑکے کہاں ہیں؟''

''میرا خیال ہے، سو رہے ہوں گے۔ کیوں؟''

رچرڈ نے اخبار رکھا اور پہلو بدلتے ہوئے این کو دیکھا۔ ''میں نہیں چاہتا کہ انہیں یہ بات معلوم ہو۔''

''کیوں'' این کے لہجے میں تشویش تھی۔ ''ڈاکٹر نے کوئی ایسی ویسی بات بتائی تھی تمھیں۔''

''اس نے بس اتنا کہا تھا کہ ڈیمین پر زہریلی گیس کا ذرا سا بھی اثر نہیں ہوا تھا۔''

''تو اس میں کیا برائی ہے۔ ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ......''

''لیکن ڈاکٹر اس بات پر پریشان تھا۔'' رچرڈ نے کہا۔ ''اس کا کہنا تھا کہ اس نے چھ مختلف ٹیسٹ کیے......''

''تو......؟''

''وہ ایسا کچھ کہہ رہا تھا کہ ڈیمین کے کروموسوم عام انسانوں سے مختلف ہیں۔''

''مختلف؟ یہ کیسے ممکن ہے؟'' این بولی۔

''میں نے بھی یہی کہا تھا۔ مگر ڈاکٹر بھی اسی لیے تو پریشان تھا۔''

این کچھ دیر خاموش بیٹھی سوچتی رہی۔ پھر بولی۔ ''تو اب تم کیا چاہتے ہو۔''

''سچ پوچھو تو میں کچھ بھی نہیں چاہتا۔'' رچرڈ نے اپنا اخبار دوبارہ اٹھایا۔ ''میں اس تناسلی خرافات پر یقین نہیں رکھتا۔ میرے خیال میں ڈیمین ہر اعتبار سے ایک نارمل لڑکا ہے۔''

این مسکرا دی۔ ''میرا بھی یہی خیال ہے۔''

''تو بس ناشتہ کرو۔''

اس صبح ڈیمین بیدار ہوا تو اس کے آدھے سر میں خوف ناک درد ہو رہا تھا۔ اس پر بھی کو حیرت ہوئی کہ یہ عمر اور آدھے سر کا درد! لیکن سب سے زیادہ حیران خود ڈیمین تھا۔

ڈاکٹر چارلس ابھی اسرائیل سے واپس آیا تھا۔ وہاں اس نے اپنی نگرانی میں کھدائی کے نتیجے میں برآمد ہونے والے نوادرات کی پیکنگ کرائی تھی۔ اب ان نوادرات کو تھورن میوزیم کی نمائش میں رکھا جانا تھا۔

عجیب اتفاق تھا کہ وہ یگائیل کی دیوار نہیں دیکھ پایا۔ اس کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی دیوار کو پیک کر کے امریکہ کے لیے روانہ کر دیا گیا تھا۔ اسے اس بات پر خاصی مایوسی ہوئی۔ خاص طور پر اس لیے کہ اس کی آنجہانی دوست اور صحافی جو آن ہارٹ نے اس دیوار کے حوالے سے خود کو تماشا بنا لیا تھا چارلس اس دیوار کو خاص طور پر دیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن اب اسے شکاگو میں ہی اس دیوار کو دیکھنے کا موقع مل سکتا تھا۔ اس مال کو نیویارک کی بندر گاہ پر پہنچنا تھا لیکن چارلس کا نیویارک جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا

بہر حال وہ واپس آیا تو بہت خوش تھا۔ اپنے آفس میں اسے ہمیشہ سکون ملتا تھا۔ اس کا ورک روم پورے میوزیم میں بہترین ورک روم تھا۔ وہ بوائکر روم سے متصل، بیس مینٹ لیول پر تھا۔ وہاں خاموشی اور سکون بھی تھا اور پرائیویسی بھی، جس کی اس کے کام میں بڑی اہمیت تھی۔ خاص طور پر آج جیسے موقعوں پر۔ میوزیم بند ہو چکا تھا۔ سب لوگ گھر جا چکے تھے۔

اس کے دفاتر جدید ترین آلات سے مزین تھے۔ کام بھی تو بہت بڑا اور نازک تھا۔ صدیوں پرانے فن پاروں کو محفوظ رکھنا آسان نہیں ہوتا۔ وہاں خاص قسم کے ایر کنڈیشنر تھے اور خاص قسم کی انفراریڈ اور الٹرا وائلٹ روشنیاں تھیں۔ پورٹیبل ہیٹرز جن سے تھرمو اسٹیٹ منسلک تھے۔ طرح طرح کے کیمیکلز خاص قسم کے برش اور چاقو۔ وہ جدید ٹیکنالوجی اور قدیم اوزاروں کا بڑا عجیب امتزاج تھا۔ ان کی مدد سے چارلس بے حد قدیم نوادرات کو نیا جیسا بنا دیتا تھا، ایسے کہ فنی نزاکتیں بھی ڈسٹرب نہیں ہوتی تھیں۔

اس وقت وہ اسرائیل سے آئے ہوئے کچھ نوادرات کو چیک کر رہا تھا۔ ان میں کچھ قدیم چاقو تھے، کچھ برتن، اس کے علاوہ چمڑے کا ایک باکس بھی تھا۔ یہ وہ سامان تھا جو وہ ذاتی طور پر اپنے ساتھ لایا تھا۔ نجانے کیوں اس باکس کو دیکھ اسے اس کی غیر معمولی اہمیت کا احساس ہوتا تھا۔ اسی لیے اسے کھولنے کے لیے وہ سب لوگوں کے چلے جانے کا انتظار کرتا رہا تھا۔

اس نے بڑی احتیاط سے باکس کی چرمی بندشوں کو کھول کر اندر جھانکا۔ اس نے گہری سانس لی۔ اسے اندازہ ہو گیا کہ اس میں جو کچھ بھی ہے، وہ بے حد پرانا ہرگز نہیں ہے لیکن وہ نیا بھی نہیں تھا۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر سختی سے بندھے ہوئے مخطوطات کو کھولا۔ انہیں ایک طرف رکھ کر اس نے پھر باکس میں ہاتھ ڈالا۔ اس بار اس کے ہاتھ میں ایک ترشی ہوئی صلیب آئی۔ صلیب پر یسوع مسیح کی شبیہہ ترشی ہوئی تھی، جس میں مسیح کے چہرے پر اذیت اور کرب کے تاثر کو بے حد فنی مہارت سے اجاگر کیا گیا تھا۔

اس نے صلیب کو بھی ایک طرف رکھ دیا۔

اس بار باکس میں ہاتھ ڈالنے پر دیگر چیزوں کے ساتھ جدید عہد کا ایک لفافہ برآمد ہوا۔اس لفافے نے اس کا تجسس بھڑکا دیا۔مگر وقتی طور پر اس نے لفافے کو بھی ایک طرف رکھ دیا۔

چمڑے کے باکس میں صرف ایک چیز اور رہ گئی تھی۔

اس نے چوتھی اور آخری بار ہاتھ ڈال کر وہ بھاری بنڈل اٹھالیا جو کسی پرانے اور بوسیدہ کپڑے میں لپٹا ہوا تھا۔اس نے بنڈل کو نکالا تو اندر سے کچھ کھنکنے کی آواز سنائی دی۔

اس نے بہت احتیاط سے کپڑے کو ہٹایا!

وہ بہت پتلے پتلے سات خنجر تھے بے حد تیز اور نکیلے......لیکن یقینی طور پر بے حد پرانے۔ان کے دستے ہاتھی دانت کے تھے اور ان پر مسیح کی شبیہہ کندہ تھی۔

اب چارلس کے لیے اپنے تجسس کو دبانا ممکن نہیں رہا تھا۔اس نے لفافہ اٹھایا اور اسے چاک کیا۔اس میں سے کاغذوں کی خاصی موٹی گڈی برآمد ہوئی۔کاغذات کا جائزہ لیتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ یہ تحریر تو بیوگن ہیگن کی لگتی ہے۔

پھر وہ سکون سے انہیں پڑھنے بیٹھ گیا!

✿.........✿.........✿

مڈٹرم کے دوران لڑکے گھر آئے ہوئے تھے۔پوری فیملی پھر یکجا ہوگئی تھی۔اس وقت وہ سب ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے ایک ویسٹرن مووی دیکھ رہے تھے۔فلم وہ بڑے اسکرین پر دیکھ رہے تھے۔

اسکرین پر ایک دراز قد شخص قصبے کی واحد سڑک پر دونوں ہاتھ ڈھیلے ڈھالے انداز میں پہلوؤں کے ساتھ لٹکائے قدم بڑھا رہا تھا۔اس کے ہاتھ اس کے ریوالوروں کے موتی جڑے دستوں سے بہ مشکل دو انچ دور تھے۔

کیمرے نے ہوٹل کی تیسری منزل کی کھڑکی سے جھانکتی ہوئی ونچسٹر رائفل کی نال دکھائی۔ہیرو کی نظر اس نال پر نہیں پڑی تھی۔وہ بظاہر بےفکری سے،لیکن درحقیقت چوکنے انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔

ونچسٹر گرجی۔دراز قد شخص نیچے گرا اور اس نے کئی لڑھکنیاں کھائیں......

اسی وقت فلم اسکرین سے دیوار پر منتقل ہوگئی۔

''او پروجیکٹر چلانے والے،تجھے کیا کہوں۔'' ڈیمین چلایا۔

ڈیمین جس دیوار سے ٹکا بیٹھا تھا،اس کے پیچھے پروجیکٹر روم تھا۔وہاں مارک موجود تھا اس وقت وہ فلم آپریٹر کا کردار ادا کر رہا تھا۔اس نے دیوار سے جھانکا اور چلایا ابھی کچھ کرتا ہوں۔''

عام حالات میں وہ لوگ فلم دیکھتے تو پروجیکشن مشین چلانا بٹلر کی ذمہ داری ہوتی تھی۔لیکن آج مارک کو اس کو سمجھنے کا شوق ہوا تھا۔رچرڈ نے حامی بھر لی تھی اور اسے سمجھایا تھا کہ فلم کیسے چلائی جاتی ہے۔

چنانچہ یہ اس کا پہلا موقع تھا۔رچرڈ، این اور ڈیمین فلم دیکھ رہے تھے۔اور وہ پروجیکشن مشین کو کنٹرول کر رہا تھا۔اور اب عین فلم کے کلائمکس کے موقع پر گڑبڑ ہو گئی تھی۔

مارک کچھ دیر کی کوشش کے بعد فلم کو دوبارہ اسکرین پر لانے میں کامیاب ہو گیا۔

تین چار قلابازیاں کھانے کے بعد ہیرو ساکت ہو گیا، جیسے وہ مر گیا ہو۔مگر اس کا داہنا ہاتھ بہت آہستہ آہستہ ہولسٹر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

پھر اچانک اس نے تیز ترین موشن میں ریوالور بھی نکالا اور فائر بھی کر دیا۔

ہوٹل کی تیسری منزل کی کھڑکی سے باہر جھانکتی ہوئی رائفل نیچے گرتی نظر آئی۔اس کے پیچھے رائفل بردار بھی تھا۔وہ غلے کے ایک اسٹور کی چھت پر گرا۔چھت سے لڑھکتا ہوا وہ اس ناند میں گرا، جس میں گھوڑے پانی پیتے ہیں۔

ہیرو اچھل کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور غروب ہوتے ہوئے سورج کی طرف روانہ ہو گیا۔

''چلو......کوئی ہیپی اینڈ کی فلم تو دیکھنے کو ملی۔'' این نے کہا۔

ڈیمین نے لائٹ آف کر دی۔''میں اس فلم کو سکس اسٹار ریٹنگ دوں گا۔'' وہ بولا۔

این نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔''اب ایسا بھی نہیں ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے انگڑائی لی۔''یہ بتاؤ، سینڈوچ کون کون کھائے گا۔''

رچرڈ نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔''ایک سینڈوچ میرے لیے۔''

ڈیمین نے سر ہلایا۔''دو میں کھاؤں گا۔''

''اور میں جانتی ہوں کہ مارک ایک سینڈوچ کھائے گا''۔ این نے کہا اور باہر چلی گئی۔

پروجیکشن بوتھ میں مارک بڑی احتیاط سے فلم کی ریل ری وائنڈ کر رہا تھا۔وہ کوشش کر رہا تھا فلم الجھنے نہ پائے۔ڈیمین اسکرین کو فولڈ کر کے رکھنے کی تیاری کر رہا تھا۔رچرڈ بیک گیمن کے لیے بورڈ تیار کر رہا تھا۔

اطلاعی گھنٹی کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔''یہ کون آ گیا؟'' رچرڈ اور ڈیمین کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

ڈیمین نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔''میں دیکھتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

۞............۞............۞

چارلس وارن دروازے پر کھڑا تھا۔اس کے لباس پر برف کے ذرات لگے تھے سردی سے اس کا برا حال تھا۔اس کے ہاتھ میں بیوگن ہیگن والا لفافہ تھا۔اس کے جسم میں کپکپاہٹ تھی۔......اور اس کا سبب صرف سردی ہرگز نہیں تھی۔ابھی کچھ دیر پہلے جو کچھ اس نے پڑھا تھا، اس نے اسے مر جانے کی حد تک خوف زدہ کر دیا تھا......محاورتاً نہیں، حقیقتاً!

ستم در ستم یہ کہ دروازہ کھولنے والا ڈیمین ہی تھا۔ وہ اور خوف زدہ ہو گیا۔ اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

لیکن ڈیمین کو فوری طور پر کسی گڑ بڑ کا احساس ہو گیا۔ ''ہیلو ڈاکٹر وارن''۔ اس کے لہجے میں درشتی تھی۔

''ہیلو ڈیمین'' چارلس نے کہا۔ وہ اپنی آواز کی لرزش پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''مسٹر تھورن کو بتاؤ کہ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''کیا یہ ملاقات پہلے سے طے تھی؟'' ڈیمین نے اپنی جگہ پر جمے جمے، سرد لہجے میں پوچھا۔

''تم انہیں میری آمد کی اطلاع دے دو''۔ اس بار چارلس وارن کے لہجے میں سختی تھی۔

ڈیمین ایک لمحے کو ہچکچایا۔ پھر بولا۔ ''اندر آجایئے۔''

چارلس وارن ہال وے میں داخل ہوا۔ ڈیمین نے دروازہ بند کر دیا۔ ''میں انہیں بتاتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ لاؤنج کی طرف بڑھ گیا۔

چارلس نے اپنے لباس سے برف جھاڑی اور سوچنے لگا کہ کس طرح سے بات کی جائے۔ معاملہ بے حد حساس ہے۔

''ڈاکٹر وارن آئے ہیں۔ وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔'' اندر ڈیمین نے رچرڈ تھورن سے کہا۔

''چارلس آیا ہے؟'' رچرڈ خوش بھی ہوا اور حیران بھی۔ ''بہت خوب۔ تو اسے اندر بھیج دو۔''

لیکن چارلس کے لیے انتظار کرنا ممکن نہیں تھا۔ اتنی دیر میں وہ خود ہی اندر چلا آیا۔

''این سے کہو کہ چارلس کے لیے بھی سینڈوچ بنالے۔'' رچرڈ نے ڈیمین سے کہا۔

ڈیمین باہر نکلا اور کچن کی طرف بڑھ گیا۔

۞۔۔۔۔۔۞۔۔۔۔۔۞

ہال وے میں پہنچتے ہی ڈیمین کے چہرے کا تاثر یکسر تبدیل ہو گیا۔ اب اس کے چہرے پر شدید غصے اور نفرت کا تاثر تھا۔ اسے معلوم ہو گیا تھا۔ کہ چارلس وارن یہاں کیوں آیا ہے اور وہ اسے ایسی نظروں سے کیوں دیکھ رہا تھا۔

لیکن ڈیمین اس وقت کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

بے بسی کے اس احساس کے ساتھ وہ کچن میں داخل ہو گیا۔

۞۔۔۔۔۔۞۔۔۔۔۔۞

''سردی بہت شدید ہے۔ ہے نا؟'' رچرڈ نے برانڈی کے دو جام بناتے ہوئے کہا۔

چارلس اسے پریشانی سے دیکھتا اور سوچتا رہا اور کہ بات کہاں سے شروع کرے۔

رچرڈ کو مارک کی موجودگی کا خیال ہی نہیں تھا، جو پروجیکشن بوتھ میں بیٹھا فلم وائنڈ کر رہا تھا ان دونوں کی آوازیں اسے بالکل صاف سنائی دے رہی تھیں۔

چارلس نے برانڈی کا جام لیا اور اتنا طویل گھونٹ لیا کہ رچرڈ اسے حیرت سے دیکھنے پر مجبور ہو گیا۔

برانڈی نے چارلس کو توانائی اور حوصلہ بخشا۔اس نے فرش پر نظر جماتے ہوئے کہا۔''رچرڈ......میں تم سے ذاتی نوعیت کی گفتگو کرنے والا ہوں۔''

''چارلس، ہم اچھے دوست ہیں۔''رچرڈ نے اعتماد بڑھانے والے انداز میں کہا۔''کہو کیا بات ہے؟''

چارلس نے گہری سانس لی اور جیسے پھٹ پڑا۔''رچرڈ، تم مجھے بتا سکتے ہو کہ لندن میں تمہارے بھائی کے ساتھ درحقیقت کیا معاملہ ہوا تھا۔''

رچرڈ کا رویہ ایک دم تبدیل ہوگیا۔اس کے انداز میں سردمہری اور لہجے میں سختی اور بے گانگی در آئی۔''تم کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''اسرائیل میں کھدائی کے دوران جو چیزیں برآمد ہوئیں،ان میں چمڑے کا ایک باکس بھی تھا۔وہ میں اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ابھی کچھ دیر پہلے میں نے اسے کھول کر دیکھا۔وہ بیوگن ہیگن کا ثابت ہوا۔اس میں بہت ذاتی چیزیں ہیں۔وہ سب کچھ اس کے ڈھانچے کے قریب پڑا تھا۔''

''تو پھر؟''رچرڈ کے لہجے کی درشتی بڑھ گئی۔

چارلس نے برانڈی کا ایک اور گھونٹ لیا۔''تمہیں معلوم ہے کہ ڈیمین کو قتل کرنے کیلئے وہ خنجر بیوگن ہیگن نے تمہارے بھائی کو دیے تھے؟''

''تم کیا بکواس کر رہے ہو؟''

پروجیکشن بوتھ میں موجود مارک اپرچر کے اور قریب آ گیا۔تا کہ ان کی گفتگو بہتر طور پر سن سکے۔

''سات سال پہلے بیوگن ہیگن نے تمہیں ایک خط لکھا تھا......''

''خط؟اور مجھے!''رچرڈ اب اضطراب کے عالم میں ٹہل رہا تھا۔''مجھے ایسا کوئی خط نہیں ملا۔''

''وہ اسے بھیج ہی نہیں سکا۔چمڑے کے اس باکس میں وہ خط موجود تھا۔''

''اور تم نے وہ خط پڑھ لیا؟''رچرڈ کا انداز الزام دینے والا تھا۔

چارلس کے لہجے میں التجا تھی......خوشامد تھی۔''رچرڈ، تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔میں ایک ذی شعور اور ہوش مند انسان ہوں۔لیکن جو کچھ میں تمہیں بتانے والا ہوں وہ بظاہر معقول اور ہوش مندانہ نہیں لگے گا۔''

''خدا کے لیے وارن، جو کہنا ہے کہہ دو۔''

''بیوگن ہیگن کا دعویٰ ہے کہ ڈیمین......شیطان کا آلۂ کار ہے۔وہ اینٹی کرائسٹ ہے......دجال!''

رچرڈ اسے ایسے دیکھ رہا تھا، جیسے اس کے پاگل ہونے کا یقین ہو۔

پروجیکشن روم میں مارک جیسے سانس لینا بھول گیا تھا۔

''ڈیمین انسان نہیں ہے رچرڈ۔''چارلس اپنا بوجھ جلد از جلد ہلکا کر دینا چاہتا تھا۔''بیوگن ہیگن کا دعوا ہے کہ اسے مادہ گیدڑ نے جنم دیا ہے۔''

رچرڈ ہنسنے لگا۔''اور تم مجھے یہ بتانے کے لیے دوڑے آئے ہو۔''اس نے سر جھٹکا اور دور جانے لگا۔

چارلس نے برانڈی کا جام خالی کر کے رکھ دیا۔''تمہارے بھائی کو یہ بات معلوم ہوگئی تھی''۔وہ رچرڈ کے پیچھے چلنے لگا۔''وہ مایوسی کے عالم

میں مشورے کے لیے بیوگن ہیگن کے پاس گیا۔ بیوگن ہیگن نے اسے بتایا کہ لڑکے کو کیسے ختم کیا جاسکتا ہے۔''

رچرڈ نے اپنا جام میز پر پٹخا اور طیش کے عالم میں چارلس وارن کی طرف مڑا۔''میرا بھائی بیمار تھا چارلس۔''اس نے سرد لہجے میں کہا۔''وہ دماغی طور پر بیمار تھا۔اپنی بیوی کی موت......''

''ہاں اس کی موت کا سبب بھی ڈیمین تھا۔'' چارلس نے جلدی سے کہا۔''اور ایک نہیں ایسی پانچ اموات ہوئیں، جن کی کوئی منطقی توجیہہ نہیں کی جاسکی۔اس کے متعلق پیش گوئی بائبل میں بھی موجود ہے......پیش گوئی کے باب میں۔'' چارلس جانتا تھا کہ اب وہ خطرناک ترین مرحلے میں داخل ہورہا تھا۔لیکن رچرڈ کو کتنا ہی غصہ آئے، اسے اپنی بات کہنی ہی تھی۔''بیوگن ہیگن......''

''وہ پاگل تھا......دیوانہ تھا......مذہبی جنونی تھا۔''

چارلس نے نفی میں سر ہلایا۔''میں جانتا ہوں۔بہ ظاہر یہ پاگل پن ہی لگتا ہے۔لیکن

''لیکن تم اس خرافات پر یقین رکھتے ہو۔''

چارلس نے اپنی جیب سے لفافہ نکالا اور میز پر رکھ دیا۔''یہ رہا وہ خط۔''اس نے کہا۔''خود پڑھ کر دیکھ لو۔''

''نہیں۔میں نہیں پڑھوں گا۔''

''اگر بیوگن ہیگن کی بات درست ہے تو ہم سب خطرے میں ہیں۔تم ،این ،مارک......ہم سب ۔یاد کرو، جوآن ہارٹ کا کیا حشر ہوا۔وہ بھی حقیقت جانتی تھی۔''

''بہرحال میرا پاگل بڈھے کی احمقانہ باتیں پڑھنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔'' رچرڈ نے ضدی پن کا مظاہرہ کیا۔

''رچرڈ'' چارلس کے لہجے میں التجا تھی ،''میں بیوگن ہیگن کو اچھی طرح جانتا ہوں۔وہ نہ پاگل تھا اور نہ مذہبی جنونی۔ایک بات بتاؤ۔تمہیں کبھی کوئی شبہ نہیں ہوا۔تمہیں کوئی عجیب بات۔''

''نہیں۔'' رچرڈ حلق کے بل چلایا۔

چارلس کو ڈر تھا کہ اب رچرڈ کا ہاتھ اس پر اٹھنے والا ہے۔''ڈیمین کی کوئی بات جو اس نے کہی ہو......یا اس نے کچھ کیا ہو......تمہیں ایسی کوئی بات نظر نہیں آئی ؟اس پر بھی شبہ نہیں ہوا''۔

''چارلس ،تم اسی وقت میرے گھر سے نکل جاؤ......''

''سوچو......اموات تو ہمارے درمیان بھی ہوئی ہیں......''

''گیٹ آؤٹ۔'' اب رچرڈ کا جسم غصے کی شدت سے لرز رہا تھا۔

لیکن چارلس وارن کو احساس تھا کہ اس کے پاس وقت بہت کم ہے۔وہ ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔''علامات بالکل واضح ہیں رچرڈ۔'' اس نے کہا۔''یہ ایسے اتفاقات ہیں جنہیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔تم بائبل پڑھو رچرڈ......پیش گوئیوں کا باب پڑھو۔تمہاری سمجھ میں سب کچھ آ جائے گا۔ہمیں سب کچھ آسمانی کتاب کے مطابق کرنا ہوگا......آخر تک!''

''کس آخر کی بات کررہے ہو تم ؟'' رچرڈ کو حیرت تھی کہ اب تک یہ گفتگو اس نے برداشت کیسے کر لی۔

''یگائیل کی دیوار'' چارلس نے جواب دیا۔''بیوگن ہیگن نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ یگائیل کی دیوار اس کے بیان کا یقینی اور ناقابل تردید ثبوت ہے۔اسے دیکھ کر تم قائل ہو جاؤ گے۔دیوار روانہ ہو چکی ہے۔کسی بھی وقت نیویارک پہنچ جائے گی۔''

''تم ماضی کی خاک چھاننے کے عادی ہو چکے ہو چارلس۔اس کے نتیجے میں تم بھی اپنی دوست جوآن ہارٹ کی طرح مذہبی جنونی بن چکے ہو۔تم جاؤ اور اس دیوار کو دیکھو۔مجھے ایسی کسی چیز میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

چارلس وارن اسے غور سے دیکھتا رہا۔اس نے اس معاملے کو آسان ہرگز نہیں سمجھا تھا۔مگر اس نے یہ بھی نہیں سوچا تھا کہ یہ اس انداز میں ختم ہوگا۔اس نے جان لیا تھا کہ رچرڈ تھورن سے اس کا تعلق کسی بھی لمحے ہمیشہ کے لیے ختم ہو سکتا ہے......تو اب وہ تعلق کو ختم ہی کیوں نہ کر دے۔

''ہاں میں تو جاؤں گا اور دیکھوں گا بھی۔'' اس نے کہا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔

رچرڈ تھورن اپنی کرسی پر سکتے کی کیفیت میں بیٹھا تھا۔وہ سوچ رہا تھا کہ چارلس کی کچھ باتیں تو سچی ہو سکتی ہیں۔مگر اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ چارلس کو معلوم کیسے ہوئیں۔لیکن باقی باتیں تو محض بکواس......

اس نے سر جھٹکا۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ ابھی ابھی اس نے ایک بہت اچھے دوست کو کھو دیا ہے۔

پروجیکشن بوتھ میں مارک پر لرزہ طاری تھا۔ اس کا جسم کسی سوکھے پتے کی طرح لرز رہا تھا۔

ڈیمین سینڈوچ بنانے میں این کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔

ان دونوں نے دروازہ بند ہونے...... اور پھر چارلس کی کار اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی۔ پھر ٹائر چرچرائے اور کار آگے بڑھ گئی۔ انہوں نے ایک دوسرے کو اور پھر اضافی سینڈوچ کو دیکھا، جو انہوں نے ابھی تیار کیا تھا۔

''اوہو..... لگتا ہے، یہ سینڈوچ اب مجھے ہی کھانا پڑے گا۔'' ڈیمین نے چہک کر کہا۔

اس رات ڈیمین ویسی ہی بے فکری سے سویا، جیسے جوان ہوتے ہوئے لڑکے سوتے ہیں۔

این کی نیند بھی پرسکون تھی۔

لیکن رچرڈ تھورن اس رات سو ہی نہیں سکا۔

اور مارک تھورن کی بھی پلک تک نہیں جھپکی!

صبح ہوگئی۔ دونوں باپ بیٹے جاگ رہے تھے۔

رچرڈ تھورن انہی کپڑوں میں تھا، جو وہ رات کو پہنے ہوئے تھا۔ وہ اپنی اسٹڈی میں میز پر بیٹھا تھا۔ اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھاما ہوا تھا۔ اور وہ یہ سوچنے کی کوشش کر رہا تھا کہ کیا کرے۔ سامنے برسوں پرانا خط کھلا رکھا تھا، جو بہت تاخیر کے بعد اب اس تک پہنچا تھا۔ بیوگن ہیگن کا خط، جسے اب تک وہ کئی بار پڑھ چکا تھا۔ اس خط میں جو کچھ تھا، اسے ہضم کرنا آسان نہیں تھا۔ لیکن پوری طرح نظر انداز کر دینا بھی ممکن نہیں تھا۔ بیوگن ہیگن نے جو کچھ لکھا تھا، وہ اس کے لیے ناقابل یقین تھا۔ لیکن وہ محسوس کر رہا تھا کہ اسے اس پر غور کرنا ہوگا۔ مگر اس کے لیے وقت چاہیے..... کافی وقت!

اس نے خط سمیٹا اور اسے ڈیسک کی دراز میں رکھ کر لاک کر دیا۔ پھر وہ اٹھا اور اس نے انگڑائی لی۔ رات بھر کی بیداری کے نتیجے میں اس کے جسم پر کسل مندی طاری ہو رہی تھی۔

وہ کھڑکی کی طرف بڑھا۔ سامنے پہاڑیوں کے پیچھے سے سورج سر اٹھا رہا تھا۔ یہ سب کچھ سچ تو نہیں ہو سکتا۔ اس نے خود سے کہا۔ شیطان کا وجود حقیقت تو نہیں ہے۔ وہ محض ایک علامت ہے..... برائی کی علامت! اور ہر آدمی کے دماغ...... اور اس کے نفس میں ہوتا ہے۔

وہ پلٹا اور اوپر چلا گیا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ چند گھنٹوں کی نیند ضروری ہے۔

اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ اس کا بیٹا مارک بھی اس کی طرح رات بھر جاگا ہے۔

مارک نے دوسروں پر یہ ظاہر کیا تھا کہ وہ سونے کے لیے جا رہا ہے۔ پھر جب گھر میں خاموشی چھا گئی تو وہ بستر سے اٹھا اور دبے پاؤں لائبریری میں گیا۔ وہاں سے اس نے بائبل اٹھائی، پیش گوئی والا باب کھولا اور اسے پڑھنے لگا۔

اور اب جبکہ سویرا ہو رہا تھا، اس نے کتاب سے سر اٹھایا اور ننھے بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ وہ رونا رات بھر کی تھکن اور بے آرامی کا بھی تھا...... اور اس کا سبب وہ خوف ناک معلومات بھی تھیں، جو اسے حاصل ہوئی تھیں۔

مارک کو اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ اس کا محبوب کزن، ڈیمین تھورن شیطان کا بیٹا ہے۔

وہ کچھ مہینوں کے دوران ڈیمین کے عجیب رویے یاد کر رہا تھا۔ تاریخ عساکر کے پیریڈ میں جو کچھ ہوا تھا، وہ کوئی بہت پرانی بات نہیں تھی۔ پھر اس کی جسمانی صلاحیتیں! کھیل کے میدان میں ایسا لگتا تھا کہ کوئی چیز اس کے خلاف نہیں جاتی ہے۔

پھر اسے یاد آیا کہ پلانٹ پر حادثے کے دوران جب سب کی جان پر بنی تھی، ڈیمین پر زہریلی گیس ذرا بھی اثر انداز نہیں ہوئی تھی۔ اسے پیاریان کا خیال آیا، پھر بل ایتھرٹن کا اور آنٹی ماریان کا۔ اور ان لوگوں کا جو مرتے رہے تھے۔ دیکھتے دیکھتے، بالکل اچانک...... اور ایسے کہ جن کی موت کی کوئی توجیہہ ممکن نہیں تھی۔

آخر میں اس نے اپنے محبوب کزن کے بارے میں سوچا، جسے وہ پرستش کی حد تک چاہتا تھا۔ تو کیا یہ ممکن ہے کہ دنیا میں بے شمار خوف ناک...... اور قابل نفرت لوگ ڈیمین کی اسی طرح پرستش کرتے ہوں گے۔ نہیں اس طرح نہیں...... مختلف انداز میں...... شیطانی انداز میں!

مارک اٹھا اور اس نے بائبل وہیں رکھ دی، جہاں سے اٹھائی تھی۔ پھر وہ دبے پاؤں ہال میں چلا آیا۔ وہاں اس نے ریک سے اپنا گرم اوور کوٹ نکالا۔ اسے پہن کر اس نے مرکزی دروازہ کھولا اور گھر سے نکل آیا۔ وہ کہیں تنہائی میں فرصت سے بیٹھ کر سوچنا چاہتا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔

✿.........✿.........✿

''کیا......؟ ڈیمین کیا ہے''؟ این نے انڈے تلتے ہوئے اچانک پلٹ کر رچرڈ کو دیکھا۔ ''رچرڈ...... تم ایسی کسی بات پر کیسے یقین کر سکتے ہو؟''

''میں نے نہیں کہا کہ مجھے اس پر یقین ہے''۔ رچرڈ کچن کے دروازے پر کھڑا تھا۔ بیوگن ہیگن کا خط اس کے ہاتھ میں تھا۔ ''میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ چارلس نے مجھ سے کیا کہا تھا اور اس خط میں کیا لکھا ہے۔''

''لیکن تم کہہ رہے ہو کہ تم نیو یارک جاؤ گے۔ خدا کے لیے رچرڈ۔'' این نے انڈے پلٹے۔ پھر وہ پلیٹیں نکالنے کے لیے کیبنٹ کی طرف بڑھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ان کے درمیان یہ گفتگو ہو رہی ہے۔ ''تو کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہے......''

''نہیں'' رچرڈ چلایا۔ رات بھر کا جاگا ہوا اس کا نڈھال ذہن اب معقولیت اور تحمل کی صلاحیت سے محروم تھا۔ ''یہ سب کچھ خرافات ہے اور میں اس پر یقین نہیں رکھتا۔ لیکن رابرٹ کو چرچ میں اس وقت شوٹ کیا گیا، جب وہ ڈیمین کو ختم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور......''

''چارلس تمہیں بہکانے میں کامیاب ہو گیا؟ ہے نا یہی بات؟'' این نے پلیٹیں اوون کے پاس رکھیں اور انڈے ان میں نکالنے لگی۔ ''اس نے تمہارے اندر یہ پاگل پن بیج کی طرح ڈال دیا ہے۔'' وہ رچرڈ کی طرف بڑھی اور اس کے ہاتھ سے بیوگن ہیگن کا خط لے کر کاؤنٹر پر رکھ دیا۔ ''خیر

......میں تمہیں اس زہر کا شکار نہیں ہونے دوں گی۔'' اس کے لہجے میں قطعیت تھی۔ ''تم اس وقت تھکے ہوئے ہو اور معقولیت سے سوچنے اور سمجھنے کے قابل نہیں ہو۔ آرام کرو گے تو تمہیں یہ یاد بھی نہیں رہے گا کہ چارلس نے......''

''این......''

''نہیں رچرڈ۔ اس بات کو یہیں ختم کر دو۔ تم نے بس ایک گندی کہانی سنی اور بھول گئے۔ اب یہ معاملہ یہیں ختم۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ''رچرڈ...... کیا ہو رہا ہے یہ سب؟ کیا ہم سب پاگل ہو رہے ہیں؟'' وہ رونے لگی۔

رچرڈ نے آگے بڑھ کر اسے اپنی باہوں میں بھر لیا۔ ''مت روؤ این۔ تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ میں تھکا ہوا ہوں۔ نیند کو ترس گیا ہوں۔ میں......میں شرمندہ ہوں ڈارلنگ۔ آئی ایم سوری''

''او گاڈ۔'' این نے اس کے کندھے پر سر رکھ دیا۔

''بس کرو۔ اب سب ٹھیک ہے۔ میں کہیں نہیں جا رہا ہوں۔''

''اور ڈیمین...... تم اس کے لیے بدلو گے تو نہیں۔ تم اسے......''

''ارے نہیں جان'' رچرڈ اب اسے تھپک رہا تھا۔

''مجھ سے وعدہ کرو۔''

''وعدہ رہا ڈیر۔''

این کو باہوں میں جھلاتے ہوئے رچرڈ سوچ رہا تھا...... واقعی، میں بھی کن لوگوں کی باتوں میں آ گیا......اور وہ بھی کیسی باتوں میں! اسی وقت اس نے کچن کی کھڑکی سے ڈیمین کو دیکھا جو عقبی لان سے گزر کر جنگل کی طرف جا رہا تھا۔

اس کے اندر ایک نامعلوم خطرے کا احساس جاگ اٹھا۔ ''مارک کہاں ہے؟'' اس نے لہجے کو تشویش سے پاک رکھنے کی کوشش کی۔

''میرا خیال ہے، وہ سویرے ہی باہر نکل گیا تھا۔'' این نے جواب دیا۔ پھر وہ رچرڈ سے الگ ہوئی اور پیچھے ہٹ کر اپنے آنسو پونچھنے لگی۔

''یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟''

''میں نے ریک میں دیکھا تھا تو مارک کا اوورکوٹ موجود نہیں تھا۔''

''کیوں نہ ہم بھی چہل قدمی کے لیے چلیں۔'' رچرڈ نے کہا۔

''لیکن انڈے......؟''

انڈے اب جل رہے تھے وہ اسٹور کی طرف لپکی۔

''اس وقت مجھے تازہ ہوا کی شدید ضرورت ہے۔''

این نے اسے بہت غور سے دیکھا۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ ان کے گھر میں......مکینوں کے درمیان کچھ ہو رہا ہے۔ ایسا کچھ جو وہ سمجھ نہیں

پا رہی ہے۔اس نے رچرڈ سے شادی اس لیے کی تھی کہ وہ رچرڈ سے محبت کرتی تھی۔اور اس کا خیال تھا کہ اس کی ازدواجی زندگی میں کچھ دشواری نہیں ہوگی۔اور زندگی کے ہر بحران سے وہ رچرڈ کی محبت کے زور پر نمٹ سکے گی۔

لیکن اس وقت اس کا وہ یقین متزلزل ہو گیا تھا۔

اس نے کندھے جھٹکے اور جلے ہوئے انڈے ڈسٹ بن میں ڈال دیے۔''اوکے چلو رچرڈ۔چلو، چہل قدمی کرتے ہیں۔''

❁.........❁.........❁

مارک گھر سے کافی دور ایک درخت کے نیچے بیٹھا تھا۔اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔اور بشرے سے فکرمندی ہویدا تھی۔اس کی آنکھوں میں خوف تھا......اور ایک ایسا تاثر تھا، جو اس عمر کے کسی لڑکے کی آنکھوں میں نظر نہیں آنا چاہیے۔شاید اس کی وجہ سے وہ اپنی عمر سے بڑا لگ رہا تھا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ سکونِ قلب کے لیے کس سے بات کرے۔اس سے پہلے ہر پریشانی میں وہ ڈیمین کی طرف لپکتا تھا۔لیکن اب یہ ممکن نہیں تھا۔اس معاملے کو اسے خود ہی نمٹانا تھا۔

پھر اچانک اسے قدموں کی چاپ سنائی دی......اور پھر جانی پہچانی آواز۔''مارک...... مارک کہاں ہو تم؟''

وہ ڈیمین تھا۔

مارک بہت آہستگی سے اٹھا اور دبے قدموں جنگل میں اور اندر کی طرف بڑھنے لگا۔

قدموں کی آہٹ سے اندازہ ہو رہا تھا کہ فاصلہ بڑھ نہیں رہا۔ڈیمین اس کا پیچھا کر رہا تھا۔مارک نے بھاگنا شروع کر دیا۔

''اے مارک''!

مارک اور تیز دوڑنے لگا۔لیکن وہ جانتا تھا کہ وہ بہت آگے نہیں جا سکے گا۔وہ پوری رات نہیں سویا تھا۔اس کا جسم نڈھال تھا اور وہ بری طرح خوف زدہ بھی تھا۔بالآخر وہ ایک بہت بڑے، بہت موٹے تنے والے درخت کے پاس پہنچا اور اس کے تنے کے پیچھے چھپ گیا۔

وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔

چند منٹ گزر گئے۔پھر اسے ڈیمین کی آواز دوبارہ سنائی دی۔اب وہ بہت قریب آ گیا تھا۔شاید ان دونوں کے درمیان بس درخت کا تنا ہی حائل تھا۔

''مجھے معلوم ہے، تم یہاں ہو۔'' ڈیمین نے پکارا۔

مارک کانپ رہا تھا۔''میرا پیچھا چھوڑ دو۔مجھے اکیلا چھوڑ دو۔'' خود مارک کو بھی اپنی آواز میں کمزوری محسوس ہوئی۔

ڈیمین گھوم کر تنے کے دوسرے سمت آیا۔اب ان دونوں کے درمیان صرف چھ فٹ کا فاصلہ تھا۔

''تم مجھ سے بھاگ کیوں رہے ہو؟'' ڈیمین کے لہجے میں شکایت تھی۔

مارک نے چند لمحے توقف کیا۔پھر بلند آہنگ سرگوشی میں بولا''میں جان گیا ہوں......کہ تم کون ہو۔''

ڈیمین مسکرایا۔ ''کیا واقعی؟''

مارک نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''چارلس وارن کو بھی معلوم ہے۔'' اس نے محتاط لہجے میں کہا۔ ''میں نے ڈیڈی سے ان کی گفتگو سنی تھی۔''

ڈیمین کے چہرے پر غبار سا چھا گیا۔ ''کیا کہہ رہا تھا وہ؟'' وہ محض سوال نہیں تھا۔ وہ حکم تھا۔

''وہ کہہ رہا تھا......'' مارک کے لیے الفاظ کا انتخاب کرنا دشوار ہو گیا۔ ''وہ کہہ رہا تھا کہ شیطان نے اپنا بیٹا زمین پر بھیجا ہے۔''

''اور......کہتے رہو۔''

مارک نے منہ پھیر لیا۔ ایک آنسو اس کے رخسار پر لڑھک آیا۔

''بولو نا مارک۔''

مارک نے خوف دور کرنے کے لیے تھوک نگلا۔ ''وہ کہہ رہے تھے کہ تم شیطان کے بیٹے ہو۔'' بالآخر اس نے کہا۔

جنگل کے ایک اور حصے میں رچرڈ اور این خاموشی سے ٹہل رہے تھے۔ دور سے کوئی دیکھتا تو انہیں دو محبت کرنے والے ہی سمجھتا۔ لیکن درحقیقت ایسا نہیں تھا۔ رچرڈ کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور اس کے انداز میں تھکن تھی۔ چہرے پر فکرمندی تھی۔ اور اس کا ذہن بہت تیزی سے کچھ سوچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ کوئی ایسی چیز تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا، جس کے نہ ملنے کا اسے پورا یقین تھا......کوئی تاویل......کوئی جواز!

ڈیمین مارک کو سخت نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ''کہتے رہو۔'' اس کا لہجہ سرد تھا۔

بالآخر مارک پھٹ پڑا۔ ''اس دن تم نے اکیڈمی میں ٹیڈی کا جو حال کیا تھا، مجھے یاد ہے۔'' اس نے چیخ کر کہا۔ ''اور تاریخ عساکر کی کلاس میں جو کچھ ہوا، وہ بھی میں نہیں بھولا۔ ایتھرٹن اور پسباریان کی اموات بھی مجھے یاد ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ تمہارے ڈیڈی نے تمہیں قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ پاگل ہو گئے تھے۔ لیکن میں سمجھ گیا ہوں کہ اصل بات کیا تھی۔ وہ جان گئے تھے کہ تم کون ہو۔'' مارک بری طرح لرز رہا تھا۔ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

ڈیمین کا انداز بدل گیا۔ وہ مارک کو تکلیف نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ ''مارک......سنو

''نہیں......نہیں......'' مارک چلایا۔

''تم میرے بھائی ہو۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔''

''مجھے بھائی مت کہو۔'' مارک نے چیخ کر کہا۔ ''اینٹی کرائسٹ کا کوئی بھائی نہیں۔''

مارک نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''تم اعتراف کرو کہ تم نے اپنی ماں کو قتل کیا تھا۔''

بس اس لمحے تعلق کا وہ بندھن ٹوٹ گیا۔ مارک کے اس جملے نے اسے توڑ ڈالا" وہ میری ماں نہیں تھی۔" ڈیمین حلق کے بل چلایا۔" میری ماں......"

"گیدڑ تھی۔" مارک نے جملہ مکمل کر دیا۔

"ہاں۔" ڈیمین کے لہجے میں فخر تھا۔ اس کی آواز پورے جنگل میں گونج رہی تھی اس کی قوت بول رہی تھی۔ اس کی آنکھیں دہک رہی تھیں اور اس کے چہرے پر ایسی چمک تھی، جو انسانی نہیں لگ رہی تھی۔" ہاں...... میں شیطان کا ہم شکل ہوں، اس کا بیٹا ہوں۔ اس کا بیٹا، جسے بدتمیز قرار دے کر نکالا گیا۔ اور وہ بدتمیز کیوں ہوا؟ اس لیے کہ اس کی عظمت کی توہین کی گئی۔ عظیم کو حقیر کے آگے جھکنے کا حکم دیا گیا۔ اب اس نے مجھ میں سر اٹھایا ہے۔ وہ میرے وجود میں ہے۔ وہ میری آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔"

مارک نے ادھر ادھر دیکھا۔ خوف اب کہیں بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ وہ خود کو بہت حقیر محسوس کر رہا تھا۔ اتنا حقیر کہ ہاتھ بھی نہیں ہلا سکتا تھا۔ وہ سب کچھ ایک بے حد ڈراؤنے خواب کی طرح تھا۔ مگر وہ اس خواب سے کسی طرح بھاگ نہیں سکتا تھا۔

"میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں اپنے ساتھ لے کر چل سکتا ہوں۔"

مارک نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اچانک اس کے جسم کی کپکپاہٹ ختم ہو گئی۔ وہ کافی دیر تک اپنے کزن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا رہا۔ پھر بہت آہستگی سے، لیکن فیصلہ کن انداز میں اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں۔"

"پلیز۔" مجھ سے خوشامد مت کراؤ۔" ڈیمین کے لہجے میں التجا تھی۔

"نہیں۔" مارک کا لہجہ مستحکم تھا۔

اور پھر جیسے اس نہیں نے اس کے وجود میں نئی روح پھونک دی۔ وہ اٹھا اور تیزی سے بھاگنے لگا۔ حالانکہ اس کی ٹانگیں دکھ رہی تھیں۔

"مارک۔" ڈیمین نے چیخ کر اسے پکارا۔

لیکن مارک بھاگتا رہا۔ "تم مجھ سے دور رہو۔ میں تم سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتا" وہ پلٹ کر دیکھے بغیر چلایا۔

"مارک۔" ڈیمین کی ایسی آواز مارک نے پہلے صرف ایک بار سنی تھی...... اس وقت جب وہ نیف کے آفس سے نکلا تھا اور اس نے ٹیڈی کو مارک کے ساتھ زیادتی کرتے دیکھا تھا اور ٹیڈی کو پکارا تھا۔" میری طرف دیکھو مارک۔" اس کے لہجے میں تحکم تھا۔

مارک رک گیا۔ اسے ایسا لگا کہ وہ اب آگے نہیں بڑھ سکتا ہے۔" تم مجھ سے دور رہو۔ میرا پیچھا چھوڑ دو۔" اس کا لہجہ التجائیہ تھا۔

"میں تم سے صرف ایک بار پوچھوں گا۔" ڈیمین کے لہجے میں خوفناک دھمکی تھی۔" پلیز...... میرے ساتھ آ جاؤ۔ میرے ہو جاؤ۔"

مارک دھیرے دھیرے پلٹا۔ اب وہ ڈیمین کا سامنا کر رہا تھا۔ "نہیں ڈیمین۔" اس کا لہجہ پرسکون تھا۔" تم اپنے انجام سے بچ سکتے ہو اور نہ میں اپنے انجام سے بچ سکتا ہوں۔" اب ایسا لگ رہا تھا کہ کوئی طاقت ہے، جو اس کی زبان سے بول رہی ہے۔" تم وہی کرو جو تمہیں کرنا ہے۔ میں بھی وہی کر رہا ہوں جو مجھے کرنا چاہیے۔" یہ کہہ کر وہ تن کر کھڑا ہو گیا' جیسے ڈیمین کی کارروائی کا منتظر ہو۔

ڈیمین کے جسم میں غصے کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس غصے کا سبب یہ تھا کہ اسے روکا جا رہا ہے۔ اس کی آنکھیں جیسے شعلے اگلنے لگیں۔ وہ بھی تن کر کھڑا ہو گیا۔ اس وقت اس کا قد غیر معمولی اونچا لگ رہا تھا۔ پھر اس کی آنکھوں میں آنسو بھرنے لگے۔ اس کا جسم لرزنے لگا۔ اس نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا......

⚙.........⚙.........⚙

رچرڈ اور این کو برف پر لڑکوں کے قدموں کے نشان نظر آئے۔ وہ ان کے تعاقب میں چل دیے۔ رچرڈ کے پہلو سے لگ کر چلتی ہوئی این بہ ظاہر بڑی پرسکون لگ رہی تھی۔ ہر چند قدم بعد وہ اس سے چپکنے کی کوشش کرتی۔

لیکن رچرڈ کو اس کا احساس نہیں تھا۔ وہ بار بار یوں سر اٹھاتا، جیسے ہوا میں کسی غیر معمولی خطرے کی بو سونگھ رہا ہو۔

وہ قدموں کے تعاقب میں بڑھتے رہے!

⚙.........⚙.........⚙

اچانک مارک نے وہ آواز سنی...... وہ آواز جو اس دن سارجنٹ نیف کے دفتر کے باہر ہال وے میں ٹیڈی نے سنی تھی۔ وہ کھٹ کھٹ کی ایسی آواز تھی، جیسے دھات کے دو اسکیل ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں۔

مارک نے اپنا سر بچانے کے لیے اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے۔ اسے احساس تھا کہ کوئی نادیدہ چیز اس پر حملہ آور ہو رہی ہے۔ وہ چلایا...... چیخا ......اور اس نے وہاں سے ہٹنے کی کوشش کی۔ لیکن نادیدہ پرندے کی خوف ناک چونچ اور اس کے پنجے اس کے سر میں اترے جا رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے نتھنوں سے خون نکلنے لگا۔ پھر خون اس کی آنکھوں ......اور اس کے کانوں سے بھی جاری ہو گیا۔

وہ گھٹنوں کے بل گرا اور اذیت بھرے انداز میں چلانے لگا۔ خون سے بھری ہوئی آنکھوں سے وہ ڈیمین کو دیکھ رہا تھا، جس کے چہرے پر اس وقت شیطنت چھائی ہوئی تھی۔ ڈیمین تن کر کھڑا تھا اور اس کے عقب سے سورج بلند ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کا چہرہ سفید ہو رہا تھا اور اس کی آنکھیں حلقوں سے ابلی پڑ رہی تھیں۔

پھڑ پھڑاہٹ کی آواز معدوم ہونے لگیں۔ ڈیمین نے نیچے دیکھا۔ مارک کی لاش کو دیکھ کر اس کے منہ سے چیخ نکلی...... وہ جیسے وحشیوں کا نعرۂ فتح تھا۔ مارک کا مردہ جسم اپنے ہی بہتے ہوئے خون میں نہا رہا تھا...... سرخ ہوتا جا رہا تھا۔

وہ مارک کی طرف بڑھا اور اس کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھا۔ پھر اس نے مارک کے مردہ جسم کو اپنی بانہوں میں بھر لیا اور بھینچا، جیسے وہ اس میں دوبارہ جان ڈالنے کی کوشش کر رہا ہو۔

ڈیمین کی دکھ اور اذیت بھری چیخ رچرڈ اور این نے بھی سنی۔ وہ وہاں پہنچے تو ڈیمین مارک کے بے جان جسم پر جھکا، سسکیوں میں پکار رہا تھا۔

''مارک...... مارک...... میرے بھائی......''

این کی چیخ سن کر ڈیمین نے سر اٹھایا۔ وہ اچھل کر کھڑا ہوا۔ ''ہم چہل قدمی کر رہے تھے اور...... اچانک یہ گر گیا۔ نجانے......''

''تم گھر جاؤ'' رچرڈ نے چیخ کر کہا۔ پھر وہ این کی طرف لپکا جو مارک کی لاش پر جھکی ہوئی تھی۔

''میں نے کچھ نہیں کیا'' ڈیمین کے لہجے میں احتجاج تھا۔

''تم گھر جاؤ منحوس لڑکے...... لعنت ہو تم پر'' رچرڈ کا جسم غصے سے لرز رہا تھا۔

ڈیمین پلٹا اور گھر کی طرف بھاگنے لگا آنسو اس کا چہرہ بھگو رہے تھے۔ ''وہ گرا تھا...... بس وہ گرا تھا'' بھاگتے بھاگتے وہ پلٹ کر چلایا۔ ''میں نے کچھ نہیں کیا'' پھر وہ دوبارہ بھاگنے لگا۔

رچرڈ نے دور جاتے ہوئے ڈیمین کو دیکھا۔ پھر وہ پلٹا اور اپنی بیوی کی طرف متوجہ ہوا اسے کندھوں سے تھام کر بڑی نرمی سے اسے کھڑا کر دیا۔ جب اسے اطمینان ہو گیا کہ اب وہ اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکتی ہے تو وہ جھکا اور اس نے اپنے بیٹے کی لاش کو ہاتھوں پر اٹھا لیا۔

پھر وہ کھڑا ہوا اور اس نے گھوم کر این کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک خاموش سا الزام تھا۔

این نے نفی میں سر ہلایا اور لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں بولی۔ ''ڈیمین نے کچھ نہیں کیا۔ وہ کیسے......''

لیکن وہ جملہ مکمل نہ کر سکی۔ رچرڈ پلٹا اور بیٹے کی لاش اٹھائے گھر کی طرف چل دیا۔ اس نے مردہ بیٹے کا لہولہان چہرہ اپنے چہرے سے لگا رکھا تھا۔

۞......۞......۞

تھورن فیملی کا قبرستان شمالی ساحل پر تھا اور ان کی جاگیر سے زیادہ دور نہیں تھا۔ ریجنالڈ تھورن اور اس کی بیوی وہیں دفن تھے۔ رچرڈ کی پہلی بیوی میری اور آنٹی ماریان بھی وہیں دفن تھیں۔

مارک کو اس کی ماں کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔

قبر کے سامنے سوگواروں کے ساتھ کھڑا رچرڈ موسم سرما کی پھوار کو گھور رہا تھا۔ ایک دن میں بھی یہیں لایا جاؤں گا۔ اس نے سوچا۔

این اور رچرڈ سیاہ ماتمی لباس میں تھے۔ ڈیمین این کے پاس کھڑا تھا وہ اپنی نیلی یونیفارم پہنے ہوئے تھا۔ اس کے بازو پر سیاہ پٹی بندھی ہوئی تھی۔

پال بوہر بھی وہاں موجود تھا۔ وہ تھورن انڈسٹریز کی نمائندگی کر رہا تھا۔ سارجنٹ نیف گارڈ آف آنر کے ساتھ آیا تھا۔ وہ سب اٹین شن کھڑے تھے۔ پھر ایک کیڈٹ آگے بڑھا اور اس نے اپنے بگل پر ماتمی دھن چھیڑ دی۔

تابوت قبر میں اتارا جانے لگا۔

تب رچرڈ پہلی بار رویا۔ اس سے پہلے اپنے بیٹے کی موت پر اس کی آنکھوں سے آنسو نہیں نکلے تھے۔

پادری نے دعا شروع کی تو رچرڈ دور دیکھنے لگا۔ جو کچھ پادری کہہ رہا تھا، وہ سننا نہیں چاہتا تھا۔ پادری الفاظ میں اس کے بیٹے کی شخصیت اور اس کے نقصان کا احاطہ نہیں کر سکتا تھا۔ مارک اس کا اکلوتا بیٹا تھا۔

اس کی نظر ڈیمین پر پڑی اور جم کر رہ گئی۔ جو کچھ اس نے دیکھا، اس نے اس کی توجہ پوری طرح اپنی طرف مبذول کرالی۔

ڈیمین نیف کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے جواب میں نیف نے پال بوہر کو دیکھا۔ جبکہ پال بوہر پہلے ہی سے ڈیمین کو دیکھ رہا تھا۔ وہ عجیب مثلث تھی۔

لیکن رچرڈ کو اس مثلث کے بارے میں غور کرنے کا موقع نہیں ملا۔ کوئی اس کی آستین کھینچ رہا تھا۔ این آنسو سے بھیگا ہوا چہرہ لیے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی نگاہوں میں التجا تھی کہ وہ اپنا دھیان دعا پر رکھے۔

رچرڈ نے اس کا ہاتھ تھپ تھپایا اور قبر کو دیکھنے لگا۔ وہ کوشش کر رہا تھا کہ پادری کے الفاظ سنے۔ لیکن وہ ارتکاز سے محروم تھا۔ وہ تو گزشتہ چند روز کے واقعات کو ترتیب دینے کی کوشش کر رہا تھا، جو اس کے ذہن میں گڈ مڈ ہو گئے تھے۔

اسے ڈاکٹر فیڈلر کے دفتر میں ہونے والی گفتگو یاد آئی۔ وہ پوسٹ مارٹم کے فوراً بعد کی بات تھی۔

''یہ کیسے ممکن ہے۔'' اس نے ڈاکٹر سے پوچھا تھا۔'' آپ تو اسے اس وقت سے جانتے ہیں، جب وہ پیدا ہوا تھا۔ کوئی علامت تو ظاہر ہوئی ہوتی پہلے سے۔''

ڈاکٹر نے سوگواری سے سر ہلایا۔ ''ایسا میں پہلے بھی دیکھ چکا ہوں۔'' وہ بولا۔'' بہت نارمل اور ہر اعتبار سے صحت مند لوگ ہوتے ہیں۔ لیکن ان کے دماغ میں موجود یہ چیز ذہنی دباؤ کا انتظار کرتی رہتی ہے۔ ایک پتلی سی دیوار ہوتی ہے آرٹری کی۔ پھر دیوار گر جاتی ہے......'' ڈاکٹر نے بے بسی سے ہاتھ پھیلا دیے۔ اس کے انداز میں ہمدردی تھی۔

اچانک این نے مداخلت کی۔ ''تو یہ پیدائشی نقص تھا؟''

ڈاکٹر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔'' امکانات تو یہی ہیں۔ آئی ایم سوری۔ آئی ایم ویری سوری۔''

تمہیں مجھ سے زیادہ افسوس تو نہیں ہو سکتا۔ رچرڈ نے سوچا تھا۔

تدفین کے بعد سوگوار چھوٹے چھوٹے گروہوں کی شکل میں ہٹنے لگے۔ بارش اچانک تیز ہو گئی تھی۔ سب نے جلد جلدی تعزیت کی رسم پوری کی۔ پھر اپنی اپنی گاڑیوں کی طرف لپکے۔

رچرڈ سب سے آخر میں اپنی لیموزین کی طرف بڑھا۔ این اور ڈیمین اس کے ساتھ تھے۔ اس نے مرے کو گاڑی چلانے کا اشارہ کیا۔

گاڑی آگے بڑھ گئی۔

۞......۞......۞

اگلے ہفتے آدھی رات کے بعد نیو یارک سے ایک کال آئی۔ فون کرنے والا ایک پادری تھا۔

فون رچرڈ نے ریسیو کیا تھا۔

''آپ فوراً آجائیں۔ آپ کا دوست چارلس وارن بہت برے حال میں ہے۔ وہ بار بار آپ کو بلاتا ہے۔''

رچرڈ نے فوری طور پر ضروری چیزیں سوٹ کیس میں ڈالیں اور روانگی کے لیے تیار ہو گیا۔

''ایسا کیا ضروری کام ہے؟'' این نے اسے روکنے کی کوشش کی۔

''نہیں این۔ مجھے فوری طور پر جانا ہے۔''

''تو صبح چلے جانا۔''

''نہیں میں اسی وقت جاؤں گا'' پھر وہ ایک دم مشتعل ہو گیا۔ ''میں جانا نہیں چاہتا۔ لیکن مجھے جانا ہے'' وہ چلایا۔

این بستر سے اٹھ بیٹھی اور اس نے سگریٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس کا ہاتھ لرز رہا تھا۔ ''تم فون پر چارلس سے بات تو نہیں کر رہے تھے۔'' اس نے کہا۔ ''آخر نیویارک جانے کی کیا ضرورت ہے۔ جبکہ چارلس وارن نے خود کو اس فیملی کا اچھا دوست ثابت نہیں کیا؟''

''وہ کسی مشکل میں ہے اور اسے میری مدد کی ضرورت ہے۔''

''ہمیں بھی تمہاری ضرورت ہے۔'' این نے دھیرے سے کہا۔

رچرڈ نے سر گھما کر اسے دیکھا۔ ''میں جلد از جلد واپس آنے کی کوشش کروں گا'' اس نے جھک کر این کے رخسار کو بوسہ دیا۔ پھر وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

''صبح ڈیمین سے کیا کہوں؟'' این نے پوچھا

رچرڈ ہچکچایا۔ اس بارے میں تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔ ''اس سے کہنا...... اس سے کہنا کہ نیویارک میں کسٹمز کا کوئی ارجنٹ مسئلہ تھا۔ اس لیے مجھے جانا پڑا۔ کچھ بھی کہہ دینا۔ مگر اسے حقیقت نہ بتانا۔'' یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گیا۔

وہ دبے پاؤں نیچے اترا۔ نیچے مرے گاڑی لیے اس کا منتظر تھا۔ اس نے یہ نہیں دیکھا کہ ڈیمین کے کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا ہے اور بلی جیسی دو زرد چمکیلی آنکھیں اسے گھور رہی ہیں۔

❂............❂............❂

رچرڈ جیٹ طیارے میں بیٹھا۔ انجن اسٹارٹ ہوا اور طیارہ رن وے پر دوڑنے لگا

طیارہ فضا میں بلند ہوا۔ اس کی پرواز میں ہمواری آتے ہی رچرڈ نے اوپر لگی لائٹ کا سوئچ آن کیا اور بیوگن ہیگن کا خط بریف کیس سے نکال لیا۔ وہ جانتا تھا کہ اسے بہت کچھ سوچنا ہے...... اس سے پہلے بہت کچھ جذب کرنا ہے۔ اس کی چھٹی حس اسے بتا رہی کہ وقت زیادہ نہیں ہے۔ جو کچھ بھی کرنا ہے۔ فوری طور پر کرنا ہوگا۔ اس نے گھڑی میں دیکھا۔ صبح کے ساڑھے چار بجے تھے۔ وہ ساڑھے سات ...... زیادہ سے زیادہ آٹھ بجے تک نیویارک پہنچ جائے گا...... نیویارک کے وقت کے مطابق۔ یعنی اس وقت جب نیویارک شہر انگڑائی لے کر بیدار ہو رہا ہوگا۔

اس نے خط کھولا اور پڑھنے لگا۔ وہ اسے چوتھی یا پانچویں بار پڑھ رہا تھا۔

اس کے جسم میں تھرتھری دوڑ گئی۔ واقعی ...... اموات کا کیسا سلسلہ تھا۔ پچھلے چند ماہ میں کتنی موتیں ہوئی تھیں ...... مگر اتفاقات اتنے تواتر

سے ہوں تو گڑبڑ کا احساس تو ہوتا ہے۔ اور اب تو کڑیاں ملتی جارہی تھیں۔

سب سے پہلے آنٹی ماریان تھیں۔ آخری رات ان کے کہے ہوئے الفاظ اس کی سماعت میں گونجے۔ ڈیمین اچھے اثرات چھوڑنے والا لڑکا نہیں ہے۔ کیا یہ بات تم اب تک نہیں سمجھ سکے ہو؟ کیا تم مارک کو تباہ کر دو گے...... اسے برباد کر دو گے؟

پھر وہ خاتون رپورٹر تھی...... جو آن ہارٹ۔ اس کے حصے میں بہت خوف ناک موت...... اذیت ناک موت آئی تھی۔ اور وہ تو اخبار میں چھپی مختصر خبر کے حوالے سے بات کہہ رہا تھا۔ حقیقت تو کسی کو معلوم ہی نہیں تھی۔

اور جو آن نے کہا تھا...... آپ سمجھ نہیں رہے ہیں کہ آپ کو کتنا سنگین خطرہ لاحق ہے۔ کرائسٹ پر اپنا ایمان تازہ کریں...... پختہ کریں۔ اور پھر بل ایتھرٹن۔ ناقابل یقین حد تک خوف ناک موت! مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا اس معاملے سے کیا تعلق ہو سکتا تھا۔ ایسے ہی پساریان کی موت بھی غیر متعلق معلوم ہو رہی تھی۔

وہ خط پڑھتا رہا۔ اس کے جسم میں تھرتھری دوڑتی رہی۔

اسے اپنی کمپنی کا خیال آیا...... دنیا کی عظیم ملٹی نیشنل کارپوریشنز میں سے ایک۔ اور ایک دن ڈیمین اس کا مالک ہوگا۔ اور رچرڈ سے زیادہ کون جانتا تھا کہ تھورن انڈسٹریز کیسی طاقت اور قوت کا سرچشمہ ہے۔ اس بارے میں سوچتے ہوئے ذہن کی مزید گرہیں کھلنے لگیں۔ بات سمجھ میں آنے لگی۔ بوہر چاہتا تھا کہ تھورن انڈسٹریز غذائی اجناس کی پروڈکشن اور ڈسٹری بیوشن کے میدان میں قدم رکھے۔ لیکن ایتھرٹن اس کی راہ میں مزاحم تھا۔ اور بل ایتھرٹن مر گیا تھا۔ اور وہ جس انداز میں مرا تھا، وہ پراسرار تھا۔ اسے قتل تو نہیں کہا جا سکتا تھا۔ لیکن یہ قدرتی موت نہیں تھی۔ وہ تو حادثہ تھا۔ تو کیا اس حادثے میں شیطانی قوتوں کا ہاتھ تھا

ہاں...... انجام بتاتا تھا کہ ایسا ہی ہے۔ اور انجام کیا تھا؟ پال بوہر کمپنی کا صدر بن گیا۔ اور اس کے منصوبے پر فوراً عمل درآمد شروع ہو گیا تھا۔ لیکن رکاوٹیں پیش آرہی تھیں۔ اور رکاوٹیں اس انداز میں دور کی جارہی تھیں، جیسے بل ایتھرٹن نامی رکاوٹ کو دور کیا گیا تھا۔ پساریان کو اس بات کا پتہ چل گیا تھا۔ چنانچہ اس کے حصے میں بھی اسی طرح کی موت آئی۔

اس طرح، اصل منصوبے کے مطابق ایک دن آئے گا کہ ڈیمین کو ترکے میں تھورن کارپوریشن ملے گی۔ اور اس کے ذریعے وہ پوری دنیا کے وسائل خورد و نوش کو پوری طرح کنٹرول کر رہا ہوگا۔ غذا...... انسان کی سب سے بڑی ضرورت! غذا...... فراہم کرنے والوں کے لیے سب سے بڑی طاقت!!

رچرڈ کو مارک کی تدفین کا منظر یاد آیا۔ اس نے تعلقات کی وہ مثلث دیکھ لی تھی...... ڈیمین، بوہر اور نیف کے درمیان معنی خیز نگاہوں کا تبادلہ ہو رہا تھا۔ مگر یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ نیف اس تصویری معمے میں کہاں فٹ ہوتا ہے۔

بائبل میں لکھا تھا کہ ڈریگون کی پوجا کی جاتی ہے۔ شیطان کے پجاری ڈریگون کی پوجا کرتے ہیں۔ اس لیے کہ شیطانی درندے میں طاقت کی روح ڈریگون ہی پھونکتا ہے۔ شیطان کے پجاری کہتے ہیں...... کون ہے جو اس سے لڑ سکے۔

ڈریگون!

تو ممکن ہے کہ نیف ڈریگون ہو ملٹری کا اسٹریٹجسٹ تھا۔ وہ اس کی تربیت کرے گا...... اسے سکھائے گا کہ کیسے......

'وہ ولیوں سے جنگ کرے گا اور انہیں زیر کرے گا۔ اسے تمام زبانوں پر عبور حاصل ہے۔ تمام قوموں پر اس کی بالادستی ہے اور وہی شہزادوں کے شہزادے کے مقابل کھڑا ہوگا......

اب رچرڈ سے پڑھا نہیں جا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں جل رہی تھیں۔ سوچیں دھندلا رہی تھیں۔ اب اس کا ذہن صاف اور واضح طور پر سوچنے کی صلاحیت سے محروم ہوگیا تھا۔ اسے آرام کی ضرورت تھی...... آرام کی اور چند گھنٹے کی نیند کی!

جس رات وارن اسے سلائیڈز دکھا رہا تھا، اس نے کہا تھا...... اس بات کی متعدد نشانیاں ظہور میں آ چکی ہیں کہ دنیا کے خاتمے کا وقت بہت قریب آ چکا ہے۔ اس پر این ہنس دی تھی۔ مگر وارن نے ان نشانیوں کے متعلق بتایا تھا اور وضاحت کی تھی۔ سیلاب اور زلزلوں کی کثرت، جنگیں، نفرتیں، اندھیرے......

رچرڈ اب ان چونکا دینے والے واقعات پر غور کر رہا تھا، جو پچھلے عرصے میں دنیا میں رونما ہوئے تھے۔ مشرق وسطیٰ جیسے کسی آتش فشاں کے دہانے پر دھرا ہوا تھا۔ وہاں ایک دھماکہ کسی بھی عالمی جنگ کا سبب بن سکتا تھا۔ ایسی عالمی جنگ کا، جس کے نتیجے میں عین ممکن تھا کہ دنیا میں کچھ بھی نہ بچے۔

دوسری طرف نیوکلیائی گندگی بہت بڑھ چکی تھی۔ ایٹمی پھیلاؤ حد سے گزر چکا تھا۔ ہر قوم کے پاس خواہ وہ صنعتی ہو یا نہ ہو، کسی نہ کسی طرح ایٹمی ہتھیار موجود تھے۔ کسی بھی وقت کوئی دہشت گرد پہلا دھماکہ کر کے مکمل تباہی کا آغاز کر سکتا تھا۔

اس سال صرف نیویارک ہی ایسا ترقی یافتہ شہر نہیں تھا، جو اندھیرے میں ڈوب گیا ہو۔ لندن، پیرس، ٹوکیو اور ماسکو، ہر جگہ پراسرار انداز میں پاور فیل ہونے کے واقعات ہوئے تھے ہر موقع پر شبہ کیا گیا کہ یہ سبوتاژ کی کاروائی ہے۔ لیکن ثبوت کوئی نہیں تھا۔ اور جہاں بھی اس طرح کا واقعہ ہوا تھا، وہاں چوریوں کے، قتل کے، ریپ کے اور ایسے واقعات کثرت سے ہوئے تھے کہ انسانیت بھی منہ چھپا کر بیٹھ گئی تھی۔ یہ ثابت ہوگیا تھا کہ تہذیب صرف سطح پر ہے۔ ورنہ ہر آدمی درندہ ہے۔

ایک پہلو یہ بھی تھا کہ انسان مشین بن گیا تھا۔ ان کے ہر ردعمل کے پیچھے نہ کوئی حساسیت تھی نہ انسانی ہمدردی۔ وہ تو ایک بھاگ دوڑ میں لگے ہوئے تھے۔ وہ سب دوڑ رہے تھے، اپنی دھن میں ایسے لگے ہوئے تھے کہ ان کے پاس سوچنے اور سمجھنے کی فرصت نہیں تھی۔ کسی کو کسی اور کی طرف دیکھنے کی فرصت نہیں تھی۔

اور موسموں کا مزاج الگ تبدیل ہو رہا تھا۔ اور اس میں تبدیلی کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ وہاں برف باری ہونے لگی تھی، جہاں کبھی برف باری نہیں ہوئی تھی۔ جہاں بارشیں کثرت سے ہوتی تھیں وہاں اب خشک سالی کا ڈیرہ تھا۔ اور جہاں بارشیں نہیں ہوتی تھیں، وہاں اب سیلاب آ رہے تھے۔ طوفانوں اور زلزلوں نے دنیا کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

رچرڈ اب مزید جاگ نہیں سکتا تھا۔اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ تھکن اور مسلسل جاگنے کی وجہ سے وہ نڈھال ہو گیا تھا۔تھوڑی ہی دیر میں وہ گہری نیند سو گیا۔

٭٭٭

تھورن انڈسٹریز کا طیارہ لاگارڈیا ایر پورٹ پر اترا تو سورج افق سے سر اٹھا رہا تھا۔صبح کی کرنوں میں بہت نرمی تھی۔ رچرڈ تھورن نے انگڑائی لیتے ہوئے گھڑی میں وقت دیکھا۔صبح کے ساڑھے سات بجے تھے۔

اچانک ہی اسے اپنے بے وقوف ہونے کا احساس ستانے لگا۔اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ آدھی رات کو کسی اجنبی پادری نے اسے فون کیا اور بتایا کہ چارلس وارن کو اس کی ضرورت ہے۔اور وہ اسی وقت سوٹ کیس پیک کر کے ایک ہزار میل دور چلا آیا۔یہ بے وقوفی نہیں تو کیا ہے۔

اور چارلس وارن سے اس کی آخری ملاقات کیسی تھی۔ان کے درمیان تلخی ہوئی، اس نے سخت گفتگو کی، اس سے گھر سے نکل جانے کو کہا اور وارن بہت ناخوش اس کے گھر سے رخصت ہوا تھا۔اس وقت اسے یقین تھا کہ اب وہ کبھی اچھی طرح نہیں ملیں گے۔

اس رات وارن نے جو کچھ بتایا تھا، اس نے بڑی ہٹ دھرمی سے اسے مسترد کر دیا تھا۔لیکن اب اس کا ذہن انھی باتوں کو قبول کر رہا تھا۔ اور اب وہ چاہتا تھا کہ وہ اس معاملے کو انجام تک پہنچائے۔

اسے یقین تھا کہ وارن نے یگائیل کی دیوار دیکھ لی ہے۔اور وہ چاہتا تھا کہ وہ بھی اس دیوار کو دیکھے۔اور اب وہ اس دیوار کو دیکھنا چاہتا تھا ۔اسے اس بات پر پریشانی تھی کہ جو فون وارن کو کرنا چاہیے تھا، وہ اس اجنبی پادری نے کیوں کیا۔شاید وارن نے شیطانی قوتوں سے بچاؤ کے لیے کسی روحانی تحفظ کا اہتمام کیا ہو۔

ٹرمینل سے نکل کر اس نے ٹیکسی لی۔اس نے پادری کا سمجھایا ہوا پتا ٹیکسی ڈرائیور کو سمجھایا۔ٹیکسی ڈرائیور نے اسے حیرت سے دیکھا ،کندھے جھٹکے اور میٹر کا فلیگ گرا دیا۔

ٹیکسی روانہ ہو گئی۔

سفر کے دوران رچرڈ کو وہ تند و تیز سیاسی بحث یاد آئی، جو کبھی اس کی اپنے بھائی سے ہوئی تھی۔رابرٹ نے لینن کے ایک قول کے حوالے سے وہ بحث جیت لی تھی۔یہ رابرٹ کا اسٹائل تھا۔ضرورت پڑنے پر وہ مخالف کیمپ کی دلیل بھی استعمال کر لیتا تھا۔اس وقت اسے لینن کا وہ قول یاد آ گیا۔لینن نے کہا تھا......میں ہر عمل سے پہلے لازمی طور پر یہ سوچتا ہوں کہ اس کا فائدہ کسے پہنچے گا؟

اب رچرڈ تھورن گزشتہ رات سے اب تک کی ہر بات کو اس سوال کی روشنی میں چیک کر رہا تھا۔اسے یقین تھا کہ اس کا رویہ نری جذباتیت پر مبنی ہے۔وہ اس تصویری معمے کو مکمل کرنے کے لیے ضرورت سے زیادہ بے چین اور بے تاب رہے۔لیکن جب اس نے اس سوال کی روشنی میں پڑتال شروع کی تو وہ حیران ہو گیا۔ہر سوال کا جواب ایک ہی تھا......اس کا فائدہ ڈیمین کو پہنچے گا۔

آنٹی ماریان کی موت کا فائدہ ڈیمین کو پہنچا۔ایتھرٹن اور پساریان کے معاملے میں بھی یہی جواب تھا۔اور رچرڈ کو اسپتال کا وہ ڈاکٹر یاد آیا

، جو ڈیمین کے مزید ٹیسٹ لینا چاہتا تھا۔ اسے بھی حادثاتی موت نصیب ہوئی تھی۔ اور مارک کی موت میں تو ڈیمین کو سراسر فائدہ ہی تھا۔

اب ڈیمین کے راستے کی رکاوٹ صرف دو لوگ رہ گئے تھے۔ خود رچرڈ اور اس کی بیوی این تھورن۔ یہ دونوں رکاوٹیں دور ہو جاتیں تو دنیا کی سب سے طاقت ور کمپنی کا کنٹرول اس کے ہاتھ میں ہوتا۔ وہ اور اس کی بیوی!

اس لمحے رچرڈ کی سمجھ میں پوری طرح آ گیا کہ چارلس وارن اس سے ملنے کیوں آیا تھا۔ وہ اسے یہ سمجھانے اور قائل کرنے کے لیے آیا تھا کہ اسے اپنے بھائی رابرٹ کے بیٹے ڈیمین کو ہر قیمت پر قتل کرنا ہے۔

سات سال پہلے بیوگن بیگن نے رابرٹ تھورن کو اس بات پر قائل کر لیا تھا اور رابرٹ نے کوشش بھی کی تھی۔ مگر نتیجہ اس کی موت کی صورت میں نکلا۔ اور خود بیوگن بیگن بھی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔

میں یہ کس رو میں بہے جا رہا ہوں۔ مجھے پرسکون رہنا ہے۔ معقولیت کے ساتھ سوچنا ہے۔ یہ معاملہ بہت بڑا ہے۔ اس نے خود کو سمجھایا۔

''کرایہ ادا کریں اور یہ بھی بتا دیں کہ میں رکوں یا چلا جاؤں۔'' ڈرائیور نے رچرڈ کو چونکا دیا۔

رچرڈ معذرت طلب انداز میں بڑبڑایا۔ اس نے جیب سے پرس نکالا۔ کرایہ تیس ڈالر تھا۔ رچرڈ نے ڈرائیور کو خاصی معقول رقم تھما دی۔ ''اگر تم رکے رہے تو میں تمہیں اس سے بھی زیادہ دوں گا۔'' اس نے ڈرائیور سے کہا۔

ٹیکسی سے اتر کر اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ وہ ایک پرانا اور بوسیدہ چرچ تھا۔ دیکھنے میں وہ متروک لگتا تھا۔ قریب ہی ایک ریلوے یارڈ تھا۔

رچرڈ آگے بڑھا اور اس نے چرچ کے دروازے پر دباؤ ڈالا۔ دروازہ کھل گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ ٹیکسی اب بھی وہیں کھڑی تھی۔ شاید اس کی ترغیب کامیاب ثابت ہوئی تھی۔ ڈرائیور پشت گاہ سے ٹیک لگا کر آرام سے بیٹھ گیا تھا۔ بلکہ شاید سو رہا تھا۔

رچرڈ پلٹا اور چرچ میں داخل ہو گیا۔

چرچ کا اندر بھی وہی حال تھا، جو باہر نظر آیا تھا۔ وہاں سیلن کی بو رچی ہوئی تھی۔ بنچیں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ کھڑکیوں کے شیشوں پر ایسے دھبے تھے، جیسے برسوں سے انہیں نہیں دھویا گیا ہو کچھ کھڑکیاں تو شیشوں سے محروم بھی تھیں۔ وہاں اگر خوشبو نہ ہوتی تو رچرڈ اسے متروک چرچ ہی سمجھتا۔

وہ قربان گاہ کی طرف بڑھا۔

وہ ریلنگ کے پاس پہنچا ہی تھا کہ بالکل اچانک اس کے بائیں جانب ایک دروازہ کھلا اور ایک پستہ قامت اور کبڑا پادری نمودار ہوا۔ ''مسٹر تھورن؟'' اس نے پوچھا۔

رچرڈ نے سر کو اثباتی جنبش دی۔

پادری لنگڑاتا ہوا آگے بڑھا اور اس سے ہاتھ ملایا۔ ''میں فادر ویسٹن ہوں مسٹر تھورن۔ آپ کا شکریہ کہ آپ تشریف لائے۔ ڈاکٹر وارن آپ کے منتظر ہیں۔'' اس نے قربان گاہ کی داہنی جانب ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ پھر خود لنگڑاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔

رچرڈ اس کے پیچھے چل دیا۔ ''آپ نے مجھے فون کیا۔ میں شکر گزار ہوں۔'' اس نے سرگوشی میں کہا۔ ''یہ بتائیں، ڈاکٹر وارن کا کیا مسئلہ کیا ہے۔''

پادری نے نفی میں سر ہلایا۔ ''انھوں نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔'' وہ بولا۔ ''بس اتنا بتا سکتا ہوں کہ اتنا دہشت زدہ میں نے کبھی کسی کو نہیں دیکھا۔''

وہ دروازے تک پہنچ گئے تھے۔ پادری نے دروازے پر دستک دی۔

''دوسری طرف سے ایک بھرائی ہوئی آواز نے پوچھا کون ہے؟'' آواز وارن کی ہرگز نہیں لگ رہی تھی۔

''مسٹر تھورن آئے ہیں۔'' پادری نے پکارا۔

دروازہ کھل گیا۔ وارن سامنے کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کر لگتا تھا کہ اس پر کسی بہت سریع الاثر اور بہت خوف ناک بیماری نے حملہ کیا ہے۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اور چہرہ استخوانی ہو گیا تھا۔ شیو بڑھا ہوا تھا اور اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ اس نے لرزتے ہاتھوں میں ایک چھوٹی صلیب تھامی

ہوئی تھی۔

''رچرڈ.....تم آ گئے۔'' اس نے خوف سے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

''ہاں چارلس۔''

چارلس وارن آگے کی طرف جھپٹا۔ اس نے رین کوٹ کا کالر تھام کر اسے کمرے میں ہی گھسیٹ لیا۔ پھر اس نے دروازہ صرف بند نہیں کیا، بلکہ لاک کر دیا۔ رچرڈ تھورن کو اپنا توازن بحال کرنے میں چند لمحے لگے۔ پھر اس نے بڑے غور سے چارلس کو دیکھا کہ اسے لگ رہا تھا چارلس پاگل ہو گیا ہے۔ ''چارلس.....جیسے ہی مجھے فون موصول ہوا، میں فوراً نکل کھڑا ہوا.....'' اس نے کہا۔

لیکن چارلس جیسے اس کی بات سن نہیں رہا تھا۔ اس کی نگاہیں تو جیسے کسی غیر مرئی نکتے کو گھور رہی تھی۔ ''شیطان واقعی آ چکا ہے۔ وہ ہمارے درمیان موجود ہے رچرڈ۔'' اس نے سرگوشی میں کہا۔ ''یہ سچ ہے۔ سب سچ ہے۔ میں نے یگائیل کی دیوار دیکھ لی ہے۔''

''چارلس پلیز میری بات سنو۔''

''میں نے دیکھ لیا۔ یہ سب بہت خوف ناک ہے۔'' چارلس پر تھرتھری چڑھنے لگی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ ''جبھی تو جوآن ہارٹ پاگل ہوئی جا رہی تھی.....بے چاری۔ اور بیوگن ہیگن.....''

رچرڈ آگے بڑھا اور اس نے چارلس کو کندھوں سے تھام لیا۔ ''خود کو سنبھالو چارلس۔'' اس نے کہا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ وہی آدمی ہے جو برسوں سے نہایت مستعدی اور کامیابی کے ساتھ اس کا میوزیم چلاتا رہا ہے۔ وہ شخص جو برسوں سے اس کا بہت قریبی دوست تھا وہ سوچ رہا تھا کہ اگر یہ معاملہ واقعی خدا کا ہے، تو یہ بھی سچ ہے کہ خدا اپنے حلیفوں کی مدد نہیں کر رہا ہے۔

چارلس وارن کی کپکپاہٹ معدوم ہو گئی۔ اب وہ بہت امید بھری نظروں سے رچرڈ کو دیکھ رہا تھا۔ ''رچرڈ.....کیا اب تمہیں میری باتوں پر یقین آ گیا ہے؟'' اس کے لہجے میں بھی امید اور التجا کا امتزاج تھا۔ ''یا تم مجھے پاگل سمجھ رہے ہو؟''

رچرڈ اب بھی اس کے کندھے تھامے ہوئے تھا۔ ابھی وہ اس سے یہ کہنا نہیں چاہتا تھا کہ اسے یقین آ گیا ہے۔ کم از کم ابھی نہیں وقت کا تقاضہ تھا کہ ان میں سے ایک تو ہوش مندی کے ساتھ سوچے۔ عقل سے کام لے۔

لیکن ایک کام کرنا بہت ضروری تھا۔ رچرڈ وہ دیوار دیکھنا چاہتا تھا۔

''یگائیل کی دیوار کہاں ہے؟'' اس نے پوچھا۔

✡.........✡.........✡

وہ ریل کی پٹریوں پر چل رہے تھے۔ چارلس وارن آگے آگے تھا۔ وہاں کچھ بوگیاں ایسی تھیں، جن پر تھورن انڈسٹریز کا مونوگرام تھا۔

چارلس وارن اپنی مٹھی میں اب بھی صلیب دبوچے ہوئے تھا۔ اور اب وہ پہلے سے زیادہ دہشت زدہ نظر آ رہا تھا۔ کبھی وہ چلتے چلتے رکتا اور آسمان کو ٹٹولنے والی نگاہوں سے دیکھنے لگتا۔

''کیا دیکھ رہے ہو تم؟'' رچرڈ نے اس سے پوچھا۔

لیکن اب چارلس وارن سے بولا نہیں جا رہا تھا۔ الفاظ اس کے منہ سے ٹوٹ ٹوٹ کر نکل رہے تھے......اور وہ بھی منمناتی ہوئی آواز میں۔ ''نہیں......ابھی نہیں......فی الحال تو نہیں......لیکن ذرا دیر میں......''

وہ ریلوے یارڈ کے ایک ایسے حصے میں پہنچ گئے۔ جہاں تھورن انڈسٹریز کی ایک کنٹینر کار کھڑی تھی۔ یہاں سے وہ جگہ بہت قریب تھی، جہاں ریل کی پٹریاں ختم ہو رہی تھی۔

چارلس وارن نے ٹرالر کے دروازے کا قفل کھولا اور رچرڈ کو اندر جانے کا اشارہ کیا۔

رچرڈ نے اسے دیکھا۔ ''تم اندر نہیں آؤ گے؟''

چارلس نے نفی میں سر ہلایا اور ایک بار پھر آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اچانک اس کا جسم تنا اور جیسے ٹھٹھر کر رہ گیا۔ ایسا لگتا تھا کہ اس نے کوئی بہت دہشت زدہ کر دینے والی چیز دیکھ لی ہے۔

رچرڈ تھورن نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں آسمان کی طرف دیکھا۔ ان کے سروں سے کوئی بیس فٹ اوپر بہت جسیم سیاہ کوا چھوٹے چھوٹے دائروں میں چکراتا ہوا پرواز کر رہا تھا۔ پھر اس نے چارلس کو دیکھا، جو سینے سے صلیب لگائے ٹرالر سے چپکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''کم آن چارلس۔ یہ محض ایک کوا ہی تو ہے۔'' رچرڈ نے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

چارلس وارن نے نفی میں سر ہلایا۔ اس کی نگاہیں کوے پر جمی ہوئی تھیں۔ اور وہ اپنی جگہ سے ہلنے کو تیار نہیں تھا۔

رچرڈ نے ایک گہری سانس لی اور اکیلا ہی ٹرالر میں داخل ہو گیا۔

ٹرالر میں ہر سائز کے کریٹ تھے، جو بڑی صفائی اور مضبوطی سے پیک کیے گئے تھے۔ سوائے ایک کے، جس کی آدھی پیکنگ ادھیڑ دی گئی تھی۔ لگتا تھا، کسی نے بہت جلدی میں، بہت بے تابی میں اسے کھولنے کی کوشش کی ہے۔

رچرڈ اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اس دوران ریلوے یارڈ کے ایک اور حصے میں بہت بھاری بوگیوں کی ایک قطار اچانک پیچھے کی طرف حرکت کرنے لگی۔ بھاری بوگیاں ایک دوسرے سے ٹکرائیں اور پھر پوری قطار حرکت میں آ گئی۔ ان کا رخ تھورن انڈسٹریز کے ٹرالر کی طرف تھا، جو اپنی الگ پٹری پر کھڑا تھا۔

ٹرالر کے باہر مٹھی میں صلیب دبائے چارلس وارن نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور اس کے ہونٹ بے آواز ہل رہے تھے۔ وہ دعا کر رہا تھا۔

برابر والی پٹری پر ایک ٹرین سیٹی بجاتی ہوئی تیز رفتاری سے گزری۔ اس کی گڑگڑاہٹ نے چارلس کا توازن بگاڑ دیا اور وہ زمین پر گر پڑا۔ وہ اٹھا اور ٹرالر کے اگلے حصے کی طرف بڑھا۔ تاکہ وہاں ٹیک لگا کر کھڑا ہو سکے۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ کچھ ہونے والا ہے......ایسا کچھ جسے وہ کسی طرح سے روک نہیں سکتا تھا۔

ٹرالر میں رچرڈ نے کریٹ سے کچھ پیکنگ میٹیریل نکال کر باہر رکھا۔ اب اسے کریٹ کے اندر دیوار کا ایک حصہ نظر آ رہا تھا۔ وہ پتھر جیسی چیز

تھی، جس پر پینٹ کیا گیا تھا۔اور واضح طور پر صدیوں پرانی لگ رہی تھی۔رنگ کہیں کہیں سے اڑ گئے تھے۔اور عمومی طور پر پھیکے پڑ گئے تھے۔

پھر دیوار کے ایک اور حصے پر رچرڈ کی نظر پڑی۔اس پر ایک چھوٹے بچے کی تصویر تھی لیکن رنگ اڑ جانے کی وجہ سے غیر واضح لگ رہی تھی رچرڈ نے مزید پیکنگ میٹریل باہر نکالا۔

باہر بوگیوں کی قطار نے رفتار پکڑ لی تھی۔اگلی بوگی کے دونوں بمپر بے حد زنگ آلودہ تھے اور خوف ناک لگ رہے تھے۔یہ قطار اب وہاں پہنچ رہی تھی جہاں کانٹے کی مدد سے پٹریاں تبدیل کی جاتی تھی۔

بوگیوں کی اس قطار نے خود بہ خود پٹری تبدیل کر لی۔اب وہ اس پٹری پر آ گئی تھیں، جس پر تھورن انڈسٹریز کا ٹرالر کھڑا تھا۔

چارلس وارن نے پھر آنکھیں بند کر لی تھیں اور دعائیں پڑھ رہا تھا۔اوپر آسمان پر جسیم کو اب بھی چکرائے جا رہا تھا۔مگر اب واضح طور پر اس کی رفتار بڑھ گئی تھی۔

ٹرالر میں رچرڈ نے کریٹ کے ایک اور حصے کو کھولا۔اس میں شیطان کی پینٹنگ تھی۔اس میں وہ بالغ تھا۔لیکن وہ تصویر بھی واضح نہیں تھی۔

کیا میں پاگل ہو گیا ہوں؟ اس نے سوچا۔یہاں کوئی ثبوت نہیں ہے۔

لیکن اس کے اندر اصرار امنڈ پڑا۔نہیں......اسے ہر پینٹنگ دیکھنی ہوگی۔

اس نے پورا کریٹ کھول ڈالا۔

اور بالآخر اس کی نگاہوں کے سامنے پینٹنگ میں وہ چہرہ صاف اور واضح موجود تھا......وہ چہرہ...... چند برس پہلے کا چہرہ۔اور رچرڈ تھورن اس چہرے کو بہت اچھی طرح پہچانتا تھا۔

وہ ڈیمین کا چہرہ تھا!

کچھ تھوڑا بہت فرق بہر حال تھا۔تصویر کے چہرے میں سر پر بالوں کی بجائے دوشاخہ زبانوں والے سانپ پھنکارتے محسوس ہو رہے تھے۔اور آنکھیں انسانی نہیں تھیں۔وہ بلی کی زرد آنکھیں تھیں۔لیکن اس سے قطع نظر وہ چہرہ وہ ڈیمین کا چہرہ تھا۔اس میں کوئی شک وشبے کی گنجائش نہیں تھی۔

اس وقت آوارہ بوگیوں کی وہ قطار تھورن انڈسٹریز کے ٹرالر کے پاس پہنچ چکی تھی۔چارلس وارن اپنی دعا میں مستغرق تھا۔آواز سن کر اس نے آنکھیں کھولیں تو دہشت زدہ ہو کر رہ گیا۔

زنگ آلودہ بمپر بہت تیزی سے اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔اور اس کے دیکھتے دیکھتے ان کی ساخت بدلنے لگی۔وہ نکیلے ہو گئے۔

چارلس کے پاس مہلت ہی نہیں تھی۔وہ دیکھنے کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔نکیلے بمپر اس کے جسم میں گھس گئے اور اسے تھورن انڈسٹریز کے ٹرالر کے اگلے حصے سے یوں چپکا دیا، جیسے تتلی کو البم میں چپکا دیا جاتا ہے۔

اس کے منہ سے اذیت بھری چیخ نکلی۔اس نے ہاتھ پاؤں چلائے۔لیکن اسے اندازہ ہو گیا کہ یوں وہ اپنی اذیت اور بڑھا رہا ہے۔

جھٹکا اتنا شدید تھا کہ ٹرالر کے اندر رچرڈ ایک طرف جا پڑا۔وہ چت گرا تھا۔اس نے یگانیل کی دیوار کو اپنی طرف جھکتے ہوئے دیکھا......اور

وہ بھی بہت تیزی سے۔ وہ خود بھی بڑی تیزی سے حرکت میں آیا۔ وہ گرتی ہوئی دیوار کی زد میں آنے سے بال بال بچا تھا۔ دیوار ٹرالر کے فرش پر عین اس جگہ گری، جہاں ایک لمحہ پہلے وہ چت پڑا تھا۔ دیوار فرش سے ٹکراتے ہی چھوٹے چھوٹے لاکھوں ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر بکھر گئی۔

جس ثبوت کی تلاش میں وہ اتنی دور آیا تھا۔ وہ ضائع ہو چکا تھا،

لیکن اس کے پاس اس زیاں کے بارے میں سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ وہ جلدی سے ٹرالر سے نکلا اور چارلس کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔

ناقابل یقین بات تھی کہ چارلس وارن اب بھی زندہ تھا۔ اس کے منہ سے خون جاری تھا۔ جہاں بمپر اس کے سینے میں گھسے ہوئے تھے ،وہاں اس کی قمیص سیاہ ہو رہی تھی۔

''او مائی گاڈ...... چارلس، یہ کیا ہوا'' رچرڈ چارلس کی طرف لپکا۔

چارلس نے نقاہت بھرے انداز میں بہ مشکل اپنا ہاتھ بڑھایا...... وہ ہاتھ جس میں صلیب دبی تھی۔ ''یہ لے لو'' اس نے بھنچی بھنچی سرگوشی میں کہا۔

''اور...... اور خنجر بھی۔ اس لڑکے کو ہر حال میں ختم کرنا ہے۔''

''خنجر؟'' رچرڈ نے حیرت سے پوچھا۔ ''خنجر تمہارے پاس ہیں؟''

''بس تم چلے جاؤ۔ اس سے پہلے کہ دیر ہو جائے۔''

رچرڈ نے سر اٹھا کر دیکھا۔ کوا اب ٹرالر کی چھت پر بیٹھا تھا۔ اس کی نظریں رچرڈ کو اپنے وجود میں چبھتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ رچرڈ چارلس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ''خنجر کہاں ہیں؟'' اس نے چیخ کر پوچھا۔ اب اسے اپنی زندگی بھی خطرے میں محسوس ہو رہی تھی۔

لیکن چارلس مر چکا تھا۔ صلیب اس کے ہاتھ سے گر گئی تھی۔

رچرڈ دہشت زدہ ہو کر پیچھے ہٹا۔ اسی وقت کوا اڑا۔ اس کا رخ رچرڈ کی طرف تھا۔

رچرڈ تیزی سے گری ہوئی صلیب کی طرف جھپٹا اس نے صلیب ہاتھ میں لی۔ اور گھومتے ہوئے ہوا میں وار کیا۔ کوا اسی لمحے اس تک پہنچا تھا۔ صلیب نے کوے کو مس کیا۔ کوا بری طرح چیختا ہوا پلٹا اور مخالف سمت میں پرواز کرنے لگا۔ پھر وہ اس کے سر کے عین اوپر چکرانے لگا۔ اس کے انداز میں شدید برہمی تھی۔

رچرڈ صلیب کو اوپر اٹھاتے ہوئے بڑھا۔ کوا اور اوپر اڑنے لگا۔

رچرڈ بھاگ کھڑا ہوا...... اور بھاگتا رہا!

⁂ ⁂ ⁂

ڈیوڈسن ملٹری اکیڈمی میں اس شام تلوار دینے کی سالانہ تقریب ہو رہی تھی۔

تقریب ان ڈور پریڈ گراؤنڈ میں منعقد کی گئی تھی۔ کیڈٹوں کے والدین بالکونی میں جمع تھے۔

اس سال چھ کیڈٹوں کو اس اعزاز کے لیے منتخب کیا گیا تھا۔ ان میں ڈیمین بھی تھا اور آن جہانی مارک بھی۔ نیچے پانچوں کیڈٹ اس انداز میں کھڑے تھے کہ انہیں ایک نظر دیکھ کر ہی ایک کیڈٹ کی کمی کا احساس ہو جاتا تھا۔

دراز قد ڈیمین چہرے پر تفاخر سجائے تنا کھڑا تھا اور اپنی باری کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے دائیں بازو پر اب بھی سیاہ پٹی بندھی ہوئی تھی۔

این بالکونی میں کھڑی تھی۔ اور پال بوہر اس کے ساتھ تھا۔ این کو دیکھ کر لگتا تھا کہ کسی بھی لمحے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے گی۔ یہ بھانپتے ہوئے پال بوہر نے اس کی طرف ایک رومال بڑھایا۔ این نے تشکر آمیز مسکراہٹ کے ساتھ اسے قبول کر لیا۔

نیچے ایک کیڈٹ بگل لیے کھڑا تھا۔ کسی کو تلوار دی جاتی تو وہ بگل بجاتا۔

بالکونی کے اس طرف والے حصے میں خوب صورت لڑکیوں کا ایک گروپ بھی تھا۔ وہ سب ایک طرح کے گاؤن پہنے ہوئے تھیں۔ یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں تھا کہ ان سب کا تعلق ایک ہی اسکول سے ہے۔ ان میں ایک لڑکی بے حد نمایاں تھی۔ اس کی وجہ صرف یہ نہیں تھی کہ وہ بہار کی کسی نو دمیدہ کلی کی طرح دلکش اور تروتازہ اور سانس روک دینے والے حسن کی مالک تھی۔ اس کے نمایاں ہونے کی وجہ سیاہ سوٹ میں ملبوس دو تنومند مرد تھے، جو اس کے پیچھے دائیں بائیں کھڑے تھے۔ انہیں دیکھ کر کوئی بھی سمجھ سکتا تھا کہ وہ اس لڑکی کے باڈی گارڈ ہیں۔ لیکن لڑکی کون ہے، یہ شاید کوئی نہیں جانتا تھا۔

وہ الی نوائس کے گورنر کی اکلوتی بیٹی تھی!

پوری تقریب کے دوران اس لڑکی کی نظریں ایک لمحے کے لیے ڈیمین پر سے نہیں ہٹی تھیں۔

بالآخر ڈیمین کا نام پکارا گیا۔ وہ نپے تلے قدموں سے آگے بڑھا۔ اعزاز دینے والے سے ایک فٹ کے فاصلے پر اس نے دونوں ایڑیاں بجا کر اسے سلیوٹ کیا۔ اس وقت تمام لوگ پوری طرح سے اس کی طرف متوجہ تھے۔

بالکونی میں این نروس ہو رہی تھی۔ پال بوہر نے اس کا ہاتھ تھپتھپایا۔

ڈیمین نے اپنی تلوار وصول کی۔ تلوار دینے والے نے دوسری تلوار کی طرف ہاتھ بڑھایا:

''یہ بھی تمہیں وصول کرنی ہے۔'' اس نے کہا۔ ''یہ تمہارے کزن مارک تھورن کا اعزاز ہے جو اب ہمارے درمیان نہیں۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ وہ پوری طرح اس اعزاز کا مستحق تھا۔''

پورا ہال اور بالکونی تالیوں سے گونج اٹھی۔ این اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھنے لگی۔ سب سے بڑھ کر گورنر کی بیٹی تالیاں بجا رہی تھی۔

ڈیمین نے احتراماً سر خم کیا، دوسری تلوار لی اور اپنی جگہ جا کھڑا ہوا۔

اچانک تھورن فیملی کا شوفر مرے بالکونی میں آیا۔ وہ این کی طرف بڑھا اور اس نے سرگوشی میں این سے کچھ کہا۔

این نے سر کو تفہیمی جنبش دی اور پال بوہر کی طرف مڑی۔ ''مجھے جانا ہے پال۔ رچرڈ نے اپنے جیٹ سے فون کیا ہے وہ کسی بھی لمحے شکاگو

پہنچنے والا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اسے ایئرپورٹ پر ریسیو کروں۔‘‘

پال نے اثبات میں سر ہلایا۔ ’’واپس آؤ گی؟‘‘

این نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔ ’’کوشش کروں گی۔‘‘ پھر وہ مرے کے پیچھے چل دی۔

پال بوہر اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے نیچے دیکھا۔ نیف سے اس کی نظر ملی۔ دونوں نے سر کو جنبش دی اور پھر نظریں ہٹا دیں۔

٭٭٭

این لیموزین کی عقبی نشست پر بیٹھی بے چینی سے رچرڈ کے طیارے کی لینڈنگ کی منتظر تھی۔ کار کے باہر مرے بھی منتظر کھڑا تھا۔

ٹیکسی کرتا ہوا جہاز لیموزین کے قریب آ کر رکا۔ جیسے ہی انجن بند ہوئے، طیارے کے پہلو سے سیڑھیاں لگا دی گئیں۔ دروازہ کھلا اور رچرڈ لپکتے ہوئے قدموں سے سیڑھیاں اترنے لگا۔

نیچے اتر کر اس نے این کو ہیلو کہنے تک کی زحمت نہیں کی اور مرے کی طرف بڑھ گیا۔ ’’ڈیمین کہاں ہے؟‘‘ اس نے کشیدہ لہجے میں پوچھا۔

’’اکیڈمی میں جناب۔‘‘ مرے نے جواب دیا۔ رچرڈ کے انداز نے اسے الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔

’’ہم ٹیکسی لے کر میوزیم جا رہے ہیں۔ تمہیں اکیڈمی جانا ہے اور فوراً ڈیمین کو لے کر میوزیم پہنچنا ہے۔‘‘ یہ کہہ کر رچرڈ نے کار کا عقبی دروازہ کھولا اور این کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ’’چلو این، تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔‘‘

دونوں لپکتے ہوئے ٹرمینل میں داخل ہوئے۔ رچرڈ کی رفتار ایسی تھی۔ کہ اس کا ساتھ دینے کے لیے این کو دوڑنا پڑ رہا تھا۔ وہ یہ پوچھنے کو الگ بے تاب ہو رہی تھی۔ کہ مسئلہ کیا ہے۔

مرے ان دونوں کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اچانک اس کی آنکھوں سے نفرت چھلکنے لگی۔

٭٭٭

تقریب میں آخری مرحلہ ڈانس کا تھا...... اور اب وہی چل رہا تھا۔ لڑکے لڑکیاں ڈانس فلور پر تھرکتے پھر رہے تھے۔ کیڈٹ اپنی یونیفارم میں تھے۔ لڑکیاں ٹخنوں تک گاؤن پہنے ہوئے تھیں۔ وہ کافی پرانی کسی فلم کا منظر لگ رہا تھا۔

اشیائے خورد و نوش کی میز کے پاس دیوار سے ٹک کر وہ لوگ کھڑے تھے، جو رقص نہیں کر رہے تھے۔ کچھ شرمیلے پن کی وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے کہ انہیں رقص میں دلچسپی نہیں تھی۔

کمرے کے ایک اور حصے میں ڈیمین سارجنٹ نیف کے ساتھ کھڑا تھا۔ وہ دونوں رقص کرنے والوں کو دیکھ رہے تھے۔ دوسری طرف اپنے دونوں باڈی گارڈز کے ساتھ گورنر کی بیٹی کھڑی تھی۔ اور ڈیمین کو دلچسپی بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

نیف نے لڑکی کی ڈیمین میں دلچسپی بھانپ لی۔ ’’اس کے ساتھ رقص کرنے کے لیے تمہیں حوصلے کی ضرورت ہوگی۔‘‘ اس نے کہا۔

’’یہ گورنر کی بیٹی ہے نا؟‘‘ ڈیمین اس کی بات بخوبی سمجھ رہا تھا۔

نیف نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ڈیمین مسکرایا۔ ''تم بھول رہے ہو کہ میں اس فیملی کا واقف کار ہوں۔'' اس نے کہا اور لڑکی کی طرف بڑھ گیا۔

نیف کی آنکھوں میں طمانیت کی چمک لہرانے لگی۔ اثر و رسوخ کی اہمیت شیطانوں کے ہی لیے ہوتی ہے۔

۞............۞............۞

میوزیم میں رچرڈ تیز قدموں سے بیس مینٹ کی طرف جانے والے زینے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ این اب بھی تقریباً دوڑ رہی تھی۔

''تم مجھے یقین نہیں دلا سکتے کہ یہ سچ ہے۔'' وہ پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان کہہ رہی تھی۔

''تمہیں یقین کرنا ہوگا۔'' رچرڈ نے کہا۔ ''اس نے مارک کو قتل کیا۔ ایتھرٹن کو مارا اور پساریان کو بھی......''

''بس کرو۔'' این چلائی۔ اس نے رچرڈ کا ہاتھ تھام کر اسے روکنے کی کوشش کی۔

رچرڈ اس کی طرف مڑا۔ ''وہ قتل کرتا چلا جائے گا۔ جو بھی اسے اپنی راہ میں رکاوٹ لگے گا، وہ اسے قتل کر دے گا۔'' اس نے این سے ہاتھ چھڑایا۔ پھر وہ بیس منٹ کی طرف بڑھنے لگا۔

این بری طرح غصے میں آ گئی۔ ''کیسے؟ مجھے بتاؤ، اس نے انہیں کیسے قتل کیا؟ کیا اس نے برف چٹخائی تھی......؟''

''نہیں...... خود اس نے نہیں......''

''اور کیا گیس کا پائپ اس نے توڑا تھا؟''

رچرڈ چلتے چلتے رک گیا اور اس نے این کو دیکھا۔ ''وہ اکیلا نہیں ہے۔ اس کے مددگار اس کے چاروں طرف موجود ہیں۔ وہ اس کی مدد بھی کرتے ہیں اور اس کی حفاظت بھی کرتے ہیں۔''

این تھوک نگل کر رہ گئی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ باتیں اس کا شوہر کر رہا ہے۔ ''رچرڈ۔'' اس نے اپنے لہجے کو پرسکون رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''تم خود اپنی باتوں پر غور کرو۔ تمہیں اپنے پاگل پن کا احساس ہو جائے گا۔ اس کے مددگار...... یعنی شیاطین...... یہ شیطانی سازش ہے۔ یہی کہہ رہے ہو نا تم۔ ذرا سوچو تو رچرڈ...... پلیز۔''

رچرڈ نے این کا ہاتھ تھام لیا۔ ''این پلیز۔'' اس کے لہجے میں التجا تھی۔ ''میں نے اپنی ان آنکھوں سے چارلس وارن کو قتل ہوتے دیکھا ہے۔''

این کو اپنی سانسیں رکتی ہوئی محسوس ہوئیں یہ اس کے لیے انکشاف تھا کہ چارلس مر چکا ہے۔

''اور میں نے اپنی آنکھوں سے یگائیل کی دیوار دیکھی ہے...... اور اس پر ڈیمین کا چہرہ دیکھا ہے۔''

وہ خاموشی کا ایک بے حد طویل لمحہ تھا۔ وہ ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔ جنگ ان کی قوت ارادی کے درمیان تھی۔ رچرڈ چاہتا تھا کہ این اس کی بات پر یقین کر لے۔ اور این چاہتی تھی کہ رچرڈ اعتراف کر لے کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ ایک بے رحمانہ مذاق کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

لیکن وہ مذاق نہیں تھا۔ اور این، جو ہونے والا تھا، اس کے بارے میں سوچ کر لرز رہی تھی۔ ''اب تم کیا کرو گے؟'' اس نے سرگوشی میں پوچھا۔ اس کی آواز خوف سے لرز رہی تھی۔

❁.........❁.........❁

ڈیمین گورنر کی بیٹی کے ساتھ بہت خوب صورتی سے رقص کر رہا تھا۔ لڑکی بہت خوش تھی۔ وہ خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کر رہی تھی۔ دوسرے لڑکے انہیں رشک وحیرت سے دیکھ رہے تھے۔ اور دوسری لڑکیاں رقابت محسوس کر رہی تھیں۔ درحقیقت ان کی جوڑی بے حد شاندار تھی۔

رقص کرتے ہوئے اچانک ڈیمین کی نظر نیف اور مرے پڑی، جو بڑی رازداری سے باتیں کر رہے تھے۔ پھر مرے نے ڈیمین کو دیکھا اور آنکھ سے اشارہ کیا۔

''ایکسکیوزمی۔ میں ابھی آیا'' ڈیمین نے نرم لہجے میں گورنر کی بیٹی سے کہا۔ اسے باڈی گارڈ کے پاس چھوڑ کر وہ نیف اور مرے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ ان کے قریب پہنچا ہی تھا کہ نیف اس کی طرف بڑھ آیا۔ ''بہت محتاط رہنا'' اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

ڈیمین نے سرد نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا ''تم شاید بھول گئے ہو کہ میں کون ہوں۔''

نیف نے بڑے احترام سے یوں اس کے سامنے سر جھکایا، جیسے معذرت طلب کر رہا ہو۔

ڈیمین پلٹا اور دروازے کی طرف چل دیا۔ مرے اس کے پیچھے تھا۔ باہر نکل کر وہ لیموزین کی طرف بڑھنے لگے۔

❁.........❁.........❁

بالآخر رچرڈ کو چارلس کے دفتر کی چابی مل گئی، جسے وہ تلاش کر رہا تھا۔ وہ دروازہ کھول کر کمرے میں گھسا۔ اس نے روشنی کی اور پاگلوں کی طرح کچھ تلاش کرنے لگا۔ وہ درازیں کھولتا، بند کرتا، پھر کیبنٹ کھولتا۔ میز کے نیچے رکھی چیزوں کو ٹٹولتا۔ اس کے انداز میں عجلت آمیز دیوانگی تھی۔

''تم کیا کر رہے ہو؟'' دروازے میں کھڑی این نے پوچھا۔

رچرڈ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''خنجر یہیں کہیں ہوں گے۔ انہیں یہیں ہونا چاہیے۔''

این جھپٹ کر کمرے میں آئی۔ ''رچرڈ...... خدا کے لیے!'' وہ چلائی۔ ''ایسا مت کرو۔ میں تمہیں ایسا نہیں کرنے دوں گی۔''

''ہٹ جاؤ'' رچرڈ نے اسے دھکیلتے ہوئے کہا۔ ''میں جانتا ہوں، خنجر یہیں ہوں گے۔''

این کا خوف سے برا حال تھا۔ ''تم اسے قتل کرو گے؟''

رچرڈ کی تلاشی جاری رہی۔ ''یہ ضروری ہے...... ناگزیر!''

''نہیں رچرڈ نہیں۔''

''وہ انسان نہیں ہے۔'' بالآخر ایک دراز میں سے اسے خنجر مل گئے۔

''وہ تمہارے سگے بھائی کا بیٹا ہے...... تمہارا بھتیجا۔ تم نے اسے بیٹے کی طرح پالا ہے۔ تم اس سے محبت کرتے ہو۔''

لیکن رچرڈ کچھ نہیں سن رہا تھا۔

۞......۞......۞

میوزیم کے سامنے لیموزین آ کر رکی۔ ڈیمین کار سے اترا۔ اس نے جھک کر مرے سے کچھ کہا۔ پھر پلٹا اور بیک وقت دو دو قدم پھلانگتا میوزیم کی سیڑھیاں چڑھنے لگا

۞......۞......۞

''رک جاؤ رچرڈ...... پلیز...... میری خاطر رچرڈ۔''

لیکن سحر زدہ رچرڈ ان ساتوں خنجروں کو دیکھے جا رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں طمانیت تھی۔

۞......۞......۞

اب ڈیمین لابی سے بیس منٹ کی طرف جانے والے زینے پر تھا۔ دور سے اسے دبی دبی آوازیں سنائی دے رہی تھیں...... این کی آواز میں التجا تھی اور رچرڈ کے لہجے میں ہٹ دھرمی بہر حال ڈیمین کا چہرہ بے تاثر تھا۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں اترتا رہا۔

۞......۞......۞

این جھپٹ کر رچرڈ اور خنجروں کے درمیان آ گئی۔ ''میں تمہیں یہ سب نہیں کرنے دوں گی۔'' وہ چلائی۔

رچرڈ نے اسے گھورا۔ ''ہٹ جاؤ این۔ خنجر مجھے دے دو۔''

این نے نفی میں سر ہلایا۔ آنسو اب بہتے ہوئے اس کے رخساروں سے پھسل رہے تھے۔

''این۔ خنجر...... مجھے...... دے...... دو۔'' رچرڈ نے نرم لہجے میں ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

چند لمحوں تک دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے۔ بالآخر این کی نظریں جھک گئیں۔ وہ خنجروں کی طرف پلٹی۔ اس کا انداز ایسا تھا، جیسے اس کے دل سے گہری اداسی دھند کی طرح لپٹ گئی ہو۔ پھر اس نے خنجروں کی طرف ہاتھ بڑھایا

۞......۞......۞

ڈیمین اب چارلس وارن کے آفس کے دروازے پر کھڑا تھا۔ اس کے کان اندر ہونے والی گفتگو پر تھے۔ اس کا ارتکاز ایسا تھا کہ کوئی دیکھتا تو سمجھتا کہ وہ کسی ٹرانس میں ہے۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا جسم اب لرز رہا تھا۔

۞......۞......۞

این پھر ہچکچائی۔ ایسا لگتا تھا کہ کوئی ان جانی طاقت اس سے کچھ کروانا چاہتی ہے۔ اور وہ اس کے خلاف مزاحمت کر رہی تھی۔ لیکن اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس کے اندر ابھرتی ہوئی وہ تحکمانہ آواز بہت طاقتور ہے۔ اور اس کی قوت ارادی بہت کمزور ہے۔

بلآخر اس نے وہ ساتوں خنجر اٹھا لیے اور رچرڈ کی طرف پلٹی۔

رچرڈ نے خنجر لینے کے لیے ہاتھ بڑھائے۔

اچانک این آگے کی سمت متحرک ہوئی۔ جیسے کسی شیطانی قوت نے اس کے وجود پر قبضہ جما لیا ہو۔ اس کا چہرہ جیسے چیخ گیا...... بدل گیا ......اس پر دیوانگی اور شیطنت چھا گئی۔ اس نے رچرڈ کے کان کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی میں کہا ''یہ لو رچرڈ...... یہ رہے تمہارے خنجر'' اور یہ کہہ کر اس نے ساتوں کے ساتوں خنجر رچرڈ کے جسم میں اتار دیے۔

دہشت اور صدمے سے رچرڈ کی آنکھیں پھٹ گئیں ''این......'' وہ چیخا۔ اس کا جسم آگے کی طرف ڈھلکا اور فرش سے ٹکرایا۔ خنجر اس کے جسم میں دستوں تک اتر گئے۔

این نے کسی فاتح کے سے انداز میں اپنا سر پیچھے کی طرف جھٹکا۔ اس کی آنکھیں بند ہوئیں۔ ہونٹوں پر خوشیوں سے چھلکتی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے پوری قوت سے چیخ کر پکارا۔ ڈیمین۔''

❂......❂......❂

ڈیمین کے جسم کی تھرتھری موقوف ہوگئی۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ پھر اس نے دروازے کے لٹو کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ مگر یوں ہچکچاتے ہوئے واپس کھینچ لیا، جیسے کسی اچانک خیال نے اسے ارادہ تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا ہو۔ چند لمحے گہرے ارتکاز کے عالم میں وہ وہیں کھڑا رہا۔ پھر وہ پلٹا اور تیز مگر دبے قدموں سے زینے کی طرف چل دیا۔

چارلس وارن کی ورک شاپ سے ملحق بوائلر روم تھا۔ بوائلر روم کی سب سے بڑی بھٹی سے اچانک غضب ناک آواز میں آگ غرانے لگی......

❂......❂......❂

چارلس وارن کے آفس میں این ساکت و صامت کھڑی تھی...... چہرے خوشی کا وہی تاثر لیے۔

❂......❂......❂

ڈیمین اب بہت تیز قدموں سے اوپر جا رہا تھا......

❂......❂......❂

اسی لمحے اچانک سب سے بڑی بھٹی دھماکے سے پھٹ گئی۔ جلتا ہوا تیل اچھلا۔ ورک شاپ فوراً ہی آگ کی لپیٹ میں آ گئی۔ آفس میں فاتحانہ انداز میں کھڑی این کا وجود ایک ثانیے میں شعلوں میں گھر گیا۔ اس کی چیخیں بے حد دردناک تھیں۔

❂......❂......❂

ڈیمین لابی میں تیز قدموں سے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کا مشن مکمل ہو چکا تھا۔ نیچے لگنے والی آگ کی وجہ سے ادھر

ادھر فائر الارم بج رہے تھے۔ پھر ایک دھماکہ سنائی دیا۔

اپنے جلتے ہوئے وجود کے باوجود فتح کے احساس سے سرشار این تھورن نے چھت کی طرف سر اٹھاتے ہوئے پکارا۔ ''ڈیمین...... ڈیمین...... ڈیمین!''

۞......۞......۞

میوزیم کے دروازے پر ڈیمین نے ایک لمحے توقف کیا اور پلٹ کر دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں افسردگی کا سایہ سا لہرایا۔ پھر اس نے دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔ باہر شکاگو شہر کی روشنیاں تھیں۔ دور...... بہت دور سے فائر انجنوں کے سائرن کی بتدریج قریب آتی ہوئی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ مشہور و معروف تھورن میوزیم کو مکمل تباہی سے بچانے کی کوشش کرنے والے آ رہے تھے۔

باہر سیاہ لیموزین اس کی منتظر تھی۔ مستعد ڈرائیور مرے کار کے پاس تنا کھڑا تھا۔ ڈیمین کو دیکھ کر اس نے عقبی نشست کا داہنی دروازہ کھول دیا۔ ڈیمین گاڑی میں بیٹھ گیا۔

گاڑی کی عقبی نشست پر پال بوہر اور سارجنٹ نیف پہلے ہی سے موجود تھے۔ ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور انداز میں طمانیت تھی۔

ڈیمین نے شوفر مرے کو کار اسٹارٹ کرنے کا اشارہ کیا۔ کار آگے بڑھ گئی۔ عقبی نشست کے شیشے سے ڈیمین نے میوزیم کی طرف دیکھا۔ میوزیم کی عمارت اب پوری طرح آگ میں گھر چکی تھی۔

ڈیمین مسکرا دیا!

۞......۞......۞

(دجال اور دجالیت کیلئے راہیں ہموار کرنے والوں کی سازشیں ابھی جاری ہیں۔ اس دلچسپ داستان کا بقیہ حصہ آئندہ ہفتے ملاحظہ فرمائیں)